UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224348

UNIVERSAL
LIBRARY

اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر
محمد شفیع
(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

A915 d30 D
اورینٹل کالج میگزین

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۲ | بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۱۴۸

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	انیسویں صدی کا ایک مصنّف اور مفکّر	سیّد محمد عبداللہ ایم اے - ڈی لٹ	۳
۲	فرخی سیستانی	سید اولاد حسین شاداں بلگرامی	۲۶
۳	علم کلام اور نظریہ "استطاعۃ"	مولوی نور الحق	۳۸
۴	مثنوی مفتاح الفتوح ..... (از حضرت امیر خسرو)	یٰسین خاں نیازی ایم اے	۷۳
۵	امام موفّق نیشاپوری	پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی - ایچ - ڈی	۸۱
۶	شہر قصور کے متعلق اقتباسات	ایڈیٹر	۹۲
۷	پرتھی راج راسا ..... (از چند بردائی)	حافظ محمود شیرانی	۹۹

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور ابن ابن سے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ اُن طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے اس کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگار کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اوّل عربی، فارسی، اردو پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

اوقات اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۴ اورینٹل کالج کے طلبہ چندہ داخلہ کالج کیوقت وصول ہوگا۔

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ کے شائع ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کیمتعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کیمتعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محلِ فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلمِ نحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کا ایک مُصنّف اور مُفکّر

سر سیّد احمدؒ خان

سر سیّد احمدؒ خان[1] جس صدی میں پیدا ہوئے۔ وہ اہل ہندوستان کے لئے ایک ابتلا، ایک روحانی آزمائش اور ایک ذہنی کش مکش کا زمانہ تھا جس میں ماضی کی روایات باوجود فرسودگی، تنگی اور قدامت کے، اس عہد کی مردہ سوسائٹی کے لئے دستور العمل کا درجہ رکھتی تھیں۔ اور مذہبی توہمات الہامات ربانی کے مساوی سمجھے جاتے تھے۔ دماغی خلاقیوں اور ذہنی صناعیوں کو عقاید اصولیہ کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اور فروعی اختلافات اصولی تنازعات کے ہم پایہ اور جزئیات اُمورِ کلیّہ سے زیادہ قابل توجہ خیال کئے جاتے تھے۔

اخلاقیات کا باب اس سے بھی زیادہ دلشکن اور حوصلہ فرسا نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس زمانے میں انفرادی اور اجتماعی اخلاق کا کوئی ضابطہ موجود نہ تھا۔ قوم اور قومی وقار اس وقت کی سوسائٹی کے لئے الفاظ بے مفہوم تھے۔ اور قومیت ایک تصورِ بیگانہ، قومی نفسیات کی باگ ڈور شاید فطرت انسانی کے جذبات، کثیف کے تابع اثر تھی۔

---

[1] اس مضمون میں سر سید احمد خان کی تصانیف اور افکار پر تبصرہ کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ صرف کتابوں کی ظاہری خصوصیات پر بحث کرنے سے اُس اہم انقلاب اور اثر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جو سر سید نے پیدا کیا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خیالات و افکار کا بھی تجزیہ کیا جائے جو اُن کی تمام تصانیف کا سرمایہ ہیں موجودہ تبصرے میں اسی اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

تقلید اور تقلید جامد جس طرح مذہب کے ہر شعبہ پر حاوی تھی۔ ادب بھی اس سے مامون و مصئون نہ تھا۔ فارسی لٹریچر کے طومار، انشا و ادب و شعر کے دفترہائے بے معنی، تاریخ و فلسفہ و فقہ و اصول کے پشتارے، تمام و کمال تقلید و تتبع کے اثرات سے لبریز نظر آئیں گے۔ قوم جدت اور اختراع کی تمام خوبیوں کو کھو چکی تھی۔ بلکہ اس کے نزدیک یہ خوبیاں امراض کا درجہ رکھتی تھیں۔

پس جب فارسی ان اثرات سے خالی تھی۔ تو زبان اُردو ان صفات سے کیسے متصف ہوتی۔ ایک نوعمری پھر تربیت کا یہ حال، پس وہ سوائے الفاظ اور ظاہری شکل و صورت کے صحیح فکری اور ادبی چاشنی اپنے اندر پیدا نہ کر سکی۔ سچ یہ ہے کہ صحیح لٹریچر کا اُردو میں فقدان تھا[1]۔

تنقید مذہبی کی ابتدا اس ذہنی، روحانی اور نفسیاتی جمود کے عالم میں ہندوستانی فطرت کی گہرائیوں میں ایک خاموش اضطراب بھی نظر آتا ہے۔ شاید قانونِ قدرت اپنے عمل اور ردِ عمل سے اس مردہ مٹی میں پھر جانِ تازہ ڈالنے کی فکر میں تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب انگریزوں کی حکومت کے قدم بقدم مغربی خیالات بھی ملک میں شائع ہو رہے تھے۔ فکر اور خیال کی آزادیاں عام ہو رہی تھیں۔ اور تنقید اور تحقیق کو پیدائشی حقوق میں شمار کیا جانے لگا تھا۔

اصلاحی تحریکوں کا آغاز اس سیاسی اور ذہنی ہیجان کے زیر اثر ہندوستان میں بعض ایسی تحریکات پیدا ہوئیں۔ جو زمانہ تداخل (Transitional period) کا لازمہ ہوتی ہیں۔ ایک طرف بین المذاہب تبادلہ خیالات کا دروازہ کھلا جس میں اسلام ہندویت اور عیسائیت کی باہمی کش مکش کی ابتدا ہوئی اور دوسری طرف

[1] سید سے پہلے کے نثری لٹریچر کے لئے دیکھو سیر المصنفین مصنفہ تنہا حصہ اوّل۔ شیرانی صاحب کی "پنجاب میں اردو" آبِ حیات آزاد، ارباب نثر اُردو از سید محمد، دکن میں اُردو از نصیر الدین ہاشمی۔

خالص مسلمانوں میں بعض ایسی اصلاحی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ جن کا اُس وقت اور مستقبل کی ادبی سیاسی اور ذہنی تاریخ پر گہرا اثر پڑا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں سیّد احمد نام کے دو ایسے شخص پیدا ہوئے جن کی عظیم شخصیت نے خاموش فضا کی افسردگیوں میں ایک ہنگامہ خیز تموج پیدا کیا اور ملک کے دل و دماغ پر زبردست اثر ڈالا، اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُن میں سے ایک یعنی مولوی سیّد احمدؒ بریلوی نے جہاد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اسلام کی ابتدائی سادگی کی طرف دعوت دی۔ اور دوسرے یعنی سیّد احمدؒ خان دہلوی نے اس پرآشوب زمانے کی پرفتنہ قوتوں کی کش مکش میں مسلمانوں کے سیاسی معاشرتی اور مذہبی عقدوں کو، حاضر کی روشنی میں حل کرنے میں مدد دی۔ ذیل کی سطور میں اسی موخرالذکر بزرگ کی ان عملی کوششوں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جن کا تعلق خاص طور پر افکار و ادبیات سے ہے۔ اور جن کے ذریعے زبان اُردو کو بہت تقویت ملی۔ اور مسلمانوں کے فکر اور تصوّر میں انقلاب آیا۔

سیّد احمدؒ خان کے واقعات زندگی سیّد احمدؒ خان دہلی کے ایک معزز گھرانے میں بتاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد جو بہت عرصہ تک والدہ کے زیر سایہ ہوئی۔ ۱۸۴۱ء میں مین پوری میں منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۲ء میں تبدیل ہو کر فتحپور سیکری اور ۱۸۴۶ء میں دہلی آگئے۔ ۱۸۵۵ء میں آپ کا تقرر بطور صدر امین بجنور ہُوا اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے فرو ہونے کے بعد ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور مراد آباد مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۲ء میں غازی پور تبدیل ہوگئی۔ ۱۸۶۴ء میں علیگڈھ آئے اور ۱۸۶۷ء میں بنارس میں جج سمال کاز کورٹ کا عہدہ ملا۔ جہاں وہ ملازمت کے اختتام تک رہے۔ قیام بنارس کے زمانے میں ہی آپ نے انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ آپ اپریل ۱۸۶۹ء میں بنارس سے ولایت گئے اور ۲۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں بمبئی واپس آگئے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بقیہ عمر علیگڈھ کالج کی

خدمت میں گذار دی۔ جہاں آپ نے اپنی کامیابیوں کے عین شباب میں بتاریخ ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء وفات پائی۔

سید کی مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی کا بظاہر اس مختصر خاکہ سے اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان کی عظمت اور بزرگی کے متعلق کوئی صحیح خیال قائم کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی عمر کی تمام منزلوں میں حیرت انگیز قوتِ عمل کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں زبردست اضطراب بے مثل بے تابی، اور ایک غیر فانی اُمنگ موجود تھی جو انہیں بے قرار رکھتی تھی۔ انہیں کام کے ہنگاموں میں ایک لذت ملتی تھی۔ ان کے نزدیک زندگی اسی تحریک، اسی تخیز کا نام تھا ان کو جہاں اور جس وقت دیکھیں گے۔ ایک انقلاب پرور مصروفیت کے عالم میں پائیں گے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے جب انہیں نسبتاً سیاسیات سے کم تعلق رہا۔ انہوں نے اپنی اندرونی شورشوں کو تحقیق علمی کی کاوشوں کے ذریعے خاموش کرنے کی کوشش کی۔ ایام غدر میں اُن کی زندگی میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے۔ جب دہلی خاک و خاکستر ہو گئی اور اہل دہلی اور اُن کے ساتھ مسلمان قوم پر کش مکش حیات کا دروازہ کھل گیا۔ تو اس میدان میں بھی ہیں صرف نہیں کی ذات نظر آتی تھی۔ جو مخالف قوتوں کے اندر پوری جرأت اور دلیری کے ساتھ، حالات کا مقابلہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔

سرسید کے احسانات ادب اُردو پر

علاوہ ان کاموں کے جن کے ساتھ زیر بحث مقالہ کے ضمن میں ہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ اور جن کی تفصیل سید کی لائف کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ انہوں نے بعض ایسی تحریکوں کی ابتدا کی۔ جن کی بدولت ہندوستان کے افکار عمومی اور ادبیاتِ اُردو پر گہرا اثر پڑا۔ ان کے دماغ کو دریا سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس سے نکلی ہوئی نہروں سے مختلف کھیتیاں سیراب ہوئیں۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سیاسیات اور ادبیات

ہیں بعض ایسے بیج بوئے جن کے نہال سے ہزاروں برگ و بار نکلیں گے۔ اور فکرِ اسلامی کے چمنستان کو پُر رونق بنائے رکھیں گے۔

زبانِ اردو کو اپنی نشو و نما کے دوران میں جتنے محسن ملے ہیں۔ ان میں غالباً سرسید کو امتیاز خصوصی حاصل ہے۔ یہ عجیب و غریب زبان اسلامی قافلوں کے ساتھ ساتھ پنجاب سے ہوتے ہوئے دہلی اور دہلی سے گجرات و دکن میں پہنچی۔ جہاں بندگی و رعایا دونوں نے اسکی سرپرستی کی شروع شروع میں وہ صرف جذباتِ انسانی کے اظہار منظوم پر قادر ہوئی۔ اور شعر و شاعری یا ابتدائی نثر تک محدود رہی۔ جب انگریز اس ملک کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ تعلقات کی استواری کے لئے اسی بولی کو منتخب کیا۔ اور فورٹ ولیم کالج میں اُردو نثر کو زندہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا گیا اس وقت سے اُردو میں نثر کی مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔ بلکہ اس کو مغربی افکار اور علوم سے روشناس کرنے کے لئے ترجموں کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ یہ سب کوششیں ایسی تھیں۔ جن کا تعلق زبان کی ظاہری شکل و صورت کی آراستگی اور درستی سے تھا۔ لیکن جب تک زبان میں انسانی محسوسات و افکار کے بے تکلف اظہار کی قوت نہ ہو اور ٹھوس مذہبی سیاسی اور عملی خیالات کو پیش کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو زندہ ترقی پذیر اور وسیع زبان کا درجہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ سرسید احمد خاں نے زبان اُردو کی اس کمی کو بھی پورا کر دیا۔ اور نثر میں ان مضامین پر قلم اٹھایا۔ جن کا اب تک اُردو میں رواج نہ تھا۔ انہوں نے ملک میں جو ادبی تحریک پیدا کی۔ اس کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں۔ سرسید کی مثال ترغیب اور اثر سے ادبیات کے ایک اہم "دبستان" کی ابتدا ہوئی۔ سرسید اور ان کی مختصر جماعت نے زبان کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا۔ جہاں وہ نہ صرف ہندوستان کی واحد قومی زبان کے بجا افتخار کی مستحق

ہے۔ بلکہ اس کا شمار دنیا کی زندہ اور ترقی پذیر زبانوں میں ہونے لگا۔ شبلیؔ حالیؔ اور ذکاءاللہ کے پایہ کے مصنفین جس زبان کے سرپرستوں میں ہوں۔ اس کے اعلیٰ اور بلند پایہ ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ لیکن جس عظیم شخصیت نے اپنے مقناطیسی اثر سے ایسے مصنفین میں جذبۂ عمل پیدا کیا۔ اس کی عظمت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

سرسیّد کے تصنیفی رجحانات سرسیّد نے خود جن مضامین پر قلم اٹھایا۔ ان میں مذہب، سیاست اور تاریخ کا حصّہ غالب ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں فارسی اُردو اخبار نویسی کا رواج بہت پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن تہذیب الاخلاق کی اشاعت نے صحافت کو بہت حد تک نئی بنیادوں پر قائم کیا۔ اور اخبار و صحایف سے وہ فائدہ اٹھایا۔ جو رائے جمہور کی تشکیل اور قومی شعور کی تربیت کے سلسلے میں یورپ میں اٹھایا جاتا ہے۔ سیاسیات اخلاقیات، مناظرات، تعلیمات غرض مذہبی افکار کے ہر شعبہ پر بے تکلّف لکھا۔ اور دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کی۔ تراجم کا خیال بھی اگرچہ اس زمانے سے ہی جب انگریز مغربی علوم کو ہندوستانی زبان کے ذریعہ پھیلانا چاہتے تھے۔ تاہم سائنٹفک سوسائٹی نے جو اہم کام اس سلسلے میں انجام دیا۔ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایجوکیشنل کانفرنس نے جہاں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ وہاں خطابت اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں بھی اضافہ کیا۔ چنانچہ بہت سے مضامین اور رسالے اسی کانفرنس کے لئے لکھے گئے۔ اور اسی میں پڑھے گئے۔ قصّہ مختصر یہ کہ سرسیّد احمد خان کی ذات نے ادبیات و افکار میں ایک ایسا انقلاب پیدا کیا۔ اور مذہب و سیاست کے ایسے مضامین چھیڑے۔ جن کی تشریح و توجیہ بہت مدّت تک ہندوستانی ذہن و فکر کو مصروف رکھے گی۔

سیّد کے رجحان کا ارتقا اور ماحول کا اثر اگر سرسیّد احمد خاں کی نفسیات

کا مطالعہ کیا جائے۔ اور پھر ان کی تصانیف و رسایل کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ باوجودیکہ وہ بظاہر غایت درجہ آزاد طبع، تقلید کی بندشوں سے فارغ اور ہر معاملے میں ایک نئی روش پر چلنے والے نظر آتے ہیں۔ جو بادی النظر میں اور جہاں تک قومی اور مذہبی روایات قدیم کا تعلق ہے۔ درست بھی ہے۔ لیکن صرف نظر غائر اس حقیقت کو منکشف کر سکتی ہے کہ وہ بہت حد تک اثر پذیر اور سریع الانفعال قلب رکھتے تھے۔ اگرچہ ان میں اپنی روایات اور اپنے عقاید و خیالات کے احترام کا قوی جذبہ موجود تھا۔ تاہم وہ اپنے دل و دماغ کو بیرونی اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکتے تھے۔ علی الخصوص جب کہ وہ اثرات بظاہر زیادہ قومی سرچشمہ سے نکل رہے ہوں۔ اور انکی تائید عقل اور منطق کے نظر فریب اور دلربا دلائل ہو رہی ہو۔

سرسید جس ماحول میں رہے۔ اس کی مخلوق بن کر رہے۔ چنانچہ ابتدا سے لے کر آخر وقت تک ان کی تصنیفات پر یہ رائے صادق آئے گی۔ سرسید کی تصانیف میں ایک عجیب و غریب ارتقائی تدریج نظر آتی ہے۔ جس میں وہ کسی حالت میں اپنے نئے ماحول سے الگ نہیں ہوتے۔ بچپن اور عنفوان کا زمانہ قدیم ماحول کی یادگار ہے۔ جس میں وہ اپنی خاندانی روایات و رجحانات میں بہت بڑی حد تک ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے انہوں نے علم اور ذوق کے جو میلان ورثہ میں پائے اسی طرز کی پیروی ہیں۔ ان کی پہلی کتاب صحیح اترتی ہیں مولانا حالی نے سید کی زندگی کی جو تین ادوار مقرر کئے ہیں۔ وہ غالباً واقعات اور اثرات اور خصوصیات کے اعتبار سے درست ہیں۔ ان کی زندگی کا پہلا دور شروع سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ہے۔ دوسرا ۱۸۵۷ء یعنی غدر سے سفر انگلستان تک اور تیسرا سفر انگلستان سے آخیر عمر تک۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ سرسید جس قدر عمر کی منزلیں طے کرتے گئے۔ اتنے ہی قدیم اثرات سے دور اور نئے اثرات کے زیادہ قریب ہوتے گئے جنکا

مأخذ مغرب اور مغرب کا تمدن تھا۔

تصانیف کا پہلا دور سب سے پہلے دور کو بھی آسانی کے ساتھ دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصّہ وہ ہے۔ جس میں اُن پر خالص پرانا اثر تھا لیکن دوسرے حصّے میں ملازمت کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ جو اختلاط ہُوا۔ اس کی بدولت قدیم و جدید کا امتزاج پیدا ہو گیا۔

ریاضی اور تصوف سیّد کے خاندانی مشاغل تھے۔ تاریخ نگاری دربار دہلی کے متوسلین کا قدیم شیوہ تھا۔ اگرچہ مناظرہ اور تردید مذاہب کا مسلمان فرقوں میں پہلے سے رواج ہو چکا تھا لیکن اس صدی میں اس کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ کیونکہ اسی زمانے میں حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے پُرجوش رفقا نے ملک میں اصلاح کی دعوت کو عام کیا۔ عیسائی مشنریوں کی بدولت بین المذاہب مناظرات کی تحریک کو بہت ترقی ہوئی۔ ادھر بنگال میں ایشیاٹک سوسائٹی مشرقی تاریخ و ادب کو جدید اصول پر مرتب کر رہی تھی۔ چنانچہ سرسیّد کے زمانے میں یہ کام بھی پوری سرگرمی کے ساتھ ہو رہا تھا

جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھا جا چکا ہے اس ابتدائی دور کے پہلے حصّے میں سرسیّد پر قدیم خاندانی اثرات نظر آتے ہیں۔ پھر حضرت سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کی تعلیمات کی طرف رجحان ہُوا۔ اور دوسرے حصّے میں مغربی اثرات کا آغاز اور مستشرقین کی پیروی ہو رہی ہے۔

ذیل کی فہرست کتب سے جو بقید تاریخ درج کی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا نتائج کی تائید ہوگی۔

جام جم (فارسی) ۱۸۳۹ء اس میں امیر تیمور صاحبقراں سے لے کر ابوظفر بہادر شاہ تک ۴۳ بادشاہوں کا مختصر حال ہے۔

۲۔ انتخاب الاخوین۔ تقریباً اسی زمانے میں لکھا۔ اس میں قواعد منصفی درج کئے۔ سید نے اسی زمانے میں خود منصفی کا امتحان دیا تھا۔ اور اس کی ترتیب میں ان کے بھائی سید محمد خان بھی شامل تھے۔

۳۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب ۱۲۵۵ھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ ہے۔ اور اس خیال سے لکھی گئی تھی۔ کہ چونکہ مجالس مولود میں جتنے رسائل پڑھے جاتے تھے۔ ان میں صحیح روایتیں کم ہوتی تھیں۔ سید نے اس میں اس زمانے کے خیالات کے موافق صحیح روایتوں کا خیال رکھا ہے۔

۴۔ تحفہ حسن ۱۲۶۰ھ۔ تحفہ اثنا عشریہ کے باب ۱۰، ۱۲ کا اردو ترجمہ جس میں شیعوں کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے

۵۔ تسہیل فی جر الثقیل ۱۸۴۴ء۔ بوعلی کے ایک فارسی رسالہ معیار العقول کا اردو ترجمہ جس میں جر ثقیل کے پانچ اصول بیان کئے ہیں۔

۶۔ آثار الصنادید ۱۸۴۷ء۔ سید جب فتحپور سے دہلی تبدیل ہو کر آئے۔ تو انہوں نے یہاں دہلی کی عمارات کا حال لکھا۔ اس کا سٹایل بعد کی کتابوں کے برعکس قدیم مذاق کے مطابق ہے۔

۷۔ فوائد الافکار فی اعمال الفرجار ۔ نانا کی بعض فارسی تحریرات کا ترجمہ ہے۔ جو انہوں نے پرکار متناسبہ کے اعمال پر لکھی تھیں۔ یہ اردو ترجمہ دو انگریز عالموں کے کہنے سے کیا گیا۔

۸۔ قول متین در ابطال حرکت زمین۔ یہ رسالہ زمین کی گردش کی تردید اور آسمان کی گردش کی حمایت میں لکھا۔ (یہ خیال سید صاحب نے بعد میں تبدیل کر لیا تھا۔ اور وہ حرکت زمین کو یقینی مانتے تھے)۔

۹۔ کلمۃ الحق۔ ۱۸۴۹ء۔ یہ رسالہ پیری مریدی کے طریقہ مروجہ کے خلاف لکھا۔

۹۔ راہ سنّت و رد بدعت ۱۸۵۰ء۔ یہ طریقہ محمدیہ کی تائید میں لکھا۔ جس میں مروجہ عقاید و رسوم کی مخالفت کی۔ اس میں وہابی اثرات غالب نظر آتے ہیں۔

۱۰۔ نمیقہ۔ در بیان مسئلہ تصوّر شیخ ۱۸۵۲ء۔ (فارسی) تصوّر کی حمایت میں بعض دلایل ایک فرضی خط میں پیش کئے ہیں۔

۱۱۔ سلسلۃ الملوک ۱۸۵۲ء۔ ۲۰۳ بادشاہوں کی فہرست جو پہلے آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن کے باب اوّل کے ساتھ تھی۔ بعد میں اس نام کے ساتھ شائع کی

۱۲۔ کیمیائے سعادت کے چند اوراق کا ترجمہ ۱۸۵۳ء

۱۳۔ تاریخ ضلع بجنور ۱۸۵۵ء میں سید صدر امین ہو کر دہلی سے بجنور تبدیل ہو گئے وہاں انہوں نے محکمہ کی ہدایت کے مطابق اپنے ماتحت ضلع کی تاریخ قلمبند کی۔ جو غدر میں ضائع ہو گئی۔

۱۴۔ آئین اکبری کی تصحیح و اشاعت کا کام سید نے اسی زمانے میں شروع کیا۔ لیکن اس کے بعد ہنگامہ ہو گیا۔ چنانچہ دوسری جلد اسی کی نذر ہو گئی۔ اب اس کی پہلی اور تیسری جلد موجود ہے۔

تصانیف کا دوسرا دور بجنور میں دو برس ۴ ماہ گذرنے پائے تھے۔ کہ غدر ہو گیا۔ اس کے بعد جب حالات روبہ سکون ہوئے۔ تو سید اپریل ۱۸۵۸ء میں مراد آباد میں متعین ہوئے۔ اس زمانے میں انہوں نے جو تصانیف کیں۔ ان میں نیا رنگ نظر آئے گا۔ اس شورش کی مصیبتیں تمام ہندوستان پر نازل ہوئیں لیکن سید کی قوم سب سے زیادہ معتوب ٹھہری۔ حالات کے اقتضا نے ان کے رجحان کے لئے نئی راہیں پیدا کیں۔ اور ان کے دماغ میں سیاسی اور مذہبی پیچیدگیوں کے حل کرنے کے لئے ایک نئی کش مکش پیدا ہوئی۔ اس زمانے میں ان کا سب سے بڑا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سیاسی اور روحانی بنیادوں پر ایک رابطہ اتحاد پیدا

کیا جائے۔ اور ان کے دلوں میں جو کدورت پیدا ہو چکی ہے۔ اس کو صورت حال کے صحیح انکشاف کے ذریعے دور کیا جائے۔ ذیل کی فہرست سے اس کی تصدیق ہو گی

۱۔ تاریخ سرکشِ بجنور۔ سید جب بجنور میں تھے۔ تو انہوں نے واقعات غدر کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ مراد آباد میں آتے ہی انہوں نے یہ تاریخ شائع کر دی۔ جس میں مئی ۵۷ء سے لے کر اپریل ۵۸ء تک کے واقعات درج کئے

۲۔ اسباب بغاوت ہند ۱۸۵۹ء۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں اُن اسباب سے بحث کی ہے جو غدر کا باعث ہوئے۔ اس کا انگریزی ترجمہ گریہم نے کیا۔

۳۔ رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا۔ ۱۸۶۰ء میں جاری ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں بند ہو گیا۔ یہ اخبار کی طرز کی چیز تھی۔ ان میں اس مسلمانوں کے حالات بیان کئے جاتے تھے۔ جو دوران ابتلا میں انگریزوں کے طرفدار رہے۔ یہ اُردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں شایع ہوتا تھا۔

۴۔ تحقیق لفظ نصاری۔ اسی زمانے میں سید کو معلوم ہوا کہ حکومت لفظ نصاری کے استعمال کو بغاوت کا مرادف سمجھتی ہے۔ اور ان مسلمانوں کو جنہوں نے اپنی تحریروں میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ سزائیں دے رہی ہے۔ تو انہوں نے انگریزوں کی غلط فہمی رفع کرنے کے لئے قرآن و حدیث و لغت کی روشنی میں اس لفظ کی تشریح کی اور بتایا کہ اس کا استعمال کسی طرح نفرت یا مخالفت کا حامل نہیں۔

۵۔ تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیا برنی۔ یہ کتاب جو ہندوستان کی مستند تواریخ میں سے ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فرمایش پر ایڈٹ کی اور اسی سوسائٹی کی طرف سے ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی۔ اس پر سید نے ایک دیباچہ بھی لکھا۔

۶۔ تبیین الکلام۔ یہ مراد آباد میں شروع ہوئی۔ اور غازی پور میں تکمیل تک پہنچی۔ اس میں انجیل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت دکھائی گئی ہے۔ اور جہاں جہاں اختلافات

نظر آتے ہیں۔ ان میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

۷۔ سائنٹفک سوسائٹی سید نے غازی پور کے قیام کے دوران میں قایم کی تھی جسنے تراجم کا کام بہت سرگرمی کے ساتھ کیا۔ ۱۸۶۶ء میں سید نے ایک اخبار علیگڈھ سے نکالا جس کا نام سائنٹفک سوسائٹی اخبار رکھا۔ اس کی ادارت سید خود کیا کرتے تھے بعد میں اس کا نام علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ہوگیا۔ اس میں شروع شروع میں سیاسی مضامین لکھے جاتے تھے۔ جن کا مقصد انگریزوں اور ہندوستانیوں کو متحد کرنا تھا۔

۸۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب ۱۸۶۸ء۔ اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ مسلمان انگریزوں کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

تصانیف کا تیسرا دور سید کے افکار میں غدر کے بعد جو عظیم الشان تبدیلی آئی۔ تیسرے دور میں اس کی تکمیل اور پختگی درجہ کمال کو پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ ان کے پہلے دور اور آخری دور میں ایک ایسا تفاوت نظر آتا ہے۔ جس کو ایک دوسرے کا نقیض کہنا چاہیئے۔ اس زمانے میں ان کے ہر خیال میں ایک سختی اور ہٹ نظر آتی ہے۔ وہ اظہار خیال میں زیادہ آزاد اور بے خوف معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہر بک کی مخالفت کو بے پروائی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ تصوف شیخ کے دقیق اور نازک خیالات میں ڈوبے رہتے تھے۔ اب انہیں معراج رسول بھی جسم عنصری کی موجودگی میں ناممکن نظر آنے لگا یا تو وہابیت و حنفیت کی الجھنوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ یا اب ان کے نزدیک اسلام اس درجہ بے رنگ چیز ہوگئی کہ اس کی ہر چیز عقل کی کسوٹی پر رکھ کر تسلیم کی جاسکتی ہے۔ سیاسی اور تعلیمی مسائل میں بھی ان کی نگاہ اب وہ نہیں۔ جو پہلے تھی۔ ان کے دماغ پر مغرب کا اثر اتنا گہرا اتنا مستقل ہو چلا ہے کہ وہ ورنیکلر تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور مشرقی علوم کو لارڈ میکالے کی طرح ذہن و فکر کے جمود اور پستی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کی ہر بات ان کا ہر خیال ان کی ہر تجویز "وکٹورین سپرٹ" میں ڈوبی ہوئی دکھائی

دیتی ہے۔ مذہب، سیاست معاشرت کے ہر مسئلے میں ان پر کسی وکٹورین صاحب قلم اور صاحب فکر کا دھوکا ہوتا ہے۔ اُن کے سفر انگلستان نے اس رنگ کو بالیقین تیز کر دیا ہوگا۔ جو محض اہل انگلستان کی صحبت سے ہندوستان ہی میں اُن پر چڑھ چکا تھا۔ ان کی زندگی میں یہی ایک حصّہ ہے جس کے دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اسی دور کی تصانیف اور افکار اس درجہ قابل توجہ ہیں کہ ان پر بحث و تمحیص کا دروازہ اور ان کے متعلق غور و فکر کا باب، ہندوستان کی علمی سیاسی اور مذہبی تاریخ میں ہمیشہ کھلا رہے گا۔ یہ سوال کہ سرسید احمد خاں نے اپنے آرا و افکار میں تیسری چوتھی صدی ہجری کے مسلمان معقول پسندوں سے اثر قبول کیا یا حضرت ڈارون (Darwin) اور حضرت والس (Wallis) کے دبستانِ حکمت سے اکتساب فیض کیا۔ ہماری تحقیقات کا موضوع ہے۔ جس پر آئندہ سطور میں مختصراً بحث کی جائے گی۔

تیسرے دور کی تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ سفرنامہ لندن۔ اس میں سفر انگلستان کے تاثرات لکھے۔ جو بالاقساط سوسائٹی اخبار میں شائع ہوئے ہے لیکن پبلک کی مخالفت کی وجہ سے یہ سلسلہ بہت جلد بند ہو گیا۔

۲۔ خطبات احمدیہ۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف اف محمدؐ کے اعتراضات کا جواب ہے۔ اس میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو ہر عیب سے مبرّا قرار دیا ہے۔ اور اس کی تکمیل و ترتیب تفتیش و تجسس کا حق ادا کیا ہے۔ یہ ۱۲ خطبات پر مشتمل ہے۔

۳۔ تہذیب الاخلاق۔ یہ اخبار ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو شائع ہونا شروع ہوا۔ اس اخبار نے تین دفعہ نئی زندگی پائی۔

۴۔ ہنٹر کی کتاب پر ریویو۔ ۱۸۷۱ء میں ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب "انڈین مسلمانز"

کے نام سے لکھی جس میں یہ ثابت کیا۔ کہ مسلمانان ہندوستان مذہباً اور سیاستہً انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور انگریزی حکومت کو ان سے کسی حالت میں اطمینان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس خیال سے مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات (جو پہلے ہی خوشگوار نہ تھے) کے زیادہ تلخ ہونے کا ڈر تھا۔ اس لئے سرسید نے اس کتاب پر سخت نکتہ چینی کی اور ہنٹر کی خیال آرائی کی بدلائل تردید کی۔ یہ ریویو پہلے پایونیر میں اور پھر اُردو ترجمہ سوسائٹی اخبار کی ۲۴ نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۳ فروری ۱۸۷۲ء تک کی ۱۴ اشاعتوں میں شائع ہوا۔

۵۔ تفسیر القرآن۔ یہ تفسیر زمانہ حال کے مذاق کے مطابق ۱۸۷۶ء میں لکھنی شروع کی۔ جب تک تہذیب الاخلاق جاری رہا۔ اس میں بعض آیتوں کی تفسیر شائع کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ پرچہ پہلی بار بند ہو گیا۔ تو انہوں نے اس کی طرف باقاعدہ توجہ کی۔ اور آخر تک لکھتے رہے۔ جب انتقال ہوا۔ تو قریباً ½ حصہ باقی تھا۔

سید کی تصانیف کا تجزیہ۔ سرسید احمد خان کی زندگی میں مذہب اور سیاسیات کے علاوہ کوئی چیز نمایاں حیثیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے مسلمانوں کے مذہبی افکار و خیالات میں تبدیلی کرنے کے لئے بہت سی معرکتہ الآرا کتابیں لکھیں۔ تہذیب الاخلاق اور سوسائٹی اخبار میں بھی بے شمار مضامین لکھکر ملک بھر میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ چونکہ ان کی آواز ماحول کے مطابق نہ تھی۔ اس لئے اس کے خلاف مخالفت کا طوفان بھی اتنا ہی پرجوش تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس زمانے میں مذہبی تحریکوں کی اس درجہ کثرت ہو رہی تھی کہ کوئی زندہ دل صاحب فکر ان میں اپنے خیالات و عقاید کی صحت اور سچائی پر غور کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طرف عیسائی مبلغوں کی کوششیں تھیں جنہیں ہندوستان میں عیسائی سلطنت کے زیر سایہ عیسائی کلیسا کے قائم کرنے کے خواب شیریں مدہوش کر رہے تھے۔ انہوں

نے اسلام اور ہندویت دونوں لیکن زیادہ تر اسلام پر اپنی توجہ مبذول کی۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر نظام ہونیکے علاوہ عیسائیت کی طرح ہی سامی الاصل بھی تھا یہ اس قوم کا عزیز مذہب تھا۔ جس کے دل کے گوشے ابھی تک اکبر اور عالمگیر بننے کے سودا سے کبھی کبھی گرم ہو جاتے تھے۔ پس مشن نے اسلام کو ہی اپنی قوتوں کے اظہار کا بہترین مرکز قرار دیا۔

مشن کے ان ہنگاموں نے ہر طرف مذہبی مباحثوں کے دروازے کھول دیے۔ چنانچہ ہندوؤں میں بھی مذہب کے متعلق نئی جستجو اور کاوش کی ابتدا ہوئی۔ بنگال میں راجہ رام موہن رائے نے ہندو مذہب سے کسی قدر بغاوت کرتے ہوئے ایک نئی سوسائٹی اور ایک نئے سلسلے کی بنیادیں رکھیں۔ جس میں سب مذاہب کی اصولی وحدت کا خیال بطور عقیدہ مرکزیہ کے سامنے رکھا۔

پنجاب میں سوامی دیانند نے ہندو جماعت اور ہندو نظام کو نئے اصولوں پر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ ان کا یہ نیا ضابطۂ قوانین حقیقت میں ایک دو دھاری تلوار سے مشابہ تھا۔ جس کے ذریعے ایک طرف ہندوؤں کو یہ بتایا گیا کہ دنیا کی بہترین تعلیم ہندو مذہب ہی دیتا ہے۔ اور دوسری طرف غیر ہندو مذاہب پر تنقید کے ذریعے ہندوؤں کے دل میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں ہندو مت کی برتری کا احساس پیدا کیا۔ آریہ سماج نے بھی زیادہ تر اس تنقید کا نشانہ اسلام کو بنایا۔

اگرچہ یہ سب قوتیں ملک میں مذاہب کے تقابل اور تنقید کا کام کر رہی تھیں لیکن شاید ان مباحثوں اور مناظروں میں اتنا اثر اور اتنی قوت نہ تھی کہ یہ مسلمانوں کے دل میں اسلام کے متعلق بدظنی پیدا کر سکیں۔ کیونکہ اسلام ان تمام عقاید کو ہزار برس تک مقابلہ و امتحان کی کسوٹی پر پرکھ چکا تھا۔ اور ایک فاتح قوم کا مذہب ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو بہ حیثیت ایک نظام مذہبی کے خاطر میں نہ لاتا تھا۔ لیکن

جب انیسویں صدی میں مغربی تعلیم کے ساتھ مغربی افکار کا موج خیز سمندر اسلامی ممالک کی طرف بڑھا۔ تو اسلام کے محافظوں نے اس کا مقابلہ کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ ان خیالات کی بنیاد عہد وکٹوریہ کے آزاد خیال نقادوں کے اقوال و افکار پر تھی۔ جو اسلام اور عیسائیت بلکہ کسی الہامی مذہب کو تنقید سے بالاتر سمجھتے تھے۔ انگلستان میں مذہب کے علمبرداروں کو اس مذہبی "بے فکری" (Free thought) کا مقابلہ کرنے میں بہت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اسلام کے نمائندوں کو اس معاملے میں کچھ کم تکالیف کا سامنا نہ کرنا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انگلستان اور یورپ میں چونکہ سائنس کی رفتار ترقی کے کمال پر پہنچ رہی تھی۔ وہاں مذہب کے پرستاروں نے بہت جلد ہتھیار پھینک دے اور جنگ ختم ہوگئی۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ اسلام کے اصل اور سادہ عقاید کی صورت بھی خارجی اثرات سے مسخ ہو چکی تھی۔ اس لئے ایک طرف تو خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنی تھی اور دوسری طرف اس دشمن کا مقابلہ کرنا تھا۔ جس کے پاس مقابلہ کے لئے تیر و کمان کی بجائے سائنس کے میگزین سے نکلے ہوئے نئے اسلحہ تھے۔ مذہب کے ہر اصول کو عقل کی کمزور کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ اور دین و ایمان کا تمدن اور سائنس سے معارضہ پیش آگیا۔

اگرچہ مذہب کی اندرونی اصلاح کا کام حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے رفقاے سلسلہ اسمٰعیل شہید اور مولوی کرامت علی صاحب جونپوری نے شروع کر رکھا تھا۔ تاہم مغرب سے آئی ہوئی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئے طریق کار کی ضرورت تھی۔ جس کی بدولت مذہب کے علمبردار کو ہر دو محاذ پر جنگ کرنی لازمی تھی چنانچہ سر سید احمد خاں نے اسی اصول پر ایک ایسی مذہبی لڑائی کا آغاز کیا جو ایک طرف تو مسلمانوں کے عقاید میں تبدیلی چاہتے تھے۔ اور دوسری طرف اسلام کی مدافعت کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔

تفسیر القرآن تفسیر القرآن اگرچہ سب سے آخری کتاب ہے۔ لیکن اہمیت کے اعتبار سے اسے سب سے مقدم سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ سید کے مذہبی خیالات کو پختہ اور پوری ترقی یافتہ شکل میں پیش کرتی ہے۔ جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ سید کے افکار اکثر ارتقا کی منازل میں سے گذرتے رہے۔ مذہبی خیالات بھی اسی عمل کے تابع وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہے۔ یعنی عام قدیم مروج اصول و مسلمات سے انکا انحراف زیادہ سے زیادہ ہوتا گیا۔ پس تفسیر القرآن میں ہمیں ان کے ان مخصوص خیالات کی جستجو کرنی چاہئے جنہیں ایک عمر عزیز کی آزاد تحقیق کا ثمرہ کہیں تو بجا ہے۔

سید کے آرا و افکار مذہبی کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے[1]۔ اول یہ کہ سارا دین صرف قرآن مجید میں ہے۔ اور وہی یقینی ہے۔ اور ان کے نہ ماننے والا دین سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے ظنی ہے۔ اور اس کو نہ ماننے والا دین سے خارج نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا مسلمہ اصول کہ دین عبارت ہے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے، سید کے نزدیک شرک فی النبوۃ کا درجہ رکھتا تھا۔

دوم:۔ اسلام کا کوئی مسئلہ (یعنی قرآن کا کوئی اصول) فطرت، عقل اور اصول تمدن کے مخالف نہیں ہو سکتا بظاہر جو چیزیں ایسی نظر آتی ہیں۔ وہ دراصل ہمارا قصور فہم ہے۔ ان میں عقل اور نیچر سے تطبیق دینی ضروری ہے۔ سید نے اپنی تفسیر اسی اصول پر لکھی اور اس میں قدیم تفسیروں کی طرف بہت کم مراجعت کی۔ وہ ہر آیت کی تفسیر از خود لکھتے جاتے تھے اس کے بعد اس کے موافق یا مخالف جو کچھ مل گیا اسے درج کر دیتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اکثر ان مباحث سے قطع نظر کیا ہے۔ جنکی آج کل ضرورت نہ تھی البتہ ان مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جو ان کے نزدیک آج کل بہت ضروری

---

[1] "تصفیۃ العقاید" میں سید نے ایک خط کے دوران میں اپنے عقاید مختصراً بیان کئے ہیں۔ یہ خط مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام تھا۔ جو ایک صاحب پیر جی محمد عارف کی وساطت سے انہیں بھیجا گیا تھا۔

اور حل طلب تھے۔ پرانی تفسیروں میں حدیثوں کا بہت بڑا عنصر شامل تھا جن میں معتدبہ حصہ مجہول حدیثوں کا تھا۔ انہوں نے اس عنصر کی طرف بالکل توجہ نہیں کی قدیم متکلمین اور مفسرین نے اپنے زمانے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن میں منطق فلسفہ، صرف ونحو اور فصاحت وبلاغت کا جزو کثیر داخل کر دیا ہے۔ جو شاید آجکل بے ضرورت تھا۔ سرسید نے ان کی بجائے ان تاریخی اور جغرافیائی واقعات ومقامات کی تحقیق کی ہے۔ جو قرآن میں جابجا مذکور ہیں۔

مسلمانوں کے معتقدات مثلاً حج، روزہ، سود، اور جہاد کے متعلق طویل بحثیں لکھکر ان پر عقلی دلائل دیں۔ علی الخصوص جہاد اور سود کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے میں بہت محنت کو کام میں لائے۔ مسئلہ معراج پر تفسیر کے ۱۴۰ صفحات صرف کئے۔ البطال غلامی کے اثبات میں بیحد تحقیق کی۔ غرض خاص مسلمانوں کے عقاید کی چھان بین اس انداز میں کی۔ کہ ان میں سے اکثر مسائل کو موجودہ تمدن اور عمرانی معیار پر پورا اتارا۔

تفسیر کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کہ سرسید کی یہ تفسیر بہت حد تک اُن آرا اور خیالات پر مشتمل ہے۔ جو خود ان کے اپنے ذہن میں پیدا ہوئے۔ وہ اکثر معاملات میں مسلمانوں کے تیرہ سو سال کے مذہبی لٹریچر سے کامل بے تعلقی اختیار کرتے ہیں۔ اور بلاخوف کہہ دیتے ہیں کہ اسلام صرف حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سکھاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی نبوت میں اوروں کو شریک ٹھہرانا ہے۔ علمائے سلف میں سے وہ صرف معتزلہ کے ان خیالات سے اتفاق کرتے ہیں جن میں وہ سرسید کے خیالات سے متفق ہیں۔

سرسید کے نزدیک قرآن مجید کی کوئی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی۔ قرآن میں کوئی کمی یا زیادتی ممکن نہیں۔ شیطان یا ابلیس ملائک اور جنات کوئی علیحدہ وجود نہیں رکھتے۔ بلکہ مختلف قوتوں کے نام ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے انسان اور موجودات

میں پیدا کی ہیں۔ معراج خواب کی حالت میں واقع ہوا۔ آدم اور ملائک اور شیطان کا واقعہ بطور ایک کہانی اور تمثیل کے بیان ہوا ہے۔ سود کی حرمت جو قرآن میں مذکور ہے۔ اس سے مراد وہ سود ہے جو عرب میں قبل اسلام جاری تھا۔ موجودہ متمدن طریقے مثلاً بنکنگ وغیرہ سود میں شامل نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں۔

حضرت عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا قرآن میں مذکور نہیں۔ قرآن مجید میں جہاد اس جنگ سے عبادت ہے۔ جو مدافعت میں لڑی جائے وہ قومیں جو کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت رہتی ہیں۔ ان کا اپنے بادشاہ کے خلاف جہاد کرنا شرعی گناہ کا درجہ رکھتا ہے عقبیٰ اور معاد کے متعلق جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ بطور مجاز کے ہے انبیا پر وحی خاص فرشتوں کے ذریعے نہیں آتی بلکہ خدا ان کے دل میں ایک بات پیدا کر دیتا ہے۔

ان مسایل میں سے بعض ایسے ہیں کہ گو وہ مسلمانوں کے کانوں کے لئے کافی نامانوس ہیں۔ تاہم پرانے علما میں کوئی نہ کوئی بزرگ ان میں سید کے ساتھ متفق الخیال بھی ہیں لیکن اکثر مسایل ایسے ہیں جن میں غالباً سید منفرد نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کی مذہبی اور فکری تاریخ میں ابتدائے اسلام سے جو ہیجان اور انقلاب آتے رہے ان میں سرسید کے افکار کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مذہب کی تنقید کا وہ طریقہ جو یورپ میں لوتھر کے زمانے سے چلا آتا ہے اور انگلستان میں ڈارون کے نظریۂ ارتقا اور جہد للبقا کے اصول کے عام ہونے کے بعد رائج ہوا۔ مشرق میں شاید نظر نہ آئے سرسید جو بظاہر بہت آزاد نظر آتے ہیں۔ وہ بھی اپنے آپ کو ماضی سے اتنا منقطع نہیں کر سکتے کہ اہل یورپ کی طرح خود قرآن مجید کو بھی تنقید کا تختہ مشق بنائیں[1]۔ تاہم ان کی وفات

[1] سر احمد حسین نے Notes on islam میں مذہب کی تنقید کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کا رواج یورپ میں عہد وکٹوریہ کے بعد عام ہو گیا۔ صلاح الدین خدا بخش خان بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

کے بعد جو ذہنی بغاوت مسلمانوں کے جدید گروہ نے کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس کے نزدیک سرسید کی یہ آزاد خیالی اتنی خوش آئند نہیں تھی جتنی کہ یورپ میں سمجھی گئی۔ اگرچہ بہت سے مسائل میں مسلمانوں نے اسی زاویۂ نگاہ کو عملاً قبول کر لیا ہے۔ جو سرسید کا اختیار کردہ تھا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں۔ کہ مسلمانوں کے زندہ اور باشعور گروہ نے جو اسلام کو ہمیشہ اسلام کے ماحول میں دیکھنا چاہتا تھا۔ سرسید کے اس اقدام کو کبھی تحسین کی نظر سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ سید غالباً اس مغالطۂ نفس میں مبتلا تھے کہ یورپ کا مروجہ ذہنی معیار دیرپا اور مستقل ہے حالانکہ ان کے بعد پچاس سال کے اندر اندر سائنس اور شائستگی نے اپنے نظریات اور اصول اتنی بار تبدیل کئے ہیں کہ اگر اتنی ہی دفعہ مسلماتِ مغرب کے مطابق اسلام کی تجدید کی جاتی تو مذہب بازیچہ بن کے رہ جاتا۔

بغداد میں یونانی علوم و فلسفہ کے عام ہونے سے جس طرح مسلمانوں کو ایک نئی علم کلام کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اسی طرح یورپ کے فلسفہ و سائنس کے عام رواج سے اسلام کے متعلق جو شکوک و شبہات پھیل رہے تھے۔ ان کو رفع کرنے کے لئے دنیائے اسلام کو ایسے متکلمین کی ضرورت تھی۔ جو مذہب کی حفاظت کر سکیں۔ یہ حقیقت میں محض سرسید احمد خاں کا واحد احساس نہ تھا۔ بلکہ تبدیلی اور انقلاب کا تقاضا اور تعبیر و توجیہ کی خواہش ہوا اور فضا تک میں موجود تھی۔ اگرچہ بظاہر معقول پسندی سینوں کے اندر دبی ہوئی تھی۔ تاہم کبھی کبھی اور کہیں کہیں ابھر آتی تھی۔ علی الخصوص نوجوانوں کے دل و دماغ کا مسموم و متاثر ہونا تو ضروری تھا۔ اور مذہب کی کامیاب حفاظت کا تقاضا تھا کہ دلوں کے شبہات دور کئے جائیں اور ان لوگوں کی تسکین کی جائے۔ جو مذہب کی صداقت کے معاملے میں شک میں پڑ رہے تھے۔ اس ضرورت کو سرسید احمد خاں نے سب سے زیادہ محسوس کیا۔ کیونکہ ان کو اس جدید جماعت سے اختلاط کے زیادہ مواقع تھے۔ بلکہ ان شبہات کے اصلی سرچشمہ تک رسائی تھی۔ سید اس احساس

میں تنہا نہ تھے۔ بلکہ ان کے رفقا مولوی چراغ علی، مولوی شبلی، مولوی حالی سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ علی الخصوص شبلی جنہوں نے اس موضوع پر دو کتابیں علم الکلام اور الکلام لکھکر اس ضرورت کا عملی اقرار کیا۔

سرسید کے علم کلام اور شبلی کے علم الکلام میں بہت بڑا فرق یہ ہے۔ کہ سرسید اپنے آپ کو علمائے سلف سے بالکل قطع کر لیتے ہیں اور اپنے عقل کو وہ درجہ دیتے ہیں۔ جو شاید کمزور انسان کے حصے میں نہیں آیا۔ یورپ جدید کے ایک بڑے اور کامیاب فلسفی برگسان نے عقل انسانی کی عنکبوتی کمزوریوں کی جو دھجیاں بکھیری ہیں۔ وہ یقیناً مذہب یا الہام کو عقل کے مقابلے میں بہت بلند ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ اس کے تتبع میں ہمارے فلسفی اقبال نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہے۔ مذہب حقیقت میں ماضی سے ایک محکم واسطہ اور تعلق رکھتا ہے۔ اور کسی شخص کا مذہب کے علوم کے معاملے میں اپنے آپ کو صرف حاضر سے محدود کر لینا شاید مذہب کو گذشتہ چودہ سو سال پہلے کی بجائے، صرف زمانۂ حاضر کے تمدنی اصولوں پر قائم کرنے کے مترادف ہے۔

شبلی نے علم الکلام کے ذریعے قدیم و جدید میں جو بے نظیر امتزاج پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے سرسید کے علم کلام سے بہت زیادہ اسلامی اور بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید مغرب کے معقول دلایل سے حد درجہ مرعوب ہو رہے ہیں۔ اور اس خوف اور مرعوبیت کی وجہ سے مقابلہ و جواب میں اپنے آپ کو کھو رہے ہیں۔

تاہم شبلی کو آزادی گفتار کس نے دی؟ اسی سرسید احمد خان نے جس کی دلیری اور بے خوفی نے شبلی کو اس جامد اور قدامت پسند گروہ کے درمیان آزاد بات کرنے کی اجازت دی۔ سرسید نے مذہبیات میں جو زبردست تنقید کا طریقہ اختیار

کیا۔ اگرچہ اس سے کچھ نقصانات بھی ہوئے تاہم جائز تنقید کی اہمیت محسوس کی جانے لگی۔ اور وہی خیالات جو سرسید نے زیادہ بے لاگ طریق پر ادا کئے۔ وہ دوسرے علما و فضلا نے اسلامی رنگ میں ادا کر دئے۔ ذیل کے بعض مسائل جن کی بنا پر سرسید کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے شاید آج تمام مسلمانوں کے مسلّمات کا درجہ رکھتے ہیں وہی باتیں جن کی وجہ سے سرسید کو دین سے برگشتہ کہا جاتا ہے۔ آج علما کی زیب تحریر و تقریر بن رہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مذہب کو فطرت انسانی کے مطابق ہونا چاہئے اور اسلام اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ نبی کی عظمت معجزات پر قائم نہیں۔ قرآن کا اعجاز اس کا فطرت انسانی کے مطابق ہونا ہے۔ اسلام مسلمانوں کے اعمال کا جوابدہ نہیں۔ اسلام دنیوی ترقی کا مانع نہیں۔ جہاد اور غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدافعانہ تھے۔ اسلام میں جبر نہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون منع نہیں۔ اسلام نے غلامی کا انسداد کر دیا ہے تعداد ازواج عملاً ممنوع ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ عجیب بات ہے۔ کہ سرسید کے خیالات اگرچہ مسلمانوں کے عام گروہ نے تسلیم نہیں کئے ۔۔ مگر ان کا نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان کے بہت سے خیالات احمدیت میں موجود ہیں۔ علی الخصوص وہ جن کا تعلق مناظرہ عیسائیت و مذاہب سے ہے۔ قرآن مجید کا قطعی ہونا اور باقی اصول دین کا واجب الاتباع نہ ہونا کسی نہ کسی رنگ میں اہل القرآن کی جماعت نے جذب کر لیا ہے۔ جن فرشتہ دوزخ، معجزات کا مطلب و مفہوم متفرق طور پر ملک کی انگریزی دان جماعت کے عقائد میں شامل ہے۔ جس کو بجا طور پر "مذہبی بے فکروں" کی جماعت کہا گیا ہے۔ لیکن سید کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں معقول پسندی کی طرف عام رجحان اور نئے اعتراضات کا نئے علم کلام کے ساتھ جواب دینے کا خیال انہیں کا پیدا کردہ ہے۔ جس کے موجدین میں کوئی دوسرا

شخص ان کا شریک نہیں۔

سرسید کے یہ افکار اگرچہ تہذیب الاخلاق اور بعض دوسری تالیفات میں متفرق طور پر درج ہیں۔ تاہم تفسیر القرآن جو ان کے عقاید اور خیالات کی پختہ ترین تصویر ہے۔ ان مسائل کی بحث وتمحیص کے اعتبار سے ان کی مکمل ترین کتاب ہے۔ اس کی زبان سادہ اور پُرمعنی ہے۔ اس میں اصطلاحات مذہبی و علمی کی وہ بھرمار نہیں جو عام طور پر تفاسیر میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے مخاطب عالم لوگ نہ تھے۔ بلکہ وہ عوام تھے۔ یا وہ انگریزی دان لوگ تھے۔ جو منطق وفلسفہ کی اصطلاحات میں گم ہوکر مطلب کو پانے میں دقت محسوس کرتے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے مسائل کو سمجھانے میں پُرانے حوالوں سے حتی الوسع اجتناب کیا ہے۔ وہ تمثیل کے ذریعے مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ اور عقلی دلائل کو کام میں لاتے ہیں۔ بائبل کا استعمال بھی عام ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ بائبل کو من عنداللہ سمجھتے ہوئے قرآن اور بائبل کو ایک، دوسرے کا موید خیال کرتے تھے۔ وہ اشکال جو قرآن سے حل نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بائبل سے حل کرتے تھے۔

تفسیر القرآن مسلمانوں کے کسی گروہ میں مقبول نہیں ہوئی جسکے اسباب ظاہر ہیں۔ سرسید نے علمائے سلف اور قدیم مفسرین سے اختلاف کا جو اصول اختیار کیا ہے وہ بہت حد تک اشتعال انگیز تھا۔ اصلاح کے انتہا پسندانہ جوش میں انہوں نے مسلّمات کو پس پشت پھینکدیا۔ اور تجدد اور اختراع کو مذہب کے مقدس ماحول میں آزمایا۔ تاہم اگر تفسیر القرآن سے کوئی خاص مثبت اثر نہیں پڑا۔ تو کم ازکم اتنا تو ہوا۔ کہ تفسیر القرآن کے اختیار کردہ راستے کے خطرات سے بعض اور مفکّر آگاہ ہوئے اور انہوں نے اس افراط وتفریط کے درمیان ایک معتدل شاہراہ تلاش کی۔ جو قدیم وجدید کا مجموعہ تھی۔ (باقی آئندہ)

سید محمد عبداللہ

فرخی سیستانی

(سلسلہ کیلئے یہی میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء دیکھئے)

شکار میں قمرغہ کا طریقہ ایک مدت سے رائج تھا یعنی جس جنگل میں شکار کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اوسمیں ہر چہار طرف سے گھیرا ڈالتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ اوس حلقہ کو چھوٹا کرتے جاتے تھے۔ یہانتک کہ تمام شکار کے جانور سمٹ کے نشانہ کی زد پر آجاتے تھے۔ پھر ہر طرف سے ان پر حملے ہوتے تھے۔ بہت سے مارے جاتے تھے۔ اور بہت سے زندہ پکڑے جاتے تھے سلطان محمود بھی ایسا شکار کھیلا کرتا تھا فرخی نے اس شکار جرگہ کی تصور اپنے قصیدہ میں یوں کھینچی ہے۔

اے زجنگ آمدہ وردے نہادہ بشکار — تیغ و تیرے تو ہمی سیر نگر دید زکار
گاہ تیغ تو برآرد ز سر دشمن گرد — گاہ تیر تو برآرد ز بر شیر دمار (جنگ ۱۲)
روز صید تو بچشم تو چہ رو باہ و شیر — روز رزم تو بر تو چہ پیادہ چہ سوار (ہلاکت ۱۲)
ہر چہ در صحرا ورآنندہ و دام و دد بود — ہمہ را گرد آوردہ بہم کردی در یک دیوار
گرد ایشاں پرۂ بستی تا نتند عقاب — زان برون رفت ندانست ہم از ہیچ کنار
وز سر بالا چون ژالہ رو انکردی تیر — ہر کہ را گفتی بردیدہ برم تیر بکار
چون درخشاں گشن بود ند از دور تیر — بفتا وند بدانسان کہ فتد میوہ ز دار (درخت ۱۲)
بامدادوں ہمہ گنجشک ۱۲ پراز وحشی بود — شامگاہ از ہمہ پرداختہ بودی کہ سار
در زمانے ہمہ دشت ز خون دد و دام — لعل کردی چو گلستانے ہنگام بہار
نہ کرانست مر آنرا کہ تواں کرد قیاس — نہ کنارست مر آنرا کہ تواں کرد شمار

ظن برم من کہ چنیں بود ہمانا دشمن کشتہ و پیش تو افگندہ سر و جانے خوار
خواہمے من کہ بجایستے بہرام امروز تا بدیدے وبیاموختے از شاہ شکار
(زندہ بودے ۱۲)

واقعہ نگاری کا انداز فرخی پر اسقدر غالب ہے کہ جب قصائد کی تشبیب تغزل سے کرتا ہے تو اسمیں بھی انداز واقعہ نگاری کو نہیں چھوڑتا۔ ذیل کے قصیدہ کی شبیب تغزلی میں یوں واقعہ نگاری کرتا ہے۔

متن دوش متواریک بوقت سحر اندر آمد بہ خیمہ آن دلبر
ترجمہ رات کو چھپ چھپا کے پچھلے پہر میرے خیمہ میں آیا وہ دلبر
متن چنگ در برگرفت خوش بنواخت واز دو بسد فرو فشاند شکر
ترجمہ گود میں لیکے چنگ کو چھیڑا سرخ دو لب سے گائے نغمۂ تر
متن پنج شش جام خورد و پُر گل گشت روے آن روے نیکوان یک سر
(چہرہ ۱۲)
ترجمہ پانچ چھ جام پیکے سرخ ہوا افسر دلبران کا مُنہ یکسر
(افسر ۱۲)
متن مست گشت و زہر خفتن ساخت خویشتن را کنار من بستر
ترجمہ مست جب ہوگیا تو سونے کو میرے پہلو میں لیٹا وہ آکر
متن زلف مشکین بروے در پوشید دست من زیر کرد و زلف زبر
ترجمہ زلف مشکیں سے چہرہ ڈھانک لیا ہاتھ میرا تھا اوس کے زیر سر
متن زلف او را بدست بگرفتم زنخ گرد او بدست دگر
ترجمہ اوسکی زلف ایک ہاتھ میں تھی مرے دوسرا ہاتھ گول ٹھڈی پر
متن راست گفتی گرفتہ بُد چاکر گوے و چوگان شہ بدست اندر
ترجمہ گیند بلّا شہ مظفر کا ٹھیک جیسے لئے ہوئے چاکر

دیکھو تشبیب سے مدح کیطرف گریز کیسی مربوط ہے۔

؎ فرخی سے پہلے بھی واقعہ نگاری شعراء ایران میں پائی جاتی ہے۔ واقعہ

نگاری عرب کی شاعری کا خاص جوہر سمجھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک سب سے سہل صنف شاعری واقعہ نگاری ہی ہے۔ کیونکہ قوت متخیلہ و فکر پر زور دینا نہیں پڑتا۔ واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ شاعر کو صرف قوت نظم سے کام لینا ہوتا ہے۔ ہاں اگر زبان اور روزمرہ کی چاشنی ہو اور کچھ رنگینی بھی پیدا کی جائے تو اسمیں لطف بڑھ جاتا ہے۔ اگر سادہ نظم ہو تو اسمیں کیا مزہ ہے۔ بلکہ وہ اس شعر کی مصداق ہوگی

چشمان تو زیرا بروانند دندان تو جملہ درد ہانند

میر تقی نے اپنے گھر کی ویرانگی بیان کرنے میں محاورات و روزمرہ کو دخل دیکر اوسے پر لطف بنایا ہے چونکہ سب سے سہل قسم واقعہ نگاری ہے۔ اس لئے اس کا ابتداء شاعری میں پایا جانا۔ بعید از عقل نہیں۔

تاہم فرخی نے مختلف واقعات کو بے تکلفی اور برجستگی سے نظم کرکے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کردی اور آئندہ نسلوں کے لئے راستہ صاف کردیا۔ اکثر قصیدوں میں فتوحات سلطان محمود کے حالات لکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مورخ بے کم و کاست ٹھیک ٹھیک واقعات لکھتا چلا جاتا ہے۔ سومنات کی فتح میں جو قصیدہ لکھا ہے۔ اسمیں ایک ایک مقام کا نام اور اس کا حال بیان کرتا ہے۔

گمان کہ برد کہ ہرگز کسے زراہ طراز بہ سومنات برد لشکر و چنیں لشکر
ہوائے آن وژم و باد آن چو دود جحیم زمین آن سیہ و خاک آن چو خاکستر
ہمہ درخت و میان درخت خارگشن نہ خار بلکہ سناں خلندہ و خنجر
نہ مرد را سر آں کاندراں نہادے پے نہ مرغ را دل آن کاندران کشادے پر
عجب ترانیکہ ملک را ہمی چنین گفتند کہ اندریں رہ مار دوسر بود و بیمر
بہ شب چو خفتہ بود مرد سر بر آرد مار ہمی کشد نفس خفتہ تا بر آید خور
چو خور برآید و گرمی بمرد خفتہ رسد سبک نگردد و ازان خواب تا گہ محشر

بدیں درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد گذشت شاہ بتوفیق خالق اکبر

کیا عجب ہے کہ اس محل پر "خالق" سے "ہادی" کا لفظ مناسب محل ہو یا ہر دو

بزوزبہر زپس ماندگان و گم شدگان میان بادیہ ہا حوضہاے چون کوثر

بدان رہ اندر چندیں حصار و شہر بزرگ خراب کردو بکند اصل ہر یک از بن و بر

نخست لارہ کز روے برج دبارۂ او چو کوہ فرو ریخت آہن و مرمر

چہ مندھیر کہ در مند ہیر حوضے بود چنانکہ خیرہ شدے اندرو دو چشم فکر

فراخ پہنا حوضے بصد ہزار عمل ہزار بنکدۂ خرد گرد حوض اندر

یکے حصار قوی بر کران شہر و درو زبت پرستاں گرد آمدہ یکے محشر

فریضہ ہر روز آن سنگ را بشستندے بآب گنگ دبہ شیر و بزہ عفران و شکر

واقعہ نگاری سہی لیکن نظر تعمق سے دیکھا جائے تو ایک سادہ نظم ہے۔

فرخی نے بعض قصائد ایسے بحور میں بھی کہے ہیں۔ جو ہم ہندوستانیوں کے طبائع پر موزوں نہیں۔ گو قواعد عروض سے موزوں ہیں۔ مثلاً مدح سلطان محمد بن سلطان محمود میں کہتا ہے۔

عشق خوش است ار مساعدت بود از یار یار مساعد نہ اندکست و نہ بسیار

یہ قصیدہ بحر منسرح مثمن عروض وضرب اصلم مقصور یا مخروف باقی ارکان مطوی ہیں۔ بروزن مفتعلن فاعلات مفتعلن فاع یا فع۔ ہر مستفعلن مطوی مفتعلن۔ اور مفعولات اول مطوی مفعلات بروزن فاعلات اور مفعولات ثانی جب اصلم ہو تو مفعو ہوتا ہے۔ اور مفعو میں جب قصر کو دخل دیا جائے تو فاع اور حذف کیا جائے تو فع ہوتا ہے۔ وزن سالم اس بحر کا مستفعلن مفعولات مستفعلن مفعولات ہے۔

بحر مل مخبون اصل میں فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن ہے۔ مگر رکن اول کو سالم لانا جائز ہے۔ اور بس۔ مگر فرخی نے شعر ذیل میں رکن سوم کو مخبون میں سالم رکھا جو

میرے علم سے باہر ہے ؎

سائلانراز توسیم وزائرانراز توزر دوستانراز توتخت ودشمنانراز تودار

بروزن فاعلاتن فعلاتن فاعلاتن۔ فعلن۔ تیسرا رکن مخبون مسکن بروزن مفعولن تو دیکھا گیا۔ مگر سالم میری نظر سے نہیں گذرا۔ فرخی سے پہلے مرثیہ کے اشعار فارسی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جو ملتے ہیں اونکو کوئی درجہ نہیں دیا جاسکتا لیکن فرخی نے جو مرثیہ سلطان محمود کی وفات پر لکھا وہ نہ صرف پُر درد اور پُر تاثیر ہے بلکہ اس سے مرثیہ گوئی کے تمام اصول اور آئین قائم ہوسکتے ہیں۔

مرثیہ گوئی کے تین بڑے اصول یہ ہیں۔

۱۔ ممدوح کی عظمت کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ اوس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اس مرتبہ کا شخص اوٹھ گیا۔

۲۔ اوسکے مرنے سے ملک میں جو رنج وماتم برپا ہے اوسکا ذکر کیا جائے تاکہ پڑھنے اور سننے والوں کو معلوم ہو کہ متوفی کسقدر مفید ومطبوع خلائق تھا۔

۳۔ اوسکو مخاطب کرکے ایسے خیالات ظاہر کئے جائیں جس سے یہ ثابت ہو کہ انتہائے وارفتگی اور مدہوشی کیوجہ سے مرثیہ گو کو اوسکے مرنے کی بھی خبر نہیں۔ اور وہ ابتک اسکو اوسی طرح مخاطب کرکے باتیں کرتا تھا۔ (از شبلی) (اضافہ از شاداں)

۴۔ اوسکے فضائل وکمالات کا ذکر مرثیہ میں ہو۔

۵۔ بیان حزن انگیز ہو اور الفاظ پُر درد اور پُر تاثیر ہوں (از شاداں)

فرخی کے مرثیہ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے الفاظ بندش۔ طرز ادا اس قدر موثر ہے کہ پتھر کا دل بھی پانی ہوجاتا ہے۔

تن شہر غزنین نہ ہمانست کہ من دیدم پار چہ قیامت کہ امسال دگرگون شدکار

ترجمہ پہلا سا اب نہیں پاتا ہوں میں غزنین کا کا کیا ہوا اسکی جو امسال ہے حالت یوں زار

م کو یہاں نیم پر شورش و سر تا سر کوے ہمہ پر جوش و ہمہ جوش خیل و اسوار
ت ایک ہنگامہ ہے گلیوں میں تو سب گلیوں میں پایا جاتا ہے ہجوم سپہ و خیل و سوار
م مہتران نیم بر روے زنان ہمچو زنان چشمہا کردہ ز خون نابہ برنگ گلنار
ت عورتوں کی طرح منھ پیٹ رہے ہیں افسر اشک خونیں سے ہیں آنکھیں بھی برنگ گلنار
م ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا دشمنے روے نہاد است دریں شہر و دیار
ت شاہ اس سال غزا سے نہ پلٹ کر آیا آگیا چڑھ کے عدو پایا جو خالی یہ دیار
م سیر مے خوردہ مگر دی کہ بخفتہ ست امروز دیر تر خاست مگر رنج رسیدش ز خمار
ت خوب پی رات کو سوتا ہے جبھی تو اب تک دیر میں اسلئے اوٹھیگا کہ ہے رنج خمار
م خیز شاہاں کہ رسولاں شہاں آمدہ اند ہدیہا دارند آوردہ فراواں و نثار
ت اٹھو اے شاہ کہ شاہوں کے رسول آئے ہیں پیشکش کیلئے لائے ہیں ہدایا و نثار
م کہ تو اندر کہ برانگیزد ازیں خواب ترا خفتنی خفتنی کز خواب نگردی بیدار
ت کسکی طاقت ہے جگائے تجھے اس نیند سے اب ایسا سویا ہے کہ تا حشر نہو گا بیدار
م خوے تو خفتن بسیار نبد اے خواجہ ہیچ کس خفتہ ندید ست ترا زین کردار
ت اسطرح سوتے ہوئے کسنے تجھے دیکھا ہے میرے آقا تری عادت نہ تھی سونا پید
م یکدمک بارے در خانہ بیا یست نشست تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار
ت بیٹھتا آکے ذرا دیر اگر تو گھر میں دیکھ لیتے ترا منھ تیرے عزیزان و تبار
م بسمار از فرزع و بیم تو رفتند شہاں تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بحصار
ت چھپتے پھرتے تھے ترے خوف سے قلعوں میں ملوک کسکے ڈر سے ہوا تو قلعہ میں پنہاں اکبار
م شعرا را تو بازار برا فروختہ بود رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار
ت گرم بازاری اشعار تھی تیرے دم سے ہو گئی سرد ترے جانیسے اب وہ بازار

فرخی نے صنائع بدائع شعری میں ایک کتاب لکھی جس کا نام

"ترجمان البلاغہ" ہے۔ رشید الدین وطواط نے اپنی کتاب "حدائق السحر" میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اور اس کتاب کو لغو بتاتا ہے۔

گو اوسنے صنائع بدائع میں کتاب لکھی۔ اور شعراء ایران صنائع بدائع کی طرف ابتدا ہی سے راغب ہو چکے تھے۔ کیونکہ شاعری کا نمونہ جو شعراء ایران کے سامنے تھا وہ عرب کی شاعری تھی۔ عرب میں خود اس زمانہ میں صنائع و بدائع کا ایراد کلام میں عام ہو چکا تھا۔ اور عبداللہ ابن معتز کی کتاب البدیع جو اس فن کی پہلی کتاب ہے گھر گھر پھیل چکی تھی۔ تاہم فرخی کی یہ سلامت طبع ہے کہ ان تکلفات سے بہت کم کام لیتا ہے اسمیں شک نہیں کہ جب شعر صنائع کا لحاظ کر کے کہا جاتا ہے تو معنوی خوبی شعر کی بہت کم ہو جاتی ہے یا جاتی ہی رہتی ہے۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ابو بکر نے صنعت قلب کا لحاظ کر کے یہ شعر ذیل کہا تو معنے سے معرّی ہو گیا۔

شکر بتر از وے وزارت برکش شو ہمرہ بلبل بلب ہر مہوش

لیکن جب یہ صنائع بے تکلف صرف ہوں تو حسن کلام بڑھ جاتا ہے۔ دیکھئے یہی صنعت قلب کیسی بے تکلفی اور عدم تصنع سے ذیل کی حکایت میں صرف ہوئی ہے۔

ایک غریب نے امیر سے کہا "مرا دے دارم"۔ اوس امیر نے جواب دیا "بر آید یارب" فرخی نے بھی کہیں کہیں صنائع و بدائع سے کام لیا ہے۔ تلمیح بھی ایک صنعت ہے۔ یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا۔ فرخی نے ذیل کے اشعار میں اس صنعت کو کس خوبی سے صرف کیا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت میں گیہوں کھائے تو ان کے

رشید الدین وطواط محمد بن محمد نے سن ۵۷۳ یا ۵۷۸ میں وفات پائی۔ ابو الفراس حارث بن العلاء سن ۳۵۷ میں قتل ہوا۔

بدن سے اونکے کپڑے خود بخود اوتر پڑے۔ اور وہ برہنہ ہوگئے۔ فرخی نے اس واقعہ سے خزان کی تعریف میں مضمون پیدا کیا۔

مگر درخت شگوفہ گناہ آدم کرد کہ از لباس چو آدم ہمی شود عریاں

نوشیرواں نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی زنجیر کا ایک سرا ایوان شاہی میں تھا۔ اور دوسرا پھاٹک پر۔ جس کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو وہ اس زنجیر کو آکر ہلا دیتا زنجیر ہلتے ہی نوشیرواں کسی حالت میں ہوتا فوراً باہر نکل آتا۔ اسی سے محاورۂ سلسلہ جنبانی بنا ہے۔ فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

من چو مظلوماں از سلسلۂ نوشیرواں اندر آویختہ زان سلسلۂ زلف دراز

مشہور ہے کہ حضرت سلیماں کا تخت ہوا پر اڑتا تھا۔ اور سلیمان اوسپر بیٹھ کے سیر کیا کرتے تھے۔ فرخی نے اس واقعہ سے تشبیہ کا کام لیا۔

پے بازی گوے شد خسرو بریکے تازی اسپ کہ پیکر

راست گفتی بہ باد بر۔ جم بود گر بود باد در استام زر

حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے نکل جانے کے خیال سے کنارۂ رود نیل پر پہونچے تو نیل کا پانی پھٹ کر ایک راستہ نکل آیا۔ اور بنی اسرائیل بے زحمت پار ہوگئے۔ فرخی اس راستہ سے کہکشاں کو تشبیہ دیتا ہے

مجرّہ چون بدریا راہ موسیٰ کہ اندر قعر او بگذشت لشکر

فارسی میں دریا بمعنی بحر ہے مگر فرخی نے بمعنی رود استعمال کیا۔ یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ مبالغۃً بحر کہا ہو۔

اشعار ذیل میں فرخی صنعت جمع و تقسیم کو صرف کرتا ہے۔

عشق تو با چار چیزم یاد دارد ہشت چیز مر مرا ہر ساعتے زین غم جگر گردد کباب

بار خم زو روز ریزد باد دلم اندوہ و غم باد و چشمم آب و خون و باتم رنج و عذاب

کیا ہے زر و ۱۲

دین عجائب ترکہ جون این ہشت بامن یار کرد — ہشت چیز از من ببردہ ہشت چیز تنگیاب
راحت و آرام روح و رامش و تسکین دل — نزہت و دیدار چشم و زینت و فرشباب
در رگ و اندر تن و اندر دل و اندر دو چشم — خواب و صبر و روح و خونم را برافتاد انقلاب
رنج دارد جائے خون و درد دارد جائے روح — عشق دارد جائے صبر و آب دارد جائے خواب
روے او بستر و بر بود و بیفگند و بُرد — چار چیز از چار چیز و ہر یکے را کرد غاب
خرمی از نو بہار و تازگی از سرخ گل — نیکوئی از گرد ماہ و روشنی از آفتاب
چار چیز تو نماند سال و مہ بے ہشت چیز — ہر یکے زان ہشت دارد سوے دلبر دن شتاب
چشم تو بے خواب و سحر و روے تو بے سیم و گل — جعد تو بے چین و پیچ و زلف تو بے بند و تاب

دیکھو گریز مدح کی طرف کس خوش اسلوبی اور ربط کے ساتھ کرتا ہے۔

تاب جعدین و خم زلف تو نشناسم ہمی — از خم و تاب کمند خسرو مالک رقاب
ہرگز او در چار وقت از چار چیز اندر نماند — عجز ہرگز پیش یک نہمت بلم نگشت اور احجاب
وقت کردار از توان و وقت پیکار از عدو — وقت دیدار از ثواب و وقت گفتار از جواب
ہشت چیز او را ببرد از ہشت مایہ ہشت چیز — سال و مہ این ہشت چیز او را ہمیں ست اکتساب
حلم او سنگ زمین و طبع او لطف ہوا — روے او دیدار ماہ و کف او جود سحاب
رسم او حسن بہار و لفظ او قدر لشکر — خُلق او بازار مشک و خوے او بوے گلاب
ہشت کہ چیزش را برابر یافتم با ہشت چیز — ہر یکے زان ہشت سوئے فضل او دارد تاب
تیغ او را با قضا و تیر او را با قدر — اسپ او را با سپہر و خشت او را اشہاب
حزم او را با امان و عزم او را با ظفر — لفظ او را با قران و حفظ او را با کتاب

صنعت سوال و جواب میں اشعار ذیل ہیں بلکہ اس قصیدہ کے بہت سے اشعار اسی صنعت میں ہیں۔ تعریف خزاں میں اس کی تشبیب ہے۔ اور

لہ اگلے زمانہ میں خشت باری اور سنگساری سے بھی جنگ میں کام لیا جاتا تھا ۱۲

بعد ازاں مدح امیر یوسف برادر سلطان محمود ہے۔

چو زر شد ندر زاں از چہ؟ از نہیب خزاں بکینہ گشت خزاں باکہ؟ با سپاہ زاں
ہوا گسست گسست از چہ؟ بر گسست از ابر زچیست ابر؟ ندانی تو از بخار و دخان
گزندہ گشت چہ چیز؟ آب چون چہ؟ چون کشندم خلندہ گشت ہمی باد چوں چہ؟ چوں پیکان
بریخت کہ؟ گل سوری چہ ریخت برگ چرا؟ زہجر لالہ کجا رفت لالہ؟ شد پنہاں

امیر یوسف برادر سلطان محمود کی مدح پھر اسی صنعت میں کرتا ہے۔

چہ گویم اورا؟ برّو چہ خوانم اورا؟ مدح چہ بوسم اورا؟ خاک و چہ بخشم اورا؟ جان (جان نثار کروں)
زدل چہ خواہد؟ فضل و زکف چہ خواہد؟ جود دلش چہ آمد؟ بحر و کفش چہ آمد؟ کان

بعض الفاظ غریب اور غیر مانوس بھی استعمال کرتا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ قافیہ کی تنگی کی وجہ سے ہوں۔ یا ہم ہندوستانیوں کو غریب معلوم ہوتے ہیں اور اہل زبان کے نزدیک معمولی ہوں یا مدت گزرنے کی وجہ سے غیر مانوس ہو گئے ہوں

خانۂ بے طاعتاں از تیغ تو گردد خراب گنجہائے مغربی از دست تو گردد غرب

علی (عبدالرسولی) ایرانی جامع و مصحح دیوان فرخی نے غرب کے معنی فٹ نوٹ میں برکندہ از وطن بتائے ہیں۔ اور نسخہ خرب بھی لکھا ہے۔

در براین سوے دگر فرمان دہد شمشیر تو فرد گرداند زخالی تا کہ حصن از قرب

جامع مذکور نے لفظ قرب پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ کذا فی جمیع النسخ۔ میں نے مصرع ثانی کی تصحیح یوں کی ؎ فرد گرداند حالی از گہ چین تا عرب

چشمۂ روشن نہ بیند دیدہ از گرد سیاہ بانگ تندر نشنود گوش از غوکوس و چلپ (چھاجنے)

چلپ چھاجنے کو کہتے ہیں۔

سراو باغ چو بے کد خدائے خواہد ماند گل و بنفشہ مرست و سراو باغ مرست

مُرست بمعنی مماناد۔ و نردید۔ ممکن ہے قدیم زبان ہو۔

دل بردو مرا نیز بمردم نشمرد گفتا کہ چہ سود است کہ درغ آید برد

درغ دہ پشتہ اور بندہ جو لکڑی۔ خاک۔ گھانس اور گارے سے دریا کا پانی روکنے کے لئے باندھتے ہیں۔

نبود چوں ہمائے فرخ کرگس ہمچو نباشد بشبہ باز خشین پند

خشین بمعنی سفید۔ و پند بمعنی زغن و غلیواز و خاد

کہ بستہ اند ہمہ پر زاغ بر تبریز کہ کردہ اند ہمہ خون زاغ بر منقار

تبریز شاخ جامہ

آیم چون بخ بگوشۂ بنشینم پوست بیکرہ برون کنم ز ستغفار

بُخ بضم باء موحدہ صورتے مہیب کہ برائے ترسانیدن اطفال سازند و دیجا

گر نگیرد نظلش اندر جاے کمتر آید ہمائے از در کاک

در کاک کنجشک و بعضے مردار خوار (گدھ) گفتہ اند۔

کاروانے بیسراکم داد جملہ بارکش کاروانے دیگرم بخشید بختی جملہ رنگ

بیسراک شتر بختی شتر اصفہانی۔ رنگ شترے کہ برائے تتاج نگاہدارند۔

بر شاد گونہ خفت ملک شاد و شادکام دولت رہی و بخت مطیع و فلک غلام

شاد گونہ۔ توشک و نہالی۔

دو فرگن ست روان از دو دیدہ بر دو خم خم ز رفتن فرگن بجملگی فرغن

فرگن۔ فرغن۔ فرغر ہر سہ بمعنی جوے (از فرہنگ اسدی طوسی)

دست و زباں بدو نرسد کس را آرے بماہ بر نرسد لا تو

لا تو بمعنی نردبان۔

بر فضل او گواہ گذراند دل گرچہ گواہ نخواہند از خستو

خستو مقر و معترف۔

صد اسپ تازی و سیصد ستجارہ زگوہر ہمچو گردون پر ستارہ

ستجارہ کرۂ اسپے کہ بر آن زین نگذاشتہ باشند (ناکندیچیڑا)

در تنور ویل باد ادشمنت از بلسیک خیتنور او سیختہ

بلسیک بکسر تین سیخ آہنی کہ سر آن پہن باشد و آتش تنور را بدان بگردانند

خیتنور۔ پل صراط و آنرا۔ زراط و سراط نیز گفتہ اند (فرہنگ انجمن آرائے ناصری)

ویل۔ درکۂ از جہنم۔

(باقی دارد) سید اولاد حسین شادان بلگرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰے

علم کلام اور نظریۂ "استطاعۃ"

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء)

بدانکہ ارادہ شرعی فرع ارادہ تکوینی است - باں معنی کہ خدا در ازل الازال دانست کہ مصلحت آں است کہ در فلاں زماں اشخاص کذا وکذا موجود شوند - وور فلاں وقت اشخاص کذاوکذا - و مصلحت در حق جماعت اولی آنست کہ چنیں وچنیں کنند و مصلحت در حق جماعت اُخری آں است کہ چناں وچناں کنند - پس ارادہ فرمود خلق آنہا را در ازمنہ معہودہ و تعیین فرمود تعلیق اثابت و تعذیب را بر افعال مختصہ بحسب ہر زمانے - پس ایں ہمہ در ازل الازال متحقق شد - بعد ازاں چوں آں وقت با رسید نازل کرد قضا را در ملاء اعلیٰ - و بسبب ایں قضا در حظیرۃ القدس کہ عبارت از مدارک ملاء اعلیٰ است یا چیزے دیگر قریب آں - آنہمہ تعلیقات مثبت گشت - و ایں امر متجدد است بحسب تجدد ازمنہ، کہ در شرائع الیہ تعبیر ازاں بِکَتَبَ اللّٰہُ واقع شد - قال اللہ تعالےٰ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی - وقال، کتب علیکم الصیام - و ایں جا استعداد اشخاص و حوادثے کہ خلق آں مقدر شدہ است - مقدم است بریں تعلیقات تقدماً ذاتیاً - وہمیں است سبب اختلاف شرائع -

پس تعلیق نہ کرد ثواب وعقاب را بر تعظیم سبت وہتک حرمت آں در شریعت موسویہ الا بجہت مصلحتی کہ ناشیہ است از استعداد آں جماعت -

و تربیتے کہ بایں جماعت مناسب است۔ و تعلیق نہ کرد ثواب و عذاب را به اجتماع روز جمعہ و ترک آں در شریعت مصطفویہ الا بجہت مصلحتے کہ ناشیہ است از استعداد ایں جماعت و تربیتی کہ بایں جماعت مناسب است۔ مانند طبیبے کہ مریض محرور را دوائے بارد میدہد، و مریض مبرود را دوائے حار، بعد ازاں نازل فرمود بر السنۂ انبیا آں تعلیقات را۔

و تعبیر ازاں تعلیقات بطرق مختلفہ واقع مے شود۔ گاہے بہ اعتبار کتب اللہ علیکم کذا و کذا۔ و گاہے بامر و نہی۔ افعلوا کذا۔ لا تفعلوا کذا۔ و تعیین ایں تعلیقات اولاً۔ و ظہور آں در ملاء اعلے ثانیاً ہماں است کلام نفسی و لہذا اشاعرہ جازم اند بآنکہ کلام نفسی در اصل یکے است۔ بامر و نہی و اخبار تکثرے در حقیقتش راہ نمے یابد۔ و بہ عربی و سریانی وصف آں نتواں کرد۔

قال الامام الرازی ان کلام اللہ تعالےٰ واحد۔ و مع کونہ واحداً فہو امر و نہی و خبر۔ و تحقیق الکلام یرجع الی حرف واحد و ہو ان الکلام کلہ خبر لان الامر عبارۃ عن تعریف الغیر انہ لو فعل لصار مستحقاً للمدح، و لو ترک صار مستحقاً للذم۔ وکذا القول فی النہی۔ و اذا کان المرجع للکل الی شئے واحد۔ و ہو الخبر صحّ قولنا ان کلام اللہ شئے واحد۔ انتہی (قلت و ہو طور غیر ما ذکرنا۔ و لکل وجہۃ)

و ایں کلام نفسی باعتبار اول قدیم و ازلی است۔ و باعتبار کتابت در ملاء اعلے محدث متقدم از بعثت پیغمبر۔ نہ عربی، نہ سریانی۔ و باعتبار ظہور او بواسطہ جبریل بر قلب پیغامبر ثالثاً محدث متاخر از بعثت پیغامبر بلسان عربی کما قال و انہ لتنزیل رب العلمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین" و ایں کلام نفسی در افادۂ ایجاب و تحریم اقوی جمیع

انواع احکام است ۵ بقدر الضرورۃ ص۲۵۶ ۔ ص۲۵۷

نکتۂ نفیسۂ فی الاشاعرۃ | امام ولی اللہ دہلوی قرۃ العینین میں فرماتے ہیں۔ بدانکہ اشاعرہ دو قسم اند، (۱) متکلمین۔ کہ در مناظرہ و مخاصمہ سہم اعلے نصیب ایشان است۔ اما در حدیث تبحرے و توسعے ندارند۔ مثل ابوبکر باقلانی امام رازی قاضی بیضاوی، قاضی عضد، ملا سعد (۲) و محدثین کہ در حدیث و توسّع روایات قدح ادنی یافتہ اند۔ اما در مناظرہ و مخاصمہ و مراجعہ غور نہ نمودہ اند۔ مثل آجُرّی و بیہقی۔

و بعد ازیں ما ہمہ مردم از ریزۂ ہر دو خوان تناول نمودہ ایم۔ و کاسۂ ہر دو فریق لیسیدہ ایم۔ عجب نیست کہ در صورت اجتماع امرے ظاہر شود کہ در ہر واحد تنہا موجود نہ بود ؎

ازیں افیوں کہ ساقی در می افگند حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

۵ ص۲۲۰ ص۲۵۳

اشعری اور حسن و قبح افعال | راقم حقیر کو جس طرح مسئلہ کلام الٰہی میں امام اشعری کا مسلک نہایت ادق، بالاتر از عقل، یا بعید از طبع معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح حسن و قبح افعال میں اشعری کا مسلک موجب حیرت ہے۔ اسی دھن میں بسر ہوتی ہے۔ کہ کوئی ایسی تصنیف ملے۔ جس سے اس مسئلہ کو بھی اسی طرح حل کیا جا سکے۔ جس طرح مسئلہ کلام الٰہی میں "قرۃ العینین" سے تشفی ہوئی۔ سر دست میرے دماغ میں وہی مسلک پوری قوت اور استحکام سے مرکوز ہے۔ جو حافظ ابن القیم حنبلی نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "مفتاح دار السعادۃ" میں بڑی شد و مد سے پیش کیا ہے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ قلم توڑ دیا ہے۔ "لیس وراء عبادان قریۃ" مذاہب کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

احکام کے حسن و قبح سمجھنے میں آیا عقل انسانی مستقل ہے یا نہ ؟
(۱) معتزلہ کہتے ہیں کہ ہاں مستقل ہے۔ عقل سمجھ سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ کے حکم میں فلاں فعل کا کرنا ممنوع ہے۔ نیز سمجھ سکتی ہے کہ خدا کے حکم میں فلاں فعل کرنا واجب ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کے ہاں افعال کے لئے حسن و قبح صفات ذاتیہ سے ہے۔ الغرض عقل حاکم ہے۔ اور شرع مبین ہے۔
(۲) اشاعرہ تمامہا کا مذہب ہے کہ افعال کی ذات میں مطلقاً حسن و قبح نہیں۔ یہ سب شریعت کی کارفرمائیاں ہیں۔ شریعت نے جس کا حکم دیا وُہ حسن ہوگیا۔ اور جس سے روکا وہ قبیح ہوا۔ ورنہ اگر شریعت اس کے خلاف حکم دیتی تو حسن قبیح اور قبیح حسن ہو سکتا تھا۔ بالفاظ دیگر شرع ہی حاکم اور مبین ہے (۳) تمام تر ماتریدیہ (حنفیہ) کہتے ہیں کہ گو حسن و قبح افعال کے لئے ذاتی ہے۔ جیسے معتزلہ نے کہا۔ مگر عقل حاکم نہیں بلکہ حاکم خدا تعالےٰ اور شرع شریف ہے۔ اُسی کی تصریح سے کوئی فعل واجب یا ممنوع ہوتا ہے عقل حسن و قبح معلوم کرنے کا فقط ذریعہ اور آلہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرع حاکم اور عقل مبین ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔ والشرع جاء بتقریر ما ہو مستقر فی الفطر والعقول من تحسین الحسن والامر بہ وتقبیح القبیح والنہی عنہ۔ و انہ لم یجئ بما یخالف العقل والفطرۃ وان جاء بما یعجز العقول عن احوالہ والاستقلال بہ۔ فالشرائع جاءت بمجازات العقول دون محالاتہا۔ و فرق بین مالا تدرک العقول حسنہ و بین ما تشہد بقبحہ فالاول مما یاتی بہ الرسل دون الثانی۔ و اخطاء المعتزلہ فی ترتیب العذاب علی ہذا القبیح عقلا کما تقدم و اصابوا فی اثبات الحکمۃ للہ و انہ لا یفعل فعلا خالیا عن الحکمۃ۔ بل کل افعالہ مقصودۃ لعواقبہا الحمیدۃ وغایاتہا المحبوبۃ لہ ص ۶۳ ۔ مفتاح ۔ قال

بعض الصحابۃ وقد سئل عما اوجب اسلامہ - فقال ما امر بشئ فقال العقل لیتہ نہی عنہ ولا نہی عن شئ فقال العقل لیتہ امر بہ - فلو کان الحسن والقبح لم یکن مرکوزاً فی الفطر والعقول لم یکن ما امر بہ الرسول ونہی عنہ عَلَماً من اعلام صدقہ ومعلوم ان شرعہ ودینہ عند الخاصۃ من اکبر اعلام صدقہ وشواہد نبوتہ کما تقدم ھ مفتاح ص۲۰۱ حتی انہ لو قدر انہ لم یرسل رسلہ ولم ینزل کتبہ لکان فی الفطرۃ والعقل ما یقتضی شکرہ وافرادہ بالعبادۃ ھ مفتاح ص۹۳/۲ فاتفقت شریعتہ وفطرتہ وتطابقا وتوافقا وظہرا انہما من مشکاۃ واحدۃ ص۹۴/۲

امام ابو منصور ماتریدی اور اشعری میں موازنہ

امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری ۲۶۰ھ اور بقول بعض ۲۷۰ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور تمام عمر بغداد میں رہے۔ ۳۲۴ھ میں بغداد میں فوت ہوکر وہیں دفن ہوئے

اختلاف المذاہب اور اشعری کا ماحول

اشعری کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی بصرہ مذاہب مختلفہ اور آراء متناقصہ کا مرکز بن چکا تھا -

قدریہ

معبد بن خالد جہنی قدری نے بصرہ سے ہی انکار تقدیر کی دعوت شروع کی - اور علی الاعلان کہا - "لا قدر والامر انف" یہ قدریہ کی ابتداء ہے یہ لوگ اپنے غلو میں یہاں تک کہہ گئے - کہ خیر کا خالق خدا تعالےٰ اور شر کا خالق بندہ خود ہے - جیسے مجوسیوں نے نور کا خالق یزدان کو، اور ظلمت کا خالق اہرمن کو ٹھہرایا -

غیلان بن مسلم دمشقی نے (جس کو خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے قتل کرایا تھا) دمشق میں معبد قدری کے مذہب کی تبلیغ شروع کی -

جبریہ

ادھر خراسان میں جہم بن صفوان نے معبد قدری کی تردید شروع

کی۔ مگر اثبات تقدیر پر اس قدر زور دیا۔ کہ خود جبر کی دلدل میں پھنس گیا۔ یہیں سے جبریہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

معتزلہ | امام حسن بصری بصرہ کے جلیل القدر تابعی بصرہ میں تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہتے تھے۔ واصل بن عطا غزال معتزلی بعد اس کے کہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سے اعتزال سیکھ چکا تھا۔ امام حسن بصری کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا تھا۔ عاصی مرتکب کبیرہ کے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ کہ آیا مومن ہے یا کافر۔ واصل نے بڑھ کر کہا۔ نہ مومن ہے جیسے سُنّی کہتے ہیں اور نہ کافر جیسے خوارج کا مذہب ہے۔ مگر ہے مخلد فی النار۔ یعنی واصل نے فقط نام میں اختلاف کیا۔ حکم میں خوارج سے پوری طرح متفق ہے۔ اس پر امام حسن بصری نے فرمایا۔ "اعتزل عنا" یہیں سے واصل نے مذہب اعتزال کا اعلان کیا۔ اور عمرو بن عبید سے مل کر اپنے اصول خمسہ مذکورہ بالا کی تبلیغ شروع کی۔ جس سے اکابر معتزلہ۔ مثلاً بشر بن معتمر، ابوالہذیل علاف، ابوبکر بن کیسان اصم۔ نظام، ہشام قُوطی، شحام، جاحظ، قاضی ابن ابی دواد، ابوموسے بن صبیح مردار، جعفرین، اسکافی، جبائی، ابوہاشم وغیرہ۔ بروئے کار آئے۔ جنہوں نے بغداد اور بصرہ کو اعتزال کا مرکز اعظم بنا دیا۔

حشویہ | علےٰ ہذا القیاس امام حسن بصری کی مجلس میں ایک دفعہ کہیں عقل سے بیر رکھنے والے، ظاہر پرست رواۃ حدیث آنکلے۔ اُنہوں نے کچھ خارج از عقل باتیں کہیں۔ جن کو سُن کر حسن برہم ہُوئے۔ اور فرمایا۔ "ردوہم الی حشا الحلقۃ ای جانبہا" یہاں سے دشمنان عقل، منکران دانش، حشویہ کی ابتدا ہوئی۔ جو معتزلہ کی نقیض صریح، اور مقابل جانب پر کھڑے ہیں۔

حشویہ کی اصلی عداوت علوم عقلیہ، فنون نظریہ سے ہے۔ جو فرقہ بھی اس طرف جھکا وہ اس سے دست وگریبان ہوئے۔ معتزلہ کی موشگافیوں نے ان کو ہر چیز کی تہ تک پہنچنے کا عادی بنا دیا تھا۔ نیز وہ جمود سے جہاد کرنے کے لئے گویا عالم میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تمام ان خیالات فاسدہ کو باطل کرتے تھے۔ جو خلاف اسلام مذاہب سے اسلام میں آگھستے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمات بہت ہی وقیع ہیں۔

لطیفۃ فی جہل الرواۃ | حافظ ابوالحسن دارقطنی، جو اپنی ہمہ دانی کے زعم میں امام الائمہ قاضی قضاۃ العالم ابو یوسف پر "اعور فی العمیان" کی پھبتی کستے ہیں۔ آپ احمد بن یوسف بن خلاد عطار کے تلمیذ ہیں۔ اور احمد بن یوسف باوجود پکا راوی ہونے کے صاع اور مد کے معنوں سے قطعاً بے خبر ہیں۔ خطیب بغداد اس عبرت انگیز واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

قال الحسن بن شہاب العکبری حضرت مع ابی الحسن الدارقطنی عند احمد بن یوسف فجری ذکر الصاع والمد، فقال احمد لابی الحسن ایما اکبر، الصاع او المد؟ فقال لنا ابوالحسن انظروا الی شیخکم الذی تسمعون منہ والی ما سأل عنہ قلت کان ابن خلاد لا یعرف شیئاً من العلم غیر انّ سماعہ کان صحیحاً ۲۲۱/۵ خطیب

(ترجمہ) حسن بن شہاب کہتے ہیں۔ کہ میں ابوالحسن دارقطنی کی معیت میں احمد بن یوسف عطار کے حلقہ درس میں حدیث پڑھنے گیا۔ اثناء بحث میں صاع اور مد کا ذکر آگیا۔ اس پر استاذ احمد بن یوسف نے اپنے تلمیذ ابوالحسن دارقطنی سے پوچھا۔ کہ صاع بڑا ہوتا ہے یا مد؟ اس پر دارقطنی نے ازراہ تعجب دوسرے شاگردوں کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ سنا شیخ صاحب (جس سے حدیث پڑھ رہے ہو) کیسا معقول سوال کر رہے ہیں؟ خطیب کہتے ہیں۔

احمد بن یوسف علم کا ایک حرف بھی نہ جانتے تھے۔ مگر ان کا سماع صحیح تھا۔ عقلمندوں نے کہا ہے۔ "یک من علم را وہ من عقل باید" مگر یہاں تو عقل ہی ندارد۔ صرف طوطے کی طرح الفاظ رٹ لئے ہیں۔ اور بس۔ انہیں ظاہر پرستوں کے دم قدم سے حدیث غرانیق کی توثیق ہوئی۔ ابن حجر شیخ الاسلام کا مطبوع مستقل رسالہ موجود ہے۔ زن اوریا، امرأۃ العزیز، فسانہ ہائے نکاح حضرت زینب کی تصدیق ہوئی۔ حتیٰ کہ ایسی ایسی روایات سامنے آئیں جن کے تسلیم کر لینے پر نہ عصمت انبیاء رہتی ہے اور نہ تحفظ قرآن۔ رہا حدیث روایات کا وہ حصہ جو قرآن کریم کی شرح، اور اسوۂ حسنہ کی تعبیر ہو۔ اس کے تسلیم کرنے کے سوا چارہ ہی کہاں ہے۔ ان حالات میں خطیب کے اس قول کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ جو اس نے ازراہ تعصب محمد بن شجاع ثلجی حنفی کے متعلق لکھا ہے۔

احتال فی ابطال الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وردہ نصرۃ لابی حنیفہ ورأیہ ھ خطیب ص ۳۵۱/۵

(ترجمہ) حنفی مذہب کی پاسداری میں ثلجی نے حدیث رسول کو باطل قرار دیا"

کوئی مسلم کلمہ گو حدیث کو اس لئے باطل قرار نہیں دے سکتا کہ وہ مذہب کے مخالف ہے۔ ثلجی کا تو رتبہ ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ توفی وہو فی صلاۃ العصر ساجداً ھ خطیب ص ۳۵/۵ البتہ اصول روایت و درایت کے رو سے انہوں نے بھی کچھ قطع و برید کی ہوگی۔ اور دوسرے محدثین کو بھی کرتے ہی بنتی ہے۔

فرقہ ہائے سیاسی

شیعہ | جس طرح بصرہ و بغداد مذکورہ بالا مذہبی فرقوں کا مرکز تھے۔ اسی طرح

سیاسی مختلف امیال وعواطف کی جماعتیں بھی یہیں لنگر انداز تھیں اور اسی خاک سے اُٹھیں۔ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں جب مختلف سیاسی فتنے کھڑے ہوئے۔ اور خلیفہ نے ان کے سدباب کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی۔ تو عبداللہ بن سبا یہودی کو اہل بیت کے نام پر مزید اختلاف بڑھانے اور اپنی تحریکات سیاسیہ کو مذہبی رنگ دینے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک غلو کیا کہ ابو عمر وکشی رافضی کو بھی کتاب الرجال میں یہ لکھنا پڑا۔

ذکر بعض اہل العلم ان عبداللہ بن سبا کان یہودیاً فاسلم ووالی علیاً وکان یقول وہو علی یہودیتہ فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفاتہ صلعم فی علی مثل ذلک و کان اول من اشتہر بالقول بفرض امامۃ علی و اظہر البراءۃ من اعدائہ واکفرہم فمن ہہنا قال من خالف الشیعۃ ان اصل الرفض ماخوذ من الیہودیتہ ھ کتاب الرجال صلے کان یدعی النبوۃ ویزعم ان علیاً ہو اللہ تعالےٰ فاحرقہ علی ھ صلے و قال الامام جعفر الصادق انا اہل بیت صدیقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا عند الناس ھ صلے

(ترجمہ) علما کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا دراصل یہودی تھا۔ وہ مذہب یہودیت کے وقت یوشع بن نون وصی موسےٰ میں غلو کا قائل تھا۔ جب اسلام لایا۔ تو حضرت مرتضیٰ میں غلو کیا۔ ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے مسئلہ امامت کی فرضیت کا عقیدہ گھڑا۔ پھر صحابہؓ پر تبرّا گوئی اور اُن کی تکفیر کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین مذہب شیعہ کہا کرتے ہیں کہ مذہب شیعہ دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔ عبداللہ بن سبا خود مدعی نبوت تھا۔ اور حضرت مرتضیٰ کو الٰہ کہتا تھا۔ آپ نے اس کو آگ میں جلا دیا تھا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ہم اہل بیت صدیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے خلاف

ہمواره کوئی نہ کوئی کذاب جھوٹ کے طومار باندھتا رہتا ہے۔"

مقصد رفض | امام فضل اللہ تورپشتی حنفی (معاصر شیخ سعدی) کتاب المعتمد باب سوم فصل چہارم میں لکھتے ہیں۔" درخلافت ابوبکر سخن گفتند چہ آں مفضی میشود بہ طعن درجملہ صحابہ وطعن درایشاں مفضی مے شود بہ طعن در دین، زیرا کہ قرآن و حدیث و احکامیکہ ازاں مستفاد است از صحابہ بما رسیدہ است، وچوں حال ایشاں براں وجہ اعتقاد کنند کہ متبدعان میگویند، برنقل ایشاں ہیچ اعتماد نماند۔ پس شریعت ثابت نشود ھ

خطیب بغداد لکھتے ہیں۔ ولما جاء الرشید بشاکر راس الزنادقۃ لیضرب عنقہ قال اخبرنی لم تعلمون المتعلم منکم اول ما تعلمونہ، الرفض والقدر۔ قال اما قولنا بالرفض فانا نرید الطعن علی الناقلۃ۔ فاذا بطلت الناقلۃ او شک ان تبطل المنقول ھ صہ ۳۰۸۔

امام شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر ص۲۲۶ میں بعینہٖ اسی قسم کی تصریحات ذکر کی ہیں۔

خوارج ومعتزلہ | صفین میں واقعۂ تحکیم کے بعد حضرت علی کے متبعین کی ایک جماعت آپ سے کٹ کر علیحدہ ہوگئی۔ ان میں سے ایک جماعت نہایت غالی تھی جس نے علی مرتضیٰ کی، ہر مرتکب کبیرہ کی صریح تکفیر کو رکنِ مذہب قرار دیا۔ خوارج رفض کا ردعمل تھے۔ مگر خوارج کے بروئے کار آنے سے رفض کو محبتِ اہل بیت کی آڑ میں پاؤں پھیلانے کا بڑا موقع ملا۔

دوسری جماعت نے بقول ابوالحسین طرائفی شافعی متوفی ۳۷۷ھ اپنا نام معتزلہ رکھا۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ امام حسن نے حضرت معاویہ سے بیعت کرلی تھی۔ یہ جماعت ہر دو فریق سے ہٹ کر حجروں اور مسجدوں میں

گھس گئی۔ اور سیاسیات کو مطلقاً خیرباد کہکر عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئی۔"
اس جماعت کے پہلے داعی ابو ہاشم عبداللہ اور اُن کے بھائی حسن (فرزندان
محمد بن حنفیہ) ہیں۔

مرجئہ | حسن بن محمد بن حنفیہ پہلا شخص ہے جس نے خوارج کے غلو کے
مقابلہ میں یہ کہا۔ کہ ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا۔ اعمال حقیقت ایمان
سے خارج ہیں۔ اس لئے مرتکب کبیرہ کافر اور مخلد فی النار نہیں۔ اس پر
حسن اور اُن کی جماعت کو مرجیئہ کہا گیا۔ کیونکہ اُنھوں نے اعمال کو ایمان
کی حقیقت سے پیچھے ہٹا دیا۔ ارجا کے معنے پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ قال
تعالیٰ ترجی من تشاء۔ یہ لوگ مرجئۃ السنۃ کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد ایک
دوسرا گروہ پیدا ہوا۔ جس نے کہا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت
خواہ کتنی بڑی ہو ضرر نہیں دیتی۔ یہ مرجئۃ البدعۃ کہلاتے ہیں۔

معانی الارجاء | ارجاء کے دو معنی گزر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ علما نے
ارجا کے بعض اور معنے بھی لکھے ہیں۔ حسن بن محمد مذکور کی طرف دراصل
انہیں معنوں کو منسوب کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر تہذیب التہذیب
میں فرماتے ہیں :-

قال ایوب انا اتبرء من الارجاء ان اول	(ترجمہ) ایوب کہتے ہیں کہ میں مذہب
من تکلم فیہ رجل من اہل المدینۃ یقال	ارجا سے بیزار ہوں۔ سب سے
لہ الحسن بن محمد قلت انا وقفت علی کتاب	پہلے اس مذہب پر حسن بن محمد مدنی
الحسن بن محمد قال فیہ ونوالی ابابکر وعمر	نے کتاب لکھی۔ میں کہتا ہوں کہ میں
ونجاہد فیہما لانہما لم یقتتل علیہما الامۃ	نے حسن بن محمد کی کتاب مذکور دیکھی
ولم تشک فی امرہما وترجی من بعدہما	جس میں کہتے ہیں کہ ہم شیخین کی موالات

ممن دخل فی الفتنۃ فنکل امرہم الی اللہ فمعنی الذی تکلم فیہ الحسن انہ یری عدم القطع علی احدی الطائفتین المقتتلین فی الفتنۃ بکونہا مخطئۃ او مصیبۃ وکان یری انہ یرجئ الامر فیہما - واما الارجاء الذی یتعلق بالایمان فلم یعرج علیہ، فلا یلحقہ بذلک عاب ھ ص ۳۲۰/۲ ص ۳۲۱

کا دم بھرتے ہیں - اور اُن کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں - کیونکہ ان کے متعلق امت نے جنگ نہیں کی - اور نہ کسی قسم کا شبہہ ہی کیا ہے شیخین کے بعد مشاجرات میں پڑنے والے صحابہ کرام کا معاملہ خدا تعالےٰ کے حوالہ کرتے ہیں - خلاصۃ المرام اینکہ - حسن جس ارجا کے قائل ہیں -

اس کے یہ معنی ہیں - کہ مشاجرات صحابہ میں ہم کسی ایک فریق کو غلط کار، اور دوسرے کو راہ راست پر نہیں کہہ سکتے - بلکہ ہم اُن کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں - رہے ارجا کے وہ معنی جو ایمان سے متعلق ہیں - یعنی اعمال صالحہ سے ایمان بڑھتا نہیں اور بد سے گھٹتا نہیں - سو یہ معنی نہ اُس کی مراد ہیں اور نہ اُس کو کوئی ملامت کیجا سکتی ہے -

امام اعظم اور ارجاء امام ابوحنیفہ پر ارجاء کا حملہ سب سے پہلے مصنفین سے غالباً ابو محمد بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب "المعارف" میں کیا - ابن قتیبہ کی عبارت حسب ذیل ہے - المرجئۃ منہم ابو حنیفہ صاحب الرائے و ابو یوسف صاحب الرائے و محمد بن الحسن ھ طبع مصر ص ۲۰۷

ہمارا یقین ہے کہ امام نے ارجاء کے وہ معنے نہیں لئے جو مرجئۃ البدعۃ کے ہاں مراد ہیں - بلکہ وہی معنی مراد لئے ہیں - جو ہم ابھی حسن بن محمد سے بحوالۂ تہذیب التہذیب نقل کر آئے ہیں - خود امام الائمہ نے کتاب العالم والمتعلم ص ۱۹ ص ۲۰ ص ۲۱ پر ارجاء کے معنوں پر مبسوط بحث کی ہے -

وہاں ملاحظہ ہو۔ آخری جملے حسب ذیل ہیں ۔ ومن الارجاء ان ترجی لاہل الذنوب ولاتقول انہم من اہل النار ومن اہل الجنۃ فان الناس عندنا علی ثلثۃ منازل، الانبیاء انہم من اہل الجنۃ ومن قالت لہ الانبیاء انہ من اہل الجنۃ فہو من اہل الجنۃ۔ والمنزلۃ الاخری المشرکون نشہد علیہم انہم من اہل النار۔ والمنزلۃ الثالثۃ ہم الموحدون، نقف علیہم لانشہد علیہم انہم من اہل النار ولامن اہل الجنۃ ولکنا نرجولہم ونخاف علیہم کما قال اللہ عزوجل خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً۔ عسی اللہ ان یتوب علیہم، فنرجو لہم لان اللہ قال ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفرما دون ذلک لمن یشاء، ونخاف علیہم بذنوبہم وخطایاہم ۔

خطیب بغداد، ابراہیم بن طہمان (شیخ امام اعظم وعبداللہ بن مبارک وعبدالرحمان بن مہدی وسفیان بن عیینہ وغیرہ اکابر) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں وابراہیم بن طہمان کان مرجئاً۔ قال ابوالصلت لم یکن ارجائہم ہذا المذہب الخبیث۔ ان الایمان قول بلاعمل، وان ترک العمل لایضر بالایمان۔ بل کان ارجائہم انہم یرجون لاہل الکبائر الغفران، رداً علی الخوارج وغیرہم الذین یکفرون بالذنوب، فکانوا یرجون ولایکفرون بالذنوب، ونحن کذلک۔ سمعت الوکیع بن الجراح یقول سمعت سفیان الثوری فی آخر امرہ یقول نحن نرجو لجمیع اہل الذنوب والکبائر الذین یصلون الینا ویصلون صلاتنا وان عملوا ای عمل ۔ ص ۱۰۹ ج ۶

شہرستانی نے الملل والنحل ص ۱۸۸ طبع مصر میں بھی اس مبحث پر قلم اٹھایا ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ دہلوی نے تفہیمات الہیہ جلد اول میں اس کو حل کیا ہے من شاء فلیرجع الیہما۔ ولنکتف بہذا القدر والافللمقول مجال وسیع۔

ملاحظہ | یہاں تک اُن اسلامی فرقوں سے بحث تھی۔ جن کا تعلق بصرہ سے

ہے خواہ سیاسی ہوں۔ خواہ خالص مذہبی۔ ان تمام کے بعد زنادقہ اور ملاحدہ کی دعوت و تبلیغ ہے۔ حماد عجرد۔ عبداللہ بن مقفع، عبدالکریم بن ابی العوجا صالح بن عبدالقدوس حصیری، ابن راوندی جیسے ملحدوں نے مجوسیوں اور دوسرے بے مذہب لوگوں کی کتابوں کے ترجمے کرکے سادہ لوح افراد کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ملاحدہ اور ظاہر پرست محدث و معتزلہ

جب یہ فتنہ حد اعتدال سے گزر گیا۔ تو خلیفہ مہدی کو سب سے پہلے خیال آیا۔ اور اُس نے متکلمین و مناظرین کو ملحدوں کی تردید کا حکم دیا۔ اس وقت تین جماعتیں میدان میں تھیں۔ ملحدین۔ داعیان کتاب و سُنّت۔ داعیان اعتزال۔ ظاہر ہے۔ کہ ظاہر کتاب و سنّت پر جمنے والے ملاحدہ کے مقابلہ میں ایک گھڑی بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ کیونکہ اُن کے پاس وہ ہتھیار ہی نہیں جن سے اُن کے غنیم مسلح ہیں۔

احمد بن یحییٰ بن مرتضےٰ زیدی یمنی متوفی ۸۴۰ھ (اعلام زرکلی ص۸۵)
کتاب المنیۃ والامل طبع حیدرآباد ص۳۲-۳۳ پر لکھتے ہیں۔ قال القاضی ولما منع الرشید من الجدال فی الدین وحبس اہل علم الکلام، کتب الیہ ملک السند انک رئیس قوم لا ینصفون و لا یقدرون الرجال ویغلبون بالسیف، فان کنت علی ثقۃ من دینک فوجہ الی من اناظرہ، فان کان الحق معک اتبعنا وان لا نتبعنی۔ فوجہ الیہ قاضیاً و کان عند الملک رجل من السمنیۃ وہو الذی حملہ علی ہذہ المکاتبۃ۔ فلما وصل القاضی الیہ اکرمہ و رفع مجلس فسأل السمنی، فقال اخبرنی عن معبودک ہل ہو القادر؟ قال نعم قال افہو قادر علی ان یخلق مثلہ؟ فقال القاضی ہذہ المسئلۃ من علم الکلام وہو بدعۃ۔ فقال السمنی من اصحابک فقال فلان وفلان وعد جماعۃ

من الفقہاء، فقال السمنی للملک قد کنت اعلمتک بجہلہم و اخبرتک بتقلیدہم۔ قال فامر ذلک القاضی بالانصراف وکتب معہ الی الرشید انی کنت بدء تک بالکتاب و انا علی غیر یقین محاکی لی منکم، فالآن قد تیقنت ذلک بحضور القاضی۔ وحکی لہ فی الکتاب ماجری۔ فلما ورد الکتاب علی الرشید قامت قیامتہ، و ضاق صدرہ، و قال الیس لہذا الدین من یناضل عنہ قالوا بلی یا امیر المومنین ہم الذین نہیتہم عن الجدال فی الدین و جماعۃ منہم فی الحبس فقال احضروہم فلما حضروا قال ما تقولون فی ہذہ المسئلہ فقال صبی من بینہم ہذا السوال محال، لان المخلوق لایکون الا محدثا والمحدث لایکون مثل القدیم۔ فقد استحال ان یقال یقدر علی ان یخلق مثلہ اولا یقدر، کما استحال ان یقال یقدر ان یکون عاجزاً او جاہلاً۔ فقال الرشید وجہوا بہذا الصبی الی السند حتی یناظرہم فقالوا انہ لا یومن ان یسئلوہ عن غیر ہذا فیجب ان توجہ من یفی بالمناظرہ فی کل العلم۔ فقال الرشید فمن ہم ؟ فوقع اختیارہم علی معمر بن عباد السلمی فلما قرب من السند بلغ خبرہ ملک السند فخاف السمنی ان یقتنع علی یدیہ وقد کان عرفہ من قبل، فدس من سمہ فی الطریق فقتلہ ھ

یہی وجہ ہے کہ اس کام کے لئے معتزلہ ہی کو میدان میں اُترنا پڑا۔ اور اُنھوں نے اس میدان میں وہ وہ کام کئے جن کا انکار روز روشن کا انکار ہے۔ علی الخصوص ملاحدہ کے استیصال میں وہ پامردی دکھائی، جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گی۔ دہریہ منکرین نبوت، نصاریٰ یہود آتش پرست وغیرہ کفار کے مقابلہ میں معتزلہ کے احسانات کو فراموش کرنا پرلے درجے کی ناحق شناسی اور احسان فراموشی ہے۔ کیا عبدالرحیم خیاط کی کتاب الانتصار (رد بر ابن راوندی ملحد) کا کوئی جواب ہے ؟ حافظ ذہبی جیسا شدید ناقد

"سیر النبلاء" میں جاحظ پر رحمتیں بھیجتا ہے۔ کیونکہ اس کی تصنیف "کتاب النبوۃ" اپنے باب میں لاجواب ہے۔

تصانیف معتزلہ سے استفادہ بنا بریں معتزلہ کی تصانیف سے مطلقاً سروکار نہ رکھنا بھی گونہ جہالت ہے۔ قال الخطابی فی "معالم السنن" کانت المعتزلۃ فی الزمان الاول علی خلاف ہذہ الاہواء و انما احدثہا بعضہم فی الزمان المتاخرہ

تفسیر کشاف پر تبصرہ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی کتابوں سے وہی لوگ سروکار رکھیں۔ جو ان کتابوں کے مفید اور مضر حصّوں میں فرق کر سکتے ہوں اعتزال کی خفیہ و پیسہ کاریوں میں پھنس جانے سے مطمئن ہوں۔ اس کے متعلق حافظ تاج الدین سبکی کی رائے ایک مشعل راہ کا کام دیتی ہے جو انہوں نے کتاب "معید النعم" میں تفسیر کشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھی۔

واعلم ان الکشاف کتاب عظیم فی بابہ و مصنفہ امام فی فنہ۔ الا انہ رجل مبتدع متجاہر ببدعتہ یضع من قدر النبوۃ کثیراً ولیسئی ادبہ علی اہل السنتہ والجماعۃ۔ والواجب کشط ما فی الکشاف من ذلک کلہ۔ ولقد کان الشیخ الامام (تقی الدین السبکی والد التاج السبکی) یقرئہ، فاذا انتہی الی کلامہ فی قولہ تعالےٰ فی سورۃ التکویر انہ لقول رسول کریم الآیۃ، اعرض عنہ صفحاً وکتب ورقۃ حسنۃ، سماہا "سبب الانکفاف عن اقراء الکشاف" وقال فیہا رایت کلامہ علی قولہ تعالےٰ عفا اللہ عنک، و کلامہ فی سورۃ التحریم وغیر ذلک من الاماکن التی اساء ادبہ فیہا علی خیر خلق اللہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعرضت عن اقراء کتابہ حیاء من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مع ما فی کتابہ من الفوائد والنکت البدیعۃ۔ فانظر الی کلام الشیخ الامام الذی برز فی جمع العلوم وجمع

الموافق والمخالف علی انہ بحر البحار منقولا و معقولا۔ فی ہذا الکتاب الذی تخذت ان عاجم دراستہ فی ہذا الزمان دیدنہا ۔ و القول عندہا فیہ انہ لا ینبغی ان یسمح بالنظر فیہ الا لمن صار علی منہاج السنتہ، لا تزحزحہ شبہات القدریتہ ھ ص ۱۰۴، ص ۱۰۵

الغرض اسلام پر بیرونی حملوں کا جواب جس خوبی اور فیصلہ کن صورت سے معتزلہ نے دیا وہ انہیں کا حصّہ تھا۔ یہی وہ وجوہ تھے جن کے ماتحت معتزلہ نے خوب ترقی کی ۔ حکومتِ وقت کو اپنا گرویدہ بنا کر اس میں خوب اقتدار حاصل کیا۔ اور مامون اعظم جیسے جبار شہنشاہ کو خلق قرآن کا متوالا بنا کر سلطنت کی طرف سے اس عقیدہ کی تبلیغ شروع کرائی۔

رجع الحدیث غرض امام ابوالحسن اشعری نے اس ماحول میں تربیت پائی جس کا ادنےٰ نمونہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام تفصیل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے جس فضا میں نشو و نما حاصل کی اس میں کیا کیا جراثیم مہلکہ موجود تھے۔ وہ معتزلہ کے حلقۂ درس میں پڑھے اور تا دم واپسیں ایسے مرکزوں سے وابستہ رہے جو اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں کے لئے معدن کا حکم رکھتے تھے۔ پھر یہ بھی مدِّنظر رہے کہ اشعری نے بعد از توبہ ان فرقوں سے الگ تھلگ رہ کر بھی زندگی بسر نہیں کی۔ بلکہ ان سے جدال و مناظرہ ان کی بقیہ زندگی کا نصب العین رہا۔

ان حالات میں ذرّہ بھر تعجب کی بات نہیں اگر اشعری کے کلام میں بعد از توبہ بھی بعض امور خلاف عقل یا نقل پائے جائیں۔ کیونکہ جو شخص کسی جماعت کے زیر اثر تربیت پائے، پھر اس سے اور اُس جیسی دوسری جماعتوں سے اسکی پیکار علمی رہے تو ضروری ہے کہ اس کے کلام میں خوردہ گیریوں اور نکتہ چینیوں

کو موقع مل سکتا ہے۔ جیسے ہم حسن و قبح کے متعلق لکھ آئے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ کی کتابیں اشعری پر خوردہ گیریوں سے بھری پڑی ہیں۔ ولیس موضع تفصیلہا

امام ابو منصور ماتریدی آپ کے معاصر امام ماتریدی کا ماحول اشعری سے بالکل مختلف ہے۔ امام مذکور کا نام محمد بن محمد بن منصور ہے شیخ السنتہ، امام المتکلمین لقب ۳۳۳ھ میں فوت ہوکر سمرقند میں دفن ہوئے۔ آپ کی تبلیغ کا مرکز "ماوراء النہر" (جیحون پار) تھا۔ ماتریدی نے بھی فرقِ باطلہ کی تردید میں زور بیان اور طاقتِ قلم کو صرف کیا۔ چنانچہ کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب اوہام المعتزلہ، کتاب رد اہل الادلہ للکعبی، کتاب رد الاصول الخمسۃ، کتاب رد الامامۃ لبعض الروافض، کتاب الرد علی القرامطہ، کتاب تاویلات القرآن وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

کتاب تاویلات القرآن، یعنی تفسیر قرآن از ماتریدی (جس کا ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں بھی محفوظ ہے) کے متعلق حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں۔ لا یوازیہ فیہ کتاب بل لا یدانیہ شئ من تصانیف من سبقہ فی ذلک الفن ھ جواہر مضیہ ھ ص ۱۳۰/۲

مگر ماحول و فضا کے خلاف و موافق ہونے کی وجہ سے ماتریدی کا کلام مذکورہ بالا تمام خوردہ گیریوں سے بالاتر ہے۔ کیونکہ وہاں سنت بدعت پر غالب تھی۔ جیسے ہم اوپر حافظ ابن تیمیہ سے نقل کر آئے ہیں کہ فقہا کرام، علماء کلام کی نسبت قرآن و سنّت کے زیادہ متبع ہوتے ہیں۔ اور ان کے کلام پر بہت کم خوردہ گیری ہوسکتی ہے۔ بنابریں چونکہ متبدعہ و ملاحدہ کا شور و شغب وہاں کم تھا۔ اس لئے اُن کے علمی نظریے، عقلی ہوں یا نقلی، صراط مستقیم اور راہِ اعتدال سے نہیں ہٹے۔

آئمہ حنفیہ کا احسانِ سوم | آئمہ حنفیہ کا علم کلام پہ یہ تیسرا احسان ہے۔ پہلا احسان حضرت امام اعظمؒ کا وجود باجود۔ دوم عقیدہ طحاوی، جو ہمیشہ تمام آئمہ کے لئے شمع راہ رہا۔ سوم امام ابومنصور ماتریدی۔ شیخ السنتہ بماوراء النہر، تاریخ اپنے اسباق دہراتی ہے۔ اس لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ذیل ایک بار پھر صادق آیا۔ قال الشافعی الناس عیال علی ثلاثۃ۔ علی مقاتل فی التفسیر وعلی زہیر فی الشعر وعلی ابی حنیفۃ فی الکلام ھ خطیب ص ۱۶۱/۱۳

موازنہ اشاعرہ و ماتریدیہ | اشاعرہ کو چونکہ دو گروہوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ معتزلہ اور حشویہ کے عین وسط میں کھڑے ہیں۔ نہ تو نقلیات سے اتنے دور بھاگے کہ انکار احادیث صحیحہ کریں۔ جس طرح معتزلہ نے انکار احادیث صحیحہ کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور نہ عقل کو ایسا کورا اور نقد جواب دیا۔ جس کا مظاہرہ حشویہ کے کلام میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ بلکہ پوری احتیاط اور دیانت سے کتاب وسنت کا دامن تھاما۔ اور ہر فرقہ کے ابتداع کو دور سے سلام کیا۔ پھر تمام عالم کو اپنے علوم و فنون سے مالا مال کر دیا۔

رہے ماتریدیہ، وہ اشاعرہ اور معتزلہ کے حاق وسط میں واقع ہیں۔ جیسے مسئلہ حسن و قبح افعال میں حال ہی میں گزرا۔ وانما غرضنا التلویح بلمع من الاخبار دون التفصیل۔ وباللہ التوفیق۔

ما اختلف فیہ الاشاعرۃ والماتریدیۃ | علم کلام کا یہ گوشہ بھی عجیب حوصلہ شکن ہے۔ بمطابق تصریحات گزشتہ و آئندہ (از تاج سبکی وغیرہ) چونکہ عقیدۂ اشعری عقیدۂ طحاوی کا عکس اور ظل ہے۔ پھر ماتریدیہ اور اشاعرہ میں اختلاف کس

طرح ہوسکتا ہے - قال السبکی فی الطبقات ثم ہذہ المسائل الثلثۃ عشر المختلفۃ بین الاشاعرۃ والماتریدیۃ لم یثبت جمیعہا عن الشیخ الاشعری ولا عن ابی حنیفۃ صـ ۲۶۱ ج ۱ - وہی تخریجات در تخریجات کا شاخسانہ ہے - جو متبعین ماتریدی اور اشعری کی علمی طبائع نے کھڑا کیا ہے -

تاہم اختلاف مدون کو اختلاف نہ تسلیم کرنا بھی مشکل ہے - اسی لئے متقدمین و متاخرین نے اس فن میں بھی تصنیفات لکھیں - اور مسائل مختلفہ کی تعداد معین کی - یہاں ہم تفصیلات کو چھوڑ کر صرف چند اشارات پر اکتفا کریں گے -

(۱) حافظ عبدالوہاب سبکی طبقات میں فرماتے ہیں - قال ابوالعباس المعروف بقاضی العسکر (وکان من ائمۃ اصحاب ابی حنیفۃ ومن المتقدمین فی علم الکلام) قد اخذ عامۃ اصحاب الشافعی بما استقر علیہ مذہب ابی الحسن الاشعری بصنف اصحاب الشافعی کتبا کثیرۃ علی وفق ما ذہب الیہ الاشعری - الا ان بعض اصحابنا من اہل السنۃ والجماعۃ قد خطأ ابا الحسن فی بعض المسائل مثل قولہ التکوین والمکون واحد ونحوہا -

فمن وقف علی المسائل التی خطاء فیہا ابوالحسن وعرف خطاءہ فلا باس لہ بالنظر فی کتبہ - فقد امسک کتبہ کثیر من اصحابنا من اہل السنۃ والجماعۃ ونظروا فیہا - ذکر البحث عن تحقیق ذلک - سمعت الشیخ الامام (الوالد رحمہ اللہ یقول ما تضمنہ عقیدۃ الطحاوی ہو ما یعتقدہ الاشعری لا یخالفہ الا فی ثلاث مسائل - (قلت) انا اعلم ان المالکیۃ کلہم اشاعرۃ لا استثنی احدا - والشافعیۃ غالبہم اشاعرۃ لا استثنی الا من لحق منہم بتجسیم او اعتزال والحنفیۃ اکثرہم اشاعرۃ اعنی یعتقدون عقد الاشعری - الا من لحق بالاعتزال - والحنابلۃ اکثر فضلاء متقدمیہم اشاعرۃ ما یخرج منہم من عقیدہ الاشعری الا من لحق باہل التجسیم

بل التجسیم، وہم فی ہذہ الفرقۃ من الحنابلۃ اکثر من غیرہم۔
وقد تاملت عقیدۃ ابی جعفر الطحاوی فوجدت الامر علی ما قال الشیخ الامام۔ وعقیدۃ الطحاوی یزعم انہا الذی علیہ ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد۔ ولقد جوّد فیہا۔ ثم تصفحت کتب الحنفیۃ فوجدت جمیع المسائل التی بیننا و بین الحنفیۃ خلاف فیہا ثلثۃ عشر مسئلۃ۔ منہا معنوی ست مسائل۔ والباقی لفظی۔ وتلک الستۃ المعنویۃ لا تقتضی مخالفتہم لنا ولا مخالفتنا لہم تکفیراً ولا تبدیعاً صرح بذلک الاستاذ ابو منصور البغدادی وغیرہ من ائمتنا و ائمتہم۔ ثم ہذہ المسائل الثلاثۃ عشر لم یثبت جمیعہا من الشیخ ولا عن ابی حنیفۃ ؒ طبقات صـ ۲۶۱ بعد۔

(۲) مذکورہ بالا تیرہ[۱۳] مسائل پر مفصل بحث ابو عذبہ حسن بن عبد المحسن نے اپنی کتاب "الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشعریۃ والماتریدیۃ" میں دی ہے یہ کتاب مولف نے مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا، ۱۳۲۵ھ میں تصنیف کی ابو عذبہ نے بھی سبکی کی طرح مسائل مختلفہ کو پہلے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ قسم اول وہ مسائل جن میں اختلاف محض لفظی ہے۔ درحقیقت اختلاف ہے ہی نہیں۔ انکی تعداد سات بتائی پھر ہر ایک مسئلہ پر مبسوط بحث کی۔ قسم دوم وہ مسائل جن میں اختلاف لفظی نہیں۔ بلکہ اختلاف حقیقی اور معنوی ہے۔ مگر وہ اختلاف کسی فریق کی تکفیر یا تبدیع یا تفسیق کا ہرگز ہرگز موجب نہیں۔ بلکہ تدقیق فلسفی کے پیش نظر محض عقلی موشگافیاں ہیں۔ اور بس۔ ایسے مسائل کی تعداد چھ ہے۔ بعدہ ہر مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ بہرحال اختلافی مسائل کا مجموعہ تیرہ ہی رہا۔ کچھ عجب نہیں کہ غائر نظر اور نکتہ رس شخص آخر الذکر چھ مسئلوں میں غور کرتے کرتے، ان کی تعداد چھ

سے تین تک پہنچا دے۔ جیسے ابن سبکی اپنے والد ماجد، تقی سبکی سے نقل فرما چکے ہیں۔ ولعلنا نفرغ لذلک بعد حین وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ تقدجاءت رسل ربنا بالحق۔

تبصرۃٌ علی حقیقۃ الفقہ الحنفی وفضلہ وتفصیل احسان چہارم

دِقّت رائے، اصابت فہم اور ائمہ حنفیہ | مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ اکابر ائمہ کی تصریحات کے مطابق علم کلام اور علم فقہ امام اعظم کی یادگار ہیں۔ آپ ہی کے طفیل یہ ہر دو فن منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ اور آپ ہی کی تربیت اور آبیاری سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اور اس تمام تفصیل سے ہمارا نصب العین ایک اور صرف ایک تھا۔ ہم بظاہر فقہ اور علم کلام کا مدون اول حضرت امام کو قرار دے رہے تھے۔ مگر درحقیقت یہ کہہ رہے تھے۔ کہ دِقّت رائے، اصابت فہم، نصوص شرعیہ کے علل و اسباب میں غور و خوض، درایت سے روایت کو پرکھنا، اور درایت کے اصول و فروع کا انضباط، مذہب فطرت (اسلام) کو فطرت صحیحہ کے مطابق کر دکھانا، ان تمام تر اصولوں کا سنگ بنیاد سب سے پہلے حضرت امام نے رکھا۔ اور روایت پرستی کے بحر مواج، اور الفاظ کی طوطا کہانی کے سیلاب کو سب سے اول جس شخص نے درایت کی سد سکندری کھڑی کر کے روکا وہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ مذکورہ بالا اصولوں کی طرف آپ نے عملاً اور قولاً دعوت دی۔ اور مفکرین کی ایسی زبردست جماعت پیدا کی جنکی نظیر بعد الصحابہ شاید ہی چشم فلک نے دیکھی ہو۔

حنفی مجلس شوریٰ کے ارکان | حنفی مجلس وضع قوانین کے اراکین کو

ادنیٰ نظر سے دیکھ لینا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ فقہ حنفی کے مدونین نے وضع قوانین کے وقت پورے غور و خوض سے کام لیا۔ نیز وہ ہر قسم کے ضروری علوم و فنون سے آراستہ تھے۔ جن کی روشنی میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ حنفی مجلس وضع قوانین کے متعلق خطیب بغداد کی تصریحات ذیل نہایت ہی کارآمد ہیں۔

قال ابن کرامۃ کنا عند وکیع یوماً فقال رجل اخطاء ابوحنیفۃ، فقال وکیع یقدر ابوحنیفۃ یخطئ ومعہ مثل ابی یوسف وزفر فی قیاسہما، و مثل یحییٰ بن ابی زائدۃ وحفص بن غیاث وحبان و مندل فی حفظہم للاحادیث، والقاسم بن معن فی معرفتہ باللغۃ والعربیۃ، و داؤد الطائی وفضیل بن عیاض فی زہدہما وورعہما، ومن کان ھولاء جلساءہ لم یکد یخطئ لانہ ان اخطأ ردہ ھ ص ۲۴۷/۱۴

(ترجمہ) ابن کرامۃ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز امام حافظ وکیع بن جراح حنفی کے پاس تھے [وکان وکیع یفتی بقول ابی حنیفۃ وکذا یحیی بن سعید القطان ھ خطیب ص ۴۰۰/۱۳، ص ۲۴۳/۱۰ سمع الرای قیاساً من الامام وابی یوسف وزفر ھ مفتاح السعادۃ ص ۱۱۷/۲] کہ ایک شخص نے طنزاً کہا کہ امام ابوحنیفہ غلط کہتے ہیں۔ اس پر وکیع نے چمک کر فرمایا ابوحنیفہ سے غلطی کا ہونا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ آپ کی مجلس شوریٰ

کے اراکین کی صف میں ابو یوسف اور زفر جیسے زبردست اہل قیاس اور اصحاب دانش موجود ہوں۔

[کان ابو یوسف یحفظ التفسیر والحدیث وایام العرب وکان الفقہ اقل علومہ ھ مفتاح ص ۱۰۴/۲، قال احمد وابن معین وعلی بن المدینی ثقۃ ھ جواہر مضیہ از عبدالقادر القرشی الحافظ و تاج التراجم از حافظ قاسم بن قطلوبغا

مصری تلمیذ ابن ہمام وابن حجر۔ ولقد قال ماقلت قولا خالفت فیہ ابا حنیفۃ الا وہو قول قالہ ثم رغب عنہ ھ جواہر ص ۲۲۱/۲ وتاج التراجم ص ۵۸ واما زفر فکان الامام یفضلہ ویقول ہو اقیس اصحابی وقال ابو حنیفۃ فی خطبۃ نکاح زفر، زفر امام من ائمۃ المسلمین وعلم من اعلامہم فی شرفہ وحسبہ وعلمہ ھ جواہر و تاج۔ وقال زفر ما خالفت ابا حنیفۃ فی قول الا وقد کان یقول بہ ھ تاج ص ۲۲ قال ابن معین ثقۃ مامون۔ وقال ابن حبان کان فقیہاً حافظاً قلیل الخطاء۔ قال ابو نعیم کان ثقۃ مامونا۔ قیل لوکیع تختلف الی زفر؟ فقال غررتمونا بابی حنیفۃ حتی مات۔ تریدون ان تغرونا عن زفر۔ قال ابو عمر [ابن عبد البر تلمیذ ابی الحسن الکرخی۔ نور] کان زفر ذا عقل ودین وفہم وورع وکان ثقۃ فی الحدیث ھ تاج وجواہر، عن ابن المبارک قال سمعت زفر یقول نحن لا نا خذ بالرای مادام الاثر واذا جاء الاثر ترکنا الرای ھ فوائد بہیہ۔ پھر ابو حنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اُن کے یہاں یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث، حبان بن علی، مندل بن علی جیسے حفاظ حدیث موجود ہوں [یحیی بن زکریا بن زائدہ اول من صنف الکتب بالکوفۃ کان قاضیاً للرشید علی المدائن، قدم بغداد وحدث بہا ھ مفتاح ص ۱۲۰/۲۔ قال ابن معین انتہی العلم الی ابن عباس فی زمانہ، والی الشعبی فی زمانہ، والی الثوری فی زمانہ، ثم الی یحیی فی زمانہ وکان احفظ اہل زمانہ للحدیث، وافقہہم مع دین وورع ھ جواہر ومفتاح ص ۱۲۰/۲۔ واما حفص بن غیاث فروی عنہ احمد وابن معین وعلی بن المدینی واسحق بن راہویہ وعامۃ الکوفیین، روی الفقہ عن الامام۔ ولاہ الرشید علی قضاء بغداد ھ مفتاح ص ۱۱۹/۲، احدُ من قال الامام فیہ فی جماعۃ انتم مسار قلبی وجلاء حزنی، قال الذہبی فی المیزان احد الثقات

ھ جواہر۔ و اما حبّان و مندل انبا علی فکان الامام یقربھما و تیلطف بھما و کانا من الزم الناس لمجلسہ ، وکان مندل اشہر من حبان ھ مفتاح ص۱۲۲/۲ وقال ابن معین حبان انبل من اخیہ مندل ولیس بھما باس، و روی لحبان ابن ماجۃ ھ جواہر و مندل روی لہ ابوداؤد و ابن ماجۃ ھ جواہر] پھر تعجب بالائے تعجب ہے کہ ابو حنیفہ غلطی کریں جبکہ اُن کی محفل علمی میں قاسم بن معن مسعودی (از اولاد ابن مسعودؓ) جیسے ادیب اور لغوی موجود ہوں۔ [صحب الامام و تفقہ علیہ و روی عنہ۔ ولی قضاء الکوفۃ، کان اماماً فی الفقہ بحراً فی العربیۃ ھ مفتاح ص۱۲۳/۲، و ہو احد من قال ابو حنیفۃ فی نفر انتم مسار قلبی و جلاء حُزنی، قال ابن ابی حاتم صدوق ثقۃ۔ وکان اردی الناس للحدیث والشعر و اعلمہم بالعربیۃ والفقہ، وثقہ احمد و روی لہ اصحب السنن ھ جواہر] نیز امام ابو حنیفہ سے غلطی کس طرح ہوسکتی ہے۔ جبکہ اُن کی صحبت میں داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی، اصحب باطن حاضر رہتے ہوں۔ [کان داؤد من اجلۃ اصحاب الامام، لو وزن بابل الارض لوزنہم فضلاً و صلاحاً ھ مفتاح ص۱۱۵/۲ الامام الربانی وکان ممن درس الفقہ وغیرہ من العلوم، وثقہ یحیی بن معین، وروی لہ النسائی ھ جواہر۔ و اطال الخطیب فی ترجمتہ۔ و اما فضیل بن عیاض فہو احد من اخذ الفقہ عن الامام، اوی عنہ الامام الشافعی، فرد عن امام عظیم و روی عنہ امام عظیم، و ہو امام عظیم، روی عنہ الامامان عظیمان البخاری و مسلم و اصحب السنن ھ جواہر] الغرض جس ہستی کی بارگاہ قدس میں ایسے جامع کمالات افراد ہر وقت موجود رہتے ہوں۔ اس سے غلطی کا سرزد ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اگر بالفرض کہیں لغزش ہوگی تو ہمنشین

اس کو متنبہ کر دینگے۔

احتیاط! احتیاط!! (۲) خطیب بغداد دوسرے پر موقع پر لکھتے ہیں۔

کان اصحاب ابی حنیفۃ الذین یذاکرونہ ابو یوسف وزفر و داؤد الطائی واسد بن عمرو و عافیۃ الاودی والقاسم بن معن وعلی بن مسہر و مندل و حبان انبا علی۔ وکانوا یخوضون فی المسئلۃ۔ فانہم یحضر عافیۃ قال ابوحنیفۃ لا ترفعوا المسئلۃ حتی یحضر عافیۃ، فاذا حضر عافیۃ فان وافقہم قال ابوحنیفۃ اثبتوہا وانہم یوافقہم، قال ابوحنیفۃ لا تثبتوہا ھ ص ۳۰۸/۱۲

(ترجمہ) قانون سازی میں احتیاط کا وہ عالم تھا جس کو خطیب بغداد نے بالفاظ ذیل بیان کیا۔ "امام ابوحنیفہ کی مجلس شوری کے ارکان حسب ذیل تھے۔ ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، قاسم بن معن، علی بن مسہر، مندل و حبان [اسد بن عمرو صاحب الامام واحد الاعلام، سمع ابا حنیفۃ وتفقہ علیہ، روی عنہ الامام احمد وناہیک بہ وثقہ یحیی بن معین ولا یلتفت الی

من ضعفہ وہو اول من کتب کتب ابی حنیفۃ ھ جواہر۔ قال عبداللہ بن احمد سالت ابی احمد بن حنبل عن اسد بن عمرو قال صالح الحدیث وکان من اصحاب الرائے وکان صدوقاً و ابو یوسف صدوق لکن اصحاب ابی حنیفۃ ینبغی ان لا یروی عنہم شیئ ھ خطیب ص ۶۷ واما عافیۃ الاودی فذکرہ النسائی فی الثقات، من اصحاب ابی حنیفۃ ھ جواہر واما علی بن مسہر فہو الذی اخذ عنہ سفیان الثوری علم ابی حنیفۃ ونسخ منہ کتبہ، روی عنہ الشیخان، وثقہ ابن معین واثنی علیہ احمد وکان ممن جمع بین الفقہ والحدیث ھ جواہر] قانون سازی کے سلسلہ میں مذکورہ بالا حضرات کسی مسئلہ پر بحث کرتے تھے۔ اگر عافیہ اودی موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ مسئلہ کو طے نہ کرو۔ جب تک عافیہ نہ آئیں

بعدہ جب عافیہ آتے اور ان کی رائے موافق ہوتی تو مسئلہ کو طے کر کے "کتاب آئین" میں لکھ لیا جاتا۔ ورنہ امام صاحب فرماتے کہ مسئلہ مذکور کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دو"۔

تعداد اراکین مجلس شوریٰ (۳) خطیب بغداد ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

قال ابوحنیفۃ یوماً اصحابنا ہؤلاء ستۃ وثلثون رجلا منہم ثمانیۃ وعشرون یصلحون للقضاء ومنہم ستۃ یصلحون للفتوی، ومنہم اثنان یصلحان یؤدبان القضاۃ واصحاب الفتوی و اشار الی ابی یوسف وزفر ہ ص ۲۴۸/۱۴

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ نے ایک روز کہا۔ کہ ہماری مجلس شوریٰ کے اراکین (۳۶) ہیں۔ اُن میں سے (۲۶) محکمہ قضا کے لئے موزوں ہیں۔ اور (۶) محکمہ افتا کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ رہے دو۔ وہ ایسے ہیں جو قاضیوں اور مفتیوں کو آداب قضا اور آداب فتوے کی تعلیم دے سکیں۔ مراد امام ابویوسف اور زفر سے ہے"۔

(۴) حافظ عبدالقادر قرشی حنفی، تلمیذ حافظ قطب الدین حلبی حنفی، وابوالحسن الماردینی حنفی المعروف بابن الترکمانی، و مولف "جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ" متوفی ۷۷۵ھ، جن کی خوشہ چینی کو حافظ بدرالدین عینی شرح معانی الآثار میں فخر سمجھتے ہیں۔ جواہر مضیہ میں لکھتے ہیں۔

کان اصحاب ابی حنیفۃ الذین دونوا الکتب اربعین رجلاً و کان فی العشرۃ المتقدمین ابویوسف و زفر و داؤد الطائی و اسد بن عمرو و یوسف بن خالد السمتی ویحیی بن زکریا

(ترجمہ) شاگردان امام جنہوں نے کتب فقہ حنفی کی تدوین کی۔ چالیس اشخاص تھے۔ اُن میں سے دس افراد ان سب کے مقتدا تھے۔ منجملہ اُن کے ابویوسف، زفر، داؤد الطائی

بن ابی زائدۃ، و ہو الذی کان یکتبہا لہم ثلثین سنۃ ھ ص ۱۴۰/۱ ص ۲۱۲/۲

اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحیی بن ابی زائدہ ہیں۔ یحیی ہی اس مجلس کے فیصلوں کے کاتب خاص تھے۔ اُنہوں نے اس خدمت کو تیس سال تک انجام دیا [یوسف بن خالد کان قدیم الصحبۃ لابی حنیفۃ کثیر الاخذ عنہ ھ جواہر، وقیل لہ السمتی لہیئتہ۔ وکان الناس یثقون حدیثہ لرأیہ ھ تہذیب التہذیب]

(۵) امام ابو المؤید موفق بن احمد، خطیب خوارزم تلمیذ زمخشری و ابی سعد سمعانی متوفی ۵۶۸ھ کتاب "المناقب" میں لکھتے ہیں۔

قال ابو یوسف اجتمعنا عند حنیفۃ فی یوم مطر فی نفر من اصحابہ منہم داؤد الطائی و عافیۃ الاودی والقاسم بن معن وحفص بن غیاث و وکیع بن الجراح و مالک بن مغول وزفر بن الہذیل وغیرہم، فاقبل علینا فقال انتم مسار قلبی وجلاء حزنی، قد اسرجت لکم الفقہ والحجۃ، فاذا شئتم فارکبوا، وقد ترکت لکم الناس یطئون اعقابکم ویلتمسون الفاظکم ھ ص ۱۰۰/۲

(ترجمہ) ابو یوسف نے کہا۔ کہ ایک روز ابر کے دن ہم ایک جماعت کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے پاس گئے۔ جس میں حسب ذیل حضرات تھے۔ داؤد طائی۔ عافیہ اودی، قاسم، حفص بن غیاث، وکیع بن جراح، مالک بن مغول وزفر وغیرہ [مالک بن مغول البجلی احد من قال الامام فیہم انتم مسار قلبی وجلاء حزنی، حجۃ امام، روی لہ الشیخان، واصحاب السنن ھ جواہر] حضرت امام نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا۔ "تم میرے دل کے خوش کرنے والے۔ اور میرے غموں کو دُور کرنے والے ہو۔ میں نے فقہ کو تمہارے لئے رام کر دیا ہے۔ جب

چاہو اس پر سوار ہو جاؤ۔ نیز میں نے اس فن میں تم کو تمام عالم کا مقتدا بنا دیا ہے۔ آنے والی علمی نسلیں تمہارے نقوش پا کا اتباع کرینگی۔ اور تمہارے ہی الفاظ کو رٹینگی۔"

(۶) امام حافظ الدین کردری مولف بزازیہ (وقدمر) اور موفق کتاب المناقب میں لکھتے ہیں۔

کان ابو حنیفۃ اذا جلس جلس حولہ القاسم وعافیۃ الاودی وداود الطائی وزفر واشکالہم فیطارحون مسئلۃ ویرتفع اصواتہم، فاذا اخذ ہو فی الکلام سکتوا اجمع حتی یفرغ عن الکلام، فاذا فرغ اشتغلوا بحفظ ما تکلم، فاذا احکموہ اخذوا فی مسئلۃ اخری ھ ص ۱۰۲/۲ ص ۱۵۰/۲

(ترجمہ) حضرت امام جب مجلس قانون سازی میں بیٹھتے۔ تو آپ کی مجلس میں قاسم، عافیہ، داود و زفر جیسے یگانۂ دہر موجود ہوتے۔ کسی مسئلہ کی طرح ہوتی اور مختلف حضرات جب آزادی سے نقض و ابرام کرتے تو ایک غل مچ جاتا۔ تا آنکہ امام فیصلہ کن اور آخری تقریر کرتے۔ اس وقت تمام اراکین ساکت ہو جاتے، جب آپ کی تقریر ختم ہو جاتی تو اراکین آپ کی تقریر کو ازبر کرنے شروع ہو جاتے۔ جب پوری طرح یاد کر چکتے تو دوسرے مسئلہ میں شروع ہو جاتے تھے۔

قانون، مدت بحث اور مضامین بالاتر از فہم

موفق بن احمد مکی، خطیب خوارزم۔ المناقب میں لکھتے ہیں۔

قال عبداللہ بن المبارک کنت احضر مجلس ابی حنیفۃ بالغداۃ والعشی فاتبدؤا فی مسئلۃ من الحیض فخاضوا فیہا ثلثۃ ایام بالغداۃ والعشی وکنت

(ترجمہ) امام عبداللہ بن مبارک حنفی [الامام الربانی الزاہد، جمع بین الفقہ والحدیث والادب والنحو واللغۃ والزہد والشعر والفصاحۃ والورع و

لا افہم من مسئلتہم قلیلا ولا کثیراً۔ فلما کان الیوم الثالث بالعشی کبروا جمیعاً، قالوا اللہ اکبر فعلمت ان مسئلتہم قد خرجت ھ ص ۵۴/۲

قیام اللیل والعبادۃ والسلامۃ فی راویہ وغیرہا روی الجماعۃ حجۃ ثقۃ مامون۔ قال ابن عبد البر لا اعلم احداً من الفقہاء سلم ان یقال فیہ شیئ الا عبد اللہ بن المبارک ھ جواہر۔ صاحب الامام و اخذ عنہ علمہ ھ فوائد بھیہ]

فرماتے ہیں کہ ہر روز صبح و شام میں امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں جایا کرتا تھا۔ ایک روز ابواب حیض میں سے کسی مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور پورے تین روز صبح سے شام تک مباحثہ برابر جاری رہا۔ کلام اس درجہ دقیق اور گفتگو اتنی گہری ہوگئی تھی کہ مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا تھا تیسرے روز شام کے وقت سب نے مارے خوشی کے زور سے نعرۂ تکبیر (اللہ اکبر) بلند کیا۔ جس سے میں نے سمجھا کہ اُن کا مسئلہ حل ہوگیا ہے "

(۲) موفق دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

وضع ابو حنیفۃ مذہبہ شوری بینہم لم یستبد فیہ بنفسہ دونہم۔ اجتہاداً منہ فی الدین ومبالغۃ فی النصیحۃ للہ ولرسولہ وللمومنین۔ فکان یلقی المسئلۃ یقلبہم ویسمع ما عندہم ویقول ما عندہ ویناظرہم شہرا او اکثر من ذلک حتی یستقر احد الاقوال فیہا ثم یثبتہا القاضی ابو یوسف فی الاصول حتی اثبتت الاصول کلہا۔ فاذا کان کذلک کان المذہب الذی وضع شوری بین ہولاء الائمۃ اولی و

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ نے اپنی فقہ اور اپنے مذہب کو شوری بنایا۔ فقط اُن کی اپنی ذاتی رائے نہیں۔ دینی خدمت اور اللہ و رسول اور مسلمانوں کی خیرخواہی اور بہبودی کے لئے آپ نے فقط اپنی رائے کو مستقل نہیں بنایا۔ بلکہ قاعدہ یہ تھا۔ کہ آپ کسی مسئلہ کی طرح دیتے۔ جس سے اراکین مجلس کی تمرین منظور ہوتی۔ آپ اُن کے خیالات سنتے اور اپنا عندیہ ظاہر فرماتے تھے۔ ایک

اصوب والی طریق الحق اقرب، من مذہب	ایک مسئلہ پر پورا مہینہ کبھی اس سے
من انفرد فوضع مذہبہ وتفرد فیہ برایہ۔	بھی زیادہ صرف ہو جاتا تھا۔ تا آنکہ
ثم لم یعاجلہ المنیۃ حتی بلغ مذہبہ الامنیۃ	ایک جانب محقق ہو جاتی۔ پھر کہیں
حتی تصفح ما وضعہ من المذہب وتائلہ،	امام ابو یوسف اس کو "اصول کتب"
فہذبہ ولخصہ، ولم یجعلہ ذا اقوال ولاذا	میں لکھتے۔ اسی طریق پر تمام مذہب
وجوہ، بل تحری فیہ الصواب وقطع فیہ	مدون ہوا۔
الجواب ھ ص ۱۳۴	جب حالت یہ ہے۔ تو یقینی بات

ہے کہ جو مذہب اور جو فقہی قوانین مذکورہ بالا مجلس شوریٰ نے مستنبط اور منضبط کئے ہیں (جس کے اراکین کے علم وفضل کا ادنیٰ گوشہ ہم بے نقاب کر آئے ہیں) تو وہ مذہب بہر صورت زیادہ صحیح اور زیادہ شستہ ہوگا۔ اُن مذاہب اور اصول فقہیہ سے جو صرف ایک ہی دماغ کی پیداوار ہیں۔ پھر یہ خیال رہے کہ حضرت امام کے انتقال سے پیشتر ہی آپ کے فقہی قوانین تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔ عقلمندوں کو اُن پر نقد و نظر کا موقع ملا۔ خود امام کو بار بار غور و خوض کرنے کی فرصت ملتی رہی۔ بنابریں وہ قوانین نہایت شستہ اور صاف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بخلاف دوسرے فقہاء کے امام کے اقوال مختلف نہیں اور نہ حنفی مذہب میں قول قدیم اور قول جدید کی کوئی اصطلاح ہے۔ اور نہ "لاحد فیہ خمسۃ اقوال" کا جملہ کہیں نظر پڑتا ہے بلکہ صرف ایک صحیح اور حتمی رائے کو قطعی طور پر پیش کر دیا گیا ہے اور بس"

عُدنا والعود احمد وتنقیح المبحث | ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ دیانات اسلامیہ میں غور و خوض کرنے کی تعلیم سب سے پہلے ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ نے دی۔ لہذا آپ امام درایت و روایت ہیں اور آپ اس فن

کے معلم اولین اور موسس نخستین ہیں۔ جس کو کبھی درایت سے اور کبھی یار لوگ رائے سے تعبیر کرتے ہیں۔ بنابرین امام اہل الرائے اور امام اہل الدرایت بظاہر دو لفظ ہیں۔ جن کا معنون ایک اور محض ایک ہے۔ ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کہ مفکرین کی اس جماعت نے اسلام کی تبلیغ کا راز سمجھا۔ غیر مسلم عرب قانون اسلام سے اپنی سادگی فطرت اور قانون کی عربی ساخت کی وجہ سے بہت قریب تھے۔ وہ عجمی مذاہب کی کج بحثیوں سے مطلقاً خالی الذہن تھے۔ مگر غیر مسلم عجم اُن سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں عجم گہوارہ تھا مذاہب مختلفہ کا۔ روم کی نصرانیت اور ایران کی مجوسیت کے دقیق مسائل ثنویت اور تثلیث سے انکے اذہان غیر مامون تھے۔ بنابرین غیر مسلم عجمیوں کو تبلیغ کرنے کے لئے ایسے وسائل کی ضرورت ہوئی جو عرب میں تبلیغ کے لئے چنداں ضروری نہ تھے۔ اس لئے مفکرین کی مذکورہ بالا جماعت نے نقل کو عقل پر ڈھالنے کی سعی کی۔

لطیفہ حافظ ابن القیم حنبلی کتاب مفتاح دارالسعادۃ صـ۲/۶ میں لکھتے ہیں۔

سئل بعض الاعراب بم عرفت انہ رسول اللہ۔ فقال ما امر بشئ فقال العقل لیتہ نھی عنہ، ولا نہی عن شئ فقال لیتہ امر بہ ھ

(ترجمہ) ایک بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تم نے یہ کیونکر یقین کر لیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ ہیں۔ کہنے لگا۔ کہ آپ نے کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیا۔ جس کے متعلق عقل کہے کہ کاش اس سے تو روکا ہوتا۔ اور نہ کسی ایسی چیز سے روکا ہے جس کے بعد عقل کہے کہ کاش اس کا تو حکم دیا ہوتا ھ حسن و قبح کو محض شرعی کہنے والے اس اعرابی سے سبق لیں۔

بہرحال عراق میں بیٹھ کر تبلیغ کرنا اور رنگ رکھتا ہے اور مکہ اور مدینہ

شرفہا اللہ کی تبلیغ دوسرے رنگ کی ہے۔ فقہ عراق اور فقہ حجاز کا مابہ الامتیاز بھی یہی ایک نکتہ ماسکہ ہے۔ فقہ عراق (اصطلاحی فقہ ہو یا علم کلام وغیرہ اصول درایت) کی بنیاد تبلیغ اور صرف تبلیغ پر ہے۔ یہ اس لئے کہ فقہ عراق کا تعلق عام طور پر اعاجم سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فقہ عراق میں پیدا ہوئی۔ اور اپنے ساتھ کچھ ایسی جاذبیت لائی۔ کہ دیوار چین سے لے کر مراکش تک تمام ممالک عجمیہ پر چھا گئی (ادھر فقہ حجاز اپنی ساخت کے رو سے عربی ممالک میں بڑھتی گئی۔ ہاں وہ عربی اندلس میں بھی قاضی اسد بن فرات (فاتح صقلیہ) اور یحییٰ بن یحیی جیسے قدسی نفوس ائمہ مالکیہ کے دم قدم سے پھیلی)

لطیفۃٌ فی القراءۃ بالفارسیہ | بالفاظ دیگر فقہ عراق میں ماحول کے پیش نظر عجمی مذاق کا لحاظ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ قراءۃ بالفارسیہ کے مسئلہ کو اسی پر حل کیا جاسکتا ہے فرض کرو کہ ایک عربی اور ایک ایرانی یا ہندی مکہ معظمہ میں حضرت امام شافعی یا امام احمد حنبل کے دست حق پرست پر اسلام لاتے ہیں۔ ان ہر دو بزرگوں کا فتویٰ ہے کہ تارک الصلوٰۃ کی سزا قتل ہے (دیکھو کتاب الصلوٰۃ از امام احمد و کتاب الصلوٰۃ از ابن القیم) اور یہ کہ نماز سورہ فاتحہ کے بغیر باطل اور محض باطل ہے۔ بعد از اسلام نماز عصر کا ادا کرنا ہر دو پر لازم ہے۔ عربی النسل کے لئے اپنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ لینا چنداں دشوار نہیں۔ لیکن عجمی کے لئے اب دو مشکلیں درپیش ہیں۔ یا تو کسی اعجازی طریقہ سے کم از کم سورہ فاتحہ کو ازبر کرے جس کے بغیر ان ہر دو ائمہ کے یہاں نماز باطل محض ہے۔ یا پھر تارک صلوٰۃ ہو کر قتل ہونے کے آمادہ

ہوجائے۔ کما قال الحلاج ؎

القاہ فی الیم مکتوفاً فقال لہ ایاک ایاک ان تبتل بالماء۔ وکما قیل

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ اند باز میگویند دامن تر مکن ہشیار باش

برعکس اس کے اگر یہی ایرانی مثلاً کوفہ میں امام اعظمؒ کے ہاتھ پر مشرف بالاسلام ہو تو آپ فرمائینگے۔ کہ سردست فریضۂ نماز کو اپنی مادری زبان میں ادا کرلو۔ لیکن اس کو وحی کی زبان میں ادا کرنے کی سعی پیہم جاری رکھنا بھی فرض و لازم سمجھو۔ خواجہ شیراز نے شاید کسی ایسے ہی محل میں فرمایا ہے ؎

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی طپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا

ہمیں یہ بھی علم ہے کہ موافقین اور مخالفین نے مسئلہ قراءۃ بالفارسیہ کو اپنی اپنی میدان طبع سے عجیب و غریب اندازوں سے پیش کیا ہے۔ لیکن اُن کی تمام ترسعی نکتہ بعد الوقوع کا حکم رکھتی ہے۔ ہم قاصر ہیں۔ اس تمام خود ساختہ طومار کو مجتہد اعظم کے ذمے تھوپتے پھریں۔ فلیقل ماشاء من شاء۔ خواجہ نیشاپور نے خوب فرمایا ؎

حدیث طور از من پرس، از محمل چہ میپرسی کہ من سر برپئ مجنونِ صحرائے دگر دارم

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ؎

داستانِ عہد گل را از نظیری بشنوید عندلیب آشفتہ تر گفت است ایں افسانہ را

الغرض غیر عربی ملل و اقوام کو اسلام کے اصول سے روشناس کرنے کا ذریعہ فقط یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے الہامی احکام اور فطری اصول کو ہدایت اور عقل سے مطابق کرکے دکھایا جائے۔ اور تمام ان شبہات کا قلع و قمع کیا جائے۔ جو عجمی مذاہب نے اس راہ میں پیدا کئے ہوئے ہیں۔

مدینہ یونیورسٹی اور کوفہ یونیورسٹی | فقہ عراق، اور فقہ حجاز کے سلسلہ میں ہم چند اور اشارے کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ان ہر دو فقہوں کی حقیقت واضح ہو۔ نیز اس دعوے کی بھی مزید توضیح ہو جائے کہ فقہ عراق میں عجمی مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور اس فقہ کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ روایت کو درایت کے مطابق کر دکھایا جائے۔

سقوط دمشق اور فتح قادسیہ کے بعد حضرت فاروق اعظم کو [جنہیں ابراہیم نخعی اول قاضی فی الاسلام کہتے ہیں۔ ھ ازالۃ الخفاء صہ ۵۲] تعلیم اسلام کی عام اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ یونیورسٹی کی بنیاد میں مزید استوار کیں۔ اور اس کی زمام انتظام خود اپنے ہاتھ مبارک میں لی۔ اس یونیورسٹی کے چیدہ علما میں سے (جن کا ابر فیض دُور دُور تک برسا) عبداللہ بن عمر جیسے فنا فی السنۃ ہیں۔ عبداللہ بن عمر سے نافع اور سالم نے علوم حاصل کئے۔ ان ہر دو سے سعید ابن المسیب اور امام دار الہجرۃ مالک بن انس نے تعلیم حاصل کی۔ بالفاظ دیگر مدینہ یونیورسٹی کا عرش اعظم امام مالک ہیں۔ اُن سے امام شافعی نے اور شافعی سے امام احمد نے تحصیل علوم کی۔ اصول و قوانین کا یہ سلسلہ الذہب اصطلاح میں فقہ حجاز کہلاتا ہے۔ جس کا صدر مقام مدینہ طیبہ ہے۔

(باقی آئندہ)　　مولوی نور الحق

مثنوی مفتاح الفتوح

از حضرت امیر خسرو دہلوی

(سلسلہ کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء)

گدا را برد فتح سازگارش ز آب چنبل و آب کنوارش
بحد مالوه در تاخت جوشاں بخون سست کیشاں سخت کوشاں
چو شد ز آب کنوار آن سود و فرسنگ دران دشت فراخ و از رہ[۵۱] تنگ
گروہی یافت[۵۲] از رہ دور ماندہ ز تاراج ملک مستور ماندہ
دران باغ خزاں نادیدہ زد دست بہر رشتہ چو گل رائی[۵۳] ہمی بست ۶۳۰
سوارش برده چنداں کرده[۵۴] غارت کہ در تحریر پرگم شد عبارت
چو پُر شد خیل و غارت گاہ خالی بداں حالت بشہ پیوست حالی
ز جھاین بود سلطان کوچ کرده سپہ بر آب چنبل باز خورده
دران منزل ز نصرت نزل بردست فرستاد و بسلطان باز پیوست
وزانجا نامزد شد بر دگر سوی مبارک باربک آن مہرکین جوی ۶۳۵
روان شد ہمچو خرشید فروزان کشیده تیغ وقت نیم روزان
دران ساعت کہ عزم افتاد او را زوال روز بد لیکن عدو را
کشیده زین بپشت باد پا تنگ سوی آب بناس آورد آہنگ
بگرد آن نواحی تاختن برد غنیمت کرد و بر شاہ زمن برد
دگر سو راند تا لشکر کند سیر ملک جاندار بک احمد چپ شیر ۶۴۰
فرومالید مرد از کوه و لورہ[۵۵] چو صفّ مور در سرحد مورہ
چنان شد لشکر شاہ از گرانی کہ چون دریا فرو ماند از روانی
بروزی رفت یک میلی بتعجیل بطرف العین رفتی گرچہ ده میل

---

۵۱ د: کورہ، پ درره ۵۲ د: دیدکز۔ ۵۳ رائی د: صدکان، ب و پ: راهی، و: را، قیاس می کنیم کہ درین نسخہ 'را' رای یا راوت باشد چرا کہ اگر چنین نباشد وزن شعر اضطراب دارد
۵۴ د: آن ۵۵ لورہ: زین ناہموار و سیلاب زدہ، پ: کورہ۔

۱۴۴-ب شهنشه میل میل آهسته می راند — زمین از بار لشکر خسته می ماند
چنان تازان محیط بی کرانه — درآمد سیل در کوه بیابانه
بزرگان را اجازت[1] کرد از پیش — که هر کس جانبی گیرد سر خویش
تصرف در عنان خلق بگذاشت — که راه از آب و گه دشواری داشت
چو لشکر فوج فوج افتاد در راه — روان شد از عقب ساکن[2] تری شاه[3]
باوج دولت آمد شاد و فیروز — پس از ده روز ماه چهارده روز

گفتار در درآمدن شه بدار ملک و آراستن ببرج شرف منزل قمر

بدولت روز شنبه چاشتگاهان — درون دار ملک آمد چو شاهان
سیوم روز جماد آخر از فال — همان روز جلوس از اولین سال
بجوزا[4] زهره و مریخ و خرشید — همانجا تیر در برجیس[5] و ناهید
بسرطان مشتری گشته مهیا — زحل در ثور نزدیک ثریا
ذنب در دلو و اندر سنبله راس — کمین[6] اخترانرا داشته پاس
اسد در طالع و هم در اسد ماه — که بر برج شرف شد منزل شاه
زسیری راند با لشکر گه سیر — صف شیران شکن[7] در بیشه شیر
روان شد پرّهٔ پیلان سرمست — سفال خاک در ته خرد بشکست

---

[1] و: اجابت [2] د(۱): ترین [3] شاه: شاهراه، د: راه [4] و و د(۱) این بیت را تیرور، ناکمل دارد [5] ب: برجاس [6] و: دختران را داشته پاس [7] د: زده -

اَسیرُ الفیلُ والنَّظّار قالوا اقیمُ الحشرُ سُیّرتِ الجبالُ

تن پیلان که از جل داشت حلیه روان شد[1] پوششی با پیل[2] پایه

بهیکل هر یکی چون پارهٔ کوه سر خرطوم بینی سارهٔ[3] کوه

زصفِ[4] رایت فیروز بختان بسیری[5] شد قطاری از درختان

همی لرزید بر چوبی زبانه[6] چنانک آتش کشد از نی زبانه

(۴۵-۵) فروغ چار چتر از ماه بگذشت زهر یک آسمان را سر همی گشت

بزیر چتر شاه چرخ موکب چو نور صبحدم در آخر شب ۶۶۵

نجوم کوکبه زان مه مشرف چو پروین جمع و چو جوزا ده صف

ازان محشر[7] که بود اندر رکابش نمی آمد قیامت در حسابش

ز ژوپین خاک برگ بید می گشت اگرچه خاک فرشی داشت از خشت

بصحرا موج خنجر آنچنان جست[8] که بند[9] سیری از سیراب شد پست

همان دهلی که دریا شد کنارش همه بر روی آب آمد سوارش ۶۷۰

علم ابر و حشم بی حد چو باران زمین در موج دریا از سواران

حبابی داشت زان صف ظفرناک سواد شهر در هر تختهٔ خاک ۶۷۵

زسُم[10] ور[11] کاسه شد صحن زمین گم شکم پُر کرد خاک[12] از کاسهٔ سم

دریده درز پیدا کرد تا دور زپُری دامن کوه پهاپور

---

[1] د: چون [2] پیل پایه، ستونی که از گچ و سنگ سازند بجهت آن پایهای طاق بلند [3] سارَه: شال و فوطه ایست که اورا در هندی ساڑی می گویند [4] و این بیت را در موضع دیگر وارد [5] (۱) بسپری [6] د: نشانه [7] (۱) کند [8] و: پ احشم، (۱) حشر که [9] د: بست [10] و ور (۱) که بندی از شراب عشق شد پست [11] د: دور را، ندارد [12] و ور (۱): هم.

۶۷۵ ز گلزار کلاگر دست چپ بود — همی زد موج دست راست در جود
بدین آیین که دولت رهبر آمد — شه از دروازهٔ دولت در آمد
ز آرایش همه شهر از همه راه — عروسی جلوه گر بود از پی شاه
چنان بد قبّهٔ را ز یور ز حد بیش — که سر میگشتش از زیبایی خویش
غلط کردم که در خود از علو دید — که دورانش در آمد چون فرو دید
۶۸۰ بپرده با فلک همراز یی داشت — که در هر پرده لعبت بازیی داشت
در آمد زهره تا گردد زمین روب — شد اندر پای رقاصان لگد کوب
زنان نغمه زن از باده سرمست — بخون زیر جوانان زخمه در دست
(۱۴۵-ب) بزخمه خون بی اندازه کرده — بدان خون رنگ ناخن تازه کرده
کرشمه کرده[۳] در مو پیچ در پیچ — نموده[۴] از میانی و دگر هیچ
۶۸۵ بچشم آشفته راخواندند[۵] در خویش — بس از نوک مژه راندند از پیش
مغنی نغمهٔ تر بر کشیده — بهر رود آب حیوان در کشیده
ز هر[۶] موچنگ دامی شد بلارا — فرود آورد مرغان هوا را
رباب از گوشمال دست استاد — چو طفل چرّه[۷] از کاغذ بفریاد
دف خم پشت چنبر باز بر کف — رسن از چنگ و چنبر باز[۸] از دف
۶۹۰ بهر دم[۹] نی نوای تر کشیده — بهنگام نوا دم در کشیده
همی رفت آفتاب سرفرازان — حراره[۱۰] گرم کرده رود سازان
ز هر بامی عروسان در نظاره — رخ شه دید کابین کرده پاره
طبق پر دست هر سو تاجداری — همی افشاند پایش را نثاری

---

۱ د: به ۲ د: چون ۳ د: بسته ۴ د: نمودار شه د: بر ۵ د: به ۶ چرّه: پرسانده
۷ د: چنبر بازی ۸ د: بر (۱) ۹ د: بهر پرده ۱۰ حراره: رقص و وجد که در غلبهٔ شوق روی دهد

همه ره تا بقصر دولت شاه — زدُر چیدن نبود آینده را راه
چنان فرش زمین جوهر نشین گشت — که خشت پخته لعل آتشین گشت ۶۹۵
فرود آمد شه اندر قصر شادان — چو مه در برج ثابت با مداد ان
بزرگان با شکوه خلعت خاص — نطاق بندگی بسته با خلاص
ببرج خویش رجعت ساز گشتند — رسانیدند شه را، باز گشتند
همه نه گانهٔ شادی نوازان — بده جانب روان کردند تازان
زنه گانه چنان ده سو صداجست — که پشت نه فلک ده جای بشکست ۷۰۰
بهر در نوبتی زد نوبتی عام — بهر خانه دهل بردند بر بام
بنوبت گاه خود هر چیز می رفت — بشارستان علمها نیز می رفت
(۴۶-و) جدا افتادگان از هم پس و پیش — همی دیدند روی یک دگر سیر
نه چشم از رُو جدا تا دیر می شد — نه دل از دیر دیدن سیر می شد
حلاوت وصل را بعد از جدایست — که شب رونق فزای روشنایست ۷۰۵
چو آمیزش نباشد از پس دیر — بزودی دل شود از دوستان سیر
همان نانی که در پرّی[1] خورد مرد — نباشد لذت کامی ازان خورد
بود ناتشته از کوثر عنان تاب — که مستسقی شناسد لذت آب
خلاب از تشنگی در خاک[2] جویند — بسیری ز آب حیوان دست شویند
شهنشه کآب حیوانش بجام است — ز وصل دولتش باده بکام است ۷۱۰
زبکر بخت بادش خانه معمور — غم دوری زنزدیکان او دور

گفتار در تتمهٔ این حال و حال خویش
گفتن به سمع فرخ خاقان نامور

---

[1] ر(ل): سیری [2] د: خواب

ستاره لشکرا خورشید رایا — بشمشیر ظفر کشور کشایا
خدایت داد با فیروزی فال — دو جانب فتح و فیروزی بیکسال
چو من در دُرفشانی گشته‌ام خاص — ز مدحِ شه بدریا گشته غوّاص
دریغ آمد مرا کین نکتهٔ پاک — نهان ماند بسان گنج در خاک
بران شد خاطرم کز طبع زیبا — درین دیباچه بندم نقش دیبا
سخن را از هنر آوازه دادم — قلم را نسبتی هم تازه دادم
طرازی بستم این نقش مهین را — که نو کرد آفرینش آفرین را
ز دل پروردم این باغ طرب‌خیز — سواد باغ را کردم گل انگیز
(۱۴۶-ب) بسی تاریخ پیشین داشتم پیش — درآنجا بیش و کم دیدم ز حد بیش
چو من این نامه را کردم سر آغاز — گلوی خامه را کردم گره باز
زیادت زیوری بستم بکارش — گزین نبود گریزی در گدارش
ولی چون در دروغ اندیشه بستم — درآمد راستی بگرفت دستم
دلم را هم نشد رغبت درین خواست — که رود کژ زنم در پردهٔ راست
دروغ نظم اگرچه زیب حرفست — ولیکن راستی کار شگرفست
ببین آیینه را با آن دو رویی — که چون شد روشناس از راست‌گویی
درین صورت که نقش دیده گشتست — نمودارش بچشم من گذشته است
به بیش و کم ندادم خامه را رنج — خیال دیده را کردم ورق سنج
ازان گنجی که بود از راستی پُر — درین درج نو آیین ریختم دُر
عروسی کردمش سر برده برماه — سزای دستبوس حضرت شاه
زده فتحش می اندر جام کردم — که مفتاح الفتوحش نام کردم

لـ۱: پر آواز ـه ا و ب و پ و ج: جستم ـه ر۱: دو

برآورد دم چو فردوس برینش دوم عشر جماد آخرینش
بتاریخ انچ درسلک عدد بود زهجرت سال[1] برششصد نود بود
امیدی دارم از حضرت نهانی که مقبول آید آنجا این معانی ۷۲۵
سه چیزم بود مقصود اندرین گفت کزان هر سه شوم بانهٔ فلک جفت
نخست آنک از ثنا گویی درین راه بجا آرم سپاس نعمت شاه
دوم چون نیست عالم را قراری بیاید[2] بر قرار این نکته باری
سه دیگر زنده شد چون شاه رائم[3] مرا هم زندگی باشد سرانجام
جهان را نیست بنیادی چنان سخت که از دزدان درو[4] ایمن بود رخت ۷۴۰
(۱۴۷-و) گیاهی در همه روی زمین نیست که آنرا تند بادی درکمین نیست
چو بیرون زین ورق دارم شماری بباید ماند[5] این جا یادگاری
نکوتر یادگاری در زمانه سخن شد کان بماند جاودانه
من این نامه که نو کردم جمالش ازان بستم بفتراک جلالش
که تا از خطبهٔ نام مبارک خرامد تا ابد تارک بتارک ۷۴۵
بپاداش چنین خدمت گرم شاه دهد صد گنج زر سر برده برماه
ازان در زندگی میمون بود فال چو مردم هرگزم ناید بد بنال
ولی آن بکر من کز پرده جست است تنق بر جلوهٔ جاوید بسته است
تو باقی مان که در دوران فانی بود زین نامه نامت جاودانی
نه صد سال ار مثل پانصد شود صرف بقا نو باشدت هر روز ازین حرف ۷۵۰
نخواندی کز پی شه نامه محمود بدانا پیل باری صله فرمود

---

[1] د: سال ششصد [2] د: بماند [3] و و(۱): عام
[4] د: بود این درو [5] و و پ: ماندن

برفت آن[1] پیل و گنج پیل بارش ببیں شہ نامہ آنک یادگارش
حقیقت شد[2] کہ یک حرف سخن سنج بہ نزدیک خرد بہتر ز صد گنج
مرادِ من نہ آنست اندریں راز کہ برگ خویش را ساز[3]م نواساز
چو من از پرتو دولت نہ ام دور کجا ماند چراغ بخت بی نور
ولی زان کردم آن گوہر فشانی کہ قدر خدمت خسرو بدانی
مبارک بادت آن فرخندہ پرکار مبارک ترازان فتحیت بہ کار
بہر سو کآوری رو تیغ در مشت ظفر را روی باد و خصم را پشت
زمانہ بر مراد و بخت یارت مراد ہر دو عالم در کنارت
سعادت با شکوہت ہمنشیں باد دعا اینست و یارب ہمچنیں باد

---

[1] و: از ۲ د: وان ۳ د: گردم

امام موفق نیشاپوری

امام موفق نیشاپوری اُن اکابر اسلام میں سے جنہوں نے اپنی پُرزور شخصیت سے اپنے زمانے کی سوسائٹی پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ لیکن باوجود اس کے افسوس ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی بالکل تاریکی میں ہیں۔ مسلمانوں نے تاریخ و رجال کے فن کو جس بسط و کمال پر پہنچایا۔ اس سے بڑھ کر آج کل کا ترقی یافتہ زمانہ بھی کچھ کر کے نہیں دکھا سکا۔ لیکن اِس شومئ قسمت کا کیا علاج کہ وہ صدیوں کی کمائی حوادثِ زمانہ کی نذر ہوگئی، آج بھی (جبکہ حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے حالات سے بے اعتنائی ہے) فن رجال و سیرت کی جو بچی کھچی کتابیں طبع ہوکر ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن باکمالوں کی فہرست کس قدر نامتناہی ہے۔ جن کے حالات کو سوانح نگاروں نے ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے، لیکن جب ہم علوم کے اُس سرمائے کا تصوّر کرتے ہیں جس کو آفات زمانہ، حوادث و فتن اور خانہ جنگیوں نے تباہی کی نذر کر دیا۔ تو ہمیں ایک صدمہ آمیز حیرت ہوتی ہے کہ لُٹ لُٹا کر جو کچھ بچ رہا وہ بھی جب ایک خزینۂ بے بہا ہے تو متاعِ بُردہ کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

ممالک اسلام میں ہمارے نزدیک جس جگہ سب سے زیادہ تعداد میں علوم و فنون کے ذخیرے تباہ ہوئے وہ خراسان ہے، سلطان سنجر کے عہد میں غُزّوں کا وحشیانہ حملہ ایک ایسی بے پناہ آفت تھا کہ جس نے مرو اور نیشاپور کو برباد کر کے فرشِ زمین کے برابر کر دیا۔ لیکن یہ حملہ بھی اپنی بربریت اور تباہ کاری میں اس

طوفان وحشت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ جو اس کے ستّر برس بعد اسی بدنصیب خراسان بلکہ سارے ایران کو "سیل تاتار" بن کر بہا لے گیا' ان حملہ آوروں کا ایران میں پہلا قدم چونکہ خراسان میں پڑا۔ اس لئے ان کے غیظ وغضب کا بیشتر حصّہ نہیں صرف ہوا۔ اور ایران کے دوسرے حصّوں کی نسبت مصیبت کا حصّہ اس کو زیادہ ملا۔ یہی باعث ہے کہ اہل خراسان کی محنتوں کے ذخیرے بہ نسبت اوروں کے زیادہ برباد ہوئے۔ فضلاء خراسان کی تصانیف اور شعراء خراسان کے دواوین کو انہی ناگہانی آفتوں نے ناپید کیا۔ ورنہ آج رودکی و انوری' فردوسی و خیّام' غزّالی و عطّار کے متعلق ہمارا سرمایۂ معلومات بالکل دگرگوں ہوتا'

امام موفّق بھی اسی بدنصیب خطّے کی پیداوار ہیں' تاریخی شہادات جو آج ہمارے سامنے ہیں سب متفق ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں علماء کے پیشوا تھے' قیاس میں نہیں آتا کہ ایسا شخص صاحبِ تصانیف نہ ہوا ہو۔ لیکن تصانیف تو درکنار ان کا ذکر بھی کسی کتاب میں نہیں ملتا' اور چند ادھر اُدھر کی باتیں جو معلوم ہوئی بھی ہیں وہ بھی سب یقینی نہیں[۱]

امام موصوف جیسے جامع کمالات کے سوانح زندگی پڑھیں تو ہر اس شخص کو دلچسپی ہونی چاہئے جو تاریخ اسلام سے ذوق رکھتا ہو لیکن ان کی شخصیت ہمارے زمانے میں ایک خاص سبب سے جاذب توجّہ ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ان کے مکتب درس میں (ایک مشہور روایت کی رو سے) خواجہ نظام الملک' عمر خیام اور حسن صبّاح ہم سبق تھے۔ اور ان تینوں نے اس زمانے میں باہم یہ عہد کیا تھا کہ ہم میں سے جو بڑا ہو کر کسی اعلےٰ عہدے پر سرفراز ہو وہ باقی دونوں ساتھیوں کو جاہ و ثروت میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ اس روایت پر خیام کے سوانح نگار اس قدر بحث و تمحیص کر چکے ہیں کہ اب اس پر گفتگو کرنا

---

[۱] مولانا سید سلیمان ندوی اپنی جامع تصنیف "خیّام" میں امام موفّق کے متعلق معلومات کے بیشتر حصّے کو کام میں لا چکے ہیں (دیکھو کتاب مذکور ص ۱۸-۳۵)'

دلچسپی سے بالکل خالی ہے۔ اوّل اوّل نقادانِ مغرب نے اس داستان کی صحت کو شبہ کی نظر سے دیکھا۔ اس لئے کہ اس کو صحیح تسلیم کرنے میں واقعات وسنین کی بعض ایسی مشکلات پیش آتی تھیں کہ ان کو حل کرنا دشوار تھا[۵۱]۔ با ایں ہمہ یہ داستان مقبول رہی اور اب بھی ہے۔ اور بہت لوگ ہیں جو نہیں چاہتے کہ اس کو غلط ثابت کیا جائے لیکن حقیقت کا تقاضا کچھ اور ہے اور نئے معلومات کی روشنی میں ہم مجبور ہو چکے ہیں کہ اس کو ایک افسانے سے زیادہ وقعت نہ دیں۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اپنی جدید تصنیف خیّام میں اس داستان پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ہے[۵۲]۔ اور آخر میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ فرضی قصّہ ہے، اُنہوں نے استدلال کے ساتھ خیّام کی ولادت کا تقریبی سال ۴۴۰ھ معیّن کیا ہے[۵۳]۔ جو بہمہ وجوہ قرینِ صحت معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ امام موفق کی وفات کا سال بھی یہی ہے[۵۴]۔ لہٰذا خیّام کا ان کی مجلسِ درس میں شریک ہونا ناممکن ہے، ہمارے نزدیک داستانِ مذکور کو غلط ثابت کرنے کے لئے یہ قوی ترین دلیل ہے جس کے بعد کوئی اختلاف رائے باقی نہ رہنا چاہیئے۔

لیکن یہ قصّہ اگر فرضی ثابت ہوگیا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ امام موفّق کی ذات سے ہمیں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی، ہم نے اس مضمون کے شروع میں کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زبردست شخصیت سے اپنے وقت کے حالات پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے اور سیاسی اور مذہبی معاملات میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ ایسے شخص کے حالات تاریخ دان کے لئے یقیناً بڑی اہمیّت رکھتے ہیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ وہی بات پھر دُہرانی پڑتی ہے کہ تاریخ وتراجم کی کتابوں میں

---

۵۱ تفصیل کے لئے دیکھو میرا مضمون بہ عنوان "عمر خیّام" (رسالہ اُردو ۱۹۲۳ء ص ۴۷۷ - ۴۷۸) ۵۲ ص ۱۸ ببعد ۵۳ ص ۵۰ - ۶۰، ۵۴ ایضاً ص ۳۲ بحوالہ طبقات الشافعیہ للسبکی۔

جو ہمارے سامنے ہیں ان کا بالتفصیل کہیں ذکر نہیں ملتا۔

امام موفق کا نام ہبتہ اللہ بن محمد ہے۔ موفق اور جمال الاسلام لقب ہیں، تعجب ہے کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ان کے والد قاضی محمد بن الحسین البسطامی اور اُن کے صاحبزادے امام ابوسہل کے ترجمے دئے ہیں لیکن خود ان کا ذکر نہیں کیا۔ قاضی محمد بن الحسین بن محمد بن الہیثم[۵۱] بن القاسم بن مالک القاضی ابوعمر اصلاً بسطامی تھے۔ علم و فضل کا کمال بغداد و اصفہان و اہواز اور دیگر شہروں میں رہ کر حاصل کیا، ۳۸۸ھ میں نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے۔ فقہ و کلام و وعظ میں ان کی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی۔ اس لئے اہل نیشاپور ان کے مسند قضا پر آنے سے بے انتہا خوش ہوئے۔ اور سلطان[۵۲] کو شکریہ اور دعا کا خط لکھا، قاضی موصوف متعدد بار سلطان کی طرف سے خلیفہ القادر باللہ کے دربار میں سفیر ہو کر گئے۔ اور اپنی طلاقت لسان اور حسن بیان سے اس عہدے کے نازک فرائض کو اس خوبی اور کامیابی سے انجام دیا کہ دربار خلافت کے وزراء نے ان کے کمال اور لیاقت کی شہادت دی کہ ایسے پرعظمت دربار میں ایک اقبالمند سلطان کا قاصد ایسا ہی ہونا چاہئے، ان کی سحرالبیانی اور تصدیر فتوی میں برّاقی ذہن مشہور عالم تھی۔

قاضی ابوعمر کی شادی امام ابوالطیب الصعلوکی کی بیٹی سے ہوئی جو ۳۶۹ھ میں اپنے والد امام ابوسہل صعلوکی کی وفات پر نیشاپور میں فقہ حنفی کے مفتی

---

۵۱ سمعانی میں محمد کے والد کا نام ابراہیم بجائے الہیثم دیا ہے اور ابراہیم سے اُوپر کا حصہ نسب کا نہیں دیا (کتاب الانساب بذیل البسطامی)

۵۲ سلطان محمود غزنوی سے مراد ہے۔

اور اصحاب حدیث کے رئیس مقرر ہوئے تھے[1]۔ علم و فضل کے دو ممتاز خانوادوں کی اس مواصلت کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے وہ ظاہر ہے، اس مبارک نسل سے علماء و ائمہ کی ایک جماعت پیدا ہوئی جن کے پیشرو امام موفق نیشاپوری ہیں۔

امام موصوف کے سنّ ولادت کا کسی ترجمہ نگار نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ بتحقیق معلوم ہے کہ ۴۰۷ھ میں وہ اپنے والد کی جگہ پر مسند تدریس پر جاگزیں ہوئے۔ اور رئیس شوافع تسلیم کئے گئے۔ اس وقت سے لیکر ۴۴۰ھ تک (جو ان کی وفات کا سال ہے) نیشاپور میں ان کی مجلس درس برابر جاری رہی جس میں علماء و ائمۂ زمانہ تک شریک ہوتے تھے۔

نیشاپور میں امام موفق نے اپنے زمانے میں بہت بڑا سیاسی انقلاب دیکھا، وہ یہ کہ ۴۲۹ھ میں غزنویوں کا دور ختم ہو کر سلجوقی حکومت قائم ہوئی۔ اس سال ماہ ذیقعد میں جب ابراہیم اینال[2] طغرل کی طرف سے فوج لے کر نیشاپور آیا اور اہل شہر سے اطاعت قبول کرنے کو کہا۔ تو اعیان و اکابر نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا، امام موفق بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ اطاعت قبول کر لینی چاہیئے۔ ورنہ شہر غارت ہو جائیگا۔ غزنوی حکومت کی طرف سے مدافعت کے لئے ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے ان کی رائے

---

[1] سمعانی ذکر صعلوکی، یہ معین کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ شادی قاضی ابوعمر کے نیشاپور آنے کے بعد ہوئی یا پہلے ہو چکی تھی۔ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ بعد ہوئی ہوگی۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس تقریب سعید کی تاریخ ۳۸۸ھ یا اس کے بعد کا کوئی سال ہے کیونکہ اسی سال وہ نیشاپور آئے ہیں (دیکھو اوپر) اس لحاظ سے امام موفق (جو ان کی اولاد اکبر تھے) ۳۸۹ھ یا ۳۹۰ھ سے پہلے پیدا نہیں ہوئے ہونگے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات پر ۴۰۷ھ میں ان کی جگہ پر رئیس الشافعیہ ہو گئے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سترہ اٹھارہ برس کی قلیل عمر میں وہ اس جلیل القدر منصب پر سرفراز ہوئے ہوں؟

[2] سلطان طغرل کا سوتیلا بھائی۔

پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے اطاعت قبول کی اور اعیان شہر جمع ہو کر (جن میں امام موفّق بھی تھے) ابراہیم کے استقبال کے لئے گئے۔ اور اس کو لا کر باغ خرمک میں اتارا جس کو خاص اس موقع کے لئے سجایا گیا تھا[1]۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں طغرل کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ کئی ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور خطرہ تھا کہ چونکہ لوگوں کی ہمدردی غزنویوں کے ساتھ ہے۔ کہیں اس نئے خطبے پر ہنگامہ برپا نہ ہو جائے۔ لیکن امام موصوف اور ان کے ساتھ دیگر اعیان کے اثر کی وجہ سے لوگ خاموش رہے۔ گویا سب نے طغرل کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد خود سلطان طغرل نیشاپور آیا، اس موقع پر بھی امام موفّق دیگر اکابر شہر کو ساتھ لے کر اس کے استقبال کو گئے وہ تین ہزار مسلح سواروں کے ساتھ شہر میں وارد ہوا۔ اور باغ شادیاخ میں اُترا۔ شہر کے لوگوں نے اس کی اور اس کے لشکریوں کی مہمانداری کا بڑا اہتمام کیا۔ اہل نیشاپور اور طغرل کے درمیان رابطۂ گفت وشنید امام موصوف ہی کے ذریعے سے ہوتا رہا، طغرل نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ کہ امام صاحب کا لوگوں پر کتنا اثر ہے۔ اور وہ کس کمال اور قابلیت کے آدمی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سلجوقیوں کو نیشاپور میں حکومت قائم کرنے میں جو امداد دی طغرل اس پر جتنا بھی ان کا ممنون احسان ہوتا کم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے ان کا مرید بنا رہا۔ اور ان کے اشارے پر چلتا رہا۔ ۴۳۷ھ میں جب ناصر خسرو اپنے دوران سفر میں نیشاپور سے نکلا ہے تو امام موفق وہاں سے قومس تک اُن کے ہم سفر ہوئے۔ ان کا نام لیتے وقت وہ ان کو "خواجۂ سلطان (یعنی سلطان طغرل کے مرشد) کہتا ہے:۔

---

[1] دیکھو تاریخ بیہقی طبع کلکتہ ص ۶۸۷ - ۶۹۱، بیہقی ان کو ہر جگہ "موفّق امام صاحب مہیشان" لکھتا ہے۔

" دوم ذیقعد از نیشاپور بیروں رفتم در صحبت خواجہ موفق کہ خواجۂ سلطان بود[۵۱]"

اب چونکہ فضل و کمال کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت کے پیر و مرشد بھی ہو گئے۔ اس لئے لوگوں کا رجحان ان کی طرف اور بڑھا، مجلس تدریس کے ساتھ ساتھ اربابِ غرض کا مجمع بھی رہنے لگا۔ علماء، فضلاء، وزراء، ارباب حکومت، غرض ہر طبقے کے لوگ ان کے ہاں آتے تھے اور ہر قسم کا افادہ اور استفادہ ہوتا رہتا تھا۔ مشاہیر وقت کی باہمی شناسائیاں اور ملاقاتیں ان کے ہاں ہوا کرتی تھیں۔ جن میں ایک قابلِ ذکر عمید الملک کندری (وزیر طغرل) اور باخرزی (صاحب دمیۃ القصر) کی باہمی ملاقات ہے جو سب سے پہلے اسی مجلس میں ہوئی[۵۲]۔ یہ ۴۳۴ھ کی بات ہے، شدہ شدہ دونو آپس میں بے تکلف ہو گئے۔ یہاں تک کہ باخرزی نے مذاقیہ طور پہ عمید الملک کی ہجو کہی ؎

أقبل من کندر مسیخرۃ للنحس فی وجہہ علامات
یحضر دور الأمیر وہو فتی موضع امثالہ الخرابات
فہو جحیم و . . . . . کجنۃ عرضہا السماوات

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سلطان طغرل جب نیشاپور آیا تو اس کو ایک عربی دان کاتب کی ضرورت ہوئی۔ امام موفق نے عمید الملک کی سفارش کی سلطان نے اس کو اپنا کاتب بنا لیا۔ وہاں سے وہ ترقی کر کے وزارت کے عہدے تک پہنچا، معجم الادباء میں ہے کہ باخرزی اس کی وزارت کے زمانے میں بغداد میں

---

۵۱ سفرنامہ طبع پیرس ص ۳، موسیو شیفر نے اپنے فرانسیسی ترجمے میں 'خواجہ' کا ترجمہ دبیر یا کاتب یعنی سیکرٹری کیا ہے، اس کو ہم غلط نہیں کہہ سکتے اور عجب نہیں کہ امام موفق منصب وزارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہوں،

۵۲ معجم الادباء ج ۵ ص ۱۲۴-۱۲۵، خود باخرزی نے دمیۃ القصر ص ۱۴۰ بعد پہ یہ قصہ تفصیل سے لکھا ہے۔

اس کے پاس گیا اور قصیدہ سُنایا جس پر اس نے خلعت اور ہزار دینار انعام دلوائے[۱]

امام موفق کی سفارش سے عمید الملک کے علاوہ اور خدا جانے کون کون ترقی کے زینے پر چڑھا ہوگا۔ اسی سے عوام میں یہ چرچا پھیلا ہوگا۔ کہ ان کی مجلس میں جو کوئی شریک ہوتا ہے اعلےٰ عہدے پر پہنچتا ہے۔ نظام الملک، عمر خیام اور حسن صباح کی ہمدرسی کی داستان میں بھی ہمیں لوگوں کا یہ اعتقاد واضح طور سے نظر آرہا ہے۔ کیونکہ ان تینوں کا وہ مشہور عہد اسی اعتقاد پر مبنی تھا۔

ہم اُوپر کہہ آئے ہیں کہ ہمدرسی کی اس داستان کو سب سے پہلے فضلاء یورپ نے شبہ کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ سنین و واقعات کی مشکلات کو حل کرنا مشکل تھا۔ ان مشکلات کا حل تجویز کرتے ہوئے لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہوٹسما نے اپنا وہ مشہور نظریہ پیش کیا کہ یہ نظام الملک نہیں بلکہ سلجوقیوں کا ایک اور وزیر انوشیروان بن خالد تھا جو حسن صباح اور خیام کا ہمدرس تھا، پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیاتِ

---

[۱] معجم الادباء کی اصل عبارت یہ ہے:۔ وصار وزیر محکما فورد علیہ الشیخ علی بن الحسن وہو ببغداد فی صدد الوزارۃ فی دیوان السلطان فلما رآہ الوزیر قال لہ انت صاحب "اُقبل" فقال لہ نعم فقال الوزیر مرحبا وأہلا فانی قد تفاءلت بقولک "اُقبل" ثم خلع علیہ قبل انشادہ ... فلما فرغ من انشاد ہذہ القصیدۃ قال عمید الملک لأمراء العرب لنا مثلہ فی العجم فہل لکم مثلہ فی العرب ثم امر لہ بالف دینار مغربیۃ" مگر خود باخرزی نے صرف یہ لکھا ہے۔ کہ فضرب الدہر ضربانہ حتی صار العین مکانہ (یعنی مکان الکندری)... وتصرفت بی احوال انتہی الی دیوان الرسائل بالعراق فدخل الدیوان یوما وانا قریب عہد بالانتظام فیہ فلما وقع بصرہ علی اثبت صورتی واقرأہ تذکر العہد القدیم صورتی فاقبل علی وقال انت صاحب اقبل ... فقلت نعم ایدالله سیدنا فقال قد تفاءلت بہا یتک اذ کانت مفتتحۃ بلفظ الاقبال وقلت فیہ قصیدۃ (مگر خلعت وانعام کا کوئی ذکر نہیں)

ایران میں اس نظریہ کی تحسین و تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ منجملہ اور مثالوں کے یہ بھی ایک مثال اس امر کی ہے کہ اہل ایران عموماً گمنام لوگوں کے واقعات کو مشہور و معروف اشخاص کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں، پروفیسر ہوٹسما کا نظریہ اگرچہ اب قطعی طور پر ناممکن ثابت ہوا ہے[۱] لیکن براؤن کے اس بیان میں صداقت ضرور ہے، کچھ عجب نہیں اگر یہ داستان عمید الملک کندری اور باخرزی کے قصّے سے پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اس کے بہت سے خط و خال اس قصّے میں موجود ہیں۔ جس طرح عمید الملک اور باخرزی امام موفق کی مجلس میں شریک تھے۔ اسی طرح نظام الملک اور خیّام شریک بنائے گئے ہیں، دونو جگہ ایک وزیر ہے اور دوسرا شاعر، جس طرح عمید الملک کے وزیر ہونے پر باخرزی اس کے پاس جاکر خلعت و انعام پاتا ہے اسی طرح خیام بھی نظام الملک کے وزیر ہونے کے بعد اس کے پاس جاکر وظیفہ و انعام سے سرفراز ہوتا ہے، عمید الملک اور نظام الملک دونو ایک ہی شاہی خاندان کے وزیر ہیں اور دونو کی اصل دہاقین میں سے ہے، عمید کے متعلق اخبار الدولۃ السلجوقیہ میں ہے کہ "کان من اولاد دھاقین کندر" (صفحہ ۲۳) اور نظام الملک کے بارے میں ابن خلکان لکھتا ہے:-

قیل انّ نظام الملک کان من نواحیہا (ای نواحی طوس) وکان من اولاد الدھاقین،

خیام کی طرح باخرزی بھی نیشاپور ہی کا رہنے والا ہے[۲]، ان دونو قصّوں میں سب سے بڑی غیر مشابہ بات یہ ہے کہ اُس فرضی داستان میں ایک تیسرا شخص حسن صبّاح بھی موجود ہے، ہمارے خیال میں اس کی موجودگی اس داستان

---

[۱] دیکھو خیّام، ص ۴۳ - ۴۷،

[۲] باخرز ناحیۃ من نواحی نیسابور (ابن خلکان ترجمہ باخرزی)

کی وجہ تصنیف سے سمجھ میں آسکتی ہے جس کی توضیح خیّام کے فاضل مصنّف نے کردی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

" اس سے ظاہر ہے کہ یہ داستان قلعۂ الموت یا قلعۂ اصفہان میں گھڑی گئی ہے اور اس کا منشا صرف اتنا تھا تاکہ نظام الملک سے حسن بن صباح کی مخالفت کا راز ظاہر کیا جائے " (ص ۴۱)

امام موفق ۴۴۰ھ میں (غالباً پچاس برس کی عمر میں) فوت ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے امام ابوسہل محمد بن ہبۃ اللہ ان کی جگہ مسند افادہ پر جاگزیں ہوئے، سبکی ان کے ترجمے میں لکھتا ہے :-

توفّی ابوہ سنۃ اربعین فاختفّ بہ الأصحاب وراعوا فیہ حقّ والدہ وقدّموہ للریاسۃ وقام الاستاذ ابوالقاسم القشیری فی تہیئۃ اسبابہ و استدعی الکل الی متابعتہ وطلب من السلطان ذلک فاجیب وارسل الیہ الخلع ولقّب بلقب ابیہ جمال الاسلام[1]	ان کے والد کا انتقال ۴۴۰ھ میں ہوا جس کے بعد اُن کے رفقا ان کے گرد جمع ہوئے۔ اور ان کے حقوق کی وہی رعایت ملحوظ رکھی جو ان کے والد کی رکھی تھی۔ اور ان کو ریاست کے لئے آگے بڑھایا اور استاد ابوالقاسم قشیری نے ان کے رواج کار کا بیڑا اٹھایا اور سب

کو ان کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ اور سلطان (طغرل) سے بھی ان کی ریاست کو تسلیم کرنے کی درخواست کی۔ جس کو اس نے منظور کیا۔ اور ان کے لئے خلعت بھیجا۔ اور جمال الاسلام کا لقب (جو ان کے والد کا لقب تھا) عطا کیا۔

اگرچہ امام ابوسہل آگے چل کر بڑی قابلیّت اور پایہ کے بُزرگ ہوئے۔ لیکن اس وقت ان کی جو عزّت اور تعظیم ہوئی وہ محض ان کے والد کی رعایت حقوق تھی۔

---

[1] ج ۳ ص ۸۶،

ورنہ خود ان کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی[1]، یہ ہر دلعزیزی اتنی چھوٹی عمر میں حاصل کرسکنا مشکل ہے۔ امام موفق کے ایک چھوٹے بھائی امام مؤید (عمر بن محمد ابوالمعالی) تھے۔ ان کی مجالس تدریس بھی جاری تھیں ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے (سبکی ج ۴ ص۸)

امام موفق عربی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کا ترجمہ ہم کو تاریخ و تذکرہ کی متداول کتابوں میں صرف ایک جگہ ملا ہے یعنی ثعالبی کی تتمۃ الیتیمہ میں لیکن افسوس کہ باوجود معاصرت اور ہم وطنی کے علامہ ثعالبی نے انکے حالات سے ہم کو تشنہ رکھا ہے۔ صرف تعریف کے چند جملے لکھکر چپ ہوگئے ہیں۔ اور عذر پیش کیا ہے کہ "اجل وارفع من ان یذکر بالشعر الذی ھو ادنی فضائلہ واصغر خصایصہ"[2] اسکے بعد سات شعر نمونے کے طور پر دئے ہیں۔ جن میں سے ذیل کا قطعہ جو ان کے بچپن کا کلام ہے ہمارے نزدیک حسن تخیل کی عمدہ مثال ہے:-

سمحت بروحی فی ھوا ھا لأنّنی	میں نے اس کی محبت میں اپنی جان دے
أری الموت فی حبّ الحسان یسیرا	ڈالی۔ کیونکہ حسینوں کے عشق میں میں موت کو
أسیر وقلبی فی ھواھا مقیّد	آسان سمجھتا ہوں۔ میں چلتا پھرتا ہوں حالانکہ
فأعجب بانسان یسیر اسیرا	میرا دل اسکی الفت میں مقید ہے، کیسی عجیب

حالت اس شخص کی ہے جو بحالت اسیری چلتا پھرتا ہے۔

ذیل کے دو شعر امام موفق کی تعریف میں ایک شخص ابوالہیجا علی بن حمدان الخوانی نے کہے ہیں۔ جن کو ثعالبی نے تتمہ میں نقل کیا ہے:-

انّ الموفق لو کانت أنا ملہ	اگر موفق کا ہاتھ سمندر ہوتا تو دنیا بھر کے لوگ اس
بحراً لآذن أھل الارض بالغرق	میں ڈوب جانے پر آمادہ ہوتے اگر تو اسکی خوبیوں کو
ولو نثرت علی الدنیا محاسنہ	روئے زمین پر بکھیر دے تو بجز حسن خلق اور
ما انبتت غیر حسن الخلق والخلق	حسن خلق کے زمین سے کچھ نہ اُگے۔

(تتمہ الیتیمہ ج ۲ ص ۳۵) (محمد اقبال)

[1] تتمہ طبع طہران ج ۲ ص ۷-۸

شہر قصور کے متعلق اقتباسات

۱- اقتباس

از عبرت نامہ

(مصنفہ مفتی خیر الدین مرحوم)

دیباچہ کتاب میں مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۸۲۳ء مطابق ۱۲۳۹ھ موافق سمت ۱۸۸۱ بکرمی میں وہ اپنے والد کے ہمراہ لاہور سے جو اسکے آباؤ اجداد کا وطن اور اس کی زادبوم تھا "بسبب ظلم سکھان" بھاگ کر لودہانہ پہنچا۔ اور تب سے "تادم تحریر" یعنی ۱۸۵۴ء (مطابق ۱۲۷۰ھ موافق سمت ۱۹۱۱ بکرماجیتی) تک وہ مختلف انگریز حاکموں کی خدمت میں حاضر رہا۔ اور علاقہ ہائے فیروزپور و لودہانہ و بہاولپور و سندھ و مارواڑ و ملتان و ڈیرہ جات و پنجاب و ہزارہ و کشمیر و پشاور و درہ خیبر و کابل تا حدود غزنی و بامیان میں حتے الامکان خدمات شائستہ بجا لاتا رہا۔ تاہم مراد دلی اس کو حاصل نہ ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی علمی یادگار دنیا میں چھوڑے۔ مگر اس کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ آخر وہ مسٹر چارلس ریکس (کذا) صاحب بہادر کمشنر و سپرنٹنڈنٹ قسمت لاہور کی خدمت میں پہنچا اور بادنی خدمت "طرفۃ العین" میں اپنی مراد کو پہنچا۔ اور اسنے ارادہ کر لیا کہ اپنے باپ کی تصنیف عبرت نامہ کو بطور پیشکش موصوف کی خدمت میں پیش کرے۔

اس کے بعد مصنف نے تالیف کتاب کا جو حال دیا ہے وہ اسی کے لفظوں میں درج کیا جاتا ہے:-

اگرچہ سابقا چندین از مؤلفان سخندان کتاب تواریخ سکھان بموجب رسائی فکر خود تصنیف نمودہ مثلاً لالہ سوہن لعل نامی سکنہ لاہور کتابے درین ضمن نوشتہ کہ بتطویل انجامید وبسبب عدم مذہبی در اکثر مقامات رعایت نمودہ از نفس الامر بر کنار ماندہ و دران سوای ایجاد

ذکر ملک گیری سنگھان دیگر چیزے مندرج نمودہ دہم دیوان امرناتھ پنڈت کشمیری دہلوی کتابی نوشتہ کہ آن مشتمل وقایعہ رکنڈا سالیانہ بعبارت مختصر و مغلق بودہ کہ مطالعہ اش در برآوردن مطالب شایق را بدقت می اندازد و نیز بوٹہ شاہ نامی آوان سکنہ لودہانہ کتابی نوشتہ کہ با وصف متانت[1] رنگینی فقرات بسبب تطویل اکثر مطلب دران مہمل ماندہ و سامع را جز سمع خراشی ازان حاصلی نیست پس ازین چیزے بہتر نخواہد بود کہ کتاب عبرت نامہ را کہ والد ماجد مرحوم بعبارت ماقل وول ع بلفظ اندک و معنی بسیار

در کوائف اربعہ حدود ممالک فسحت آباد پنجاب و منبع دریا یا یعنی ستلج و بیاسا و راوی و چناب و جہلم و دریائے لہندی رکذا، و با ثمین کہ آنرا اٹک و ہم دریائے سندھ می گویند و دیگر انہار کہ از کوہسار ہا مکمہ می برآیند و چشمہ زار ہا کہ درین سرزمین میخزند و تعداد اقسام مزروعات ربیع و خریف و معدنیات و نباتات و وحوش و طیور پیدا وار این ملک و رسومات اہل اسلام و ہنود و سنگھان و فقرائے ہر سہ گروہ و بنای قصبہ جات مشہورہ و بلدہ ہای معمورہ و تصرف با دشاہان اسلام و آغاز راج سنگھان و احوال ملک گیری ایشان حسب فرمایش کرنیل سی ایم وید صاحب بہادر پولیٹی کل ایجنٹ لودہانہ بطریق مسودہ تالیف و تصنیف نمودہ و آن کتاب بچندین وجوہ ناتمام و اوراق پراگندہ افتادہ بود بنام نامی دہم گرامی مشر صاحب بہادر ممدوح ترتیب و تالیف یافتہ

اسی سلسلے میں مفتی علی الدین نے ہم کو بتایا ہے۔ کہ یہ کتاب مسودہ ہی کی صورت میں یوں رہی۔ کہ صاحب ممدوح ان دنوں مہم افغانستان پر مامور ہوئے۔ اور فتح کابل کے بعد جلدی ہی اندور چلے گئے۔ دوسرے مفتی خیر الدین مصنف کتاب شاہ شجاع الملک کے حرم محترم کو کابل پہنچانے گئے اور سکھوں کا راج ابھی تک تمام نہ ہوا تھا۔ کہ کابل ہی میں فوت ہو گئے تیسرے مفتی علی الدین دیباچہ نگار کے لئے گردش زمانہ سے کسی ایک جگہ قیام کی صورت پیدا نہ ہوئی جو تھے اس بضاعت سنگین کا کوئی ایسا خریدار نہ ملا جس کے نام کتاب معنون کی جاتی۔ چنانچہ کتاب ناتمام اور اس کے اوراق پراگندہ پڑے رہے تا آنکہ اس نے فضیلہ

[1] اصل: مطانت

[2] col. C. M. wade

کیا کہ کمشنر صاحب موصوف کے نام پر کتاب کو ترتیب و تالیف کرے ۔ غرض اس طرح یہ کتاب مکمل ہوئی ۔ عبرت نامہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے ۔ اسی نسخہ سے اقتباس ذیل قصور کے متعلق لیا گیا ہے :۔

قصور

(۴۶ و) ورق ۴۶ و ..... آغاز معموری آں مور خان اہل اسلام از وقت سلطان محمود غزنوی می شنیدہ [نوشتہ اند] چنانچہ لہور از سر نو ملک ایاز آباد کردہ و شہر قصور را افغانان عیسیٰ زئی کہ مع بادشاہ موصوف درین سرزمین رسیدہ قطعہ زمین را پسندیدہ آباد کردند و افغانان دولت زئی اوّل در موضع متا متصل رکھانوالہ استقامت ورزیدہ من بعد آن قصور رفتہ آباد شدہ اند تا [عہد] نواب عبد الصمد خان کہ حسین خان خلف زئی ریاست قصور داشت خوب آباد بود چون حسین خان در جنگ نواب ممدوح از دست سید حسین علی خان اعتقاد ا بضرب تیر کمان جان بحق تسلیم نمود شہر قصور بسبب افتاد و جریمانہ خراب گردید من بعد آن سردار ہری سنگھ و گنڈا سنگھ و جھنڈا سنگھ یورش آوردہ تمام شہر مذکور غارت کرد (ہ) سوزانیدند من بعد آن ناچار نہ بصورت اختیار افغانان صاحب ثروت و صاحب داعیہ کہ بودند ہر یک جداگانہ بنام خود ہا قلعہ ہا انداختہ ذخیرہ ہر چیز ہا نمودہ انداختند و رعایای ذیل خود را در انجا آوردند افغانان از جنگ سنگھان وغیرہ

(۴۶ ب) مامون و مصئون و دلیر گردیدند سنگھان مقابلہ پسند نداشتہ (۴۶ ب) مشار الیہان را مطلق العنان گذاشتہ قلعہ ہای افغانان قصور کہ حال آباد اند مشار الیہا بعضی از موضع متا و بعضی از ساکن (کذا) اصل قصور اند[1]

اوّل قلعہ جات افغانان ساکن (کذا) شہر قصور ۔

از قدیم الایام و از روز تہلکہ سنگھان سکونت در قلعہ ہا داشتند ۔

کوٹ بودیخان — البضا کوٹ بودیخان نزد محی الدین پورہ ۔

---

[1] اصل : اینند

قلعہ دمدمہ بنیہ نواب حسین خان خلف زئی، کوٹ پیر گرمھی عزت اللہ خان اکی زئی،
قلعہ محمد خان عیسیٰ زئی، قلعہ بٹک زئی، کوٹ مراد خان،
قلعہ ہای افغانان کہ از موضع متامن پرگنہ رکھاں والہ در قصور رفتہ آباد شدند انیست:۔

کوٹ خواجہ حسین خان دولت زئی — کوٹ غلام محی الدین خان پسر حسین خان
کوٹ بدر الدین خان پسر حسین خان — کوٹ عثمان خان پسر حسین خان
کوٹ رکن الدین خان پسر حسین خان — کوٹ اعظم خان

کوٹ جلی خان دولت زئی، کوٹ صدر خان، کوٹ فتح الدین خان پسر نظام الدین خان،
کوٹ محمد خان فرزند جلے خان عرف مشہور محی الدین پور،
کوٹ عبد الرسول خان از قصور سہ کروہ فاصلہ دارد، قلعہ لطیف خان مشہور کھڈیاں مبنیہ
مشار الیہ (و) دامادش نور برہان خان و این ہمہ قلعہ و کوٹ ہا را سردار و مالک ہر یک جدا گانہ
بودند اما سر زمین این قطعہ قصور مردخیز از اہل حرفہ ساکن دکذا، آنجا تہور شعار و شجاعت آثار اند،

(۲) اقتباس از تاریخ لاہور مصنفہ مفتی تاج الدین

عبرت نامہ کی تصنیف سے چند سال بعد یعنی ۱۸۶۷ء میں میجر جان کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے مفتی تاج الدین بن مفتی امام الدین کو جو مفتیان لاہور کے قدیمی خاندان سے تھا تاریخ ضلع لاہور لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کتاب میں ورق ۴۹ ببعد پر شہر قصور کا حال حسب ذیل دیا ہے:۔

منجملہ قصبات کلان و دیرینہ و مشہورہ
قصور

بھاری قصبہ اور پرانی بستی اور نامور مکان ہے۔ چونکہ آبادی اسکی منتشر اور منحصر بچند کوٹ ہے۔ اس لئے اہل طبائع نام اس کا قصور جمع قصر بیان کرتے ہیں اور بہنود بیان کرتے ہیں کہ اصلی نام اس کا کشور ہے۔ اور کشور اختصار کشو پور ہے علی نحو لاہور اختصار لو پور اور کہتے ہیں کہ کشو

اور لوؤ دونو بیٹے رامچند کے تھے جس زمانہ میں لوؤ نے لَوہ پور المعروف لاہور آباد کیا۔ اسی زمانہ میں کشو نے کشو بعد المعروف کشور کی بنیاد رکھی۔ اگر یہ بات حقیقت میں درست سمجھی جائے۔ تو پھر قصور کہنا قصور ذہن ہے ۱۴۸۲ء[1] میں بابر شاہ نے یہ بستی کہ ہیئت دیہہ خام آباد تھی پٹھانوں کو جو کہ ہمرکاب شاہ ممدوح ولایت مغربی سے آئے تھے بطور معافی مرحمت کی۔ انہوں نے بڑے شوق سے اس کی آبادی کو بڑھایا اور مکانات پختہ بنوا کر موضع کو صورت قصبہ بنایا۔ بعد کچھ مدت کے ہر ایک سردار اور رئیس پٹھان نے علیحدہ علیحدہ بستی اپنے نام پر آباد کرائی اور چند پشت تک رونق بڑھتی گئی۔ حتےٰ کہ طول آبادی کا تین میل تک اور عرض دو میل تک پہنچا۔ چنانچہ ہنوز کھنڈریں موجود اور اس دعویٰ پر مبیّنہ کافی ہیں۔ بعد انتقال جلال الدین اکبر کے پٹھان مضمحل ہو گئے۔ اس لئے رونق اور آرایش نے بھی تنزل پایا۔ عہد شاہ جہان و عالمگیر میں پھر پٹھانوں کی بن آئی اور بستی نے بھی رونق پائی۔ ہر ایک رئیس نے اپنا آرام گاہ اور مجلسرای علیحدہ تیار کرایا۔ اور عمارات دیرینہ اور قصور منہدمہ کی ترمیم اور تعمیر از سر نو عمل میں آئی۔ حتےٰ کہ تا دوران خاتمہ ریاست محمد شاہ مرحوم بتدریج چند کوٹ پختہ تیار ہو گئے۔ بدیں تفصیل ؎

کوٹ خواجہ حسین مبنیہ سمت ۱۷۶۲ بکرماجیتی	کوٹ قلعہ پختہ مبنیہ سمت ۱۸۰۳
کوٹ غلام محی الدین مبنیہ سمت ۱۸۰۵	کوٹ مراد خان سمت ۱۸۰۵
کوٹ بدر الدین مبنیہ سمت ۱۸۰۷	کوٹ رکن الدین سمت ۱۸۱۲

سمت ۱۸۱۷ میں نواب خواجہ حسین خان رئیس اعلیٰ و جاگیر دار قصور کی صوبہ لاہور سے نا موافقت ہو گئی جس کی تادیب کے لئے لاہور سے فوج جرّار بھیجی گئی۔ حتےٰ کہ بمقام نہر جوکی لڑائی ہوئی۔ جس میں حسین خان نے شکست پائی۔ آخر حسین خان بیدخل اور اس کی جگہ پر برہان الدین اور جلے خان پٹھانان اخوان ہم جلہ حسین خان معزز و نامور ہوئے اور کچھ مدت تک سرداری ان کے خاندان میں رہی۔ بدوران حکومت نواب خان بہادر ناظم پنجاب نیا انتظام عمل میں آیا اور تعلقہ قصور دو حصہ پر منقسم ہوا جس میں سے ایک حصہ پر رحیم داد خان پٹھان اور دوسرا حصہ کمال الدین پٹھان کو مرحمت

[1] یہ تاریخ غلط ہے۔

ہوا۔ تھوڑے دنوں تک تو انہوں نے امن و چین سے حکومت کی بعد اُس کے تنزّل ریاست اہل اسلام اور تسلزل حکومت لاہور تفرقہ پڑ گیا۔ جب جا بجا لوٹ مار شروع ہو گئی۔ تو ان پٹھانوں میں بھی آپس میں اختلاف اور بے اعتدالی وقوع میں آئی۔ جو کوئی غالب اور قوی بازو ہوتا رہا۔ لوگ اسی کی متابعت اختیار کرتے رہے اور سکھوں نے بھی قصوریوں پر پے بہ پے کئی حملے کئے کبھی مغلوب ہوتے رہے اور کبھی غالب حتیٰ کہ نوبت سرداری نظام الدین خان پٹھان ابن [1] پہنچی۔ یہ شخص بڑا بہادر اور اہل تدبیر تھا۔ اس لئے اس غدر اور تعدی سکھاں میں اس نے قصوریوں کو اپنا ہمراہ اور مددگار اور ملازم یا مصاحب یا شریک ریاست بنا کر اپنی ریاست اور نوابی کو فروغ دیا۔ اس کے عہد میں اور کئی کوٹ اور قصور معمور ہوئے۔ چنانچہ درمیان بستی قصبہ قصور کے کوٹ حلیم خان، کوٹ فتحدین، کوٹ سرائے والہ، کوٹ عبدالغنی اور اور کئی پختہ مکانات تیار ہوئے۔ سکھوں نے بھی اس پر کئی حملے کئے اور اکثر غالب ہوتا رہا مگر ایک دو بار سرداران بھنگیاں نے اس کو لاچار کیا۔ پہلی جرأت اس نے کی کہ سنہ ۱۸۲۱ء میں ان کا ڈیرہ راہ گزر لوٹ لیا جس کی پاداش میں سردار جھنڈا سنگھ و گنڈا سنگھ بھنگیاں نے بجمعیت کثیر اس پر حملہ کیا اور بہت خونریزی ہوئی۔ آخر بھنگی غالب ہو کر قصور پر متصرف ہوئے اور پٹھان اپنے اپنے کوٹوں میں محصور۔ دو تین روز تک نشانہ بازی ہوتی رہی اور سکھوں نے آبادیہائے بیرونی کوٹ ہائے محصورہ میں دست غارت دراز رکھا اور مکانات خواتین گرا دیئے۔ بلکہ بہت آدمیوں کو تلف کیا۔ مگر کسان محصورین کو گرفتار نہ کر سکے۔ کیونکہ لڑائی بندوق بازی کی تھی۔ سوائے اس کے اور کوئی تدبیر یاد نہ تھی اور نہ سامان حرب موجود۔ ناچار بعد تھوڑے دنوں کے ماحصل کو غنیمت مغتنم سمجھ کر امرتسر کو لوٹ گئے۔ ۱۸۲۷ء بکرماجیتی میں پھر بگاڑ ہوا اور تھوڑے دنوں تک لڑائی ہو کر آخر بھنگیوں نے فتح پائی۔ بہت پٹھان ارکان حکومت اور بہت رعیّت بیگناہ ماری گئی۔ خصوص قلعہ غلام نبی خان میں نہر خون کی چلی۔ بعد اس کے نظام الدین خان نے لاکھ روپیہ دے کر اطاعت محکومی اختیار کی۔ پھر تو چند سال تک امان رہا۔ جب تک رنجیت سنگھ نے لاہور نہ لیا۔ سکھوں سے کوئی مزاحم قصور نہ ہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بعد کامیابی فتح لاہور قصور پر تین حملے چند

[1] بیاض دراصل

سال ہیں کئے۔ مگر نظام الدین خان نے بزور جوانمردی اس کو نزدیک تک نہ آنے دیا۔ چونکہ ارادہ لم یزلی حامی روزگار مہاراجہ موصوف تھا۔ اس لئے بعد تیسرے حملے کے ایسا اتفاق ہوا کہ مقربوں سے دو آدمیوں نے بحث داشارہ مہاراجہ صاحب نظام الدین خان کو مار دیا اور قطب الدین خان سہیم و شریک نظام الدین خان نے سوائے اطاعت اور کوئی چارہ نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ قصور بلا تکلف مہاراجہ کے قبضہ میں آیا۔ اگرچہ مہاراجہ نے اس خدمت کے عوض میں سرداری قطب الدین خان کی زیر حکم سردار نہال سنگھ اٹاری بنائے رکھی۔ لیکن وہ خود اختیاری اور آب و تاب نہ رہی۔ بایں آغاز عمل سرکار انگریزی قطب الدین خان بھی مر گیا اور نوابی ختم ہوئی۔ اب قصور میں اس کے اقارب کے واسطے خانگی خانی ہے سرکار سے کچھ مقرر نہیں۔ جب سے تقسیم اضلاع ہو کر قصور متعلق ضلع لاہور ہوا۔ تب سے یہاں کچہری تحصیل اور ایک محکمہ اسسٹنٹی رہتا ہے۔ نوابان ممدوٹ نظام الدین خان کے بھتیجے ہیں[1]۔

ایڈیٹر

---

[1] قصور کا حال تفصیل سے رسالہ اسلامک کلچر بابت جولائی ۱۹۲۹ء ص ۴۵۲ ببعد دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھنا چاہیئے اوپر کے دو اقتباسات بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ ناظرین معلوم کر سکیں کہ ساٹھ ستر برس پہلے قصور کی آبادی کے متعلق پنجاب کے اہل علم میں کس قسم کی اطلاعات شائع تھیں۔

پرتھی راج راسا

سلسلہ کیلئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء

سلطان معزالدین محمد بن سام

راسا میں سلطان معزالدین محمد بن سام کو جن مختلف ناموں اور نسبتوں سے یاد کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) ساہاب دین سرتان (شہاب الدین سلطان)۔ (۲) ساہ ساہاب (شاہ شہاب) (۳) ساہاب (شہاب) (۴) ساہاب ساہ (شہاب شاہ) (۵) سرتان دین ساہاب (سلطان دین شہاب)۔ (۶) سہب (شہاب) (۷) ساہاب دین (شہاب الدین) (۸) کھورسان ساہاب (خراسان شہاب) (۹) ساہب دین سلطان (شہاب الدین سلطان) (۱۰) ساہب دین (شہاب الدین) (۱۱) سہاب گوری (شہاب غوری) (۱۲) گوری سہاب (غوری شہاب)۔ (۱۳) گوری ساہ (غوری شاہ) ساہ سرتان گوری (شاہ سلطان غوری) (۱۴) سرتان گوری (سلطان غوری)۔ (۱۵) گجنین گوری (غزنین غوری)۔ (۱۶) ساہ گوری (شاہ غوری) (۱۷) گوری (غوری) (۱۸) گوری سرتان (غوری سلطان) (۱۹) پاتساہ (پادشاہ) (۲۰) پتی ساہ (پادشاہ)۔ (۲۱) سرتان (سلطان) (۲۲) شاہ سرتان (شاہ سلطان) (۲۳) ساہ سہب (شاہ شہاب) (۲۴) ساہ کھورسان (شاہ خوراسان) (۲۵) کھندھار پتی۔

مذکورۂ بالا ناموں میں ایسے نام بھی پائے جاتے ہیں۔ جو 'غوری' کیساتھ ترکیب پاتے ہیں۔ اس لئے بے موقع نہیں ہوگا اگر وہ قصہ جو سلطان کے 'گوری' کہلائے جانے کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور راسا میں مذکور ہے میں اپنے سامعین کی دلچسپی کے خیال سے یہاں نقل کر دوں۔

دھن کتھا چوبیسوں داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج نے سلطان کے وزیر تتار خاں کے ایلچی سے جو سلطان کی رہائی کے لئے غزنین سے چل کر دہلی آیا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ایک روز دریافت کیا کہ ہمیں تم یہ تو بتاؤ کہ تمہارا پادشاہ شہاب الدین گوری کیوں کہلاتا ہے۔ ایلچی نے جس کا نام لورک رای کھتری تھا عرض کی کہ شہاب الدین سے پہلے غزنین کے تخت پر مسلمانوں کا پادشاہ شاہ جلال تھا۔

بیٹھے پاٹ اسورن ساہ جلّال پرمان چھند ۲۱۴ صفحہ ۲۵۷

اس کی حرم میں پانسو دس عورتیں تھیں۔ جب اسے کسی حرم کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملتی اس اندیشہ سے کہ مبادا فرزند نرینہ پیدا ہو اور بالغ ہو کر اسے قتل کر کے سلطنت پر قبضہ کرلے وہ فوراً اس بیگم کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالتا۔ اس قدر ظالم ہونے کے باوجود وہ ایک درویش شیخ نظام نامی سے بہت عقیدت رکھتا اور اس کی خدمتگزاری میں مصروف رہتا۔ اس کی خدمات سے خوش ہو کر ایک دن درویش نے یہ بشارت دی کہ تمہارے ایک بلند اقبال وارث تخت پیدا ہوگا۔ جو مسلمانوں (اسوروں) کی سلطنت کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیگا۔ شاہ کو یہ بشارت گراں گذری اور تشویش کے عالم میں قصر شاہی کی طرف لوٹا۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلی خبر جو اس نے سنی یہ تھی کہ اس کی ایک حرم حاملہ ہے۔ شاہ جلال نے حسب معمول اسے موت کے گھاٹ اتارنا چاہا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ ارادہ عمل میں آتا بیگم اپنی پیاری جان لیکر محل سے غائب ہوگئی۔ اس واقعہ سے پانچ سال بعد شاہ جلال نے وفات پائی۔ اس وقت امرائے سلطنت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ بغیر وارث ملک کے سلطنت کا انتظام کیونکر کیا جائے؟ اس غرض کے لئے ایک مجلس مشورت منعقد ہوئی اس موقعہ پر ایک شیخ نے جو شہر کے باہر ایک گورستان میں رہا کرتا تھا آکر کہا کہ اے امرائے دولت میں تمہیں قدرت باری کا ایک سچا قصہ سناتا ہوں اگر جھوٹ نکلے تو مجھے سزا دینا اور اگر سچ ثابت ہو تو انعام دینا۔ امرائے

شاہی کے استفسار پر شیخ نے کہا۔ آپ خدائے پاک کی قدرت ملاحظہ کیجئے۔ فتح بی بی نے جو بادشاہ کی حرم تھی شاہی محل سے فرار ہو کر ایک گور کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اسی گور میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہُوا جو شکل وصورت میں چندے آفتاب چندے مہتاب ہے اور در حقیقت یہی بچہ وارث ملک ہے۔ یہ قصّہ سنکر عمائدین ملک بہت خوش ہوئے اور اسی وقت شیخ کے ہمراہ ہو لئے۔ شیخ نے گورستان میں پہنچ کر دور سے انہیں بچّے کو انگلی سے بتا دیا۔

جھوٹی ہوئے تو سجا لیہجے سچی ہوئے نواجس کیہجے
سبے خان مل پوچھے بتّن کہوے سیکھ سو کیا کدرتن
بی بی فتے شاہ کی گھرنی کدرت گور مڈّی اک دھرنی
گور مڈّی اک چیلک واسن دیکھ سروپ کوٹی ردی بھاسن
سبے کھانن مدھی گور سدھائے کرانگڑی تہی سیکھ دکھائے

چھند ۳۲۰ تا ۳۲۲ صفحہ ۲۶۷

امرائے ملک اس بچّہ کی رعب دار صورت اور ہونہار قیافہ دیکھ کر بیحد خوش ہوئے اور عزت و احترام کے ساتھ اسے شاہی محل میں لے آئے۔ خان جہان نے فوراً نجومیوں کو بلایا انہوں نے بچّہ کا زائچہ دیکھا اور بولے کہ یہ بچّہ ایک اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہ ہوگا۔ اور ہندوستان میں مسلمانی سلطنت کی بنیاد ڈالے گا۔ اور جو شخص اسے بار بار قید و اسیر کریگا۔ انجام میں یہ اس کو بھی تباہی کے گھاٹ پہنچا کر رہیگا۔

گویا شہاب الدین کے گوری (غوری) کہلائے جانیکی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک گور میں ولادت اور پرورش پائی تھی نہ وہ وجہ جو مسلمان مورخین بیان کرتے ہیں کہ ملک غور اس کا وطن تھا۔ ایسی نکتہ سنجیاں راسلے کے مصنف کی جہالت اور تاریخ سے اس کی بے خبری کا پردہ فاش کرتی ہیں اور ہماری سنجیدہ توجہ کی مستحق نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا قصہ جو سلطان کے باپ کو اپنی بیویوں کا قاتل بیان کرتا ہے۔ انگریزی کے اس قصہ سے جو بلو بیرڈ (نیلی ڈاڑھی والا) کے نام سے مشہور ہے ملتا جلتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ بلو بیرڈ کو تصاویر میں مسلمانی لباس میں دکھایا گیا ہے اور اس کی بیوی کا نام فاطمہ بتایا ہے۔ ہمیں چند کوی کے اس قصہ کو بلو بیرڈ کی کہانی سے زیادہ وقعت نہیں دینا چاہئے۔ مگر ان بزرگوں کی بدگمانی رفع کرنے کے لئے جو پنڈت موہن لال وشنولال پنڈیا کی طرح ہر ایسے قصے میں جو مسلمانوں کے خلاف جاتا ہو صداقت کا عنصر نمایاں دیکھتے ہیں۔ اور مسلمان مورخین کو ان کی قومی تاریخ کے تاریک پہلوؤں سے پردہ دارانہ اغماض کا مجرم بیان کرتے ہیں۔ اسقدر کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند کوی نے بسم اللہ ہی غلط کردی جب اس نے شہاب الدین کے باپ کا نام شاہ جلال بتایا۔ یہاں وہ شاہ جلال بیان کرتا ہے لیکن بڑی لڑائی روپرستاو میں سلطان جلال سکندر بتایا ہے۔

سلطان جلال سکندر جایا　　سلطان ساہب دین الہ اُپایا

چھند ۱۴۰ صح ۲۱۲۶/۱۸ چھیاسٹھویں داستان

جس سے مقصد یا جلال الدین سکندر ہے یا جلال بن سکندر ہے مگر باجتماع مورخین اسلام شہاب الدین کے باپ کا نام سلطان بہاء الدین سام بن ملک اعزالدین حسین ہے۔ ملک اعزالدین حسین کو سلطان مسعود ثالث بن ابراہیم غزنوی ۴۹۳ھ میں ایالت غور پر سرافراز کرتا ہے۔ اس کے سات فرزند تھے۔ (۱) ملک فخرالدین مسعود امیر بامیان و طخارستان (۲) سلطان بہاء الدین سام امیر غور و فیروزکوہ جو شہاب الدین کا باپ ہے (۳) ملک الجبال قطب الدین محمد جو فیروزکوہ آباد کرتا ہے (۴) سلطان سیف الدین سوری شاہ غور (۵) سلطان علاء الدین حسین بادشاہ غور و غزنین و بامیان (۶) ملک شہاب الدین محمد خرنک ملک ماوین (۷) ملک شجاع الدین علی امیر جرماس غور

باپ کی وفات پر بھائیوں نے تمام علاقہ کو آپس میں تقسیم کرلیا لیکن قطب الدین

محمد ملک الجبال کسی بنا پر بھائیوں سے خفا ہوکر غزنین چلا گیا۔ بہرام شاہ غزنوی نے اپنے دربار میں اسے عزت کی جگہ دی اور شرف دامادی بخشا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسے اسباب پیدا ہوگئے۔ کہ بہرام ملک الجبال سے بدظن ہوگیا اور کہتے ہیں کہ زہر دلوادیا۔ اسپر غوریوں اور غزنویوں میں عداوت قائم ہوگئی اور سیف الدین نے بھائی کا انتقام لینے کے لئے غزنین پر چڑھائی کردی۔ اور بہرام شاہ کو شکست دے کر غزنین پر قبضہ کرلیا۔ بہرام شاہ بھاگ کر کرمان[1] چلا گیا۔ اہل غزنین نے بظاہر نئے بادشاہ کو قبول تو کرلیا۔ لیکن جب موسم سرما آیا۔ برفباری شروع ہوگئی اور غور اور غزنین کا راستہ بند ہوگیا۔ اہل غزنین کے اشارہ سے بہرام نے یکایک شہر پر حملہ کردیا۔ سیف الدین آسانی کے ساتھ گرفتار ہوگیا اور بڑی ذلت اور تشہیر کے بعد قتل کردیا گیا۔ اور غزنین پر دوبارہ بہرام شاہ کا قبضہ ہوگیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کے لئے بہاء الدین سام نے غور جرد وم اور غرجستان سے ایک لشکر عظیم جمع کرکے غزنین کا رُخ کیا۔ لیکن بھائی کا صدمہ اسپر اسقدر غالب آچکا تھا کہ جب وہ کیدان پہنچا بیمار پڑا اور چند روز کے بعد انتقال کرگیا۔ باقی مہم کو علاء الدین حسین جو غزنین کو تباہ کرکے جہانسوز کے خطاب سے شہرت پاتا ہے انجام کو پہنچاتا ہے۔ جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں

کوی نے سلطان کی ماں کا نام بی بی فتح بیان کیا ہے۔ لیکن جو شخص کہ خود سلطان اور سلطان کے باپ کے نام سے ناواقف ہے وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی ماں کے نام سے بے خبر مانا جاسکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں میں مستورات کے ذکر سے عام طور پر احتراز بھی کیا جاتا ہے بالخصوص شاہی بیگمات کے ناموں سے۔ بی بی فتح ہندی طرز کا نام ہے۔ چنانچہ فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۰ھ) کی ماں کا نام اس کے میکے میں بی بی نائلہ اور سسرال

[1] یہ کرمان ایران کے صوبہ کرمان سے بالکل مختلف ہے اور افغانستان کے جنوب میں غزنین اور لاہور کے راستہ پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا علاقہ ہے جو مختلف دروں پر شامل ہے کرمہ اور اس کی باج گزار ندیاں اسکو سیراب کرتی ہیں۔

میں بی بی کدبانو تھا۔ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :۔ مادر سلطان فیروز را رانہل بی بی نائلہ (نالہ) نام داشتہ بود۔ چون در خانۂ سپہسالار رجب آمد سلطان تغلق بی بی کدبانو نام کرد۔" اسی طرح بی بی راجی سلطان حسین شرقی والی جونپور ۸۶۳-۹۰۵ھ/۱۴۵۸-۱۵۰۰ء کی ماں کا نام تھا

سلطان معزالدین محمد بن سام کی ماں کا اصلی نام تو شاید کسی کو بھی معلوم نہیں۔ وہ اپنے سسرال میں اپنے وطن کی نسبت سے "ملکۂ کیدان" کہلاتی تھی۔ چنانچہ طبقات ناصری میں وہ اسی عرف سے یاد کی گئی ہے۔ ملکہ کیدان، ملک بدرالدین والی کیدان کی دختر تھی۔ یہ خاندان بھی ملوک غور کی طرح شنسبی ہے۔ بہاءالدین سام اور ملکہ کیدان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) سلطان غیاث الدین محمد بادشاہ غور (۲) سلطان معزالدین محمد بادشاہ غزنین و فاتح ہندوستان پرتھی راج کا حریف جس کا ایام شہزادگی میں شہاب الدین نام تھا (۳) ملکۂ جہاں، ملک تاج الدین زنگی کی ماں۔ (۴) حرۂ جلالی، جو سلطان شمس الدین محمد ابن ملک فخرالدین مسعود والی بامیان سے بیاہی گئی (۵) ملکۂ خراسان، جو سلطان سنجر کے بھتیجے ملک قزل ارسلاں سے بیاہی گئی۔

مختصر یہ ہے کہ چند کوی جس طرح سلطان معزالدین کے صحیح نام سے بے خبر ہے اسی طرح سلطان کے باپ اس کی ماں اور اس کے وزیر کے اصلی ناموں سے بھی ناواقف ہے۔ اور جو مورخ اپنی تاریخ کے اہم افراد اور اشخاص کے ناموں سے اپنی جہالت کا اس قدر ثبوت دیتا ہے اس کے بیان کردہ دیگر واقعات و روایات سے بھی اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ میرا یہ قول چند کے حق میں تو بالکل صادق آتا ہے۔ شہاب الدین کے متعلق اس کے بیانات قطعاً بے بنیاد اور غیر تاریخی ہیں مثلاً شاہ گوہ ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کا مالک ظاہر کرتا ہے۔ جس میں بیشمار جنگجو اقوام آباد ہیں۔ وہ اس کی ایک چٹھی کے آنے پر اپنے اپنے دستے لے کر

اس کے علم کے نیچے آکر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس کی آمدنی کے ذرائع غیر محدود ہیں۔ کہ وہ شکستوں پر شکستیں کھاتا ہے مگر اس کے خزانے اور فوج میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ مَیں یہاں ان بعض موقعوں کا ذکر کرتا ہوں۔ جس میں اس کی افواج کی تعداد مذکور ہے۔ مثلاً مادھو بھاٹ کتھا میں وہ دو لاکھ فوج کے ساتھ پرتھی راج سے جنگ کرتا ہے۔ گھگھر کی جنگ میں اس کے لشکر کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ کیماس جدھ میں اس کے ساتھ تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ پجون پاتساہ جدھ میں تین لاکھ سپاہ لے کر آیا تھا۔ ریواٹ سمیو میں اٹھارہ لاکھ فوج اور آٹھ ہزار ہاتھی لے کر آتا ہے۔ اور چونکہ بائیس مرتبہ پرتھی راج سے شکستیں کھاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان حملوں اور جنگوں میں اس کا کس قدر روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ اور کس قدر انسانوں کی قربانی اسے دینی پڑی ہوگی۔

کوی نے اس تمام علاقہ کی جو سلطان کے زیر نگیں ہے کوئی تفصیل تو دی نہیں ہے جس سے ہم اس کے طول و عرض کا اندازہ لگا سکیں لیکن ۲۹ ویں داستان میں اتفاقیہ اگر تمام مقبوضات کا نہیں تو بعض حصوں کا ضرور ذکر آگیا ہے۔ موقعہ یہ ہے کہ گھگھر کی جنگ میں جب کنہ جس کی آنکھ پر ہمیشہ پٹی بندھی رہتی ہے شہاب الدین کو گرفتار کر کے لے آتا ہے اور اجمیر میں قید رکھتا ہے۔ اس وقت پرتھی راج کے سامنت دربار میں مشورہ دیتے ہیں کہ اس مرتبہ شاہ کو قتل کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بار بار یورش کر کے آتا ہے اور سرکشی سے باز نہیں آتا۔ اس پر کنہ کہتا ہے کہ کم از کم ایک موقعہ اسے اور دینا چاہیئے اگر اب بھی شرارت سے باز نہیں آیا تو میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں خود اپنے ہاتھ سے شاہ کا سر کاٹ لونگا۔ اس پر سامنت خاموش

ہو جاتے ہیں اور یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ قندھار مع تمام مغربی علاقہ کے اور کشمیر اور کیلاس معہ تمام پہاڑی علاقہ کے شاہ سے ضبط کر لیا جائے اور صرف غزنین کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیا جائے۔ کنہ نے پھر غدر داری کی اور کہا کہ اس مرتبہ تو اسے معافی دینی چاہیئے۔ اور اگر ایسے ہی آپ لوگ مصر ہیں تو پنجاب اس سے لے لیا جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور کنہ شاہ کو لینے کے لئے اجمیر چلا گیا۔ شہاب الدین اپنی جاں بخشی کی خبر سُنکر بہت خوش ہوا۔ کنہ کو اس نے ایک قیمتی جواہر ہدیہ میں دیا۔ اب کنہ شاہ کو لے کر دہلی آیا۔ یہاں پہنچکر شاہ نے اپنی شمشیر خاص اور دو گھوڑے پرتھی راج کے نذر کئے۔ اور قرآن بیچ میں لے کر قسم کھائی۔ کہ میں آئندہ ہندوستان کی طرف منہ بھی نہیں کرونگا۔ اور اگر ایسا کروں تو آپ کو میری جان لینے کا اختیار ہوگا بلکہ اگر میں اٹک سے بھی پار اُتروں تو مجھے مسلمان نہ کہنا۔

پیسنگی دھر سیم | بیچ پوران قران || جاتکّوں تم ابے | تبے تم کڈھیو پران
اتروں اٹک توئیں اور | مسلمان ناہی دھروں || چ ۴۶ ص ۹۵۵/۹

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک شہاب الدین کی سلطنت ایران کے علاوہ موجودہ افغانستان۔ پنجاب۔ کشمیر اور کیلاس یعنے ہمالیہ کے علاقہ پر شامل تھی۔ مگر تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے پاس ان ایّام میں صرف غزنیں اور پنجاب کا علاقہ تھا۔ نہ کشمیر اس کے قبضہ میں تھا اور نہ اس وقت تک کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ تھا بلکہ وہاں ہندو راج قائم تھا۔ مگر مصنف نے کشمیر کو جو سلطانی قبضہ میں دکھایا اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ مصنف کے اپنے عہد میں کشمیر پر مسلمان قابض تھے۔ اس لئے قدرتاً اس کو گمان ہوا کہ پرتھی راج کے عہد میں بھی اس پر مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔

شاعر کا یہ قول کہ گھگھر کی جنگ کے بعد پنجاب سلطان سے چھین لی گئی سنجیدہ تاریخ کی رو سے بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ محمود کے عہد سے پنجاب پر مسلمانی قبضہ مسلّم ہے ۵۸۲ھ میں سلطان معزالدین خسرو ملک غزنوی کو قید کرکے لاہور پر متصرف ہوتا ہے۔ اور مدۃ العمر پنجاب پر قابض رہتا ہے۔

کیلاس ہمالیہ پہاڑ میں ایک فرضی علاقہ کا نام ہے۔ ہندو اساطیری روایات کی رو سے وہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی کا نام ہے جو کویرا کا مسکن ہے۔ اور شیو کی سیرگاہ ہے۔ بہرحال کیلاس دیس جو دیوتاؤں کا مسکن ہے سلطان معزالدین کی قلمرو میں شامل نہیں تھا۔

اب تک مَیں نے شہاب الدین کے جزوی علاقہ کا ذکر کیا ہے۔ اگر مصنّف راسا کے ان متفرق اشارات کو یکجا فراہم کیا جائے جو کتاب کے مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ہیں تو ان سے پایا جائیگا کہ شاہ کی حکومت نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ افریقہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ایسی اقوام پر حکومت کرتا معلوم ہوتا ہے جو ان تین برّ اعظموں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

بڑی لڑائی چھیاسٹھویں داستان میں شہاب الدین سات ہزار فرمان لکھ کر دیس دیس بھیجتا ہے اور فوجیں طلب کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کے یہ نام ہیں:۔ کدلواس۔ کیلاس دیس۔ روہ۔ قندھار۔ گکھڑ۔ گروان۔ خورسان (خراسان۔ ایران) ملتان۔ بھٹنیر۔ بھکروان وغیرہ (چھند ۱۴۱ صح ۲۱۲۷/۱۸)

گھگّھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان میں شاہ کے زیر علم یہ اقوام ہیں:۔ دو لاکھ گرز بردار گکھڑ۔ خورسانی (خراسانی) بلخی۔ جلبانی۔ لوہانی۔ حبشی۔ اوزبک۔ ہمیر۔ کلیانی۔ رومی۔ سربانی۔ عراقی۔

ہانسی پور پرتھم جدھ ۵۱ ویں داستان میں شاہی سپاہ میں یہ اقوام شامل ہیں:۔

کھندھاری۔ حبشی۔ رومی خلجی الچی۔ قریش۔ بخاری۔ سید۔ سیلانی۔ شیخ۔ بھٹی۔ میدانی۔ چوگتا (چغتا) پیرزادہ۔ لوہانی۔ ترکام۔ بلوچ وغیرہ۔

سلکھ جدھ تیرھویں داستان میں لشکر شاہی میں یہ قومیں بہ تعداد ذیل حاضر تھیں۔ کشمیری ۳۷ ہزار۔ حبشی ۵۳ ہزار۔ رومی ۳۵ ہزار۔ فرنگی ۳۷ ہزار۔ پٹھان ۱۷ ہزار پاسوان (پاسبان) پندرہ ہزار۔ شاگرد پیشہ ۲۵ ہزار۔

پدماوتی سمے بیسویں داستان میں یہ اقوام مذکور ہیں:۔ خراسانی۔ ملتانی۔ کھنگھار۔ بلخی۔ روہنگی۔ فرنگی۔ ہلبی۔ سمانی (سامانی) بلوچ۔ منجاری۔ ہزاری۔

ان اسما میں بعض نے سہو کتابت یا دیگر اسباب کی بنا پر ممکن ہے کہ مصنوعی ہستی اختیار کر لی ہو۔ مثلاً کلیانی۔ میدانی۔ ہمیر۔ کسقند۔ سربانی۔ گروان۔ کویلی کور منجاری۔ الچی۔ روہنگی۔ ہلبی۔

ہمیر اگرچہ 'امیر' کی بگڑی شکل ہے۔ مگر مسلمانوں میں کسی قوم کا نام نہیں۔ کھنگھار تو ہندوؤں کی ایک نیچ ذات کا نام ہے۔ اس کا مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ الچی میرے خیال میں کسی قوم کا نام نہیں۔ بلکہ خلجی (خلجی) کے تابع مہمل کے طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح فرنگی کا تابع مہمل روہنگی اور تابع دوم ہلبی معلوم ہوتا ہے۔ تو ابعات کا کثرت کے ساتھ استعمال چندکوی کی ایک مقبولہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً گکھڑ کے واسطے پکھڑ اور پیدل کے واسطے ہیدل آتا ہے۔

رہے باقی نام بلوچ۔ گکھڑ۔ ملتان۔ بھٹنیر۔ بھکروان۔ بھٹی۔ ہزاری۔ قریش۔ بخاری۔ سید۔ پیرزادہ۔ شیخ۔ پٹھان۔ شاگرد پیشہ۔ پاسوان (پاسبان) روہ۔ قندھار۔ جلبانی (جلوانی) لوہانی۔ بلخ۔ بلخی۔ خورسان (خراسان) مکران۔ عراق۔ کدلواس۔ اوزبک۔ کھوزنکار۔ چوگتا۔ ترکام۔ فرنگی اور حبشی وغیرہ۔ ان میں سے بعض ایسے ناموں کی نسبت جو راسا کی تصنیف کے لئے ایک خاص زمانہ متعین کرنے

میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ میں یہاں چند الفاظ علیحدہ علیحدہ عنوان کی ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

گکھڑ

راسا میں گکھڑوں کا کثرت کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ سلکھ جدھ ۱۳ ویں داستان میں ایک خان گکھڑ کا نام ملتا ہے :-

۵ خان جلال خاں لال ا خان خلجی خان گکھر ا چھند ۱۱۱ صح ۵۳۳/۵

چوبیسویں داستان دھن کتھا میں شہاب الدین کی فوج کے دو ہزار گکھر لڑائی میں مارے جاتے ہیں۔ اٹھائیسویں داستان انگ پال سمے میں گکھڑ مہی پال مالوے کے راجا کے ساتھ مل کر پرتھی راج کے باپ سومیشور سے جنگ کرتے ہیں۔ ۴۳ ویں داستان کیماس جدھ میں شہاب الدین کے ایک سردار گکھڑ خاں کا نام آتا ہے۔ دھیر پنڈیر چونسٹھویں داستان میں بہ تعمیل فرمان شاہی ساٹھ ہزار گکھڑ بسر کردگی آرائش خاں کانگڑے پہنچکر دھیر کو گرفتار کر کے غزنیں لیجاتے ہیں۔ بڑی لڑائی چھیاسٹھویں داستان میں جب پنڈیر بنسی میدان جنگ میں ہمیر پر نرغہ کرتے ہیں اس کی حفاظت کے لئے تین ہزار گکھڑ شہاب الدین کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں۔ ان مقامات کے علاوہ اور موقعے بھی ہیں۔ جن میں گکھڑوں کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ شہاب الدین کے وفادار اور اطاعت شعار تابعین سے ہیں۔ اور اس کی جنگوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں راسا کے بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ مگر سلطان معزالدین کی تاریخ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گکھڑ سیاسی اعتبار سے بالکل نامعلوم کمیت ہیں۔ نہ وہ اس سے کبھی تعلق میں آئے اور نہ اس عہد کی نہ اس عہد سے بعد کی تاریخوں میں ان کا تذکرہ آتا۔ بلکہ یہ کھوکھر ہیں۔ جو سلطان موصوف کے عہد میں پنجاب میں نہایت طاقتور تھے۔ اور سلطان کی آخری مہم انہی کھوکھروں کے خلاف تھی۔ وہ ہر زمانہ میں

فتنہ و شورش برپا کرتے رہے ہیں۔ اور دیگر سلاطین نے بھی ان کی سرکوبی کا اقدام کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کھوکھر کس عہد میں اسلام لائے۔ لیکن اس قدر صاف پایا جاتا ہے کہ نویں صدی سے قبل وہ دائرۂ اسلام میں آچکے تھے۔ اسی صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں وہ اپنی حکومت کا ڈول ڈال رہے ہیں۔ اور لاہور پر قبضہ کی بار بار کوشش میں مصروف ہیں۔ کھوکھروں میں سب سے مقدم شیخا کھوکھر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں سب سے پہلے محمد شاہ تغلق بن فیروز شاہ ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء کے عہد میں اس کا مذکور آتا ہے۔ جب وہ باغی ہوکر حصار لاہور پر قابض ہوگیا ہے۔ شیخا ناصرالدین محمود بن محمد شاہ ۸۱۵-۷۹۵ھ/۱۴۱۲-۱۳۹۲ء کے عہد میں سارنگ خاں حاکم دیپالپور سے شکست کھاکر مع اہل وعیال کوہستان جموں میں پناہ لیتا ہے۔ جب امیر تیمور ہندوستان پہنچتا ہے۔ شیخا اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تیمور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے۔ مگر شیخا موقعہ پاکر لاہور پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور تیمور کے حکم سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ شیخا سے زیادہ طاقتور اس کا فرزند جسرت ہے جو ۸۲۳ھ میں سلطان علی پادشاہ کشمیر کو جب وہ ٹھٹھہ کے سفر سے واپس کشمیر جارہا تھا۔ گرفتار کرکے اس کا مال واسباب لوٹ لیتا ہے۔ اس فتح پر وہ دہلی کی فتح کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ اور پنجاب میں تو اس نے واقعی طوفان مچا دیا ہے۔ رائے فیروز کو شکست دیتا ہے۔ جالندھر پر زبردستی متصرف ہو جاتا ہے اور دریائے ستلج تک کے تمام علاقہ کو تاراج کر دیتا ہے۔ بالآخر اس کی فوجوں نے سرہند کو محصور کرلیا۔ جب سلطان مبارک شاہ م ۸۳۷ھ/۱۴۳۳ء اس کی سرکوبی کو پنجاب آیا اس نے مقابلہ سے گریز کرکے اپنے کوہستانی مامن تیکھر میں پناہ لی۔ پادشاہ کی واپسی کے بعد لاہور پر قبضہ کے لئے اس نے متواتر کوششیں کیں۔ اور ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا۔ جب سلطانی فوجوں نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ اپنے تمام قبائل کو لے کر پہاڑوں میں گھس گیا۔ راو بھیم

والے جموں سے اس کی دو مرتبہ جنگیں ہوئیں۔ پہلی جنگ میں فریقین برابر رہے۔ دوسری میں راے بہلیم مارا گیا۔ اس فتح سے اس کی مردہ امیدوں میں پھر جان پڑ جاتی ہے۔ اور تقدیر آزمائی کے لئے ایک مرتبہ اور کمربستہ ہو کر اپنے پہاڑی مامن سے نکلتا ہے۔ لاہور اور دیپالپور کے علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کر دیتا ہے۔ ۸۳۱ھ/۱۴۲۷ء میں وہ کلانور کو گھیر لیتا ہے۔ ملک الشرق ملک سکندر تحفہ کو شکست دیتا ہے۔ مگر کانگڑہ میں راے غالب کلانوری اور ملک تحفہ کی فوجوں سے ہزیمت پاتا ہے۔ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء میں جالندھر کے قریب عین معرکہ میں ملک سکندر تحفہ کو گرفتار کر لیتا ہے۔ اب پھر وہ لاہور پر قبضہ کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر بدستور ناکامی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ جب پادشاہ اقطاع لاہور و جالندھر پر ملک کالو لودھی کو مقرر کرتا ہے۔ جسرت حدود بجواڑہ میں ملک موصوف کو شکست فاش دیتا ہے۔ محمد شاہ بن فرید ۸۴۳-۴۷ھ/۱۴۳۹-۴۳ء بھی ایک مہم جسرت کے خلاف بھیجتا ہے۔ شاہی فوج اس کا علاقہ تاراج کر کے واپس آجاتی ہے۔ مگر عنقریب بعد بادشاہ سے اس کی صلح ہو جاتی ہے۔ اور لودھیوں کی مہم میں وہ شاہی افواج کا شریک کار رہتا ہے۔ اس کے بعد جسرت کا ذکر تاریخ میں نہیں آتا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ کھوکھر اس کے بعد بھی دیر تک مقامی اہمیت کے مالک رہے ہیں۔

گکھڑوں کا سیاسی عروج اور تاریخ میں ان کی شہرت مغلوں کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ جب ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ اپنی پہلی مہم ہندوستان میں جنجوہوں کی حمایت میں 'پرالے' کے گکھڑ سردار ہاتھی خاں کو شکست دیتا ہے۔ لیکن یہ معاندت بہت جلد بعد دوستی میں بدل جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ گکھڑوں کا ایک دستہ دوسری مہم ہند میں بابر کا شریک کار ہے۔ جب ہمایوں شیر شاہ سے ہزیمت پاکر فرار ہوتا ہے۔ گکھڑ اس کے حامی رہتے ہیں۔ اور شیر شاہ ان کو قابو میں رکھنے کے لئے قلعۂ رہتاس تعمیر کرتا ہے۔ اور ان کی بربادی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا۔ ہمایوں

کی واپسی کے بعد گکھڑوں کو ان کی وفاداری کا صلہ ملتا ہے۔ اور مغلوں کی حمایت میں وہ بہت ترقی کرتے ہیں۔ بیسیوں گکھڑ سلطنت کے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ محمد شاہ کے عہد میں سلطان مقرب خاں اٹک اور چناب کے درمیانی علاقہ پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی کوشش دیرپا ثابت نہ ہوئی۔

کوی چند کا اپنی تالیف میں گکھڑوں کو سلطان شہاب الدین کی ملازمت میں دکھانا حقیقت میں ایک تاریخی غلطی ہے لیکن اس سہو کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ خود مغلیہ عہد کے مورخین میں سے بعض کو یہ مغالطہ پیش آیا ہے کہ وہ کھوکھروں کو گکھڑ سمجھ بیٹھے۔ چنانچہ مشہور مورخ ابوالقاسم فرشتہ اسی غلطی کا شکار رہے۔ فرشتہ ہر جگہ کھوکھر کو گکھڑ کی شکل میں لکھتا ہے۔ اسی طرح کھوکھروں کے تمام کارنامے گکھڑوں کی طرف منتقل ہو گئے حتیٰ کہ فرشتہ نے سلطان معزالدین محمد کا قتل بھی گکھڑوں کے سر تھوپ دیا۔ یہ غلطی دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ پرتھی راج راسا میں بھی مغلیہ عہد کی اس غلطی کی صدائے بازگشت ملتی ہے اور مصنف اپنے عہد کے حالات کے مدِنظر گکھڑوں کو مغلیہ سرکار میں سربرآوردہ دیکھ کر تصور کرتا ہے کہ شہاب الدین کے ہاں بھی وہ اسی طرح معزز و ممتاز ہونگے۔

بلوچ

مصنف راسا کئی موقعوں پر بلوچوں کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً پدماوتی سمے بیسیوں داستان اور ہانسی پور پرتھم جدھ ۵۱ ویں اور دوتیہ جدھ ۵۲ ویں داستان میں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچی شہاب الدین کے ماتحت ہیں۔

بلوچ اصلاً ایرانی النسل ہیں اور سلطان معزالدین محمد کے عہد تک غالباً ایران ہی میں تھے۔ مسعودی کے قول کے مطابق بلوس (بلوچ) چوتھی صدی ہجری میں کرمان

کے علاقہ میں آباد تھے۔ اور صحرائے لوط پر ان کا تصرف تھا۔ اصطخری کے زمانہ میں (چوتھی صدی) وہ خراسان اور سیستان کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور سیستان کے دو پرگنے ان کی طرف منسوب ہیں۔ فردوسی کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ جب نوشیروان ان کی مفسدہ پردازی کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اس کا مشیر کہتا ہے کہ بلوچیوں کا انتظام تو اردشیر سے بھی نہیں ہوسکا ؎

زکار بلوچ ارجمند اردشیر بکوشید باکار دانان پیر
نہ بدسود مندی بافسوں ورنگ نہ از بند و رنج و نہ پیکار و جنگ

مگر نوشیروان اس مشورہ کو منظور نہ کرکے بلوچیوں پر لشکر کشی کرتا ہے۔ اور قرار واقعی سزا دیتا ہے ؎

بشد ایمن از رنج ایشان جہان بلوچی نماند آشکار و نہاں

بلوچیوں کا کوچ سندھ و ہندوستان کی سرحد کی طرف اس علاقہ میں جس کو عرب جغرافیہ نگار توران کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعد میں بلوچستان کے نام سے مشہور ہوا۔ چنگیزیوں کے خروج کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال سلطان معزالدین اگرچہ سندھ پر قابض ہے مگر وہ نہ ہندوستان کی سرحد پر اور نہ خراسان میں بلوچیوں کے ساتھ تعلق میں آیا۔ اور نہ اس کی تاریخ میں بلوچیوں کا تذکرہ ملتا۔ مصنف راسا اپنے عہد کے حالات کو زیر نظر رکھتے ہوئے جب مغلوں کے ہاں دیگر اقوام کی طرح بلوچی بھی ملازم تھے۔ ان کو اپنے افسانہ میں شہاب الدین کی فوجوں میں شامل بناتا ہے۔

مُغل اور چغتا

پرتھی راج راسا میں مغل اور چغتا کا مذکور بھی آتا ہے۔ جس سے راسا کو ایک ایک قدیم تالیف ماننے کا عقیدہ ہمارے لئے ناقابل یقین ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب کو عام طور پر پرتھی راج کی زندگی یا اس کی وفات سے جو ۱۱۹۳ء میں ہوتی ہے عین

بعد کی تالیف مانا جاتا ہے لیکن مغلوں کا خروج ممالک اسلام میں ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء میں یعنی پرتھی راج سے تیس انتیس سال بعد کا واقعہ ہے جب وہ مسلمانی سلطنتوں کا چراغ گل کرتے ہوتے روم و روس بلکہ یورپ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اگرچہ ان کے حملے برابر ہوتے رہے خصوصاً صوبۂ پنجاب میں مگر ۹۳۲ھ/۱۵۲۸ء تک ان کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ جب ظہیر الدین محمد بابر پانی پت کے میدان میں لودھیوں کی طاقت توڑ کر ہندوستان کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ مگر چند کوی کا دعوٰے ہے کہ پرتھی راج اور اس کے باپ سومیشور کے زمانہ میں ایک مغل بادشاہ سرزمین میوات میں حکومت کرتا تھا۔ یہ مغل راجہ راسا کی دو داستانوں مگل کتھا (۸ویں) اور مگل جدھ (۱۵ویں) کا موضوع ہے۔ اس کا نام مگل راے ہے۔ اور مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اس کے فرزند اور دیگر سرداران فوج کے نام بھی مسلمانی ہیں۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مغلوں کا مغولستان کے سوا ہندوستان درکنار ممالک اسلام میں بھی قدم نہیں آیا تھا۔ یہ لوگ میوات میں حکومت کرنے اور سومیشور اور اس کے فرزند پرتھی راج کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے لئے کہاں سے آگئے۔ اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ راسا پر ہمیں تاریخی دستاویز کی حیثیت سے نظر نہیں ڈالنی چاہئے۔ بلکہ ایک افسانہ کی حیثیت سے یہ رزمیہ پرتھی راج کو ہندو شجاعت اور جوانمردی کے مثالیہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اسی لئے چند کوی اپنے ہیرو کے زور و طاقت اور جلال و شان دکھانے کے لئے اس کی شہرت و ناموری کے تاج میں ہر قسم کی خیالی فتوحات اور فرضی ظفریابیوں کے چمکدار نگینے جڑ رہا ہے۔ مصنف کو ان خوفناک مغلوں کی بابت جنہوں نے دُنیا کی ایک تہائی آبادی کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اگر ذرا بھی صحیح اندازہ ہوتا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ ان کے متعلق کبھی ایسی بے سروپا داستانیں تراشنے کی جرأت نہیں کرتا۔ لیکن جہاں اس نے دیگر حکمرانوں کو ان خیالی جنگوں میں جن

کے لمبے چوڑے بیانات اس کے رزمیہ میں محفوظ ہیں۔ اپنے ہیرو کے ہاتھ سے تباہ و شکست خوردہ دکھایا ہے۔ ان مغلوں کو بھی جو اس کے عہد میں تمام ہندوستان پر اپنا شاہی اقتدار قائم کر چکے ہیں پرتھی راج کا کنونڈا ظاہر کیا ہے۔

فرنگی اور رومی

تیرھویں داستان سلکھ جدھ میں پرتھی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج میں سینتیس ہزار فرنگیوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

؎ سینتیس سہس سجے فرنگ | تن لنب جھول ٹوپی سرنگ چھند ۱۸ صہ ۵۲۱/۵

اسی طرح بیسویں داستان پدماوتی سمے میں پھر فرنگیوں کا مذکور آتا ہے جن کو شاعر لال بانات کے لباس میں ملبوس بتا رہا ہے ؎

روہنگی فرنگی ہلنبی سمانی کھٹی کھٹ بلوچ ڈھالن نسانی
تنن پکھرن پیٹھ ہے جین سالن فرنگی کتی پاس سکلات لالن

چھند ۵۵-۵۶ صہ ۶۳۹/۶ بانات سترھویں صدی عیسوی سے لے کر تقریباً اب تک فرنگیوں بالخصوص فوجیوں کی ایک خصوصی شان رہی ہے۔ وقائع کوہستان میں فضل عظیم بھی انہیں سقرلات پوش لکھ رہا ہے چنانچہ ؎

تمامی یلان سقرلات پوش نبرد آزمایان ہنگامہ کوش

(صہ ۹ مطبع مصطفائی صادق الاخبار شاہجہان آباد ۱۲۶۹ھ)

ہندوستان میں فرنگیوں میں سب سے پہلے پرتگالی ہیں جو غالباً سولھویں صدی عیسوی کی ابتدا سے موجود ہیں۔ فوج میں بھی ملازم رکھے جاتے ہیں۔ خصوصاً توپخانہ میں۔ ٹاڈ صاحب کا یہ عذر کہ ان فرنگیوں سے مراد حروب صلیبی کے فرنگی ہیں۔ واقعات معلومہ کے سامنے عذر لنگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ فرنگی ہندوستان میں صرف دسویں صدی ہجری کے آغاز سے ملنے لگے ہیں اس صدی سے قبل ان کا

پتہ نہیں ملتا۔ ابتدا میں صرف گجرات اور دکن میں نظر آتے ہیں۔ بعد میں ہندوستان خاص میں بھی آنے لگے۔

بہر حال جس دور میں پرتھی راج راسا لکھا جا رہا تھا اس دور میں فرنگیوں کو ملازمت میں رکھنے کا عام دستور موجود تھا۔ اسی لئے مصنّف اپنے عہد کے واقعات سے آنکھ بند نہیں کر سکتا تھا۔

جو رائے کہ فرنگیوں کے لئے ہے وہی رومیوں کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے ان میں فرق اتنا ہی تھا کہ فرنگی مذہباً عیسائی تھے اور رومی مسلمان۔

مسلمانی اقوام اور ممالک سے مصنّف کی بے خبری کا یہ حال ہے کہ وہ کندلواس اجبک اور کھونکار کو ملک اور علاقے تصوّر کر رہا ہے۔ بادنویں داستان ہانسی دوتیہ جدھ میں کوی لکھتا ہے کہ جب سلطان کو یہ علم ہوا کہ تتار کی فوج کو جو والدۂ شاہ کے لوٹے جانے کی توہین کے ازالہ کے لئے بھیجی گئی تھی شکست مل گئی۔ نہایت برہم ہوا اور اس نے ہانسی کے خلاف ایک اور مہم بھیجنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ فرامین بھیجکر روم۔ ہریو (ہرات) بھنبر۔ بھکّر۔ سمرقند۔ کسقند۔ بلخ۔ بلوچ۔ مکران۔ کندلواس۔ اُجبک۔ کھونکار۔ اراک۔ کھندھار سے تازہ فوجیں منگوائیں۔ اس کے نزدیک گویا روم۔ سمرقند۔ کشقند۔ بلوچ۔ قندلواس۔ ازبک۔ خونکار اور عراق وغیرہ مقامات سلطان کے زیر نگین تھے۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تمام مقامات غزنیں کے قرب و جوار میں واقع ہیں اور ان علاقوں کے حاکم شہاب الدین کے یا ملازم ہیں یا اس کے باجگذار ہیں۔ جن کو بوقت ضرورت فوج کے ساتھ سلطان کی امداد کرنا ضروری ہے۔

اگر ممالک اسلام اور شہاب الدین کے قلمرو سے وہ واقف ہوتا تو ہرگز ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا کہ سمرقند سے لیکر روم تک کے سارے علاقہ میں جس پر ان ایام میں کئی تاجدار حکومت کر رہے تھے۔ شہاب الدین کی قلمرو میں شامل کر لیتا۔ مثلاً

سمرقند و بخارا پر ملوک افراسیابی جو ایلک خانی بھی کہلاتے ہیں حکمران تھے۔ ایران پر خوارزم شاہی اور اتابک قابض تھے۔ عراق پر خلفائے عباسیہ کا تصرف تھا۔ روم سلاجقہ اور عیسائی سلاطین بازنطینیہ میں منقسم تھا۔

اوجبک (اوزبک)

اوزبک اقوام ترک مغول کی ایک شاخ ہے جو سائبیریا میں آباد تھی محمد شیبانی خاں ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء میں سائبیریا سے ترک سکونت کرکے ترکستان میں آجاتا ہے اور تیموری شاہزادوں کا زور توڑ کر تمام ترکستان اور خراسان پر قابض ہو جاتا ہے۔ جہاں اس کا خاندان گذشتہ صدی تک حکومت کرتا رہا۔ ہندوستان میں اوزبکوں کی شہرت مغلوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اکبر سلاطین اوزبک کے ساتھ برابر سفارتی تعلقات قائم رکھتا رہا۔ اور اسی دور سے ان کی شہرت ہندوستان میں جہاں وہ ملازمتیں حاصل کرنے بھی آنے لگے ہیں عام ہونے لگی ہے۔

کندلواس یا کدلواس (قزلباش)

یہ لفظ دراصل ترکی قزلباش (سرخ سر) ہے۔ یہ اصطلاح ایران میں بعہد اسمٰعیل صفوی ۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء رواج میں آتی ہے۔ جس سے مراد شیعہ فوج ہے۔ اسمٰعیل نے یہ جدت کی کہ اپنی فوج کو بارہ ترک والی ٹوپی وردی کے طور پر دی۔ بارہ ترک رمز ہے بارہ ائمہ معصوم کی طرف۔ رفتہ رفتہ اس کے معنے ایرانی شیعہ سپاہی ہو گئے۔ ہندوستان میں اس لفظ کو اکبر کے عہد سے قبل تلاش کرنا فضول ہے۔

کھونکار (خونکار)

یہ لفظ فارسی میں خونکار اور خوندگار کی شکل میں ملتا ہے جو خداوندگار کا مخفف ہے۔ رشیدی میں اس کے معنے صاحب امر و صاحب فرمان دئے ہیں۔ اصل میں

سلاطین مغل سلاطین عثمانیہ کو اس لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مغلیہ عہد کے اہل قلم نے بھی یہ اصطلاح اختیار کر لی جو اکبر سے قبل بہت کم استعمال میں آتی ہے۔

حصار

مصنف کو چونکہ تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں اس لئے پرتھی راج کے عہد میں حصار فیروزہ کا ذکر کر رہا ہے حالانکہ اس زمانہ سے دو صدی بعد فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ اس کو آباد کرتا ہے۔ حسین کتھانویں داستان میں مرقوم ہے کہ جب حسین پرتھی راج کے دربار میں پہنچا اس نے پانچ ترکش ایک خوراسانی کمان۔ سنگلدیپ کا ایک مست ہاتھی۔ پانچ عراقی گھوڑے۔ ایک بیش قیمت الماس اور دو لعل راجہ کی نذر گزرانے۔ پرتھی راج بہت محظوظ ہوا اور کیتھل۔ ہانسی اور حصار کے پرگنے اس نے حسین کی جاگیر میں دیدئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے نام پر اس کا نام حصار فیروزہ رکھ کر آباد کیا۔ چونکہ اس علاقہ میں پانی کی کمی تھی اس لئے دریائے ستلج سے ایک نہر کاٹ کر وہ حصار لے جاتا ہے۔ بڑی لڑائی میں پاوس پنڈیر کو حصار کا جاگیر دار دکھایا گیا ہے۔

راہِ مکّہ

مصنف سلطان معزالدین محمد بن سام کے زمانہ میں سفر مکہ اور اس کی راہوں سے اس قدر ناواقف ہے کہ سلطان کی والدہ کو غزنین سے حج بیت اللہ کے لئے ہندوستان کے راستہ سے بھیج رہا ہے۔ والدۂ شاہ ہانسی تک بخیریت پہنچ جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیگم تھانہ یا سورت سے جہاز میں سوار ہوتیں۔ مگر سفر ملتوی رہتا ہے۔ کیونکہ پرتھی راج کے سامنتوں نے موقع پاکر ان کو لوٹ لیا بیگم کی حفاظت میں جو فوج بھیجی گئی تھی بھاگ گئی اور وہ لٹ لٹا کر واپس غزنین چل دیں۔ جہاں پہنچکر

اُنھوں نے اپنی داستان غم اپنے فرزند شہاب الدین کو سُنائی۔ پادشاہ کو طیش آتا ہے اور اس توہین کے انتقام کے لئے فوجیں بھیجتا ہے۔ چنانچہ ہانسی پر پہلی جنگ ۵۱ ویں داستان اور ہانسی کی دوسری جنگ ۵۲ ویں داستان اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

لیکن مصنف کو شاید یہ علم نہیں تھا کہ ان ایّام میں غزنیں اور اسکے علاقہ کے لوگ براہِ ہندمکّہ نہیں جاتے تھے۔ بلکہ براہِ ایران و بغداد۔ ہندوستان کا راستہ حاجیوں کے لئے بالکل غیر محفوظ تھا۔ چور اور ڈاکو کثرت سے تھے۔ جگہ جگہ مختلف راجاؤں کی عملداریاں تھیں جنہیں ویسے بھی مسلمانوں سے نفرت تھی۔ والدۂ شاہ کو ہانسی تک لانے سے مصنف کا منشا یہ ہے کہ بیگم براہ گجرات مکّہ معظّمہ جاتیں لیکن یہ وہ راستہ ہے جو مسلمانوں نے گجرات فتح کرنے کے بعد اپنے لئے کھولا ہے اور جو ابتک جاری ہے۔ بہرحال مصنف اس راستہ کو لینے میں اپنے عہد کے قاعدہ اور رواج پر عمل درآمد کر رہا ہے۔

(باقی آیندہ) محمود شیرانی

فہرست

مطبوعات پنجاب یونیورسٹی اورینٹل پبلیکیشنز فنڈ

بہرہ عربی و فارسی و اُردو!

۱- **اقلید الخزانہ** یعنی ان کتابوں کی فہرست جو علامہ عبدالقادر بغدادی کی مشہور کتاب خزانۃ الادب میں مذکور ہیں۔ مع حواشی مفیدہ و فہرست مصنفین مرتبہ مولوی عبدالعزیز میمن، لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، طبع لاہور ۱۹۲۷ء
تعداد صفحات ۱۹ + ۱۳۰، قیمت غیر مجلد عہ، مجلد عہ +

۲- **مجموعۂ نغز** یعنی تذکرۂ شعراء اُردو (بزبان فارسی) مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم و مرتبہ حافظ محمود شیرانی اردو لکچرر پنجاب یونیورسٹی جس نسخہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ وہ غالباً مصنف کا خود نگاشتہ نسخہ ہے۔
دو جلد، طبع سنگی نفیس، قیمت مجلد ہے، غیر مجلد ہے،

۳- **تتمہ صوان الحکمۃ** یعنی تاریخ حکماء اسلام مصنفہ علی بن زید البیہقی (المتوفی ۵۶۵ھ) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم اے (کنٹب) اورینٹل کالج لاہور، اس موضوع پر عربی زبان میں یہ بہت قدیم و مفید کتاب ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ ایلخانیوں کے وزیر غیاث الدین محمد بن وزیر رشید الدین فضل اللہ کے نام پر درۃ الاخبار کے نام سے کیا گیا اس ایڈیشن میں حصہ اوّل میں متن عربی ہے اور حصہ دوم میں درۃ الاخبار متن عربی برلن اور استنبول کے چار نسخوں پر مبنی ہے۔ اور متن فارسی ایک قدیم نسخہ سے لیا گیا ہے۔ جو کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے اور منحصر بفرد ہے۔ یہ کتاب بہت سے حواشی اور مکمل فہارس کیساتھ کل ۳۶۹ + ۱۳۴ + ۳۰۳ صفحات پر سرنبی حروف میں لاہور میں طبع ہوئی۔ قیمت سہ دو حصہ (غیر مجلد) گیارہ روپے۔

۴- **اخبار الدولۃ السلجوقیہ**:- مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (کنٹب) پروفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور، متن برٹش میوزیم کے نسخہ وحیدہ پر مبنی ہے۔ طبع لاہور بحروف سربی ۱۹۳۳ء تعداد صفحات ۸ + ۲۴۸ + ۲۳۶، مجلد چار روپے ۵ غیر مجلد تین روپے بارہ آنے۔

۵- **فہارس کتاب عقد الفرید** لاحمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی ۹۴۰ء) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج لاہور۔ اس میں فہارس ذیل شامل ہیں۔ جو عقد کے قیمتی مواد کی مراجعت کے لئے غایت درجہ سہولت بہم پہنچاتی ہیں۔ اور ان مواضع کے متعلق متن کی تصحیح بھی کرتی ہیں:-
(۱) اسماء الشعراء (۲) فہرست القوافی (۳) فہرست اسماء الرجال والنساء والقبائل وغیرہا (۴) فہرست اسماء الاماکنہ والجبال وغیرہ یہ فہرستیں العقد طبع قاہرہ ۱۳۲۱ھ پر مبنی ہیں۔ مگر اور ایڈیشنوں کے صفحات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ تاکہ ہر ایڈیشن کے ساتھ ان فہرستوں کو استعمال کیا جا سکے۔ تعداد صفحات ۷۳ + ۴۴۔ طبع کلکتہ ۱۹۳۵ء قیمت مجلد عہ (۲۶) روپے

۶- **امیر خسرو کے سوانح زندگی اور اُن کے مصنفات پر ایک نظر** (بزبان انگریزی) مصنف ڈاکٹر محمد وحید مرزا ایم۔اے پنجاب) پی۔ایچ۔ڈی (لنڈن) پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی قیمت چار روپے یا ۶ شلنگ۔

کتب بالا ملنے کا پتہ

موتی لال بنارسی داس کتاب فروشان میٹھا لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۴ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۸ء | عدد مسلسل ۵۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	آتشیں اسلحہ ———	پروفیسر حافظ محمد محمود صاحب شیرانی	۳
۲	نذیر احمد کے قصے ———	سیّد محمد عبد اللہ ایم۔اے۔ڈی۔لٹ	۵۳
۳	کلماتِ عوامانۂ فارسی ———	پروفیسر عبد الباقی صاحب عباسی	۸۱
۴	بابا فرید گنج شکر۔شیخ ابراہیم اور فرید ثانی ———	ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ۔ایم۔اے	۸۸
۵	تنقید و تبصرہ ———	ادارہ ———	۹۱
۶	اسماء الشعرا (جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)	مولوی عبد القیوم۔ایم۔اے، میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۱۳۷ تا ۱۸۰

نوٹ :- ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں میں تقسیم ہوتا ہے ۔

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو محمد صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ اُن طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی بالاقساط شایع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی۔ فارسی پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت ہندی پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے

وقت اشاعت اور قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۴؍ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ۔

خط و کتابت و ترسیلِ زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ۔

محلِ فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ۔

قلمِ تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ۔

آتشیں اسلحہ

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۔ ص)

راسا کو جدید تصنیف ماننے کے لئے ایک دلیل ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر توپ و تفنگ، گولوں، گولیوں، گولندازوں، زنبوروں اور بہتھنال وغیرہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تالیف ایک ایسے زمانہ کی یادگار ہے جب آتشی آلات ہندوستان میں عام استعمال میں آرہے تھے۔

پیشتر اس کے کہ میں اصل کتاب سے ان آلات کی مثالیں یہاں مذکور کروں ایلیٹ کا ایک بیان جو اسی سلسلہ میں ہے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ کہتا ہے "اگر ہم عصر ہندو بھاٹ چند پر یقین کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ توپ کے گولے ان ایام میں مستعمل تھے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ متاخرین کے مذاق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے کسی نے ان عبارتوں میں تحریف و الحاق کر دیا ہے قنوج کھنڈ کے ایک سو چھیاسویں چھند میں تاتار خاں شہاب الدین کو مسلح ہونے اور آتشیں اسلحہ کے تیار رکھنے کے واسطے کہتا ہے"۔ اس چھند میں ایلیٹ کو فارسی لفظ آتش پر شبہ ہوتا ہے ورنہ باقی عبارت اسکے نزدیک پرانی ہے۔

دو سو ستاونویں چھند میں توپوں اور ان کی آواز کا بیان ملتا ہے جو دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ ایلیٹ اس عبارت کو زمانہ حال کی تحریف تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں توپ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

چار سو سولھویں چھند میں راے گووند کا قتل ایک زنبورک کے ذریعہ سے ہوتا ہے

جس کو ایلیٹ شترنال کا مراوف مانتا ہے اور ایک حاشیہ میں اضافہ کرتا ہے کہ مسٹر بیمز جنہوں نے چھند کا خاص مطالعہ کیا ہے جب انگلستان آئے مجھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبارتیں ان کے مخطوطے میں نہیں ملتیں (ایلیٹ کی تاریخ جلد ششم صہ ۴۶۴ ضمیمہ از ایلیٹ بذیل "ہندوستان میں بارود کا قدیم استعمال" ۔

ایلیٹ کا بیان راسا کے کسی مخطوطے پر مبنی ہے۔ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ بیمز کی نگاہ سے بچ گئی ہوں۔ ایلیٹ کے زمانہ کے بعد راسا بنارس میں طبع ہوا ہے اور بیمز کے علی الرغم یہ عبارت راسا میں موجود ہے ۔

راسا میں کافی مقامات پر توپ و بندوق وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ ایلیٹ کا یہ خیال کہ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ الحاقی ہوں ہماری سنجیدہ توجہ کا مستحق نہیں۔ ذیل میں راسا کی داستانوں سے بعض ایسی مثالیں منقول ہیں جن میں آتشیں اسلحہ کا ذکر موجود ہے ۔

(۱) میواتی منل کمتھا داستان ہشتم ؎ ہتھناری دھاری آتش انت ا سورر ورانمر اوڈے ॥
صح ۳۷۵ چھند ۳۲

(۲) " " " " ؎ تیر تبک تروار ی ا تچھ نکرے اُر اورن ॥
چھند ۳۵ صح ۳۷۶

(۳) لنگ پال سمے ۲۸ ویں داستان ؎ ناری گوری آتش ا کوٹ پارس بھر گھائیے ॥
چھند ۶۰ صح ۹۲۵

(۴) حسین کمتھا نویں داستان ؎ چلے دھربان سو سڈوے ڈھٹھ ا اگیں ہتھ ناری بھول گر ڈھٹھ ॥
چھند ۱۰۲ صہ ۴۰۴ حصہ چہارم

(۵) " " " ؎ چہپ خان گج گھمی ڈنمر ا ہتھناری گربان اسنبر ॥
چھند ۱۲۵ صہ ۴۰۸ حصہ چہارم

(۶) بھولا راسی سمے بارہویں داستان ؎ آگبان کمان سستر این ا سر سستر کمانے بترا بن ॥
چھند ۱۵۱ صہ ۴۷۲ حصہ پنجم

(۷) بھولا رای سمے بارہویں داستان ؎ ہیے ہیے گئے نہ سوربر | دکھ بھیانک دیوا
جنبورا ہنمیر سوں | بھر بھار تھہ وت تیوا (چھند ۲۴۵ ص ۵۰۸ حصہ پنجم)

(۸) سلکھ جدہ تیرہویں داستان ؎ بجی رن رنگ سرنگی بھیری | دھری ہتھناری چھتر پھری
چھند ۴۳ ص ۵۲۵ حصہ پنجم

(۹) پدماوتی سمے بیسویں داستان ؎ بان نال ہتھنال | تبک تیر بھرب سجے
چھند ۵۴ ص ۶۳۸ حصہ ششم

(۱۰) ششرو رناورن پچیسویں داستان ؎ سر ناوک بندوک | ہرت جن بسن ورجے
چھند ۵۲ ص ۷۶۶ حصہ ہفتم

(۱۱) " " " " ؎ تب راجن ترنگ بجی | گہی دڑھ تبک سوکندھ
چھند ۶۲ ص ۷۶۸ حصہ ہفتم

(۱۲) " " " " ؎ گرہ کری تپک سو راج | مرگ چھپتی دھر چلیے
چھند ۶۷ ص ۷۶۹ حصہ ہفتم

(۱۳) " " " " ؎ دل سنوہ رج چلیے | تبک گہی ترتج چھند ۶۱ ص ۷۶۸ حصہ ہفتم

(۱۳) ریوانٹ سمے ۲۷ ویں داستان ؎ ہتھناری گور جنبور گھن | دہوں بانہ اچنتی رکھ
چھند ۱۷ ص ۸۹۸ حصہ ہشتم

(۱۴) " " " " ؎ نار گوری جنبور | کوہک بربان لگھان
گجی بھگ پرتھی راج چپت کریو اکولاتن چھند ۱۲۶ ص ۹۰۰ حصہ ہشتم

(۱۵) انگ پال سمے ۲۸ ویں داستان ؎ چھٹے نال گولا ہوئی اچنگن | نکھتر نون جانی تے ہتھنگن
چھند ۱۸ ص ۹۳۵ حصہ ہشتم

(۱۶) گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان ؎ دلی پتی اکھیٹ چڈھی | کوہ کبان ہتھناری
چھند ۳ ص ۹۴۵ حصہ نہم

(۱۷) گھمگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان ؎ سواگین ہتھناری اپار سجن | تن دیکھیت کاڑ دوز بھجن ||
چھند ۱۶ ص ۹۴۸ حصہ نہم

(۱۸) " " " " ؎ تن پھٹہ ہزار اومت چلے | چھ رت جھرت کری تہلے ||
چھند ۱۶ ص ۹۴۸ حصہ نہم

(۱۹) کانگرہ جدہ پرستاو ۳۵ ویں داستان ؎ ہے گے رتھ چترنگ | گوری جنبور ناری سمر ||
چھند ۵ ص ۱۰۴۶ حصہ نہم

(۲۰) درگا گیدار ۵۸ ویں داستان ؎ چھٹین ہتھناری دوءدل گوم ویومہ گجیں |
اوڈیں آتش جھار جھارہ دھوم دھوند بھر بھجن || چھند ۱۳۷ ص ۱۵۴۴ ح ۱۳

(۲۱) جنگم کتھا ۶۰ ویں داستان ؎ دھری چھتی وڈھ تیک منڈپ | ایکیے ویا وہی وراہ ||
چھند ۵۳ ص ۱۵۶۲ حصہ چہاردہم

(۲۲) قنوج سمے ۶۱ ویں داستان ؎ لکھ گولنداج (گولہ انداز) | لکھ اک نال بھر جے ||
چھند ۵۲ ص ۱۶۴۳ حصہ چہاردہم

(۲۳) " " ؎ تیر تبک سر پربت | گہت زند گمان ||
بروائی تہاں لان کوں | حکم مانگے چوآن || چھند ۱۸۰ ص ۱۸۶۱ حصہ پانزدہم

(۲۴) دھیر پنڈیر ۶۴ ویں داستان ؎ پرے بھیر کنہی رن جیت رتی | پرے بندہ کندھن ہتھن ناچھتی ||
چھند ۲۵۲ ص ۲۰۶۹ حصہ سیزدہم

(۲۵) بڑی لڑائی ۶۶ ویں داستان ؎ جنبور بھور تھ ناری بھار | آتش آتش اچرت اوبھوت پار ||
چھند ۹۲۴ ص ۲۲۶۳ حصہ نوزدہم

میں بخوف طوالت صرف انہی مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔ ایلیٹ نے صرف قنوج سمے میں ان آلات کے ذکر سے یہ خیال کر لیا کہ کسی نے مذاق حال کے ساتھ تطابق دینے کے لئے ان بعض مقامات میں یہ تبدیلی کر دی لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہوتا

تمام کتاب میں آتش فشاں آلات کا مذکور آتا ہے۔ تو ہمیں یقین ہے کہ وہ کسی اور نتیجے پر پہنچتا ۔

اس موقعہ پر قدرتاً ہمارا ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آلات آتشبازی کا کس عہد سے رواج ہوتا ہے۔ یہ سوال اگرچہ مختصر ہے۔ مگر حقیقت میں اس کا جواب بغیر ایک لمبی تحقیقات کے جو کتب تواریخ و لغات کی ورق گردانی سے تعلق رکھتی ہے، نہیں دیا جا سکتا۔ صفحات ذیل اسی تحقیقات پر مبنی ہیں ۔

مغربی مورخین بارود کی ایجاد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قدیم اہل یونان و ہند و چین و روما غالباً اس مصالحہ سے واقف تھے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات سے کسی ایسے مصالحہ کا پتہ چلتا ہے۔ ورجل کی کتاب اینیڈ کا اقتباس جس میں ایس کے بادشاہ کو جوپیٹر نے برق و رعد کی تقلید کے جرم میں مار ڈالا ہے۔ اس عقیدہ کی تائید میں نقل کیا گیا ہے۔ ڈائن کیسیس اپنی تاریخ روما میں کالیگلا کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ اس نے ایسی ایجاد کی تھی جس میں برق و رعد کی خاصیت تھی اور جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ فلاسٹریس دوسری صدی عیسوی کا مصنف ہندوستان کے دوآبے میں رہنے والی کسی قوم کے ذکر میں گویا ہے کہ اگر اسکندر اعظم ان کے ملک پر فوج کشی کرتا تو کبھی فتح نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ یہ لوگ میدان جنگ میں آکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ بلکہ شہر کی دیواروں پر سے طوفان اور صاعقہ باری کے ذریعے سے ان کو برباد کر دیتے ہیں۔ بقول ایلفنسٹن منوجی نے آتشین تیروں کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔ آئین جنٹو میں مرقوم ہے کہ رئیس کو کسی خدع آمیز آلہ یا زہری اسلحہ یا توپ اور بندوق یا کسی اور قسم کے آتشین حربوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے۔ اس فقرہ میں آتشین حربہ سنسکرت لفظ

'اگنی استز' کا اور توپ 'شت اگھنی' کا بقول ہالہیڈ ترجمہ ہے۔ یہ ایسا حربہ تھا جس سے سو سو آدمی دفعتہً ہلاک کئے جا سکتے تھے ؛

کیٹیسیس کا بیان ہے کہ دریائے سندھ کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ ایسا تیل تیار کرتے تھے جو گھڑوں میں بھر کر لکڑی کی عمارت پر پھینکا جاتا تھا۔ جس سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور صرف مٹی ہی سے بجھ سکتا تھا۔ وہ صرف بادشاہ کے لئے طیار کیا جاتا تھا اور دوسرے آدمیوں کو اس کے رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایلین ایک اور مصنف اس آتش سیال کے متعلق مزید معلومات دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس تیل سے نہ صرف لکڑی جلتی ہے بلکہ حیوان و انسان بھی جل جاتے تھے اور ہندوستان کا بادشاہ اس کی مدد سے شہر اور قلعے فتح کرتا تھا۔ مشکوں میں بھر کر غنیم کے قلعے کے دروازوں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ دروازے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے تھے۔ فلاسٹریس اس تیل کے متعلق کہتا ہے۔ کہ وہ کسی جانور سے نکالا جاتا تھا اور یہ جانور صرف بادشاہ ہی رکھ سکتا تھا۔ یہ جانور غالباً مگرمچھ ہے۔

ہم ہندوستان میں ایک آتش بست تیر کے استعمال کا بھی مذکور پڑھتے ہیں جو بانس کی نال سے پھینکا جاتا تھا۔ مجمل التواریخ میں جو کسی سنسکرت کتاب سے ۱۱۲۶ء میں عربی میں ترجمہ ہوئی ہے۔ راجہ ہال کے قصہ میں لکھا ہے کہ برہمنوں نے راجہ کو جب کشمیر کی فوجیں چڑھ آئیں یہ مشورہ دیا کہ مٹی کا ایک ہاتھی بنا کر اپنی فوج کی ہراول میں رکھے۔ الغرض جب کشمیر کی فوج آئی ہاتھی پھٹا اور اس کے شعلوں سے کشمیری فوج کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔ چینیوں کے بیانات سے بھی پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اڑنے والے گھوڑوں کا بھی لڑائی میں جب زمین موافق ہوتی استعمال تھا۔ ایرانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان متحرک گھوڑوں سے سکندر اعظم نے فور ہندی سے جنگ کے وقت کام لیا ہے فردوسی نے شاہنامہ میں یہ قصہ یوں

لکھا ہے کہ جب فور ہندی کو سکندر کی لشکر کشی کی اطلاع ملی وہ فوج لے کر مقابلہ کے واسطے نکلا۔ جس میں سب سے پہلی صف ہاتھیوں کی تھی۔ سکندر سے کہا گیا کہ ہاتھیوں کی جنگ بڑا کٹھن کام ہے۔ گھڑ چڑھے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاتھی گھوڑے کو سوار سمیت سونڈ سے اٹھا کر دور پھینک دیتا ہے۔ اس پر سکندر نے اس جانور کی شکل دریافت کی۔ لوگوں نے اس کی تصویر کاغذ پر اتار کر بتائی۔ اس نے حکم دیا کہ موم کا ایک ہاتھی بنایا جائے۔ جب اس کو ہاتھی کا اندازہ ہو گیا اس نے مجلس مشورت منعقد کی۔ رومی، ایرانی، اور مصری لوہار بلوائے گئے۔ انہوں نے حسب ہدایت ایک مجوف گھوڑا اور سوار لوہے کا طیار کیا۔ خول کی درزیں میخوں سے بند کیں اور گاڑی کے ذریعے سے چلایا۔ خول میں نفت سیاہ بھر دی گئی۔ سکندر نے یہ آلہ پسند کیا اور حکم دیا کہ اس نمونے کے ایک ہزار گھوڑے طیار کئے جائیں۔ ایک ماہ کے اندر یہ گھوڑے طیار ہو گئے۔ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ آہنی گھوڑوں کو غنیم کے ہاتھیوں کے مقابل رکھا گیا۔ ان میں آگ لگا دی گئی۔ جب گھوڑے بڑھائے گئے اور ہاتھیوں تک پہنچے ان کی سونڈیں آگ سے جلنے لگیں۔ ہاتھی واپس بھاگے۔ ادھر سے سکندر کی فوج نے حملہ کر دیا۔ فور کو شکست ہو گئی۔ یہاں فردوسی کے اشعار بھی نقل کر دیئے جاتے ہیں

چو آگاہ شد فور کامد سپاہ — گزین کرد جا از در رزم گاہ
بدشت اندرون لشکر انبوہ گشت — زمین از پی پیل چون کوہ گشت
سپاہی کشیدند بر چار میل — پس پشت گردان و در پیش پیل
ز ہندوستان نیز کار آگہان — برفتند نزدیک شاہ جہان
بگفتند او را بسی رزم پیل — کہ او اسپ را بفگند بر دو میل
سواری نیارد برابر شدن — نہ چون شد بود روی باز آمدن
کہ خرطوم او از ہوا برتر است — ز گردون مر او را زحل یاور است

بقرطاس بر پیل بنگاشتند — بچشم جهانجوی بگذاشتند
بفرمود تا فیلسوفان روم — یکی پیل کردند پیشش زموم
چنین گفت کاکنون سپاکیزه رای — که آرد یکی چارهٔ این بجای
نشستند دانش پژوهان بهم — همی چاره جستند از بیش وکم
یکی انجمن کرد از آهنگران — هر آنکس که بودند از ایشان سران
زرومی ومصری واز پارسی — فزون بود مردان چهل بارسی
یکی بارگی ساختند آهنین — سواری ز آهن زآهنش زین
بمیخ وبمس در زها دوخته — سوار وتن وباره افروخته
بگردون همی راند پیشش سپاه — درونش بیاگند نفت سیاه
سکندر بدید آن پسند آمدش — خردمند را سودمند آمدش
بفرمود تا زان فزون از هزار — ز آهن بکردند اسپ وسوار
ازان ابرش وبور وخنگ وسیاه — که دیده است هرگز ز آهن سپاه
سراسر همه کار شد ساخته — وزو چاره گر گشت پرداخته
از آهن سپاهی بگردون براند — که جز با سواران جنگی نماند
چو اسکندر آمد بنزدیک فور — بدید این سپه آن سپه را زدور
خروش آمد و گرد درزم از دو روی — برفتند گردان پرخاش جوی
باسپ ونفت اندر آتش زدند — همه لشکر فور بر سر زدند
از آتش برافروخت نفت سیاه — بجنبید ازان کاهنین بد سپاه
چو پیلان بدیدند از ایشان گریز — برفتند با لشکر از جای تیز
ز لشکر برآمد سراسر خروش — بزخم آوریدند پیلان بجوش
چو خرطوم هاشان بر آتش گرفت — بماندند ازآن پیلبانان شگفت

همه لشکر هند گشتند باز همان زنده پیلان گردن فراز
سکندر پس لشکر بدگمان همی تاخت برسان باد و دمان

(شاہنامہ جلد سوم صفحہ ۶۵، بمبئی ۱۲۷۵ھ)

مغربی محققین کو پورا پورا شبہ ہے کہ سکندر اعظم کو ہندوستان میں کسی نہ کسی آتشی حربے سے ضرور سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ کونٹس کریٹس مؤرخ کے ایک فقرے سے اس قسم کا مطلب مفہوم ہوتا ہے بعض مصنفین اس رائے پر مُصر ہیں کہ قدیم برہمنوں کے پاس گرجنے والی اور چمکنے والی کلیں ضرور تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مہابھارت، ہری ونس اور سری بھاگوت وغیرہ تصنیفات میں آتشین حربوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

میں اس موقعہ پر پروفیسر ولسن کی رائے بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ سوال کہ آیا قدیم ہندو بارود یا اس قسم کے کس بھڑک اٹھنے والے مصالحہ سے واقف تھے" تاریخی لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔ ان کی طبی تصنیفات سے ثابت ہے کہ وہ بارود کے منفردہ اجزا سے ضرور واقف تھے کیونکہ یہ اشیاء ان کے ہاں کثرت سے پائی جاتی ہیں مگر ہم صرف اس بنا پر کہ اس کے متعلق کسی واضح بیان سے دوچار نہیں ہو سکے ہیں اس کے وجود سے انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا علم ان کے ادبیات کے متعلق ابھی تک ناقص حالت میں ہے"۔

ادھر ایلیٹ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا آتشین حربہ ہند قدیم میں ضرور رائج تھا جو بھڑک اٹھنے والا تھا اور اس کی آتشگیری کا وقت اور طریقہ استعمال کرنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ قصہ مختصر ایسے متحرک آلے استعمال ہوتے تھے جو دروازوں عمارتوں اور دیگر آلات سے پیوست ہو کر فاصلے سے ان میں آگ لگائی جا سکتی تھی۔ ظن غالب ہے کہ شورہ جو بارود کا جزو اعظم اور اس کے بھڑکنے کا موجب ہے

اس ترکیب میں شامل تھا۔ بہرحال یہ تباہی کا آلہ صحیح تاریخی دور کی آمد سے قبل ہی رواج سے جا چکا ہے اور یہ تسلیم کرنے کے واسطے ہمارے پاس کافی وجوہ ہیں کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت صرف ایسے محرّق آلے معلوم تھے جو سادہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ رال یا نفط کے اجزا سے مرکب تھے ؛

یہ بعض اور اسی قسم کے دیگر بیانات جو ٹائمز انسائیکلوپیڈیا اور ایلیٹ کے مذکورہ بالا مضمون میں محفوظ ہیں۔ ہمیں اس عقیدے پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ ہند قدیم میں باروت کا رواج تھا یا اس کی نفوذی طاقت سے اہل ہند واقف تھے۔ اگر ان کے پاس کوئی آتشی آلہ تھا تو وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ضایع ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ مسلمانی فتوحات کے دوران میں جس میں ہندو اور مسلمان فوجیں ہندوستان میں باہم معرکہ آرا ہوئی ہیں کبھی ایسے غیر معمولی آلے کا ذکر نہیں ملتا جس سے مسلمان ناآشنا تھے۔ ہندو اگر کسی مصالحہ سے واقف تھے تو کیا ضروری ہے کہ وہ بارود ہو۔ ظن اغلب ہے کہ وہ نفت ہو جس کے چشمے ہندوستان کے مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں ؛

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمانی عہد کا جائزہ لیں جس کے متعلق ہماری معلومات زیادہ یقینی اور قطعی ہے ؛

مسلمانوں نے اپنی جنگوں میں انہی آلات سے کام لیا جو ان ایام میں عام طور پر رائج تھے۔ جنگ کی تاریخ میں حصار کشائی ہر زمانہ میں ایک مشکل مسئلہ رہا ہے جس کی عقدہ کشائی کی ہر عہد میں کوشش کی گئی ہے۔ بیسیوں آلے اور کلیں ایجاد ہوئیں۔ منجملہ ان کے منجنیق۔ دبابہ۔ کبش۔ عرّادہ۔ چرخ۔ خرک اور رعد تھے۔ نفت کا عام رواج تھا اور جب تک توپ بندوق نے آکر دستور جنگ میں انقلاب پیدا نہ کر دیا۔ یہی آلات مسلمانی عہد میں برابر استعمال میں آتے رہے۔ منجنیق کے

علاوہ پچھلی چاروں اصطلاحیں فارسی میں رائج ہیں ۔

آلاتِ قلعہ کشائی میں منجنیق کا استعمال نہایت قدیم ہے۔ قدیم فنیقی اسے استعمال میں لائے ہیں۔ ان سے یونانیوں اور اسرائیلیوں نے اخذ کی اور پھر دنیا کی دیگر اقوام میں پھیل گئی۔ عرب اس کی ایجاد نمرود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سنہ ۲۰۰ ق۔م میں حزبیہ بادشاہ حیرہ نے اس سے کام لیا ہے۔ جب رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ طفیل ابن محمد دوسی بتخانۂ ذی الکفین کے انہدام کی غرض سے بھیجا گیا۔ چار دن بعد اپنے چار سو آدمیوں کے ساتھ واپس آکر مع منجنیق و دبابہ رسول خدا سے ملحق ہوگیا۔ سنہ ۷۳ھ میں جب یزید کی فوجوں نے مکے کا محاصرہ کیا تاریخ طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر دو منجنیقیں نصب کی گئی تھیں۔ پہلی خانہ کعبہ پر اور دوسری صفا و مروہ پر۔ منجنیق انداز ملک حبش کا رہنے والا ایک حبشی تھا۔ ماہ صفر میں تمام مہینے سنگ اندازی جاری رہی۔ ۳ ربیع الاول کو آگ لائی گئی۔ جس کو روئی کی گٹھڑیوں میں رکھا گیا اور گندھک بھی رکھ دی گئی۔ اب یہ گٹھڑیاں منجنیق سے کعبہ میں پھینکی گئیں۔ غلافِ کعبہ میں آگ لگ گئی اور جل گیا دیوار سیاہ ہوگئی اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگ کو بجھا سکتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب روئی کے پلندے میں آگ لگا کر پھینکا جا رہا تھا تو کل بگڑ گئی اور پلندہ منجنیق پر ہی جلنے لگا۔ محاصرین نے بہت کوشش کی کہ آگ بجھا دیں مگر ممکن نہ ہوا۔ یہ اسی روز کا واقعہ ہے جس روز شام میں یزید کا انتقال ہوا

محمد بن قاسم نے جب سنہ ۹۳ھ میں دیبل پر حملہ کیا۔ اس کے پاس ایک منجنیق تھی جس کا نام عروس تھا۔ اسے کام میں لانے کے واسطے پانسو آدمی درکار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس قسم کی منجنیقوں کا نام عروس رکھ دیا گیا ۔

الپ ارسلان سلجوقی سنہ ۴۵۵ھ و سنہ ۴۶۵ھ اور ارمانوس قیصر روم کی جنگ میں جس میں

قیصر گرفتار ہوتا ہے رومیوں کے پاس ایک عظیم الشان منجنیق تھی جس پر بارہ سو آدمی کام کرتے تھے۔ وہ آٹھ حصوں میں منقسم تھی اور باربرداری کے لئے ایک سو جانور درکار تھے۔ اس منجنیق سے ایک من سے زائد وزن کا پتھر پھینکا جاتا تھا ؛

چنگیز کی اولاد میں منگو قاآن ۶۴۶ھ (۱۲۴۸ء) اپنے عہد سلطنت میں ملاحدہ کی طرف ہلاگو کی پیشقدمی کے وقت چین میں اپنا آدمی بھیج کر وہاں سے منجنیق استاد اور نفط انداز بلواتا ہے۔ چنانچہ اس کی خدمت میں ایک ہزار چینی خاندان منجنیق سازوں کے پہنچتے ہیں جو ہلاگو کے ساتھ جاتے ہیں۔ عطاملک جوینی اپنی تاریخ میں رقم پرداز ہیں :-

" وبجانب ختای ایلچی را بطلب استادان منجنیقی و نفط اندازان روان کردند از خطای یک ہزار خانہ ختائی منجنیقی آوردند کہ بزخم سنگ سوراخ سوزن را منفذ جمل می ساختند و تیرہای منجنیق باحکام پی و سر پشم استوار کردہ چنانک چون از حضیض عزم اوج کند راجع نگردد (صـ ۳۷ جہانگشای جوینی، جلد سوم)

جب قوبیلای خان ۱۲۵۷ء و ۱۲۹۴ء کی فوجوں نے چین کے شہر سایان فو کا محاصرہ کیا۔ لشکر کی تمام کوشش شہر کی تسخیر میں ناکام رہی۔ اس موقعہ پر بھاری منجنیقوں کی ضرورت تھی۔ جو مغولی لشکر میں ناپید تھیں۔ اس وقت ملک طالب منجنیق ساز نے جو دمشق اور بعلبک سے آیا تھا اپنے فرزندوں ابوبکر و ابراہیم و محمد کے ساتھ بڑی منجنیقیں تیار کیں۔ رشید الدین فضل اللہ کا بیان ہے :-

" و پیش ازان درختای منجنیق فرنگ بزرگ نبود و این ملک طالب منجنیق ساز کہ از بعلبک و دمشق آنجا رفتہ بود و فرزندان او ابوبکر و ابراہیم و محمد متعلقان او ہفت منجنیق بزرگ ترتیب کردند و روی بفتح آن شہر نہادند" ؛

(صـ ۵۱۳ جامع التواریخ، طبع بلوشے)

ہلاگو ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء و ۶۶۳ھ/۱۲۶۵ء نے جب ایران کی طرف پیشقدمی کی اس کے لشکر میں ہزارخانہ وار منجنیق سازوں اور نفط اندازوں کے تھے۔ میافارقین کا جب اس کی فوجوں نے محاصرہ کیا تو کہا جاتا ہے۔ کہ ملک کامل والی میافارقین کے پاس ایک ماہر کامل منجنیقی تھا۔ جس کی نشانہ بازی سے مغولی فوجوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ مجبور ہوکر انہوں نے بدرالدین لؤلؤ کے منجنیقی کو جو اپنے فن میں یکتا مانا گیا تھا بلوایا اس نے قلعے کی منجنیق کے مقابلہ میں اپنی منجنیق نصب کردی۔ دونوں استادوں نے بیک وقت پتھر چلائے جو ہوا میں آکر ٹکرائے اور ریزہ ریزہ ہوکر زمین پر گر پڑے۔ مورخ مشہور خواندامیر کے الفاظ ہیں :-

"ملک کامل را منجنیقی بود کہ از زخم سنگ او رخنہ در بنا در زندگانی سپاہ ایلخان می افتاد و مغولان در دفع او چارہ جوی گشتہ منجنیقی بدرالدین لولو، را کہ او نیز مہارت کامل حاصل داشت طلب نمودند و چون آنشخص بار دوی یشموت رسید منجنیقی در برابر منجنیق شہر نصب کرد و آن دو استاد بیکبار سنگہا از منجنیق کشادادہ ہر دو سنگ در فضا رہوا بہم باز خوردہ ریز ریز شد۔ مردم اندرون و بیرون از حذاقت آن دو ہنرمند متعجب گشتند"

(حبیب السیر ص ۵۷ جزو اول از جلد سیوم طبع بمبئی ۱۸۵۷ء)

غازان خان نے ۶۹۹ھ میں فتح کرمان کے وقت موصل سے منجنیقی استاد بلوائے جنہوں نے شہر میں تین زبردست منجنیقیں لگا رکیں۔ یہ منجنیقیں لے جاکر قلعۂ کرمان کے گرد لگادی گئیں اور برج شاہ ملک کے گرنے سے قلعہ مسخر ہوا۔ اس کی تفصیل تاریخ وصاف میں جس کی عبارت سے بعض فقرے حذف کردیئے گئے ہیں حسب ذیل ہے :-

"حکم پریں شد تا از موصل استادان منجنیقی را کہ صاحب مہارت ..... و

قلعہ کشا بودند تعیین کردند و بشیراز آمدند و سہ عدد منجنیق بروج ہیئت جوزاکفۂ شہاب طناب . . . ترتیب دادند و عازم کرمان شد۔ پس مدت دہ روز مستحفظان مجلس کارزار بفلاخن منجنیق . . . اہل کرمان را عیش سنگ انداز در صورت انداز تعلیم کردند۔ بہر سنگی کوہ فرسای کلۂ قلعہ را می شکافتند و اجزای حصار را در زلزلہ می آورد و ولولہ چون خروشیدن رعد در نہاد سکان می انداخت . . . تا برج شاہ ملک را کہ با برج حمل خیال مسامتہ می بست با قرارۂ زمین موازی گردانیدند ص ۴۳۳

غازان خان کے افسر قتلغ شاہ نوئین نے جب قلعۂ دمشق کا محاصرہ کیا غازانی لشکر میں ایک مشہور منجنیقی تھا جس کا نام حصراوی تھا۔ حاکم دمشق نے جو حصراوی کے کمال سے واقف تھا اس کے سر کے لئے ایک ہزار دینار کے انعام کا اشتہار دے دیا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے اہل قلعہ میں سے ایک شخص قلعہ سے نکل کر بہ تبدیل لباس مغلوں کے لشکر میں داخل ہوتا ہے اور ایک رات موقعہ پاکر حصراوی کے گھر میں گھس جاتا ہے۔ جیسے ہی حصراوی گھر میں قدم رکھتا ہے اس کا سر کاٹ کر اور لے کر قلعہ میں پہنچ جاتا ہے اور انعام موعود حاصل کر لیتا ہے۔ وصاف کی عبارت یہ ہے :-

"استادی منجنیقی حصراوی نام در علم جر الثقیل کامل و ماہر شدہ التزام نمود کہ از چوب صورتی مثبئ از معنی و الفت مافیہا و تخلت، کہ در عرف لغت منجنیقش خوانند برکارکند و قلعہ را بآسانی مستصفی و مستخلص گرداند بتحصیل و ترتیب اخشاب و آلات مشغول گشت و نزدیک شد کہ عمل باتمام رسد۔ حافظ قلعہ مردی زیرک جہاندیدہ بود و دقت صنعت و حذاقت آن شخص درین حرفت معلوم داشت با قوم خود مشاورت پیوست کہ احوال برین منوال است کہ اگر او ستیز نماید اجزای کوہ بصائبات سنگ

منجنیق زیروزبر ریز ریزکند و این قضیہ ہمگنان را محقق است ہرکس کہ برای استبقای ناموس محصنۂ اسلام و استیفای مثوبات درعرصات یوم القیام شراورا مندفع گرداند صرۂ زر کہ محشو است بہزار دینار اورا باشد . . . . از زمرۂ اشیاع شخصی صاحب شطارت بود از بالای قلعہ بشیب آمد و متفحص کار و منتہز زمان اقتدار شد ۔ شبی مفاجئہ خود را مجہول وارد درخانۂ او انداخت و درگوشۂ مختفی بود ۔ استاد کہ اسناد اہل برعمل کردہ بود بخانہ معاودت میکند ۔ پای درخانہ نہادن ہمان بود و زخم برمقتل خوردن ہمان ۔ چنانچہ مقتضی تہور و بیباکی باشد سراورا بر میدارد عورات و اطفال غلغلہ و نفیر کنان او باکارد مسلول قصد فرار میکند . . . . با دوسر یکی سرخویش بسلامت یافتہ بردوش و یکی سر دشمن بریدہ از گوش تا گوش بقلعہ مراجعت میکند ۔ ساکنان قلعہ غلغلہ بقلعۂ افلاک میرسانند و در بہای سری . . . . ہزار دینار با ہزار آفرین نثار کردند و سراورا بر سرنیزہ از سر ستیزہ برافراشتند" ۔ صـ ۳۸۱

حصراوی کی موت نے قلعۂ دمشق کو مغلوں کی دست برد سے بچالیا اور وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک ماہر منجنیقی اپنے کمال فن کی بنا پر ان ایام میں قلعوں کی تباہی و بربادی کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا تھا

۶۹۰ھ میں ملک اشرف والی مصر نے فرنگیوں سے طرابلس فتح کرکے عکہ کا رُخ کیا ۔ یہ شہر بھی فرنگیوں کے قبضے میں تھا ۔ اہل قلعہ کو اپنی فوج اور جنگی ذخائر پر بڑا ناز تھا ۔ فصیل پر سے ملک اشرف اور مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ اور مذہبی پیشواؤں کی تبریک کے بعد منجنیقوں سے گولہ باری ۔ ناوک اندازی اور تیرباراں کرنے لگے ۔ آگ اور نفط کے قارورے پھینکے ۔ چنانچہ وصاف :۔

"برفع و رجع دعاد جاثلیق و نصب عماد منجنیق و رشق ناوک و بلپارک و چرخ دور پرتاب و قذف قوارير نفط و آتش پرتاب معجب و مرتاب شدند" ۔

ایک دن فرنگیوں نے جنگ کے دوران میں انتہائی قساوت سے کام لیکر ایک مسلمان قیدی کو جو مدت سے ان کے ہاں قید تھا۔ پتھر کی جگہ منجنیق میں رکھکر محاصرین میں پھینک دیا۔ اس کی لاش جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے مسلمانوں کی فوج کے درمیان گری۔ ملک اشرف کو قلعہ والوں کی اس وحشیانہ حرکت پر سخت طیش آیا اور اس نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ فتح نہ کرے گا دم نہ لے گا:۔

"ناگاہ روزی در اثنائے محاربت آن مدابیر اسیری را از مسلمانان کہ در حبس ابد میداشتند بعوض سنگ در منجنیق نہادہ پرتاب کردند۔ ہنوز ورفضاء ہوا بود کہ ابعاض او کالعہن المنفوش، متلاشی گشت۔ بعد ازان ملک اشرف را از مشاہدۂ آن حالت وقوف بر استخفاف وحسارت ایشان نادرۂ حفائظ بباد عصبیت دین او رختہ شد۔ بمؤکدات ایمان وشداد مواثیق تمسک جست کہ تا خاک عکہ بر باد فنا ندہد وبآب تیغ آتش قہر در ایشان نزند دست از محاربت وپای از مثابرت کشیدہ ندارد"

(صفحہ ۳۵۱ وصاف)

چنانچہ اس نے نقب زنوں کو حکم دیا کہ کئی موقعوں پر نقب لگائیں جو خندق سے گذر کر فصیل کے پائین تک پہنچ جائے حضر شدہ مقام میں ستون کھڑے کر دیں۔ اور لکڑیاں بھر دیں۔ ادھر اس نے حکم دیا کہ لکڑی کے مربع مستطیل گھر یا خانے تیار کریں۔ ان کے پہیے لگادیں اور سیڑھیاں چاروں طرف جمادیں اور چمپت کی گائے کی کھالوں سے پوشش کر دیں تاکہ تیر اور پتھر اس پر کارگر نہ ہو۔ ان خانوں میں تیر اندازوں اور نفط اندازوں کو بٹھا دیا اور کشتیوں کی طرح دھکیل کر آگے بڑھایا۔ اس کے بعد حکم ملا کہ ہر فوجی ایک ایک توبرہ ریت بھر کر لائے۔ توبروں کی گنتی دو لاکھ ہوئی۔ ان کی ریت سے خندق پاٹ دی گئی۔ ان امور کو سرانجام دینے میں باون دن لگے۔ اس وقت تک نقب زن بھی اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ جمعہ کی

شب کو نقبوں میں آگ دی۔ قلعہ کی دیوار اور برج زمین پر گر پڑے۔ مصری فوجوں نے دھاوا کیا اور قلعہ فتح ہوگیا (ص ۳۵۱-۵۲ وصاف)

قلعہ بہستی کے محاصرے کے وقت امیر تیمور اپنے خیمے سے نکل کر بغرض تسخیر قلعہ کا معائنہ کرنے لگا۔ قلعہ میں ایک گھومنے والی منجنیق نصب تھی۔ جیسے ہی امیر باہر آیا۔ اس منجنیق سے ایک پتھر امیر پر پھینکا گیا۔ پتھر آکر شاہی خیمے کے بالکل قریب گرا اور لڑھک کر خیمے میں چلا گیا۔ امیر کو محصورین کی اس بیباکی پر سخت طیش آیا۔ اسی وقت قلعہ کو امرا پر تقسیم کر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ بیس منجنیقیں قلعہ کے چاروں طرف لگا دی گئیں۔ ان میں سے ایک اس مقام پر لگائی - جہاں پتھر آکر گرا تھا۔ اس منجنیق سے جب پہلا پتھر پھینکا گیا سیدھا جا کر قلعہ کی منجنیق کے لگا۔ جس سے وہ ٹوٹ گئی۔ شرف الدین یزدی نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

" و دران حال صاحبقران بے ہمال احتیاط قلعہ می فرمود منجنیق گردان کہ دریان آن ساختہ بودند و برافراختہ سنگی گران از ہوای بغی و طغیان بجانب آستخضرت انداختند و آن سنگ بنزدیک خیمۂ خاص بر زمین خورد و ازان جا غریدہ باندرون خیمہ افتاد شعلۂ خشم خسروانہ ازان جرأت و بیباکی برافروخت و بریلغ قضا مضا صدور یافت کہ اطراف قلعہ را برامر انجش کردہ حصار را مرکز وار در میان گیرند بہادران ممالک ستان قلعہ کشای باشتغال امر مبادرت نمودہ بست منجنیق از جوانب آن حصار نصب کردند ازان جملہ یکی در ہمان موضع کہ سنگ الیشان فرود آمدہ بود و اول سنگی کہ ازان انداختند بر نیروی دولت قاہرہ بر منجنیق اندرون آمد و آنرا برہم شکست و امثال چنین اتفاقات از اظہر امدات نصر عزیز و فتح مبین تواند بود" (ص ۲۸۳ جلد دوم - ظفرنامہ - طبع کلکتہ)

منجنیقوں کا ذکر اگرچہ تاریخ میں کثرت سے ملتا ہے۔ مگر ان کا مفصل بیان میری نظر سے نہیں گذرا جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ ان کی شکل و شباہت کیا تھی - اور

کس طرح کام کرتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے کوئی ایسا بیان نہ مل سکا۔ ہم اس عہد سے اس قدر دُور نکل آئے ہیں کہ اس زمانے کی ادنےٰ ادنےٰ شے ہمارے لئے ایک معمّے کا حکم رکھتی ہے۔ لاہور کے شاعر ابوعبداللہ روزبہ ابن عبداللہ النکتی نے جو سلطان مسعود شہید غزنوی ۴۲۱ھ و ۴۳۲ھ کے عہد کے شاعر ہیں چند ابیات منجنیق کی چیستان میں جس کا ان ایام میں کافی رواج تھا حوالۂ قلم کئے ہیں۔ ان اشعار سے اس کل کے بعض خط و خال معلوم ہوتے ہیں اور پُورا حلیہ ذہن میں نہیں آتا۔ النکتی کا بیان ہے کہ ایک طرف سے زردبان ہے دوسری طرف سے شیطان کے پانو کی طرح چکلی ہے۔ زانو فرجۂ کمان کی طرح کشادہ ہے۔ جس میں ہاتھی کی سی سونڈ لٹک رہی ہے۔ دو آہنی دانت ہیں جو دیو کے پاؤں میں جڑے ہیں۔ سونڈ میں سینکڑوں رسیاں لٹک رہی ہیں۔ لوگ جمع ہو کر ان رسیوں میں سے ایک ایک رسی پکڑ لیتے ہیں۔ گویا رسیوں کے کھینچنے سے لبلبی دبائی جاتی ہے اور پتھر پھینکا جاتا ہے۔ اور ہر شخص دہشت سے کانپنے لگتا ہے۔ چیستان یہ ہے :۔

چہ چیز است آن کہ یک سو زردبانست — دگر سو راست ہمچون پای شیطان
سرِ زانو بسان فرضۂ تیر — از و آویختہ خرطوم پیلان
دو دیشک آہنین بینی مر او را — زدہ آن دیشک را بر پای دیوان
بر آن خرطوم صد زلف ہمی بینی — ہمی بر تافتہ چون زلفِ جانان
چو عاشق شد بدو انبوہ گردند — بگیرد ہر یکی یک زلف را زان
بیندازد یکی سندان محکم — شود ہر کس ز بیم و ہول لرزان

(لباب الالباب جلد دوم صہ ۵۸)

شاہد صادق میں محمد صادق اصفہانی جو شاہجہان کے عہد کا مصنف ہے۔

منجنیق کا ایک مختصر سا بیان حسب ذیل دیتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ زمانۂ سابق میں منجنیق آلات حصار گیری میں سب سے اہم آلہ تھا۔ اس کی شکل ترازو کی طرح ہوتی ہے۔ ایک پلڑے کو بہت بھاری کر لیا جاتا ہے۔ ہلکے پلڑے میں پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور رسیوں کے ذریعہ سے زمین کی برابر قایم رکھا جاتا ہے تاکہ بھاری پلڑا اونچا چلا جائے۔ اب رسیاں ایک دم کاٹ دی جاتی ہیں جس سے بھاری پلڑا زمین پر آرہتا ہے اور ہلکا پلڑا اونچا ہو جاتا ہے اور جو پتھر اس میں رکھا ہوتا ہے دُور جا کر گرتا ہے۔

یہ دونوں بیان مَیں سمجھتا ہوں مختلف ساخت کی منجنیقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ایک بیان تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان سے منقول ہے جو غالباً مغربی ذرائع سے ماخوذ ہے:۔

"یہ ایک لکڑی کا سیدھا پھڑ ہے جس کے سرے پر ایک گوپھن نما چیز لٹک رہی ہے۔ اس میں پتھر رکھ کر پھڑ کو تسموں کے ذریعے پیچھے کی جانب کھینچتے ہیں۔ پھڑ کے نیچے ایک مضبوط کمانی لگی ہے جس وقت کمانی پوری طرح دب جاتی ہے یکایک اسے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ پھڑ زور کے ساتھ آگے کو جھکے ہوئے ایک مسطح تختے پر جا گرتا ہے اور پتھر نکل کر دُور جا پڑتا ہے۔"

(تاریخ تمدن اسلام ص۱۹۴ ترجمہ از مولوی محمد حلیم۔ طبع روز بازار امرت سر)

کتاب آداب الحرب میں منجنیق کی کئی قسمیں بیان ہوئی ہیں (۱) منجنیق عروس، جو چاروں طرف مار کرتی ہے (۲) منجنیق دیو، جو غالباً اپنے ڈیل ڈول کی کلانی کی بنا پر اس نام سے کہلاتی ہے (۳) منجنیق غوری وار، (۴) منجنیق روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو سکتی تھی۔ مصنف کا بیان ہے:۔

"و منجنیق بر انواع است منجنیق عروس، و آن چہار سوی بتوان انداخت و

منجنیق دیو و منجنیق غوری وار و منجنیق روان" ص۱۸۱

لفظ منجنیق کو عام طور پر ایرانی الاصل مانا جاتا ہے مگر فردوسی کے اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داستانوں میں ان آلات پر کام کرنے والے بالعموم رومی اور عیسائی ہوتے تھے۔ منجنیق کا قافیہ تمام شاہنامہ میں بالالتزام جاثلیق لایا گیا ہے۔ جاثلیق موجودہ انگریزی لفظ کیتھولک کا ہم اصل ہے۔ فردوسی اس کا استعمال بمعنیٰ ترسا و منجنیقی کرتا ہے۔ ہماری فرہنگیں اس کے معنے پیشوای ترسایان بتاتی ہیں۔ جو معنے شاہنامہ میں نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ میں بعض مثالیں شاہنامہ سے نقل کرتا ہوں :-

ص۵۶/۱	نترسد ز عراده و منجنیق	نگهبان بباید ورا جاثلیق
ص۱۹۷/۲	نیامد برین باره بر منجنیق	ز افسون تو رودم جاثلیق
ص۲۵۷/۲	دو صد پاره عراده و منجنیق	نهاد از برش هر سوی جاثلیق
ص۲۵۵/۲	برآورد بیدار دل جاثلیق	بران باره عراده و منجنیق
ص۶۷/۳	سکندر بفرمود تا جاثلیق	بیارند ارابه و منجنیق
ص۷/۴	بدو ساخت از چار سو منجنیق	بپای آمد آن باره جاثلیق
ص۴۱/۴	بیاراست بر هر سوی منجنیق	ز گردان روم آنکه بد جاثلیق

اب میں باقی اصطلاحات پر نظر مارتا ہوں۔ دبّابہ ایک متحرک آلہ تھا جسے پہیوں کے ذریعے سے چلاتے تھے۔ اس کی چھت کھالوں یا سرکہ میں ترشدہ نمدوں سے ڈھکی ہوتی تاکہ آگ سے محفوظ رہے۔ کچھ لوگ اس کے اندر بیٹھ جاتے اور کچھ اسے دھکیل کر لے چلتے۔ بعض وقت اس سے فصیلوں پر دھاوا کرتے اور بعض وقت قلعہ کی دیواروں کے انہدام میں کام لیتے۔ اس کا سرا نوک دار ہوتا تاکہ دیواروں میں شگاف کر سکے محصورین مدافعت میں آگ پھینکتے اور جلتی لکڑیوں یا سرکنڈوں کے پشتارے اس پر ڈالتے تاکہ

دبابہ اور اس کے پناہ گزین جل جائیں۔ دبابہ کو فارسی میں خرک کہتے ہیں بعض وقت اسی وضع کی کشتیاں طیار کی جاتیں جن سے دریائی جنگوں میں کام لیا جاتا۔

خجند پر جب چنگیزی فوجوں نے یورش کی ہے۔ وہاں کا افسر تیمور ملک دریائے جیحوں کے اس حصار میں جہاں دریا دو شاخ ہو کر بہتا ہے مقابلہ کرتا ہے۔ امیر موصوف ہر روز کشتیوں میں بیٹھ کر غنیم کے حملوں کا جواب دیتا۔ کشتیاں جو اس کے پاس تھیں خاص قسم کی ساخت کی تھیں۔ ان کی چھت اور بازوؤں کی پوشش نمدے کی تھی جس پر سرکہ میں گندھی مٹی کا غلاف چڑھا دیا گیا تھا۔ کشتیوں کے بازوؤں میں کھڑکیاں تھیں۔ ان کشتیوں پر تیر نفط اور آگ کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ تیمور ملک ایک عرصہ تک دشمن کے مقابل ڈٹا رہا۔ عطا ملک کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"واو دوازدہ زورق ساختہ بود سر پوشیدہ و بر نمد ترگل بسرکہ معجون اندودہ و در بچہا درگذاشتہ ہر روز با بداد جانبی شش روان می شد و جنگہائے سخت میکردند و زخم تیر بران کارگر نبود آتش و نفط و سنگہا کہ در آب می ریختند او فرا آب میداد و بشب شبیخون می برد۔ خواستند تا مضرت آن دفع کنند دست نداد" (ص۷ جہانکشای جوینی جلد اول)

کبش۔ یہ دبابہ سے ملتا جلتا آلہ ہے۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کا سر مینڈھے کے سر کے مشابہ اور آگے کو نکلا ہوتا۔ مینڈھے کا سر لکڑی یا لوہے کی موٹی بلّی میں لگا ہوتا اور بلّی دو رسیوں میں جو دبابہ کی چھت میں جڑی ہوئی چرخیوں پر کھنچا کرتی تھیں لٹکا کرتی تاکہ اس کے کھینچنے میں آسانی ہو۔

عرّادہ۔ یہ چھوٹی قسم کی منجنیق ہے اور فارسی ادبیات میں منجنیق کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتی ہے۔ فرہنگ بحر الفضائل تالیف ۸۳۷ھ میں لکھا ہے۔ "عرّادہ ہمچو منجنیق کہ بدان سنگ از حصار اندازند" اور شرفنامۂ احمد منیری مؤلفہ ۸۷۲ھ میں مرقوم ہے "عرّادہ منجنیق خورد" اور موجودہ لغتوں میں مذکور ہے "عرّادہ آلۂ جنگ خورد تر از منجنیق"

اس آلہ کا استعمال بھی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ آداب الحرب میں اس کی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی عرّادہ یک روئی جس سے صرف ایک ہی سمت میں سنگ اندازی کی جائے دوسری عرّادۂ گردان، جو گھوم سکے۔ تیسری عرّادۂ خفتہ، جو صرف ایک جگہ قائم ہو۔ چوتھی عرادۂ روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے۔ فردوسی۔ اسدی اور نظامی کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے:۔

فردوسی ؎ سکندر بفرمود تا جاثلیق ٭ بیارند عرّادہ و منجنیق

اسدی لوسی ؎ بہر گوشہ عرّادہ بر ساختند ٭ ہمہ دیگ رخشندہ انداختند

نظامی گنجوی ؎ نہ عرّادہ برگرد او رہ شناس ٭ نہ از گردش منجنیقش ہراس

چرخ بہ سخت کمان کو کہتے ہیں۔ مثال میں فردوسی کا یہ شعر ؎

شغاد آمد آن چرخ را برکشید بزہ کرد یکبارہ اندر کشید

اس کے علاوہ تیر اندازی کا بھی آلہ ہے۔ تاریخوں میں تیر دست اور تیر چرخ بعض موقعوں پر ساتھ ساتھ ملتے ہیں جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ چرخ کمان سے علیٰحدہ آلہ ہے مصورین و محاصرین دونوں اس سے کام لیتے ہیں۔ عطا ملک جوینی کے یہ فقرے قابلِ غور ہیں:۔

(در ذکر فتح نیشاپور بر دست مغول) "روز سیم از برج قراقوش جنگ سخت میکردند و از بارہ و دیوار تیر چرخ و تیر دست می ریختند" (ص ۱۳۷ جہانگشای جوینی جلد اول طبع یورپ)

(ذکر فتح اخلاط بر دست جلال الدین منکبرنی) "و مجانیق و آلات دیگر از تیر چرخ و نفط ترتیب دادند و از اندرون شہر ہم بکار ساختن حرب مشغول شدند۔ از جانبین منجنیق بر کار کردند و تیر دست و تیر چرخ چون تگرگ ریزان گشت"۔ (ص ۱۵۰ جلد دوم جہانگشا)

چرخ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے پہیے یا چرخی سے چلنے والی کمان ہے اور جنگوں میں قابلِ قدر آلہ ہے۔ تاریخوں میں بے شمار موقعوں پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ جب چنگیزیوں نے نیشاپور پر حملہ کیا ہے۔ اس وقت تین ہزار چرخ اور تین سو

منجنیق اور عرّادے شہر کی دیواروں پر موجود تھے۔ مگر محصورین ہمت ہار چکے تھے۔ چنانچہ عطاملک کا فقرۂ ذیل :۔

" اہالی نیشاپور چون دیدند کہ کار جد است و این قوم نہ آنند کہ دیدہ بودند باز انکہ سہ ہزار چرخ بر دیوار بارہ بر کار داشتند و سیصد منجنیق و عرّادہ نصب کردہ و از اسلحہ و نفط در خور این تعبیہ دادہ تمامت را پای سست شد و دل از دست برفت"۔

(صـ ۱۳۹ جلد اول جہانگشا)

بامیان کی یورش کے وقت چنگیز خان کا پوتا چغتائی کا فرزند تیرچرخ سے مارا جاتا ہے :۔

" ناگاہ از شست قضا کہ قضای کل آن قوم بود تیر چرخی کہ مہلت نداد از شہر بیرون آمد و بیک لپسر چغتائی رسید کہ محبوب ترین احفاد چنگیز خان بود "

(صـ ۱۰۵ جلد اول۔ جہانگشا)

امیر تیمور کی جنگوں میں بھی تیرچرخ موجود ہے۔ چنانچہ شرف الدین قلعہ انیک کی فتح کے وقت لکھتا ہے :۔

"حضرت صاحبقران فرمود کہ امرای تومان ہر کس بہ سیبۂ خود استادہ منجنیقہا ترتیب کردند و سائر اسباب حصار از عرّادہ و رعد و تیرچرخ آمادہ داشتہ کورگہ و نقارہ فرو کوفتند

(صـ ۶۹۶۔ ظفرنامہ جلد اول۔ طبع کلکتہ)

دقیقی کے ہاں شاہنامہ میں تیرچرخ مذکور ہے :۔

پس انجامش آمد یکی تیر چرخ چنین آمدہ بودش از چرخ برخ

(صـ ۸ جلد سوم۔ شاہنامہ۔ طبع بمبئی ۱۲۷۵ھ)

فردوسی نے چرخ اور کمان چرخ دونوں شکلوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ :۔

پس منجنیق اندرون رومیان۔ اباچرخہا تنگ بستہ میان (صـ ۲۵۷ جلد دوم شاہنامہ)

شعر ذیل میں فردوسی اس کی آواز کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ صاف واضح نہیں کہ اسکا مقصد چرخی گھومنے کی معمولی آواز ہے یا ایسی آواز جو کسی آتشگیر مصالحہ کے بھڑکنے سے پیدا ہو :۔

ز بانگ کمانہای چرخ وزدود ، شدہ روی خورشید تابان کبود (ص ۲۵۸ جلد دوم)

چھٹی صدی کے منتصف اول کے شاعر ازرقی کے شعروں سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ چرخ کوئی آتشبار آلہ ہے۔ اس کے ممدوح طغان شاہ نے سیستان کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا جب وہ قلعہ کے معائنہ کے واسطے میدان میں آیا۔ برج پر سے ایک چرخ انداز نے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً اپنے چرخ کو آگ سے بھر لیا اور طغان شاہ کے آہن پوش گھوڑے پر اس کا تیر چھوڑا جو ملک طغان کے پانو سے ایک ہاتھ بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ پر لگا۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

زشہ برجی قضا را چرخ داری ملک را دید در میدان برابر
ز آتش چرخ را پُر کرد و شتافت کز آتش بیند او پاداش کیفر
بزد بر بارۂ پُر گستوان دار خدنگ راست رو بر گستوان در
ز رخم تیر تا پای خداوند بدستی ماندہ بد یا نیز کمتر

(انجمن آرای ناصری)

مگر تاریخوں میں اس کے تعلق میں آتش باری کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا۔

فرہنگ شرفنامہ تالیف ۸۶۲ھ اور موید الفضلا میں چرخ کی یہ تشریح دی گئی ہے :۔

"چرخ کمان حکمت کہ از آلات حصار گیری است و تیر چرخ بدان اندازند"

کمان حکمت کو بہار عجم میں ایک قسم کی منجنیق بتایا ہے۔

فرہنگ جہانگیری میں چرخ کو بان یا حقۂ آتشین کی مانند کہا گیا ہے۔ فرہنگ نگار کا

بیان ہے :-

"چیزی باشد مانند تیر ہوائی کہ از آہن بسازند و درون آن پر از باروت کردہ آتش زنند و بر جانب دشمن سر دہند و بر ہر کس کہ خورد ہلاک سازد۔ انوری در صفت آسمان گفتہ ؎

نہ منجنیق رسد بر سرش نہ کشکنجر نہ تیر چرخ نہ سامان برشدن بہ منق

یہ بیان فرہنگ نگار کے زمانہ کے واسطے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ مگر قدیم زمانہ کے تعلق میں البتہ صحیح نہیں کیونکہ بارود ان ایام میں موجود نہیں تھی۔ یہاں تک تو خیریت تھی مگر متاخرین نے اسے بندوق کے ساتھ شناخت کر کے ہمارے لئے راہ راست سے بھٹکنے اور غلط قیاسات قائم کرنے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ ان کا بیان ہے :-

"بمناسبت کمان و تیر تفنگ را نیز چرخ گویند و گلولۂ آن را تیر گویند زیرا کہ چنانکہ کمان تیر را بقوت جسمانی بازوی کماندار بدشمن رساند تفنگ ہم بقوت نیروی اروی آتشین کہ باروت باشد گلولہ را کہ بمنزلہ پیکان تیر است بخصم رساند حکیم ازرقی در مدح طغان شاہ در جنگ سیستان و تیر انداختن تفنگ داری از فراز برج گفتہ "

(فرہنگ انجمن آرای ناصری)

شعر میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ ازرقی کے زمانہ کے لئے یہ خیال کرنا کہ بندوق اور گولی موجود تھی روایت و درایت کے منافی ہے۔ ازرقی نے صرف اسی قدر کہا ہے "زآتش چرخ را پر کرد و بشتافت" جس کی بدیہی توجیہ یہی ہے کہ آگ تیر کے ذریعہ سے پھینکی گئی۔ قلعہ سے محاصرین پر آگ اور قارورہای نفط پھینکنے کا عام دستور رہا ہے اگر اس چرخ دار نے طغان شاہ پر تیر آتش بست پھینک دیا تو کیا حرج ہے ؟

اگر ہم لغت نگاروں کے بیانات پر اعتبار کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ بندوق تو بندوق توپ بھی قدیم زمانہ میں موجود تھی اور رستم کا پرداد ارمان توپ کے گولے سے

ہلاک ہُوا تھا۔ دیگ کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں :۔

"دیگ معروف است و یعنی توپ بزرگ نیز آمدہ است کہ در قدیم الزمان در قلاع و حصار برای حفظ داشتہ و میگذاشتہ و با دار و ہای آتشین انباشتہ بجانب خصم می افگندند و بعضی دراز تر چنانکہ ہست، و بعضی کوتاہ تر تبر کیبی کہ اکنون خم پارہ گویند و بپارۂ خم ماند کہ زبراو شکستہ و زیراو قدری باقیست و گلولۂ آزا سنگ میکردہ اند۔

حکیم علی اسدی در گرشاسپ نامہ

یکی دیگ منجر دران قلعہ بود — کہ تیرش بداز سنگ صد من فزود
بدارو مر آن رعد انباشتند — ہمہ روز تا شب نگہداشتند
ازان برج آن سنگ آمد رہا — بدان آتش و دود چون اژدہا
زبارہ مر آن رعد انداختند — جہان از زبان پر درختند

و آن دیگ را دیگ رخشندہ می گفتہ اند کہ از آتش می درخشید۔ اسدی ؎

بہر گوشہ عراوہ بر ساختند — ہمہ دیگ رخشندہ انداختند

(فرہنگ انجمن آرای ناصری)

شاعر کا مقصد ہے کہ قلعہ میں ایک دیگ (منجر؟) تھی۔ جس کا تیر سو من (فارسی من) کے گولہ کا تھا۔ اس کو بارود سے بھر دیا۔ رات پڑے وہ گولہ اس دیگ سے آگ اور دھوئیں کے ساتھ چھوڑا گیا۔ بس جیسے ہی قلعہ سے توپ چھوٹی زمان سے دنیا خالی ہوگئی۔ ان شعروں کا متن میرے نزدیک مشتبہ ہے۔ اسدی کا گرشاسپ نامہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ اگر متاخرین کے ہاتھوں ان اشعار کے متن میں قطع و برید نہیں ہوئی۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان میں توپ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دارو بارود کے واسطے اور رعد توپ کے لئے متاخر زمانہ میں عام استعمال میں آئے ہیں۔ آتش و دود بھی اسی عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ایک بات کی کمی رہ گئی ہے

کہ توپ کی گرج کا ذکر نہیں آیا۔ چونکہ یہ تنہا بیان ہے اس لئے اس پر بغیر مزید و متواتر شہادت کے بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ایک امر قابل گذارش ہے کہ اسدی کی روایت کی رو سے زریان توپ کے گولے سے مارا جاتا ہے۔ شاہنامہ میں فردوسی نے بھی زریان کی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رستم جب پیل سفید کو ہلاک کر چکتا ہے۔ زال اسکی جرأت پر بہت تحسین کرتا ہے اور زریان کا انتقام لینے کے واسطے کوہ سپندان روانہ کرتا ہے۔ اس موقعہ پر شاعر زریان کی ہلاکت کے متعلق لکھتا ہے ؎

سرانجام سنگی بیند اختند۔ جہاں راز پہلو بپرداختند (صفحہ ۴۶ جلد اول شاہنامہ ۱۲۷۵ھ)

جس سے ظاہر ہے کہ زریان کی موت ایک پتھر سے واقع ہوئی تھی۔ جو قلعہ سے اس پر گرایا گیا تھا ؛

فرہنگ نگاروں نے یہی سلوک کشکنجیر کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے معنے بھی بڑی توپ بیان کئے ہیں۔ فرہنگ جہانگیری میں اس کی تشریح یوں مرقوم ہے:۔

"توپ کمان را گویند کہ بدان دیوار قلعہ بشکنند و بیندازند۔ معنی ترکیبی آن کوشک سوراخ کن ست چہ کشک مخفف کوشک بود و انجیر سوراخ را گویند"۔

انجمن آرای ناصری میں یہ تشریح ملتی ہے:۔

"کشکنجیر توپ کلاں کہ بپارسی دیگ و دیگ زخشندہ نیز گویند"۔

مگر فرہنگ بحر الفضائل میں جو ۸۳۷ھ کی تالیف ہے اس کے معنے "نوعے از منجنیق" دیئے ہیں اور نوروز نامہ سے جو حکیم عمر خیام کی تالیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کشکنجیر ایک خاص قسم کی نہایت سخت اور طاقتور کمان ہے جس سے حصار شکنی میں کام لیا جاتا ہے۔ نوروز نامہ کی اصل عبارت حسب ذیل ہے:۔

"دو زن کمان بلند ترین شش صد من نہادہ اند و مر آن را کشکنجیر خواندہ اند و آن مر قلعہا را بود۔ فرود ترین یک من بود و مر آنرا بہر کودکان خورد سازند"۔ (صفحہ ۴ نوروز نامہ)

منوچہری کے شعر سے بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا سخت زہ آلہ ہے۔ جسکے چلانے میں ایک سے زیادہ آدمی کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ہذا:۔

؎ داد جشن مہرگان اسپہبد عادل دہد آن کجا تنہا بہ کشکنجیر انداز دخدنگ

ہندوستانی فرہنگ نگار قبل مغل اس کا مختلف بیان دیتے ہیں:۔

شرف نامہ تالیف ۸۷۲ھ:۔

"کشک انجیر = یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دو اہای آتشین روان کنند بہندش گولہ گویند و کشکنجیر بواو نیز نویسند و معنی ترکیبی آن سوراخ کنندۂ کوشک است۔"

عماد السعادت مؤلفہ ۹۱۹ھ:۔

"کشکنجیر و کبک انجیر = کاف مضموم، یکی از آلات جنگ آتشکی است بقوت دارو ہا روان کنند بہندش گولہ خوانند۔"

مؤید الفضلا تصنیف ۹۲۵ھ:۔

"کشک انجیر = یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دو اہای آتشین روان کنند۔"

میرے خیال میں یہ بیان ان فرہنگ نگاروں کے عہد کے واسطے بالکل قابل اعتبار ہے۔ بارود اس وقت تک عام ہو چکی ہے جس کو یہ مصنفین دو اہای آتشین اور دارو ہا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہندی نام گولہ دیتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بارود کی نفوذی طاقت معلوم ہونے کے بعد سب سے اول اس کا استعمال گولے اور بان کی شکل میں کیا گیا ہے۔

فردوسی کے ہاں ایک شعر آتا ہے:۔

؎ گرفتند گردان ایران زمین کمانہای زنبوری و چرخ کین

اس شعر میں کمان زنبوری قابلِ غور ہے۔ جس کی تشریح بہارِ عجم میں یوں دی گئی ہے:-
"کمان زنبوری - ف - کنایہ از تفنگ کہ بتازی بندوق و تبر کی بلتیق خوانند"
اب کیا ہم یہ مان لیں کہ فردوسی کے عہد میں بندوق رائج تھی۔
فرہنگوں میں جو پالغز ہمارے واسطے موجود ہیں۔ ان میں تفنگ بھی شامل ہے
اس کے متعلق مرقوم ہے:-
"تفنگ و تفنگ بالضم و فتح دوم ف۔ بندوق، و مرکب است از تف مبدل تپ بہای فارسی کہ مخفف توپ است و کاف و نگ ہر دو کلمۂ نسبت یا تشبیہ چنانکہ در ہوشنگ و دیرنگ و توشنگ و آزاد رہندی تپک بہای فارسی خوانند و تفق معرب آنست"
میں تفنگ کی بعض مثالیں بھی عرض کرتا ہوں:-
نظیری نیشاپوری:- ؎ درمغز تفنگ زور کند آتش سودا ٭ آتش زدہان جوش زند مار دمان را
ازہول صدای تفنگ و غرۂ گردون ٭ سکان سموات گذارند مکان را
احسن التواریخ:- ؎ زتیغ و تفنگہای آہن ستیز ٭ زہر گوشہ بازار کین گرم خیز صفحہ ۱۴۵
(دیگر) دران عرصہ از بہر مردان جنگ ٭ تفنگ نقل و خون بادہ لالہ رنگ
یلان از تفنگ دادہ دلہا زدست ٭ زنقل چنان گشتہ بی بادہ مست صفحہ ۱۴۸
طالب آملی:- ؎ دم از وقوف تفنگ افگنیت می نزنم ٭ چرا کہ حجت او گشتہ بدلیل تمام
یہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے۔ جس میں تفنگ بمعنی بندوق زیادہ رائج ہے۔ اس عہد کے بعد اس کا مرادف تفنگ عام ہو جاتا ہے اور تفنگ متروک ہو جاتا ہے ٭
متقدمین کے ہاں تفنگ بالکل مختلف چیز ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو وجہ اشتقاق اوپر مذکور ہے درست نہیں اس کی معرب شکل تفق ہے۔
انوری ؎ نہ از فراز تو ان جست حیلۂ سرکوب ٭ نہ از نشیب توان یافت جایگاہ تفق

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی آلۂ حصار شکنی ہے۔ لیکن قاضی خان بدر معروف بدھاروال جو اپنی فرہنگ ادات الفضلا ۸۲۲ھ میں تصنیف کرتے ہیں۔ اس لفظ کی یوں تشریح دیتے ہیں :۔

" تفک نئے نیزہ کہ بدان غلولہ اندازند۔ مانند تیر [می رود]

شرف نامہ احمد منیری میں ابراہیم بن قوام فاروقی کا بیان ہے :۔

"تفک ۔ نئے نیزہ خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

مولنا محمود ابن شیخ ضیا تحفۃ السعادت تالیف ۹۱۶ھ میں یوں رقمطراز ہیں۔

"تفک ۔ تای مضموم و فای مفتوح۔ نئے خالی یا چوبی خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

یہ ان مصنفین کا بیان ہے جو مغلوں سے پہلے گذرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بندوق کا حلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک نے یا پوے بانس کا ٹکڑا ہے جس کے ذریعہ سے مٹی کا خشک یا تر غلہ چلایا جاتا ہے۔ صاحب فرہنگ جہانگیری نے اس موقعہ پر مزید تفصیل سے کام لے کر تمام گنجلک کو رفع کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

" تفک چوبی بود میانہ تہی بدرازی نیزہ گلولہ از گل ساختہ در آن نہند و پف کنند۔ بزور نفس گلولہ بر جانور کوچک اگر خورد اندازد و بندق را بمشابہت آن تفک خوانند"

ایک قلمی فرہنگ میں جس کے نام سے میں ناواقف ہوں یہ عبارت ملتی ہے۔

" تفک، بضم تا و فتح فا بکاف عربی زدہ، چوبی باشد میان تہی بدرازی نیزہ کہ گلولۂ در آن نہند و پف کنند تا بزور نفس آن گلولہ بیرون جہد جانوران کوچک مثل گنجشک بآن بزنند و بندق را بمشابہت آن تفک نیز گویند۔"

گویا تفک دراصل اس بچوں کے کھلونے کا نام تھا جو غالباً گیلا غلہ ڈال کر چلائی جاتی تھی

جس سے ننھے ننھے جانور شکار ہو سکتے تھے۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے :۔

؎ مرغ محقر کہ بمیرد بہ تفنگ طرفہ سوادیست ز خطہائی فلک

میں ایک اور مثال مثنوی طرفۃ الفقہا سے جو بعہد فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ تصنیف ہوتی ہے نقل کرتا ہوں۔ یہ فقہی تالیف مولانا رکن الدین مرید شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی یادگار ہے۔ اس کے نامۂ صد نود و ہشتم میں بذیل مسائل صید یہ فقیہ موصوف لکھتے ہیں :۔

صید را گر بہ تیر گز بکشد آن حرام است ہیچ کس نخشد

بندقہ نیز مثل این داند در تفنگ میزند بدین ماند و الف

تفنگ ان ابیات میں غالباً انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جو امیر خسرو کے ہاں لئے گئے ہیں اور جس کی تشریح ہم اوپر دیکھ آئے ہیں یعنے نئے نیزہ۔ بندقہ سے یہاں مقصد بندوق نہیں ہے بلکہ وہی غلہ۔

بارود کی تروتیج نے تفنگ میں اہم تبدیلی پیدا کر دی یعنے یہ کہ بجائے بانس کی نے کے لوہے کی نال آگئی اور پھینکنے کا کام بارود نے لے لیا۔ گویا بندوق تفنگ کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔

یہاں مجھے ایک اور آلے پھینک کا ذکر کرنا چاہیئے جو تفنگ کے مشابہ ہے۔ یہ ایک نیزہ نما لکڑی ہے جسے طولاً دو حصوں میں چیر کر بندوق کی نال کی طرح اس میں گاؤدم سوراخ کر لیا جاتا ہے اور ہموار کر کے دونوں نصفوں کو جوڑ لیتے ہیں چوڑے منہ کی طرف سے گیلی گولی ڈال کر پھونک کے ذریعہ سے پھینکی جاتی ہے۔ چھوٹے پرندے بلکہ کبوتر تک شکار ہو جاتے ہیں لیکن مشق کی ضرورت ہے۔ خواجہ امید کے یہ ابیات ملاحظہ ہوں :۔

یارب اگرچہ پیش ازین بود مرا دل و جگر　　خستۂ لعبت چگل بستۂ دلبر یک
دست فشاندہ ام برین پای کشادہ ام ازان　　جستہ زہر دو دامگہ چون گل خازہ از پنک

اسی کے قریب ناوک ہے۔ یہ ایک پولی لکڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر تیر کو ایک خاص طریق سے چلاتے تھے۔ اس کی کمان تخش کہلاتی تھی۔ کثرت استعمال سے تیر ناوک کہنے لگے۔ ناوک کا تیر اور تیروں کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ صاحب مصطلحات الشعرا کا قول ہے کہ ناوک ایک نے ہوتی ہے جس میں چھوٹا تیر رکھ کر اور زہ کمان میں بند کر کے چلاتے ہیں کبھی یہ نے لوہے کی بنا لیتے ہیں۔ جسے نئے ناوک کہتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی یہ ہے :-

"ناوک :- مصغر ناو، و آن چوبی است میان تہی کہ تیر را دران گذاشتہ بوضعی مخصوص می اندازند و کمان این چوب را تخش گویند و بکثرت استعمال تیر مذکور را تیر ناوک خواندہ اند و این مجاز است و این تیر کوچک باشد نسبت بسائر تیرہا و صاحب مصطلحات الشعرا گوید ناوک فی کہ تیر کوچک معروف دران گذاشتہ و بزہ کمان بند کردہ کشادہ دہند و گاہی آنرا از آہن سازند فی ناوک گویند،

میں نے نمونۃً صرف بعض الفاظ پر قناعت کی ہے جن میں فرہنگ نگاروں نے نئے ہتیاروں کو پرانے نام دے کر ہمارے لئے مغالطے کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں اور شبہ ہونے لگتا ہے کہ ممکن ہے توپ اور بندوق قدیم ایام سے موجود ہوں۔ اسلئے اس مسئلہ پر کسی قدر اور غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ امر یقین کی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آتشی آلات میں سے اسلاف کے پاس آگ تیل اور نفط کے سوا اور کوئی مرکب یا مصالحہ موجود نہیں تھا۔ فردوسی کے زمانہ سے لے کر امیر تیمور کے عہد تک جس میں چنگیزیوں کے خروج کا زمانہ بھی شامل ہے اسباب قلعہ گیری میں کوئی جدید اضافہ نظر نہیں آتا قلعوں کی نقب زنی کا

جو طریقہ شاہنامہ کے صفحات میں دیکھا جاتا ہے وہی طریقہ ہم امیر تیمور کی قلعہ کشائیوں کی داستانوں میں پڑھتے ہیں۔ حصارگیری کی تاریخ میں تیمور کا نام سب سے مقدم آنا چاہیئے۔ اس کی فوج میں سفر مینا کا عملہ نہایت زبردست معلوم ہوتا ہے اور کوئی قلعہ نہیں جسے اس کی سپاہ نے چند روز میں نہ فتح کر لیا ہو مگر اس کے ہاں بھی کسی جدید آلے کا مذکور نہیں آتا۔ اب میں بعض قلعوں کی فتح کا ذکر کرتا ہوں :۔

فردوسی نے شاہنامہ میں جو بعض قلعہ کشائیوں کے بیانات دیئے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ بڑی حد تک اس کے اپنے عہد کے ایسے واقعات کا صحیح مرقع ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ذیل کے بیانات ہمارے مطلوبہ سوال پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جب رستم شہر بیداد فتح کرنے جاتا ہے۔ اس کا قلعہ جو تورین فریدوں نے تعمیر کیا تھا نہایت مضبوط تھا۔ رستم نے اپنی فوجیں قلعہ کے چاروں طرف متعین کر دیں اور قلعہ پر سخت سنگ باری اور تیر باری شروع کر دی۔ خود رستم نے کمان ہاتھ میں لے کر ہر اس شخص کو جس نے دیوار سے باہر سر نکالا چن چن کر مارنا شروع کیا اس پر قلعہ والے بہت سراسیمہ ہوئے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ کی تہ میں نقب کھودی گئی اور اس کے نیچے شہتیر لگا دیئے۔ ان پر نفط ڈال دی جب نصف دیوار میں نقب لگ گئی شہتیروں میں آگ لگا دی گئی جس سے دیوار گر گئی چنانچہ فردوسی کا بیان ہے :۔

پے بارہ زان پس بکندن گرفت — ز دیوار مردم فگندن گرفت
ستونہا نہادند زیر اندرش — بیالود نفط سیاہ از برش
چو نیمی ز دیوار در کندہ شد — بچوب اندر آتش پراگندہ شد
فرود آمد آن بارۂ تور کرد — ز ہر سو سپہ اندر آمد بگرد
بفرمود رستم کہ جنگ آورید — کمانہا و تیر خدنگ آورید

ص ۱۹۸ جلد شاہنامہ طبع بمبئی ۱۲۷۵ھ

ایک اور مثال سنیئے۔ کنگ دژ افراسیاب کا قلعۂ خاص ہے جب کیخسرو اس کی تسخیر کے لئے آیا۔ اس نے اپنی فوجیں قلعہ کے گرد جمادیں اور ان کے سامنے شبخون سے حفاظت کے خیال سے خندق کھدوادی۔ قلعہ کے گرد دو سو عرّادے اور منجنیق اور دو سو چرخ لگادیئے۔ منجنیقوں کے پیچھے رومی اپنے اپنے چرخ کے ساتھ کھڑے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دو سو ہاتھی شہتیر جنہیں فردوسی ستون کے اصطلاحی نام سے یاد کرتا ہے لیتے جائیں۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے سرنگ کھودی اور شہتیر جمادیئے۔ ان پر نفط سیاہ چھڑک دی۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ قلعہ کے دروازوں پر یورش کی جائے۔ ادھر ان لکڑیوں اور نفط میں آگ لگادی گئی نفط سیاہ کے بھڑکنے سے لکڑیوں نے آگ لے لی اور جل اٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کی دیوار گر گئی اور شگاف میں سے ایرانی فوجیں اندر داخل ہوگئیں۔ میں فردوسی کے طویل بیان سے صرف ضروری ضروری ابیات نقل کرتا ہوں:۔

بلشکر بفرمود پس شہریار — یکی کندہ کردن بگرد حصار
دو نیزہ ببالا یکی کندہ کرد — سپہ را بگردش پراگندہ کرد
بدان تا شب تیرہ پردختن — نیارد زترکان کسی تاختن
دو صد پارہ عرّادہ و منجنیق — نہادند بر پیش ہر سوی جا تلیق
دو صد چرخ بر ہر سوی بیگمان — ز دیوار دژ چون سر بدگمان
پدید آمدی منجنیق از برش — چو ژالہ ہمی کوفتی بر سرش
پس منجنیق اندرون رومیان — ابا چرخہا تنگ بستہ میان
دو صد پیل فرمود پس شہریار — کشیدن ستونہا بہ پیش حصار
یکی کندۂ زیر بارہ درون — بکندہ نہادند زیر ستون
پراگندہ بر چوب نفط سیاہ — برانگونہ فرمود نیرنگ شاہ ۲۵۷/۲

بفرمود تا سخت بر ہر دری — بجنگ اندر آمد گران لشکری
بدان چوب و نفط آتش اندر زدند — ز برشان ہمی سنگ بر سر زدند
دبانگ کمانہای چرخ و زد و دد — شدہ روی خورشید روشن کبود
ز عرادہ و منجنیق و زگرد — زمین نیلگون شد ہوا لاجورد
ز نفط سیہ چو بہا بر فروخت — بفرمان یزدان چو ہیزم بسوخت
نگون بارہ گفتی کہ بر داشت پای — بکردار کوہ اندر آمد ز جای
بر آمد خروشیدن کارزار — بہ پیروزی لشکر شہریار
سوی خستہ و زخمہا ندروی — بیامد دمان رستم جنگجوی ص ۲۵۸ م ۲

چنگیزی افواج ۶۱۶ھ میں مغولستان سے نکل کر توران و ایران۔ افغانستان و عراق چین و روس میں پھیل جاتی ہیں۔ ان کے سیلاب کو نہ کوئی لشکر روک سکا اور نہ کوئی قلعہ۔ لیکن اقوام مغول اپنی ظفرمندانہ پیش قدمی کے دوران میں نہ کہیں کسی آتش بار آلے سے دوچار ہوئیں اور نہ خود استعمال میں لا رہیں اگرچہ قابل حیرت سرعت کے ساتھ انہوں نے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا ہے۔ مغرب کی طرف ان کے کوچ کے وقت جند سب سے پہلا قلعہ ہے جو ان کے سر راہ واقع تھا۔ انہوں نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر کے خرک اور منجنیق لگا دیئے۔ "لشکر یکبس خندق واستعداد آن از خرک و زردبان وغیر آن اشتغال نمودند" (جہانگشا ص ۶۹ جلد اول) اہل قلعہ حیران ہوئے اور شہر کے دروازے بند کر کے فصیل کی دیواروں پر بیٹھ گئے اور چنگیزی افواج کا تماشا دیکھنے لگے اور اچنبھا کرتے رہے کہ حملہ آور قلعہ کی بلند دیواروں پر کیونکر چڑھیں گے۔ مگر جب خندق کے پل طیار ہو گئے۔ اور سیڑھیاں قلعہ کی دیواروں کے ساتھ لگ گئیں تب ان کی آنکھیں کھلیں اور ایک منجنیق لا کر لگا دی۔ ابھی منجنیق سے پہلا ہی پتھر چلایا تھا کہ پتھر ہوا میں اُٹھ کر اسی

منجنیق پر آگرا جس سے منجنیق ٹوٹ گئی۔ اس اثنا میں حملہ آور سب طرف سے دیوار پر چڑھ آئے اور شہر بغیر کسی کی نکسیر پھوٹے ان کے قبضہ میں آگیا۔

بخارا کی فتح میں بھی منجنیقوں عرادوں اور قارورہای نفط سے کام لیا گیا ہے چنانچہ عطا ملک جوینی بالفاظ ذیل رقم کرتے ہیں :-

"مردمان بخارا را بجنگ حصار راندند و از جانبین تنورۂ جنگ بتفید از بیرون منجنیقہا راست کردند و کمانہا را خم دادند و سنگ و تیر ران شد و از اندرون عرادہا و قارورات نفط روان شد" (ص۶۲ جلد اول جہانگشا)

جب خوارزم میں حملہ آور پہنچے وہاں پتھر نایاب تھا۔ اس لئے شہتوت کے درخت جن کی وہاں افراط تھی کاٹ کاٹ کر پتھر کی جگہ منجنیقوں میں استعمال کئے۔ چنانچہ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں :-

"و بترتیب آلات جنگ از چوب و منجنیق مشغول گشت و چون در جوار خوارزم سنگ نبود از درختہای قوت سنگہا می ساختند"۔ (ص۹۹ جلد اول جہانگشا)

مرو کی تباہی سے فارغ ہو کر جب فاتحین نے نیشاپور کا رُخ کیا۔ ہراول میں بہت سی منجنیقیں اور دیگر آلات قلعہ کشائی تھے۔ اگرچہ نیشاپور سنگستانی علاقہ ہے۔ مگر احتیاطاً کئی منزل سے وہ پتھر اپنے ساتھ لے کر آئے اور جگہ جگہ انبار لگا دیئے۔ حالانکہ ان کا دسواں حصہ بھی خرچ نہ ہوا۔" و در مقدمۂ لشکر بسیار آلات مجانیق و اسلحہ بشاد یاخ فرستاد و باز انک نشاپور سنگلاخ بود از چند منزل سنگ بار کردہ بودند و با خود آوردہ چنانکہ خرمنہا ریختند و عشر آن سنگہا در کار نشد" (ص۱۳۹۔ جلد اول)

باوجودیکہ قلعہ کی دیواروں پر تین ہزار چرخ تھے اور تین سو منجنیقیں اور عرادے نصب تھے۔ اسی قیاس پر دیگر اسلحہ اور نفط کا سامان تھا۔ مگر نیشاپور کی ان کی

جنگ کا ڈھنگ دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے۔

ہلاگو خان نے ۶۵۴ھ میں قلعہ الموت کا محاصرہ کیا۔ چرخ و مجانیق کے علاوہ جن میں پتھر کی جگہ درخت کاٹ کاٹ کر پھینکے گئے۔ ہم ایک نئی چیز کمان گاؤ کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو چینی استادوں کی ایجاد بتائی گئی ہے۔ اس کا نشانہ اگر میں غلط ملک جوینی کی عبارت کو صحیح سمجھا ہوں ڈھائی ہزار قدم جاتا تھا۔ ہمارے مؤرخ کا یہ بیان قابل غور ہے۔ وہو ہذا:۔

"وکمان گاؤ را کہ استادۂ ختائی ساختہ بودند آماج آن مقدار دو ہزار گام ، بران ۔ ۔ ۔ خران چون جزآن درمان نداشت برکار کردند و شیاطین ملاحدہ بنصال شہب آسای متجندہ بسیار سوختہ گشتند"۔

(ص ۱۲۰ جلد سوم۔ جہانگشای جوینی (گب میموریل)

میرے خیال میں ایک نشانہ کا بغیر بارود کی امداد کے ڈھائی ہزار قدم جانا نہایت دشوار ہے۔ کیا یہ کوئی آتشی آلہ ہے؟ ہم کہہ نہیں سکتے۔ بدقسمتی سے مصنف کا بیان اس قدر مختصر ہے۔ کہ ہم کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتے۔ پچھلے فقرے میں شیاطین کی رعایت سے شہاب اور شہاب کی رعایت سے سوختہ گشتند لایا گیا ہے۔ اس فعل کا تعلق بظاہر کمان گاؤ سے نہیں معلوم ہوتا۔

تیموری جنگوں میں ایک اور آلۂ 'قرا لغرا' کا نام ملتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ کوئی ترکی کل ہے جو منجنیق اور عرادہ کی وضع کی معلوم ہوتی ہے۔ نظام الدین شامی کے ہاں یہ لفظ سب سے پہلے میری نظر سے گذرا ہے مطلع السعدین سے دو مثالیں منقول ہیں:۔

ص ۶۵ "فارسیان بطرف شرقی شہر کہ بدروازۂ سعادت موسوم است فرود آمدند و عرادہ و قرا لغرا و منجنیق ترتیب دادند"۔

۸۹۸ھ "حضرت صاحبقران از برابر در قلعہ بطرف پشت قلعہ نقل فرمود و منجنیق وعرادہ و قرا لغرا و زد با نہا مرتب ساختند و دران محل کہ منزل ہمایوں یعنی پشت قلعہ بود ملجور از سنگ و چوب چندان (بلند) بر آورند کہ در قلعہ نگاہ میکردند"

(فتح قلعہ گرجستان)

معلوم ہوتا ہے کہ قرا لغرا یورپ میں بھی پہنچ گیا ہے۔ جہاں اس کا نام بگڑ کر "کرابگا" اور کلابرا بن گیا۔ کرنل یول مرتب سفرنامۂ مارکو پولو اس کو بڑی قسم کی منجنیق بتاتے ہوئے گویا ہے کہ ترک اور عرب اسے قرا لغرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو نام یورپ میں کرابگا Carabaga اور کلابرا Calabra بن گیا۔ مرتب سنوڈو اول الذکر نام لاتا ہے۔ ولیم آف ٹیوڈیلا آخر الذکر نام لکھتا ہے۔ جب سائمن ڈی مونٹ فورٹ کبیر نے البیجینیز کے خلاف ان کا استعمال کیا۔" (ص ۱۶۸ جلد دوم)

منجنیقوں اور عرادوں سے صرف قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کا کام لیا جاتا۔ نقب زنی میں دیواروں کی جڑیں کھوکھلی کر کے خالی جگہ ستون لگا دیے جاتے اور لکڑیوں کا انبار رکھ کر اور نفط ڈال کر آگ لگا دی جاتی۔ جس سے دیوار نیچے آرہتی۔ تیمور کی یورشوں میں یہی طریقہ عام ہے اور اس کی تاریخ میں نقب زنی کے واقعات کثرت سے نظر آتے ہیں۔ جن کی مورخین نے کسی قدر تفصیل بھی دی ہے۔ مثلاً قلعہ ترشیز کے محاصرے کے وقت جب منجنیق اور عرادے نصب ہو چکے۔ تیمور نے نقبیوں کے نام حکم بھیجا کہ قلعہ کی خندق کاٹ کر اسکا پانی نکال دیں اور دیوار کی بنیاد میں نقب لگائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا:۔

"مہندسان کاردان برحسب فرمودہ منجنیقہا بساختند و عرادہا راست کردہ برافراختند و فرمان شد تا نقبچیان چیرہ دست نقب در خندق بریدہ آنرا از آب خالی ساختند و در زیر حصار نقبہا بنیاد انداختند" (ص ۳۴۶ ظفرنامہ جلد اول۔ شرف الدین یزدی، کلکتہ)

تیمور کے عہد میں نقب زنی قلعہ کشائی کی ایک اہم شاخ بن گئی ہے۔ جس کی نظیر قدیم تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک اور مثال سنئے جو کی تسخیر کے وقت ظفرنامہ میں ملتی ہے:۔

"وچون نقبچیان نقبہا بریدہ وسنگہا بیرون آوردہ برج و بارۂ حصار را برسر چوبہا گرفتند حکم قضا مضا صدور یافت ونقبہارا بہیمۂ نفط آلود انباشتہ آتش زدند۔ دیوارہای قلعہ چون بخت واژون مخالفان سرنگون شد ولبسیاری از کفار با دیوار حصار بر خاک خیبت رخسار افتاد ندا" ۴۷۵ جلد دوم ظفرنامہ، شرف الدین،

بعض نقب زنی کی تفصیل مطلع السعدین اور ظفرنامہ میں ملتی ہے۔ مثلاً قلعۂ تکریت کے محاصرے کے وقت جب منجنیق اور عرادے قلعہ کے محاذ میں لگ گئے حکم ہوا کہ چالیس نقبیں قلعہ کی فصیل میں لگائی جائیں اور ہر نقب ایک ایک امیر کے سپرد ہوئی۔ نسخۂ تفصیل بوساطت جکہ تواچی لشکر میں تقسیم ہوگیا [تفصیل اسمائے امراء حذف کی جاتی ہے] نقب زن نقب زنی کرتے اور فوجی مٹی ڈھوتے امیر تیمور بار بار خبر منگواتا کہ کونسی نقب کہاں تک پہنچی۔ ایک نقب جلال باورچی اور بیان قوچی کے حصہ میں آئی۔ انہیں پینتیس گز پتھر کاٹنا پڑا۔ مجوف مقامات ستون کھڑے کر کے لکڑی اور نفط سے بھر دیئے۔ ۲۰ رتاریخ شب چہار شنبہ کو آگ دے دی۔ قلعہ کی دیواروں کا اکثر حصہ زمین پر آرہا۔ بین صوفی نے جس برج میں نقب لگائی تھی تمام وکمال ڈھ گیا اور دشمن کے بیس آدمی اس کے ساتھ کام آئے امیر کا پھر فرمان آیا۔ کہ تفصیل کا باقی حصہ جو ابھی کھڑا ہے بذریعۂ نقب گرا دیا جائے۔ جو برج اللہ داد اور امان شاہ کے متعلق تھا۔ بدرالدین نے بنیاد سے کھود کر گرا دیا۔

میں ان مؤرخین کے اصل الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں:۔

"روی ہمت بتسخیر حصار برآوردند وعرادہا نصب کردند ومنجنیقہا برافراختند و

خانہای آن خاینان بزخم سنگ خراب ساختند ص ۶۴۸ [چہل نقب مقرر شد و ہر نقب بعہدۂ امیری کردہ تا تواچیان برحسب فرمان زمین بخش کردہ بموجب تفصیل بر لشکریان قسمت کردند وچکہ تواچی نسخۂ تفصیل بمردمان رسانید و بکار نقب مشغول گشتند ص ۶۴۹ [شب و روز جاخویان بہ نقب کندن و لشکریان بخاک بیرون آوردن و آنرا بکار فرمودن مشغول بودند و حضرت صاحبقران ہر ساعت می پرسید کہ ہر نقبی بکجا رسیدہ . . . . ویک نقب بعہدۂ جلال باورچی و بیان قوچین - و ایشان سی و پنج گز سنگ بریدند[1] و ہر جاکہ مجوف ساختہ بر سر ستونہا داشتہ بودند از ہیمہ و نفط پر کردند و شب چہارشنبہ بیستم آتش زدند ؎

زنفط سیہ چوبہا بر فروخت ستونہا سراسر ہمہ پاک سوخت
زبس دود کآمد فراز از فرود سیہ شد یکبارہ چرخ کبود
چنان دود شد سوی گردون تباب کہ شد چشمہای کواکب پر آب
نگون بارہ گفتی کہ برداشت پای بکردار کوہ اندر آمد زجای

و اکثر دیوارہای قلعہ بر زمین افتاد و برجی کہ بین صوفی خالی کردہ بود بکلی منہدم شد و بیست کس از دشمنان بزیر افتادند . . . . حکم جہان مطاع نفاذ یافت و دیگر دیوارہا کہ ماندہ بود از اطراف و جوانب نقب زدہ مجوف ساختند و بنیاد اختند - برجی کہ سرکار اللہ داد و امانشاہ بود بدر الدین از بیخ برکندہ بینداخت -

(ص ۶۵۳ ظفرنامہ از شرف الدین یزدی - جلد اول)

قلعہ حلب کی تسخیر کے موقعہ پر نقب سے کام لیا گیا ہے - مولانا نظام الدین شامی لکھتے ہیں کہ عملہ نقب زنی حسب الحکم رات بھر میں خندق کو چھلنی کی طرح سوراخ دار کر کے اور پانی عبور کر کے خاک ریز تک پہنچ گیا اور قلعہ کی بنیاد میں جو سنگ خارا کی بنی تھی سرنگ لگانی شروع کر دی - چنانچہ ان کی عبارت ہے :-

[1] ظفر الدین کی عبارت مطلع السعدین سے منقول ہے -

" لشکر را اشارت کرد تا پیرامون خندق نزول کردند و بزخم تیر نگذاشتند کہ کسی از دشمنان سر از اوج بیرون تواند کرد و عملۂ چاخورگان را فرمان شد تا بیک شب حوالی خندق را چون غربال سوراخ کردند و از آب گذشتہ بر روی آن خاک ریز چون کبک بردوید ند و در تگ قلعہ کہ بسنگ خارا استوار کردہ بودند نقب آغاز نہادند " ص ۲۲۷ ظفرنامہ جلد اوّل مرتبۂ فلکس تاور ۱۹۳۸ء میں بخوف طوالت صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ۔

قلعوں کی تسخیر کے واسطے عموماً ایسے طریقے اختیار کئے جاتے تھے ۔ جو ان کے ماحول اور مقامی کیفیت کے مناسب ہوں ۔ تیمور نے بعض حالات میں ملجور سے کام لیا ہے ۔ ملجور وہی ہے جسے ہم دھس اور دمدمہ کہتے ہیں ۔ یہ ایک بلند تعمیر یا چبوترہ ہے جو لکڑیاں ایک دوسرے پر چن کر طیار کیا جاتا ہے ۔ جوف میں پتھر اور مٹی بھر دیتے اور چنتے جاتے ہیں حتّٰے کہ چبوترہ قلعہ کی دیوار سے بلند ہو جاتا ہے ۔ پھر اس پر سے سنگباری کرتے ہیں ۔ قلعہ اونیک کی حصار بندی کے وقت جب منجنیقیں اور عرّادے کامیاب ثابت نہ ہوئے تیمور ملجور کی طیاری کا حکم دیتا ہے ۔ اس کے لئے فوجی دور و دراز مقامات سے درخت کاٹ کر لاتے ہیں اور ملجور بناتے ہیں ۔ میں شرف الدین کے ظفرنامہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں :-

" پرلیغ لازم الاتباع بنفاذ پیوست کہ در مقابل حصار ملجور سازند . . . وبجد ہرچہ تمام تر آن چوبہا را برہم برنہادند و لشکریان میان آن را بہ سنگ و گل پر میکردند و بر می آوردند تا ملجور تمام شد و از حصار ایشان بلند تر آمد ۔ چنانچہ بر قلعہ مشرف بود

جو ملجور سر کوب شد با حصار بگردون بر آمد دم کارزار
گروہ سپہ بر سر ملجور چو دریای جوشان بر آمد بشور

واز بالای بلجور کہ باکاخ ناہید وقصر ہور برابر ساختہ بودند وازان منجنیقہا کہ از اطراف و جوانب حصار برافراختہ بودند چندان سنگ برہوای آن قلعہ پران گشت "

(ص ۶۹۷ ظفرنامہ۔ جلد اول)

میں قلعہ دمشق کی فتح کی ایک اور مثال سنا کر اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ قلعۂ دمشق نہایت مضبوط اور مستحکم تعمیر ہوا تھا۔ اس کی دیواریں بنیاد سے لے کر چوٹی تک بھاری بھاری پتھروں کی بنی تھیں۔ اس کی خندق بیس گز چوڑی اور تیس گز گہری تھی۔ قلعہ میں سامان جنگ بڑی مقدار میں موجود تھا اور محافظ فوج بے شمار تھی۔ جب قلعہ کے گرد تیموری افواج آگئیں۔ تیمور کے حکم سے حسب ضابطہ مستمرہ امیرزادگان میرانشاہ۔ شاہرخ۔ سلطان حسین۔ پیر محمد۔ خلیل سلطان و دیگر امرائے بزرگ امیر شیخ نورالدین۔ امیر شاہ ملک۔ برندوق اور امیر سلطان نے اپنے اپنے دستوں سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اپنے اپنے علاقے مقرر کرکے نقب زنی اور منجنیق سازی میں مشغول ہوگئے۔ خندق کے گرد لکڑی۔ پتھر وغیرہ کا ایک حصار کھڑا کرلیا۔ نقب زنوں نے انتہائی مستعدی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ قلعہ سے قارورہای نفط اور پتھروں کی بارش ہونے لگی اور تیر وناوک مینہ کی طرح برسنے لگے۔ لیکن ان جوانوں نے مطلق پروا نہیں کی۔ سپریں سر پر لے کر آگے بڑھتے اور نقبوں کی جگہ مقرر کرتے اور منجنیقیں لگا کر سنگباری کرتے جس سے قلعہ والے ہلاک اور عمارتیں تباہ ہوتیں۔ جب نقبیں طیار ہوچکیں۔ صاحبقران نے آتش زنی کا حکم دیا۔ پہلے قلعہ کے مغربی برج میں آگ دی جس سے برج زمین پر آرہا اور دیوار میں بہت بڑا شگاف پیدا ہوگیا۔ حملہ آور اس شگاف کے راستے سے دھاوا کرنا چاہتے تھے۔ کہ اتنے میں نصف دیوار اور گر گئی۔ جس سے گرد کے دل بادل نمودار ہوگئے۔ حملہ رک گیا۔ اہل قلعہ نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر رخنہ کو بند کر دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ

دوسری نقبوں میں آگ لگائی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سمت کی دیوار منہدم ہوگئی۔ محصورین اس قدر خائف ہوئے کہ قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر آگئے اور امان مانگ لی اس کے بعد باقی سرنگوں میں بھی آگ لگادی۔ اور دمشق کا عظیم الشان قلعہ تودۂ خاک بن گیا۔ تباہی دمشق ۸۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ ذیل میں نظام الدین شامی کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے:۔

"قلعۂ بود در غایت حصانت و نہایت استواری۔ بنای وی از زیر تا بالا بسنگہای عظیم برآوردہ و بغایت بلند و اعتمادی ساختہ و خندقی فراخ گرد وی در غور سی گز و عرض بیست گز تخمیناً . . . حکم نافذ شد تا امیرزادہ امیر انشاہ بہادر و امیرزادہ شاہرخ بہادر و امیرزادہ سلطان حسین بہادر و امیرزادہ پیر محمد بہادر و امیرزادہ خلیل سلطان بہادر و از امرای بزرگ امیر شیخ نورالدین و امیر شاہملک و برندوق و علی سلطان پیر امون قلعہ بنوبتی کہ مقرر ست فرود آمدند و سرکارہا تعیین کردہ بنقب زدن و منجنیق ساختن مشغول شدند و از چوب و سنگ و تورہا حصار گرد خندق برآوردند۔ عملہ و چاخورگان بحدی کہ بالاتر ازان تصور نتوان کرد بکار مشغول شدند و ہر چند از بالای قلعہ قارورہا نفط و سنگ می انداختند و تیر و ناوک بر مثال باران می بارید ند۔ این امرای نامدار و جوانان کارزار ازان باک نداشتند و تورہا در سر کشیدہ پیش می رفتند و سرہای نقب تعبیین می کردند و منجنیقہا از اطراف برپا کردہ بہر یک سنگ کہ از کفۂ منجنیق روانہ می شد خلقی ہلاک می گشت یا عمارتی خراب می شد . . . سلطان حسین بہادر و التون بخشی کہ بر جانب برج غربی قلعہ بودند عملہ را فرمودند تا آتش در انداختند۔ برجی عظیم از قلعۂ دمشق فرود افتاد و راہی بزرگ در حصار پدید آمد۔ بہادران لشکر خواستند کہ در حصار در آیند ناگاہ نیمۂ دیگر از دیوار بیفتاد و گرد و غباری عظیم برآمد و لشکریان باز نشستند۔ اہل قلعہ فرصت دیدند و آن رخنہ را باز محکم گردانیدند . . . . باز امیر صاحبقران

فرمودتا در نقبہا آتش اندازند۔ چنان کردند۔ یک طرف حصار بیکبار فرود آمد۔ امراو بزرگان قلعہ از سر ضرورت بیرون آمدند و در مقام انقیاد و فرمان برداری دروازہ کشادند وکلید ہا پیش آوردند۔ . . . . . و در باقی نقبہا کہ ماندہ بود ہم آتش انداختند تا قلعہ بدان عظیمی چنان خراب شد کہ اثری ازان باقی نماند" (ظفرنامہ ص۳۲-۲۳۷)

گذشتہ بیانات سے ضرورت سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ نقب زنی کے وقت مغولی اور تیموری عساکر صرف آگ اور نفط سے کام لینا جانتے ہیں۔ اگر ان کو بارود کی نفوذی طاقت اور اسکی شدت استعداد کا علم ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس مصالحہ سے کام نہیں لیتے۔ بارود اگرچہ تیمور کے عہد سے ایک صدی قبل سے رائج ہے مگر افادی لحاظ سے اس قدر طاقتور نہیں کہ نقب زنی میں نفط کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لے ۔

تیمور کو خال خال موقعوں پر آتشبار آلات سے سابقہ پڑا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نہایت ابتدائی حالت میں ہیں اور کسی قابل لحاظ نتیجہ کے مورث نہیں اس کے مؤرخ ان کو لعب یا کھلونے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان وہ مقام ہے جہاں ان آلات کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ لیکن اس کے متعلق آئندہ دوسرا موقع دمشق میں پیش آتا ہے اور اس کا قصہ یہ ہے :۔

امیر تیمور دمشق کے محاصرے کے وقت جب بار دوم اپنا ایلچی بھیجتا ہے۔ برخلاف اول دمشقی ایلچی کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں۔ اس ملک میں آتش بازی اور رعد اندازی کا بہت رواج تھا۔ ایلچی کو مرعوب کرنے کے لئے آتش بازوں کی جماعت اس کے سامنے لائی گئی۔ تیمور کے درباری مؤرخ نظام الدین شامی لکھتے ہیں :۔

" بخلاف گذشتہ مقدم ایلچی را باعزاز پیش آمدند و مراسم تعظیم و بزرگ داشت بجا آوردند و درین میانہ رعد اندازان و چرخ کشایان و ناوک زنان و آنچہ ازین جنس

مردم باشد بروعرض سیکردند ونمی دانستند کہ ازین قبیل بیشتر ازدہ ہزار مرد کار آزمودہ درار دوی امیر صاحبقران ہستند" (ص ۴۳۱ ظفر نامہ جلد اول)

شرف الدین یزدی اسی واقعہ کے ذکر میں یوں رقم پرداز ہیں :-

"چون فرستادہ بایشان رسید برخلاف گذشتہ مقدم او را باعزاز واکرام پیش آمدند ومراسم ترحیب وتعظیم بجای آوردند وچون دران دیار آتش بازی ورعداندازی بسیار می ورزند وآنرا پیش ایشان وقعی ہست غلبہ ازان طائفہ مردم رامجمع آوردند ودرنظر او میگذرانیدند وآن را اظہار قوتی وشوکتی تصور می کردند"۔ (ظفر نامہ جلد دوم ص ۳۱۶)

یہی موقعہ مطلع السعدین میں یوں مرقوم ہوا ہے :-

"دمشقیان فرستادہ را بخلاف گذشتہ معزز داشتہ مراسم اکرام وشرائط احترام بجای آوردند وجماعت آتشبازان ورعداندازان وچرخ کشایان وناوک زنان کہ پیش ایشان قدری دارد واین لعب را دران دیار می ورزند برایلچی عرض کردند وندانستند کہ ازین قماش بیشتر ازدہ ہزار مردان کار آزمودہ جنگہا دیدہ درار دوی ہمایون بودند" ص ۷۸۴

ان عبارتوں میں آتشباز سے متصد آتشبازی بنانے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص جو آلات آتش فشان سے جنگ کرے اس میں شک نہیں کہ توپ و بندوق مراقش اور ہسپانیہ سے جوان کی ولادت گاہ ہیں نکل کر مشرق ومغرب میں رواج پاتی ہیں اور مصر اور شام مشرقی ممالک کے مقابلے میں ان سے پہلے واقف ہو چکے ہیں۔ مگر تیمور کے مورخوں کا یہ دعوے کہ دس ہزار سے زیادہ آتش باز تیمور کی فوجوں میں تھے ہمیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی تاریخ میں اس جماعت کا ذکر صرف گنتی کے چند مقامات پر آتا ہے اور وہ بھی زیادہ تر دوسروں کے تعلق میں۔ اس میں شک نہیں کہ تیمور کی جنگوں کے دوران میں ایک نئے آلے

رُعد کا ذکر آتا ہے۔ یہ نام نظام الدین کے ظفرنامہ میں جو بحکم تیمور ۸۰۴ھ میں تصنیف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ملتا ہے۔ اس کے چلانے والے کو 'رعد انداز' بیان کیا گیا ہے۔ شرف الدین کے ظفرنامہ میں "کمان رعد" بھی آیا ہے۔ رعد جیسا کہ اس کے تسمیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کوئی بلند آواز آلہ یا گولہ ہے۔ اور یقیناً تازہ ایجاد ہے۔ کیونکہ تیمور سے قبل تاریخوں میں اس کا مذکور نہیں آتا۔ نظام الدین شامی کے ہاں صرف تین چار جگہ ملتا ہے۔ شرف الدین کے ہاں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ ممکن ہے کہ رعد آتشی آلہ ہو مگر ان مورخین نے اس کے متعلق کوئی تصریح یا اشارہ نہیں کیا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ وہ قلعہ شکن آلہ ہے کیونکہ عرادے اور منجنیق کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر آتا ہے۔ اہل لغت رعد کا ترجمہ توپ کرتے ہیں۔ لیکن تیموری مؤرخین کے بیانات سے اس قول کی کوئی تائید یا تردید نہیں ہوتی البتہ مطلع السعدین کے ایک جملہ سے جو سلطان بایزید کے ساتھ جنگ کے موقعہ پر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کمان رعد کوئی آتشبار آلہ ہے۔ چنانچہ

"وچند زنجیر فیل دمان کہ از غنایم ہندوستان بر درگاہ بادشاہ جہان ستان بود . . . . ہمہ بسلاحہا و جیبہا آراستہ، تیر اندازان و آتش بازان بر بالای آن دست بہ تیر ناوک و کمان رعد کشودہ در آثار جلاوت کمال شجاعت نمودہ"۔

(صـ ۸۴۴ ۔ مخطوطہ)

اس فقرے میں کمان رعد کا تعلق صریحاً آتشبازان کے ساتھ ہے۔ مگر تیمور کے قدیم اور معتبر مورخ نظام الدین شامی کے ہاں یہی فقرہ دراصل یوں ہے۔

"وچند زنجیر فیل دمان کہ بسر خرطوم دمار از ببر بیان برآورد ندی و دندان کینہ بر سینہ دشمن رسانیدندی بسلاحہا و جیبہا آراستہ و تیر اندازان و آتشبازان بر بالای آن دست بہ تیر و ناوک و نفط اندازی کشودہ"۔ (صـ ۲۵۵ ظفرنامہ)

شرف الدین کے ظفرنامہ سے نظام الدین کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ :۔

"وچند زنجیر فیل شکوہ مند کوہ مانند کہ از بقیہ غنائم ہندوستان بار دوی ظفر مکان بودند ہمہ را بجیم انداختہ و با اسلحہ و اسباب جنگ مکمل ساختہ و بر بالای ہر یکی کماندارلان حکم انداز و نفط اندازان آتش باز جنگ را آمادہ گشتہ"۔ (ظفرنامہ صہ ۴۲۶)

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ اصل جملے میں نفط انداز تھا۔ جسے صاحب مطلع السعدین نے کمان رعد کے ساتھ بدل دیا اور اس طرح ہم ایک ایسی مثال سے جو کمان رعد کو آتشی آلہ ثابت کرتی تھی محروم ہو گئے۔

یہاں وہ جملے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں نظام الدین شامی نے لفظ رعد استعمال کیا ہے۔

"(تسخیر قلعہ اونیک) امیر صاحبقران فرمود تا منجنیقہا ترتیب کنند و رعدو عرادہ و تیر چرخ آمادہ گردانند۔ چنان کردند" (صہ ۵۵ ظفرنامہ)

"(شہر دمشق) اما امراد لشکریان کہ در قلعہ بودند بحصانت آن استظہار نمودہ مخالفت می ورزیدند و رعدو ناوک و منجنیق و عرادہ کار می فرمودند و نیز می انداختند"
(صہ ۲۳۴ ظفرنامہ ۱۹۳۷ء)

ان فقروں سے تو واضح نہیں ہوتا۔ کہ رعد کوئی آتشیں آلہ ہے۔ بدقسمتی سے اس تفتیش میں شرف الدین بھی ہماری کوئی امداد نہیں کرتا۔ اس نے اپنے ظفرنامہ میں جو ۸۲۸ھ میں شاہرخ میرزا کے حکم سے تالیف کیا ہے۔ متعدد موقعوں پر رعد اور رعد اندازوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس کی اطلاع بھی نظام الدین کی طرح مبہم ہے۔ بلکہ ایک فقرہ سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کمان رعد منجنیق کی طرح کوئی آلہ ہے جس سے پھینکنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے مجھے ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہیئے جو تیمور کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے :۔

ازمیر سمندر کے کنارے ایک قلعہ تھا جس پر فرنگی قابض تھے جب تیمور فتح روم سے فارغ ہوکر اس طرف پہنچا۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کے جور و تعدی کی شکایت اس سے کی۔ امیر نے قلعہ کا محاصرہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ قلعہ والوں کی امداد کے لئے ایک بڑا جہاز سمندر میں آیا۔ ازمیر اس وقت تک مفتوح ہو چکا تھا۔ تیمور نے اہل جہاز کی تخویف کے لئے حکم دیا کہ مقتولین کے سر کمان رعد میں رکھ کر جہاز میں پھینکے جائیں۔ تاکہ اہل جہاز کو ان کا انجام معلوم ہوجائے۔ شرف الدین لکھتا ہے :-

"اشارت علیہ صدور یافت کہ از سرہای گیران کہ بر تیغ غزا از تن جدا شدہ چندی بکمان رعد سوی کشتی اندازند و رعد اندازان سری چند بجانب ایشان انداختند و بعضی در کشتی افتاد و چون آن کوردلان بچشم سر سر ہمچشمان خود مشاہدہ کردند خایف و خاسر باز گشتند۔" (ص ۴۷۲ جلد دوم)

لیکن مجموعۃ الصنائع کے بیان سے جو اس عہد سے بہت بعد کی تصنیف ہے

لہ مصنف کا نام میر یحییٰ بتایا جاتا ہے (فہرست انڈیا آفس) بعض حکیم نیلسن فرنگی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں۔ فہرست اسٹورٹ میں زین العابدین مرقوم ہے۔ زمانۂ تصنیف نامعلوم ہے۔ مگر اس کا ترکی ترجمہ ۱۰۶۵ھ کا نوشتہ (فہرست ویانا جلد دوم ص ۵۲۵) موجود ہے۔ مجموعۃ الصنائع کا ایک نسخہ ۱۰۳۳ھ کی کتابت کتاب خانۂ بودلی میں محفوظ ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر دسویں ہجری کی تالیف ہو۔ کتاب اگرچہ ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے۔ مگر اس کے آخذ قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بارود کو داروی کمان لکھا ہے۔ آتشبازجن سے بعض نسخے منقول ہیں زیادہ تر مصری۔ شامی۔ بغدادی اور خوارزمی ہیں۔ علیٰ ہذا آتشبازی کی اصطلاحیں قدیم معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً غوطہ خورک۔ زرجک۔ موشک۔ زنبورک گردانک۔ خرک۔ گردانک۔ ریسمانک۔ اور طوطک اندر قفس وغیرہ ان کے علاوہ انگ اور مشعال میں دینا بھی اسی عقیدہ کا مؤید ہے۔

اور ہندوستان میں لکھی جاتی ہے۔ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کمان رعد یقیناً کوئی آتشیں آلہ ہے۔ جس میں فتیلہ کے ذریعہ آگ دی جاتی ہے۔ اور گولی یا گولے پھینکے جاتے ہیں۔ یہ تو بندوق یا توپ کا حلیہ ہے۔ اس رسالہ کا نامعلوم مصنف روغن اسکندری کے پھینکنے کی ترکیب بتاتے ہوئے جو شدید قسم کا آتشگیر ہے اور جس سے دشمن کے قلعہ اور شہر کو آگ لگائی جاسکتی ہے اور کسی طرح بجھائی نہیں جاسکتی تحریر کرتا ہے۔

" در تعبیہ کردن روغن اسکندری کہ آتش در قلعہا و شہرہا [انگیزد] ۔ بیارند آہن و از و غلولہ سازند گرد کہ میان او خالی بود کہ مقدار دو سہ درم ازین روغن یا بیشتر دران گنجد و سوراخی درین غلولہ باشد بقدر آنکہ روغن مذکور در و پُر کردہ فتیلۂ نیز دران سوراخ رود و نی غلولہ بغایت استوار باشد چنانکہ آزادر کمان رعد نہند و فتیلۂ نیز درمیان سوراخ غلولہ نہند و سوراخ رعد را فتیلہ نہند و روی بشہر دشمن کنند و آتش در فتیلۂ رعد زنند۔ بمجرد رسیدن غلولہ دران قلاع آتش در اندرون بروغن غلولہ رسیدہ باشد و آن روغنہا بر غلولہ آلودہ شود . . . . و شہر دشمنان سوختہ شود" (صہ ۴۸) ؛

روغن اسکندری وہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے انگریز یونانی آگ (گریک فائر) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عربوں کے حملۂ قسطنطنیہ کے وقت رومیوں نے یونانی آگ کے ذریعہ سے کامیاب مدافعت کی ہے۔ قیاصرۂ روم جو نسخہ استعمال کرتے تھے۔ باوجود تلاش کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ وہ گویا ان کا قومی راز تھا۔ ایک مصنف کی رائے میں یونانی آگ کے اجزا یہ تھے :۔ صنوبر کا پسا ہوا گوند۔ گندھک اور نفط۔ فرائر بیکن صرف دو اجزا بتاتا ہے :۔ شورہ اور گندھک۔ ایک اور مصنف کی رائے ہے :۔ بید کا کوئلہ۔ نمک۔ گندھک۔ رال۔ لوبان کافور اور حبشہ کی لون جن کو ملا کر ابالا جاتا ہے۔ رینو اور فادے کی تحقیقات کی رو سے یہ مادہ محرقہ ایک

مرکب تھا ۔ گندھک اور گوند اور چربی کی قسم کی جلنے والی اشیا کا ۔

صاحب مجموعۃ الصنائع کے نزدیک روغن اسکندری کے اجزا یہ ہیں ۔ نفط فارسی ۔ سندروس ۔ طلق مکلس ۔ روغن نی ۔ سب کو لے کر ایک دیگچی میں رکھ کر جس کا منہ خام کر دیا جاتا ہے ۔ دو دن برابر گرم تنور میں رکھا جاتا ہے ۔ پھر بھٹی کی آگ میں دن بھر پکایا جاتا ہے ۔ ہفتہ بھر پڑا رہنے کے بعد دیگچی کا منہ کھول لیتے ہیں اور روغن قابل استعمال ہو جاتا ہے ۔ مصنف کا دعوے ہے کہ اس روغن کے دو درم دشمن کا شہر پھونک دینے کے لئے کافی ہیں ۔ آگ کو جس قدر بجھانے کی کوشش کی جائے گی ۔ اتنی ہی بھڑکے گی ۔

محمود شیرانی

نذیر احمد کے قصّے

مولانا نذیر احمد[1] اگرچہ ایک اعلےٰ درجہ کے زبان دان - مترجم، مقرر اور عالم تھے - اور ان کی دینی اور مذہبی تصانیف اور قانونی کتابوں کے ترجموں کی ایک دنیا میں دھوم ہے - لیکن ہم انہیں سب سے زیادہ قصہ نویس کی حیثیت سے جانتے ہیں یہی وجہ ہے ہم سب سے نمایاں جگہ ان کے ناولوں کے ذکر ہی کو دینا چاہتے ہیں ؛

۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت کی قدیم تعلیمی پالیسی کے ماتحت ایک مدرسہ دھلی کالج کے نام سے جاری ہوا - جس کی تربیت اور تعلیم کے دوررس نتائج کا ایک زبردست مظہر یہ بھی تھا - کہ اس کے آغوش میں تربیت پاکر نکلنے والے نوجوانوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہیں دنیائے ادب میں آج شہرت دوام حاصل ہے " یہی وہ پہلی درسگاہ تھی - جہاں مشرق و مغرب کا سنگم قایم ہؤا - ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا - اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے میں معلومات کے اضافہ کرنے اور ذوق کی اصلاح میں جادو کا سا کام کیا - اور ایک نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی - اور ایک نئی جماعت ایسی پیدا کی - جس میں سے ایسے پختہ اور روشن خیال اور بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور ہماری سوسائٹی پر ہمیشہ رہے گا[2] ؛

---

[1] مرحوم دہلی کالج از مولانا عبدالحق ص ۱۶۹ [2] اس مضمون میں جناب علی عباس حسینی کے ان مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے جو انہوں نے رسالہ جامعہ ۱۹۳۳ء (جنوری - فروری اور اپریل) میں تحریر فرمائے ؛

انہی روشن خیال اور بالغ نظر بزرگوں میں ایک مولانا نذیر احمد بھی تھے جنہوں نے اگرچہ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی سے حاصل کی تھی اور اسکے بعد بعض دیگر اساتذہ مثلاً مولوی نصر اللہ خان اور مولوی عبدالخالق صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ لیکن حق یہ ہے۔ کہ دہلی کالج کی تعلیم نے انہیں بالکل ایک نئی دنیا سے روشناس کیا۔ اور وہیں انہوں نے مغرب سے آئے ہوئے علوم و فنون کی سپرٹ اور روح سے یک گونہ واقفیت حاصل کی ؛

نذیر احمد خود کہتے ہیں۔ کہ "اگر میں نے کالج میں نہ پڑھا ہوتا۔ تو میں بتاؤں مَیں کیا ہوتا ؟ مولوی ہوتا تنگ خیال، متعصب، اکہل کہرا، اپنے نفس کے احتساب سے فارغ، دوسروں کے عیوب کا متجسس، برخود غلط . . . مسلمانوں کا نادان دوست، تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا بہرا" یہ اسی کالج کی تعلیم تھی۔ جس نے "معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی، ٹالرنیشن (درگذر) گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی، اجتہاد علی بصیرۃ۔ جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں"۔ نذیر احمد کے دل و دماغ میں بھر دی۔ وہ ۱۸۴۵ء میں کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۵۴ء میں فارغ التحصیل ہو کر نکل آئے ؛

یہاں یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ مولانا کو اپنے زمانہ تعلیم میں ریاضی اور تاریخ سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ جس کا سبب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قدرت نے انہیں ادب اور دینیات کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیش بہا دینی تصانیف کے ذریعے یہ گرانقدر فرض باحسن وجوہ انجام بھی دیا !

اس زمانے میں اگرچہ نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن اس صدی کے عام خیال کے ماتحت انہیں والد کی طرف سے انگریزی پڑھنے کی اجازت

---

[1] حیاۃ النذیر۔ ص ۳۴

نہیں ملی۔ اور یہ کمی انہوں نے بہت بعد میں اپنے زمانۂ ملازمت میں پوری کی۔ تاریخ اور ریاضی کے متعلق انہیں جو بیگانگی تھی۔ اس کا سبب، بقول ان کے یہ بھی تھا کہ "انسان کی طبیعت واقع ہوئی ہے کنسرویٹو اور میری طبیعت میں اس کا عنصر زیادہ ہے۔ سائنس نے جو میرے مذہبی خیالات پر حملہ کرنا شروع کیا۔ سائنس میں تو دخل کرنے کو طبیعت نے گوارا نہ کیا"۔[1]

یہ سچ ہے کہ نذیر احمد کی تعلیم پرانے سرّوجہ نصاب میں ہوئی۔ اور انہوں نے انگریزی وغیرہ کی طرف شروع میں توجہ نہ کی۔ تاہم جدید خیالات اور تصورات کے خلاف انہیں وہ تعصب نہ رہا۔ قدیم طرز میں انہوں نے اعتدال پیدا کر لیا اور جدید طرز کے متعلق اپنے دل اور ضمیر کو دشمنی سے پاک رکھا۔ یہی وہ امتزاج اور توسط ہے جو ہمیں نذیر احمد کے مذہبی اور سیاسی رجحانات میں ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ابھی انگریزی تہذیب اور تعلیم یا جدید ذہنی انقلاب کی ابتدا تھی۔ تاہم دلوں میں قدیم خیالات کے خلاف ایک غیر اختیاری تحریک کا آغاز خود بخود ہو چکا تھا یہ سرسید احمد خان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس تحریک میں اپنی دلیری اور جرأت اور جوش عمل کے ساتھ ایک زندگی پیدا کر دی۔ غرض جو خیالات پوشیدہ طور پر یا پرائیویٹ حیثیت سے لوگوں میں پھیل چکے تھے۔ سرسید کی ہنگامہ خیز شخصیت نے انہیں منظم کر دیا اور ان کے اعلان اور افشا میں جھجک نہ رہی۔

نذیر احمد خان، اپنے زمانۂ ملازمت میں سرسید سے متعارف ہوئے اور یہ دوستی کا سلسلہ مرتے دم تک قایم رہا۔ حیدرآباد سے پنشن لے لینے کے بعد سید صاحب کی تعلیمی تحریک میں نذیر احمد ایک مخلص اور پرجوش سپاہی کی طرح کام کرتے رہے وہ خود ایک جگہ کہتے ہیں۔ "میں نے آج تک اُن کی (سرسید کی) دعوت کو رد نہیں کیا۔

---

[1] حیاۃ النذیر ص ۲۴۔

اور کروں گا بھی نہیں انشاء اللہ"۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ "اگر مجھ کو پیر کی تلاش بھی ہوتی تو میں ضرور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا"۔[1]

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نذیر احمد پر سرسید کا اگر کچھ اثر پڑتا تو وہ براہ راست نہ تھا۔ بلکہ بالواسطہ تھا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت سی تحریک محکمۂ تعلیم کی ملازمت کی وجہ سے ہوئی اور مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا میلان دہلی کالج کے ماحول اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ مذہبی خیالات میں نذیر احمد اگرچہ پرانے علما کی نظر میں بہت آزاد سمجھے جاتے تھے۔ لیکن سرسید کے نظریات کے متعلق نذیر احمد کو بہت کچھ اختلاف تھا۔ نذیر احمد کے خیال میں سرسید قومی خیر خواہی کے نشے میں سرشار تھے۔ لیکن "افراط ہر ایک چیز میں مذموم ہے۔ پس میرے (نذیر احمد خان کے) نزدیک سرسید احمد خان میں عیب ہے تو یہ ہے"۔[2]

مولانا نذیر احمد کی ملازمت کے حالات اور دیگر سوانح کے لئے یہ جگہ موزوں نہیں۔ مختصراً یہ کہ انہیں سب سے پہلے گجرات (پنجاب) میں معمولی سی ملازمت ملی۔ پھر اپنے صوبہ میں کانپور میں ایک اسامی مل گئی۔ یہ ملازمت محکمۂ تعلیم کی تھی۔ پھر الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹری پر تقرر ہوا۔ اس اثنا میں مولانا نے بعض قانون کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ جن کا ذکر اپنے مناسب مقام پر کئے گا۔ اس خدمت کے صلے میں انہیں تحصیلداری کا عہدہ ملا۔ یہاں سے ترقی کر کے کلکٹری پر مامور ہوئے۔ اس حیثیت میں وہ پہلے ضلع جالون، پھر گورکھپور، اور بالآخر اعظم گڈھ میں رہے۔

حیدرآباد، دہلی اور لکھنؤ کے بعد مسلمانان ہند کا سب سے بڑا سیاسی اور تہذیبی مرکز تھا۔ جب دہلی اور لکھنؤ کی شان و شوکت میں زوال آگیا اور ان

---

[1] حیاۃ النذیر۔ ص ۴۴۱۔ [2] حیاۃ النذیر۔ ص ۵۳۴۔

دور اجد ھانیوں میں جب اہل علم و فضل کی کشش کا سامان باقی نہ رہا۔ تو یہی مرکزیت اور تسخیر حیدرآباد کو نصیب ہوئی۔ جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس میں ہم قدم قدم پر دیکھتے ہیں۔ کہ جنوبی ہندوستان کے اس دارالخلافہ میں ملک کی نامور ترین ہستیوں نے سلک خدمت میں منسلک ہوکر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ سرسید۔ محسن الملک، وقار الملک، شبلی اور دیگر کئی اکابر کا حال قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ اسی صف میں مولانا نذیر احمد کا شمار بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۷۱ء میں پہلے اپنی سابقہ ملازمت سے رخصت لے کر عارضی طور پر حیدرآباد میں کام شروع کیا اور بعد میں مستقلاً وہاں ہی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مستعفی ہوکر پنشن یاب ہوئے اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی۔

مدت ملازمت میں ہم انہیں مختلف زمانوں میں دہلی، الہ آباد اور حیدرآباد میں تصنیف و تالیف میں مصروف پاتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے بہت سے کام محکمہ تعلیم اور محکمہ مال کے ملازم اور عہدہ دار کی حیثیت سے انجام دیئے۔ چنانچہ ان کے بعض قصے اور قانونی کتابوں کے ترجمے بہت حد تک اسی محکمانہ تعلق کا نتیجہ ہیں۔

مولانا نذیر احمد اگرچہ زیادہ تر اپنے قصوں اور ترجمۃ القرآن کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف انہی کمالات سے بہرہ ور نہ تھے۔ بلکہ وہ ایک بے نظیر مصنف ہونے کے علاوہ ایک زبردست مقرر بھی تھے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ایام میں قانونی کتابوں کے جو بے نظیر اور فاضلانہ ترجمے کئے، ان کا جواب آج تک کسی سے نہیں بن پڑا۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کے کلام میں شاعری کا عنصر کم تھا۔ تاہم باقی فضائل کے ساتھ ساتھ اس وصف کا ہونا ہی سلامت طبع کی دلیل ہے۔ انہیں جس قدر تاریخ اور ریاضی سے بُعد تھا

اتنا ہی ادب اور زباندانی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے ابتدائی ایام میں انگریزی سیکھی اور کچھ مشق کے بعد اس میں اچھا خاصہ کمال حاصل کرلیا۔ اسی طرح انہیں تلنگی اور سنسکرت سے بھی واقفیت تھی جس سے انکے زبان دان اور فاضل ہونے کا ثبوت ملتا ہے ؛

مولانا کی تصنیف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب وہ ضلع جالون میں تھے اس کے بعد انہوں نے آخر عمر تک مسلسل کتابیں لکھیں۔ جو کم و بیش ان چار مضامین سے متعلق ہیں ؛-

(۱) بچوں کے لئے درسی کتابیں [1] ؛

(۲) مذہب اور دینیات ؛

(۳) قانونی کتابیں جو تمام تر ترجمہ ہیں ؛

(۴) ناول یا قصے ؛

اس موقعہ پر ہم صرف ان کے ناولوں یا قصوں کا ذکر کرتے ہیں جن پر زیادہ تر اُن کی شہرت کا دارومدار ہے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) مرآۃ العروس ۱۸۶۹ء (۲) بنات النعش ۱۸۷۲ء

(۳) توبۃ النصوح (اعظم گڈھ ۱۸۸۸ء) (۴) ابن الوقت (۱۸۸۸ء)

(۵) فسانۂ مبتلا (۱۸۸۵ء) (۶) ایامیٰ -

(۷) رویائے صادقہ ؛

مرآۃ العروس :- مولانا عبدالحق ایک جگہ لکھتے ہیں "مرحوم اگر مرآۃ العروس کے سوا کوئی کتاب نہ لکھتے۔ تو بھی وہ اُردو کے باکمال انشاپرداز مانے جاتے" [2]

---

[1] نمبر ۱ تا ۳ کا حال مناسب مقام پر درج ہوگا۔ وہ کتابیں جو ان عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔ یہاں محض اسلئے تذکرہ درج کی جاتی ہیں ؛

[2] حیاۃ النذیر۔ دیباچہ۔ ص ۲ ؛

اور ہمیں اس قول کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ مولانا نے یہ کتاب اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ محکمۂ تعلیم کی ملازمت نے انہیں بچوں کی ضروریات سے بخوبی باخبر کر دیا تھا۔ جب ان کے بچے پڑھنے پڑھانے کے قابل ہوئے۔ تو انہیں محسوس ہوا۔ کہ لڑکیوں کی مناسب تعلیم کے لئے کوئی کتاب موجود نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مرآۃ العروس کی تصنیف شروع کی جس کا سلسلہ مسلسل اور بیک دفعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ کتاب سبقاً سبقاً تصنیف کی جاتی تھی۔ اور پڑھا دی جاتی تھی ؛

یہ کتاب انہوں نے بڑی لڑکی کے لئے لکھی تھی۔ جب اس کی شادی ہوئی۔ تو یہی کتاب اسکے جہیز میں دے دی۔ مولانا کی یہ پہلی تصنیف ہے جسے حکومت اور ملک کی طرف سے حسن قبول عطا ہوا ؛

مرآۃ العروس کا دوسرا نام "اصغری اکبری" بھی ہے۔ دراصل یہ دو بہنوں کا قصہ ہے۔ اکبری بڑی بہن، اصغری چھوٹی بہن، وہ ایک ہی گھر میں محمد عاقل اور محمد کامل دو بھائیوں سے بیاہی گئیں۔ اکبری حد درجہ تنک مزاج، بدطبیعت اور متکبر، شادی کے بہت جلد بعد اپنے شوہر کو ماں سے الگ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور بالآخر نہایت خوفناک انجام ہوتا ہے۔ لیکن چھوٹی بہن اصغری، اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اپنی خوش اخلاقی سے تمام گھر والوں کو اپنا بنا لیتی ہے۔ اسکا اصول اولین خدمت، ایثار اور قربانی ہے اور اسی جادو سے وہ سب کو رام کرتی ہے۔ وہ جو کام کرتی ہے۔ اس میں شوہر کی خیر خواہی اور بہتری کا خیال مدنظر ہوتا ہے وہ اپنی راحت، اپنی خوشی، اپنا آرام سب اپنے خاوند پر قربان کر دیتی ہے۔ اکبری کیوں ایسی بدمزاج ہوئی؟ اس کا جواب صرف یہی دیا گیا ہے۔ کہ "جو لڑکیاں چھٹپن میں لاڈ پیار میں رہا کرتی ہیں اور ہنر اور سلیقے نہیں سیکھتیں۔ یونہی اکبری کی طرح

رنج و تکلیف اٹھائی ہیں۔ اکبری کو ماں اور نانی کے لاڈ پیار نے کیسی مصیبت میں رکھا لڑکپن میں نہ تو کوئی ہنر سیکھا اور نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی"۔

غرض اکبری بچپن کے لاڈ پیار اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے ایک وبال ثابت ہوئی۔ لیکن اصغری کی تربیت عمدہ ہوئی۔ اگرچہ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ اصغری کو وہ کونسا نیا ماحول ملا۔ جس میں اس نے اکبری سے بہتر قسم کی تربیت حاصل کی۔ تاہم یہ واقعہ ہے۔ کہ اصغری نے بچپن کے حسن تربیت اور تعلیم کے طفیل وہ ہنر اور کمال حاصل کئے۔ کہ آج تک اصغری کا کیریکٹر مصنف نسواں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے۔

"یہ لڑکی گھر میں ایسی تھی۔ جیسے باغ میں پھول، یا آدمی کے جسم میں آنکھ، ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طرح کا سلیقہ اس کو حاصل تھا، عقل، ہنر، حیا، لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن میں اس کو کھیل کود، ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا"۔

مولانا نے اصغری کے رنگ میں تمام طبقہ نسواں کے سامنے ایک تعلیمی پروگرام رکھا ہے۔ اور تدبیر منزل کے جملہ اصول اس کی زبان سے بیان کر دیئے ہیں مرد اور عورت، خاوند اور بیوی کے باہمی فطری تعلقات اور قدرتی وظائف کے متعلق نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دلائل دیئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے۔ کہ کس طرح ایک تعلیمیافتہ اور دیندار بیوی اپنے شوہر کے سود و بہبود کا خیال رکھ سکتی ہے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں"۔ جب مراۃ العروس پہلی دفعہ چھپ کر شائع ہوئی۔ تو جو نقشہ اس میں عورتوں کی اخلاقی حالت کا کھینچا گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر سرسید کو بہت رنج ہوا تھا۔ اور وہ اس کو مسلمان شرفا کی زنانہ سوسائٹی کے حق میں ایک اتہام خیال کرتے تھے

واقعہ یہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں جہاں ایک طرف عورتوں کی تعلیم اور دینداری پر زور دیا گیا ہے۔ وہاں اس زمانے کی عورتوں کی جہالت کا خوفناک نقشہ بھی کھینچا ہے۔ جو غالباً اصلاحی آواز کو مؤثر بنانے کے لئے کسی قدر مبالغہ سے خالی نہیں۔ سچ تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں مسلمان عورتوں میں اتنی جہالت نہ تھی جتنی کہ اس میں ظاہر کی گئی ہے ؛

کیریکٹر مولانا نے اصغری کو تمام اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور اچھی صفات کا پیکر بنایا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ کہیں اسے "عورت" نہیں بنایا۔ وہ متین، خاموش، معاملہ فہم، سلیم المزاج، ایثار پیشہ لڑکی ہے۔ جسے بچپن میں سوائے پڑھنے اور گھر کے کام کے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں۔ اور شادی ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کی خدمت گمگساری اور خیر اندیشی سے فرصت نہیں۔ وہ ہر دور اور ہر زمانہ میں معقول اور متین نظر آتی ہے۔ بچپن میں جب ہنسنا کھیلنا چاہیئے تھا۔ اسے کھیل کود سے نفرت ہے جوان ہو کر جب اس کے سینے میں جذبات شباب کا ایک طوفان موجزن ہوتا۔ وہ ضبط اور پابندی کی ایک دیوار نظر آتی ہے۔ جس تک محبت و عشق کی کبھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے، وہ اس عام فطری جذبہ سے متاثر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا اظہار کسی طریق پر نہیں ہوتا ؛

اس میں شک نہیں کہ مولانا نے جس سوسائٹی کی عورت کی تصویر کھینچی ہے، اس میں عورت کی طرف سے ان جذبات کے اظہار کو معیوب خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت نگاری کا فرض اس امر کا متقاضی ہے۔ کہ قصہ نویس عورت کے اس قدرتی امتیاز کا اظہار ضرور کرتا خواہ وہ کنایہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت خواہ وہ دنیا کی کسی سوسائٹی کی معاشرت سے تعلق رکھتی ہو اپنے سینے میں دل رکھتی ہے اور دل میں محبت کا احساس! یہ ہو سکتا ہے کہ اسے اظہار کی اجازت

نہ ہو۔ لیکن یہ احساس موجود ضرور ہوتا ہے۔ پس جو چیز موجود ہے اور خصوصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا ذکر نہ کرنا حقیقت نگاری کے خلاف ہے ؛

اصغری کے کیریکٹر میں ایک خاص بات یہ ہے۔ کہ وہ بدو شعور سے لے کر آخر تک معقول اور پختہ کار نظر آتی ہے۔ اور انسانی تجربہ کی تبدیلیاں جو حیات بشری کا لازمہ ہیں۔ مطلق محسوس نہیں ہوتیں۔ بظاہر عمر کے ساتھ ساتھ اس کے اطوار و حرکات میں ایک خفیف سا تغیر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی اور نفسی لحاظ سے وہ جس طرح بچپن میں تھی۔ اسی طرح تیرہ برس کی عمر میں بھی تھی۔ یہی حال ادھیڑ عمر بلکہ پیری تک رہا۔ ہمارے خیال میں اسے مولانا کی قصہ نویسی کی خامیوں میں سے سمجھا جائے ؛

اصغری کی یہ خشک معقولیت تین چار موقعوں پر بہت زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں جب اس کی شادی ہونے لگتی ہے۔ تو وہ تقاضا کرتی ہے۔ کہ مجھے میری ہمشیرہ سے زیادہ جہیز نہ دیا جائے۔ پھر جب شوہر کو سیالکوٹ بسلسلہ ملازمت روانہ کرتی ہے۔ تو اس وقت بھی اس کا طرز عمل ایک عورت اور بیوی جیسا نہیں۔ بلکہ ایک کوہ وقار معلّم اور اتالیق کا ہے۔ حالانکہ جدائی کا درد بہت کم لوگوں کے لئے قابل برداشت ہوتا ہے۔ بچّوں کا انتقال ہوتا ہے۔ تو وہ اسلامی احکام سے اتنی متأثر ہے۔ کہ صبر شکر کی انتہائی مثال قائم کر دیتی ہے، یہاں بھی وہی عقل اور ضبط اس کی سیرت کے مخصوص عناصر معلوم ہوتے ہیں ؛

اصغری کی سیرت میں غیرت، خودداری، سلیقہ مندی اور ہشیاری کو بھی ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ شادی کے فوراً بعد گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اس گھرانے کو ایک قابل رشک گھر بنا دیتی ہے، حقیقت یہ ہے۔ کہ مرآۃ العروس میں اصغری ہی مصنف کا سب سے بڑا مقصود ہے۔ اور اصغری کے ہمہ صفت موصوف پیکر میں اس نے وہ تمام باتیں

پیدا کر دی ہیں۔ جو اعلیٰ خاندانوں کی شائستہ لڑکیوں میں ہونی چاہئیں۔ علی الخصوص تعلیم کا وہ طریقہ جو نذیر احمد عورتوں میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اِس دَور کے نقطۂ نگاہ کے مطابق بہترین طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے۔ کہ آج بھی اُسے عمدہ ترین طریقہ کہا جا سکتا ہے ۔

نذیر احمد نے اصغری کی شکل میں نسوانی دنیا کے لئے ایک مثال ایک نمونہ، ایک نصب العین قائم کر دیا ہے جس کی بلندی تک پہنچنے کے لئے اس صدی میں بے شمار خواتین نے کوششیں کی ہوں گی ۔

لوگ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ نذیر احمد نے مرآۃ العروس لکھ کر زنانہ سوسائٹی پر ایک اتہام باندھا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ زنانہ سوسائٹی کی نسبت مرآۃ العروس کے مرد کہیں زیادہ نکمے، بے عقل اور بے ضمیر معلوم ہوتے ہیں۔ عاقل شریف ہیں۔ مگر بے وقوف اور کاہل شاید کچھ ہشیار تو ہیں۔ لیکن بے ضمیر، بیوی کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہی اس باکمال بیوی کو بھلا دیتے ہیں . . . . لیکن اگر غلط نہ ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اصغری جیسی خالی از جذبات لڑکی شوہر کے تشکر اور عزت کو تو حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن محبت اور عشق نہیں پیدا کر سکتی۔ میاں کاہل اسی عشق اور محبت کی تلاش میں کہیں اِدھر اُدھر بھٹک گئے ہوں۔ تو جائے تعجب نہیں ۔

جہاں تک مکالمہ نگاری کا تعلق ہے۔ نذیر احمد کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ علی الخصوص زنانہ گفتگو کا پہلو بہت شاندار ہے ۔

مرآۃ العروس اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہوئی۔ بہت پسند کی گئی، بہت بکی۔ اس لئے کہ اس کی اندرونی خوبیاں کشش کا باعث تھیں۔ ہندو مسلمان گھرانوں میں اس کا وہ چرچا رہا۔ کہ نذیر احمد خود "اصغری اکبری" والے مشہور ہو گئے۔ تنقید پوچھتی ہے کیا مرآۃ العروس واقعی اس تحسین کے قابل تھی ؟ جواب یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں

اس کتاب کا وجود غنیمت تھا۔ تعلیم نسواں کا چرچا عام ہو چلا تھا۔ لیکن پڑھنے کے لئے کتابیں میسّر نہ تھیں۔ مرآۃ العروس جب شایع ہوئی۔ تو لوگوں کو ایک مفید اور بے ضرر کتاب مل گئی۔

بطور قصّہ کے اس میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کا پلاٹ غرابت سے خالی ہے۔ ایک لڑکی تعلیم حاصل کر لیتی ہے۔ اور قدرت کی طرف سے اسے ایک متوازن دل و دماغ مل جاتا ہے۔ وہ شوہر اور خاندان کے لئے باعث برکت ثابت ہوتی ہے۔ عشق جو اکثر قصّوں کی دلکشی کا موجب ہوتا ہے۔ بالکل خارج از بحث ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ کہانی میں منتہا یعنی (Climax) بہت جلد آجاتا ہے۔ پڑھنے والے کو سارا قصہ شروع ہی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ اکبری لاڈپیار سے پلی۔ اس کا انجام خراب ہوا۔ اصغری کی تربیت ہوئی۔ زندگی کی بامرادیوں تک پہنچی۔ بس۔

گمان غالب ہے۔ کہ موجودہ قصّہ پسندوں کے لئے شروع سے آخر تک اس کہانی میں دلچسپی کو قائم کرنا نہایت مشکل ہوگا۔

بنات النعش:۔ یہ دراصل مرآۃ العروس کا حصہ دوم ہے۔ اس میں وہی اصغری بیگم، طبقہ نسواں کی تعلیم و اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیتی ہیں۔ یہ اصغری بیگم شوقیہ لڑکیوں کا ایک مکتب کھولتی ہیں۔ اس میں علاوہ دیگر طالبات کے ایک حسن آرا بیگم بھی ہیں۔ جو اکبری سے کہیں زیادہ بدمزاج اور نامعاملہ فہم ہیں۔ لیکن اصغری کی تربیت کے حسن عمل سے وہی حسن آرا سدھر جاتی ہیں اور ایک شائستہ مہذب خاتون بن جاتی ہیں۔

نذیر احمد نے اس قصّہ کے ضمن میں معلومات عامہ کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ زمین کی گردش، وزن مخصوص، مقناطیس، زمین کی جسامت، ضروریات تمدّن، لوازم شہریت و معاشرت، غرض سینکڑوں علمی باتیں اس پیرائے میں بیان کی ہیں۔

کہ کتاب قصے سے کہیں زیادہ ایک علمی کتاب معلوم ہوتی ہے ۔

تربیت نسواں کے سلسلے میں اس کا خیر مقدم اگرچہ مرآۃ سے کم ہوا۔ لیکن اس مضمون پر جتنی کتابیں بھی لکھی جاتیں۔ ان کی ضرورت تھی ۔

بلحاظ قصہ بنات النعش بہت سادہ اور پھیکی ہے اور اس کا موعظتی رنگ سطر سطر میں اس درجہ نمایاں ہے۔ کہ اس کا تادیر پڑھتے رہنا قریباً ناممکن ہے۔ استانی جی کی زبان سے نذیر احمد یہ تو ضرور کہتے ہیں کہ "اس کتاب میں تم مکتب کی سب لڑکیوں کی ہو بہو تصویریں پاؤ گی" اور "تصویر سے مراد یہ ہے۔ کہ تمہارے مزاج، تمہاری عادت، تمہاری خو بو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے۔ کتاب سے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا کہ تمہارا تذکرہ ہے" لیکن افسوس ہے۔ کہ نذیر احمد کی یہ تصویریں ایک ماتم خانہ کی تصویریں معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی نقش دیوار! بہرحال یہ تذکرہ آئندہ چل کر پھر آئے گا ۔

توبۃ النصوح :۔ کہا جاتا ہے۔ کہ توبۃ النصوح مولانا نذیر احمد کی بہترین تصنیف ہے۔ یہ اس زمانے میں لکھی گئی۔ جب مولانا اعظم گڈھ میں تھے۔ اگرچہ راقم کے نزدیک ابن الوقت کو توبۃ النصوح پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں ۱۸۵۷ء کے پرشور زمانے کی سوسائٹی کے بدلتے ہوئے ذہنی اور معاشرتی رجحان کی تصویر ہے۔ تاہم ناقدین کے نزدیک توبۃ النصوح میں بلحاظ قصہ کے بعض ایسی خوبیاں ہیں جو ان کی کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں ۔

یہ ایک خاندان کی اخلاقی پستی اور ایک خاص حادثہ کی وجہ سے اس کی اصلاح کی تحریک کی کہانی ہے۔ خاندان جو فرض کیا گیا ہے۔ اس میں دو میاں بی بی ہیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں، بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ نخبۃ عمر کے ہیں باقی ابھی نوعمر ہیں۔ رئیس خاندان ایک دفعہ مرض ہیضہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ معالج خواب آور دوا

دیتا ہے۔ وہ سو جاتا ہے۔ اس اثنا میں وہ ایک خواب دیکھتا تھا۔ جو دراصل اس سارے قصے کا مقصود ہے۔ اس میں دوسری دنیا یعنی حشر، اعمال نامہ، اور حساب قبر کی تکلیف اس کو دکھائی جاتی ہے۔ وہ اپنے مذہب جس کے متعلق اس کے اعتقاد میں ایک تزلزل سا پیدا ہو گیا تھا اپنے عقیدے کو پھر سے استوار کر لیتا ہے خواب سے جب بیدار ہوتا ہے۔ تو گویا نئی زندگی پاتا ہے۔ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور سارے خاندان کی مذہبی اصلاح کا بیڑا اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس مشن کی تکمیل میں اسے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور تعجب یہ کہ خاندان کے پختہ عمر افراد اس کے راستے میں سب سے زیادہ رکاوٹیں ڈالتے ہیں لیکن بالآخر اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

یہ کہنا غالباً مبالغہ میں شامل نہ ہوگا۔ کہ توبۃ النصوح میں نذیر احمد نے انسانی فطرت اور نفسیات بشری سے، واقفیت کا ایک غیر فانی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ نذیر احمد کو خود تو شاید نصوح کے کیریکٹر سے دلچسپی ہو گی لیکن یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ ان کے قلم سے دانستہ یا نادانستہ ایک دوسری ہیت کی ایسی مکمل تصویر کشی ہوئی ہے کہ ہم اسے نصوح سے بلند درجے پر رکھیں گے بلکہ بعض اعتبارات سے اس سے بہت بلند! یہ ہمارے رندلا اُبالی مگر باذاق کلیم ہیں۔ جن کی سیرت کو سیاہ کرنے کے لئے مولانا نے بہت زور مارا ہے۔

ذرا کلیم کی لائبریری کو دیکھیے۔ جس میں آرٹ اور ادب کے کیسے کیسے جواہر نظر آتے ہیں۔ اگرچہ میاں نصوح (یا نذیر احمد) کو ان جواہر پاروں سے محبت نہیں۔ لیکن کلیم ایک ادب پرست اور فن شناس ہے۔ اسے انہی چیزوں سے دلچسپی ہے اسے اپنی رائے پر جو اعتماد ہے۔ وہی اسے باپ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ لیکن رائے پختہ ضرور ہے۔ کلیم کی طرز و روش کے آدمی جنہیں دنیا میں علم، ادب اور آرٹ سے

انس ہوتا ہے۔ اکثر بے فکرے، آزاد مشرب اور بے پرواہ ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ہیگ بھی عجیب بزرگ ہیں۔ جن کا تفنن، وضع داری اور مہذب ریاکاری سب کے سب ان کی سیرت کی وہ صفات ہیں۔ جو ایسے آدمی میں ہوا کرتی ہیں ؛

کلیم ان بدلے ہوئے حالات میں کیا محسوس کرتا ہے؟ وہ اپنے والد میاں نصوح کی گذشتہ زندگی اور موجودہ انقلاب پر متحیر ہو کر نظر ڈالتا ہے۔ اس کا دماغ عجیب وغریب خیالات کا مرکز اور گوناگوں شکوک واوہام کا آماجگاہ بن جاتا ہے دل کے یقین کے بغیر وہ اپنے باپ کے مکاشفہ اور اصلاح سے کیسے متاثر ہو جائے ان سب نفسیاتی اور ذہنی کیفیات کو نذیر احمد نے کتنی خوبی کے ساتھ ہو بہو کاغذ پر رکھ دیا ہے ؛

توبۃ النصوح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس میں منتہا یا Climax کے لئے پڑھنے والا آخر وقت تک منتظر رہتا ہے۔ اُسے کلیم کے انجام کے متعلق تشویش رہتی ہے اور یہ وہ خوبی ہے۔ جس سے توبۃ النصوح کو کسی حد تک خشک مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود بہت پسند کیا جاتا ہے ؛

اس کی زبان مرآۃ اور بنات کی نسبت مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس میں محاورات کی بھرمار ہے۔ اور یہ غالباً اس لئے ہے۔ کہ مصنف نے اسے خاص طور پر عورتوں کے لئے نہیں لکھا ؛

ابن الوقت :۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جو راقم کے خیال میں نذیر احمد کی عمدہ ترین کتاب ہے۔ اگرچہ اس کا مضمون ایسا نہ تھا۔ کہ اس پر مصنف کی شہرت کا دارومدار ہوتا۔ اور اس لحاظ سے صرف مرآۃ العروس ہی وہ خوش قسمت کتاب ہے جس نے دنیائے ادب میں وہ نام پایا۔ کہ اپنے مصنف کو شہرت کے دربار میں ایک بلند کرسی پر رونق دی ؛

اس کی غرض بظاہر یہ ہے۔ کہ قوم اور ملک کو انگریزی وضع اور معاشرت اختیار کرنے سے روکا جائے۔ اور انہیں ان نقصانات عظیم سے متنبہ کیا جائے جو اس تبدیل معاشرت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ابن الوقت اس عہد تداخل (Period of Transation) کے افکار، شکوک اور رجحانات کا ایک شفاف آئینہ ہے۔ جس میں ان خیالات اور ذہنی کش مکشوں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو مشرقی اور مغربی تہذیب و تمدن کے باہمی تصادم اور آویزش سے ملک کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے کے دلوں میں برپا ہو رہی تھیں۔ نیز یہ ان تعلقات اور روابط پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جو راعی اور رعایا کے درمیان موجود تھے۔ اس ملک میں ایک حاکم ہونے کے سبب انگریزوں کے جو مخصوص خیالات تھے۔ اور ہندوستانیوں کے مختلف طبقات کے ساتھ ان کا جو سلوک تھا۔ اس کو خوبی کے ساتھ اس کتاب میں قلمبند کیا گیا ہے۔ کہ ہمارے حقیقت نگار قصہ نویس کی کتاب کمپنی بہادر کے دور کی کوئی تاریخی کتاب معلوم ہوتی ہے[1]۔ بہرحال ابن الوقت ایک شریف زادے کی سرگذشت ہے۔ جو اوّل اوّل پرانے نظام معاشرت سے منقطع ہو کر نئے انگریزی ماحول میں آتا ہے۔ نذیر احمد کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے یہ ہے۔ کہ ابن الوقت کا انجام خراب دکھایا جائے۔ لیکن ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ مصنف نے ابن الوقت کے لباس میں انگریزی عملداری کے اوّلین دور کے مسلمانوں کی کیفیت کس انداز سے لکھی ہے اور ان کے ان مخصوص رجحانات سیاسی و ذہنی و مذہبی کا مرقع مکمل رنگ میں پیش کر دیا ہے۔

ابن الوقت ایک حقیقت، ایک تاریخی واقعہ کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے سچا اور

---

[1] مثال کے طور پر Good old days of John Company by Sir John Shore اور Notes on Indian affairs ملاحظہ ہوں۔

صحیح ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس بے نظیر کتاب کی بلندی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اس میں مختلف سیرتوں کا ارتقا بکمال خوبی دکھایا گیا ہے۔ اشخاص قصہ یہ ہیں :- ابن الوقت ، اس کی پھوپھی ، نوبل صاحب ، ابن الوقت کا ملازم ، شارپ صاحب اور حجۃ الاسلام۔ قصہ یہ ہے۔ کہ ہیرو ابن الوقت ایک ذی ثروت گھرانے کا چشم وچراغ اور نواب معشوق محل کے ملازمان خاص میں سے تھا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں اس نے ایک انگریز نوبل صاحب کی جان بچائی۔ اس کے صلے میں جاگیر ملی۔ اور نوبل صاحب کے ماتحت کوئی خدمت بھی تفویض ہوئی۔ نوبل صاحب کی رفاقت اور ترغیب اور محبت کا اثر یہ ہوا۔ کہ انگریزوں کی وضع کی تقلید شروع کردی اور اپنی قدیم وضع سے نفرت کا اظہار۔ لوگوں میں اس کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جب قضا سے نوبل صاحب ہندوستان سے چلے گئے تو ابن الوقت صاحب کو شارپ صاحب سے پالا پڑا۔ جنہیں یہ حرکت سخت ناپسند تھی۔ کہ ہندوستانی انگریزی وضع اختیار کریں۔ وہ بچارے ابن الوقت سے بہت برہم ہوگئے اور کام بھی واپس لے لیا۔ ابن الوقت اس مصیبت میں تھا۔ کہ ایک پرانی وضع کے بزرگ حجۃ الاسلام جو ملازم سرکار ہونے کے باوجود اپنی روش دیرینہ پر قائم تھے۔ شارپ صاحب سے ملے اور ابن الوقت سے صفائی کرادی ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ نذیر احمد نے ابن الوقت کے لباس میں سرسید کی تصویر کھینچی ہے۔ لیکن خود مصنف نے ایک مقام پر اس قصہ کو اپنی ہی سرگذشت قرار دیا ہے۔ راقم کے خیال میں یہ نہ نذیر احمد کی آپ بیتی ہے اور نہ سرسید احمد خاں کی لائف۔ بلکہ یہ "انیسویں صدی کے آخری نصف کے مسلمان نوجوان" کی ذہنی اور معاشرتی کیفیت ہے۔ جس کی وضع اور عقاید کے متعلق پرانا طبقہ بہت کچھ شکوک کا اظہار کرتا تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں۔ کہ کتاب کے اکثر حصے سرسید احمد خان کے

حالات سے مطابقت رکھتے ہیں ؛

توبۃ النصوح کی طرح ابن الوقت کے افراد کے کردار بھی حقیقی، مکمل اور جامع بنائے گئے ہیں۔ قصے کا ہیرو ابن الوقت ابتدائے شعور سے تاریخ اور آثار قدیمہ کا شایق ہے۔ اُسے تحقیق اور جستجوئے کوائف کا خاص شوق ہے۔ اقوام عالم کے رسوم و خیالات کو معلوم کرنے میں اسے خاص لذت ملتی ہے۔ تصنیف و تالیف کی دنیا سے واقفیت رکھنا اس کے لئے بے حد ضروری ہے "جب کوئی نئی کتاب جماعت میں شروع ہوتی۔ اس کا پہلا سوال یہ تھا۔ کہ اس کا مصنف کون تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ کس سے اس نے پڑھا۔ اس کے معاصر کون کون تھے۔ اس کی وقایع عمری میں کون کون سی بات قابل یادگار رہے"۔ اس علمی رجحان طبع کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں خودداری بھی بہت تھی۔ وہ اپنی رائے کا پکا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ "سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا"۔ اب جب نوبل صاحب سے واقفیت بڑھی۔ تو اسے انگریزی کیریکٹر میں بعض ایسی خوبیاں نظر آئیں۔ جو ہندوستانیوں میں مفقود تھیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ابن الوقت نے انگریزی معاشرت کسی خوشامد کی وجہ سے اختیار نہیں کی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ ہندوستانی اطوار سے بہتر تھی۔ یہ دراصل ابن الوقت کی خودداری کا ایک نیا رنگ تھا ؛

ابن الوقت کی ایک خصوصیت اس کی غیر معمولی قابلیت تھی۔ اس نے پہلے ہی ڈنر کے بعد جو طویل تقریر کی۔ اس میں انہوں نے حاکم و محکوم کے تعلقات پر ایسی عالمانہ روشنی ڈالی کہ سچ مچ سیاسیات کا ایک اچھا خاصہ سبق معلوم ہوتا ہے علے الخصوص ہندوستانی ریاستوں کے موضوع پر جو کچھ کہا۔ وہ آج بھی بصیرت کا باعث ہے ؛

حجۃ الاسلام سے مسئلہ تقدیر پر جو گفتگو ہوتی ہے۔ وہ بالکل اسی ذہنیت کا پتہ دیتی ہے۔ جو سر سید احمد خاں کے اثر سے پیدا ہوئی۔ دلائل بھی وہی ہیں اور طرز استدلال بھی وہی۔ اگرچہ بظاہر حجۃ الاسلام اس مناظرے میں فاتح معلوم ہوتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں دلائل کا زور ابن الوقت کی طرف ہے ؛

مصنف نے ابن الوقت کے خیالات میں جو تدریجی تبدیلی دکھائی ہے اور انگریزی معاشرت اختیار کرنے کے بعد اسے جس طرح آہستہ آہستہ بے دینی کی طرف بہتا ہوا دکھایا ہے۔ وہ اُن کے ماہر نفسیات ہونے کا ثبوت ہے ؛

ابن الوقت کے بعد سب سے زیادہ قابل توجہ شخصیت حجۃ الاسلام کی ہے ان بزرگ کا حال پڑھ کر ان کی سیرت کا جو تصور ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ وہ ایک پابند وضع مسلمان ہیں۔ انہیں اگرچہ انگریزوں کی سیاسی غلامی کے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ لیکن مذہبی اور ظاہری وضع و انداز میں ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان ان کی تقلید نہ کریں۔ اس کے باوجود انہیں متعصب نہیں کہا جا سکتا۔ انگریزوں سے ان کے تعلقات اچھے ہیں۔ خود ابن الوقت کو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ لیکن انہیں انگریزی تمدن کے خلاف شکایت ہے۔ غرض ان کا احتجاج اس تحریک کا ایک جزو ہے جو شروع شروع میں وطنیت اور مغربی طرز کی قومیت کے تخیل سے ناآشنا ہونے کے سبب مسلمانوں کے ایک طبقے نے انگریز بنکے خلاف شروع کی تھی اس جماعت کو انگریزوں کے خلاف کوئی سیاسی شکایت نہ تھی۔ البتہ انہیں یہ اندیشہ ضرور رہتا تھا۔ کہ کہیں مسلمان ان کے مذہب اور تمدن کو نہ اختیار کر لیں ؛

ہمارے حجۃ الاسلام طب اور ڈاکٹری کو بیکار خیال کرتے تھے۔ تدبیر کو فضول سمجھتے تھے۔ تصویروں اور کتوں کی موجودگی سے متوحش ہوتے تھے۔ غرض اس

صدی کے مذہبی عقاید پر پختگی کے ساتھ قایم تھے ۔

مگر وہ جو کچھ بھی تھے ۔ خود دار اور غیرت مند تھے ۔ شارپ صاحب سے ابن الوقت کی جب صفائی کرانے گئے ۔ مطلق خوشامد سے کام نہیں لیا ۔ بلکہ واقعات کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ شارپ صاحب کو اپنی غلطی کا خود احساس ہوگیا ۔

اس کتاب میں ہندوستانی انگریزوں کی معاشرت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے ۔ حجۃ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے کلکٹر ضلع سے اپنی ایک ملاقات کا جو حال بیان کیا ہے ۔ وہ اس پہلو کو سمجھنے کے لئے کافی ہے ۔

نذیر احمد نے جن دو انگریزوں کے کیریکٹر پیش کئے ہیں ۔ وہ آپس میں متضاد ہیں ۔ نوبل صاحب نہایت نیکدل اور نیک سرشت انگریز ہیں ۔ لیکن شارپ صاحب کمپنی کے زمانے کے بعض انگریزوں کیطرح جنہیں ہندوستانیوں سے ملنا جلنا پسند نہ تھا ۔ علیحدگی پسند ہیں درحقیقت یہ دونوں سیرتیں بہت کچھ مکمل معلوم ہوتی ہیں ۔

ابن الوقت کی پھوپھی کی سیرت میں بھی نذیر احمد بہت کامیاب رہے ہیں ذرا اس گفتگو کی طرف بھی غور کیجئے ۔ جو حجۃ الاسلام سے انہوں نے ابن الوقت کے تبدیل وضع کے متعلق کی ۔ اس میں کتنی سچائی اور واقعیت ہے ۔ بناوٹ سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں ۔ اسی گفتگو میں وہ حجۃ الاسلام سے کہتی ہیں ۔ کہ ابن الوقت پر یہ جو ظلم ہوا ہے ۔ اس کی شکایت کمپنی سے کرو ۔ اور کمپنی بادشاہزادی (ملکہ وکٹوریہ) کی بیٹی ہے ۔ ملک ہندوستان اس بادشاہزادی نے اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیا ہے ۔ کیا یہ وہ بے خبری نہیں ۔ جو ہندوستان میں ایک عرصہ تک انگریزوں کے متعلق طاری رہی ۔ ؟ نذیر احمد نے اس مختصر گفتگو میں اس دلچسپ بے علمی کا مرقع کھینچ دیا ہے جو ہماری بعض غیر تعلیم یافتہ بڑی بوڑھیوں کی اب تک خصوصیت ہے

نذیر احمد کی دوسری کتابیں اگر دنیا کی نظروں میں کارآمد نہ رہیں ۔ تو بھی

ابن الوقت زندہ رہنے کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ دراصل ایک قوم کے ایک دور کی ذہنی تصویر ہے۔ جو ہمیں تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہوتی جہاں اس کی افادی حیثیت اس کے حق میں ایک محکم دستاویز ہے وہاں اس کی فنی خوبیاں مثلاً کردار نگاری، اس کے مکالمے، اس کی جزئیات معلومات کی جامعیت اور اس کے پلاٹ کی دلچسپی بھی اس کے بقا کی ضمانت دار ہے۔

نذیر احمد کے تین قصے اور بھی ہیں۔ محصنات یا فسانہ مبتلا۔ ایامیٰ۔ اور رویائے صادقہ۔ محصنات۔ دو بیویاں کرنے کی خرابیوں کے متعلق ہے۔ ایامیٰ میں ہندوستانی بیوگان کی کس مپرسی اور بدحالی کا حال ہے۔ اور اس قصہ کے ضمن میں اہل ملک کو نصیحت ہے۔ کہ بیوہ کا نکاح متعدد وجوہ سے بیحد ضروری ہے۔ رویائے صادقہ میں دینداری، خدا پرستی، اوہام باطلہ کی تردید، تعلیم جدید کی خرابیاں اور علیگڈھ کالج کی تعلیم و تربیت کا نقشہ اور اس کے نقایص کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ کتاب دراصل دینی عقاید کی کشمکش اور ان میں اپنے ایمان کو قائم رکھنے اور صحیح راستہ کا پابند رہنے کے موضوع پر ہے۔ اس میں صادقہ کی زبانی روحانیت کا پیغام پہنچایا گیا ہے اور سید صادق کی مادہ پرستانہ ذہنیت اور تعلیم جدید سے متاثر دماغ کی اصلاح کی گئی ہے۔ یہ آخر الذکر کتاب ایک لحاظ سے بہت توجہ کے قابل ہے۔ کہ اس میں اس عہد کی دینی اور مذہبی جنگ کو جو قدیم و جدید کے درمیان برپا ہو گئی تھی۔ نہایت وضاحت سے ہمارے سامنے کہا گیا ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ یہ دراصل سرسید کے غیر معتدل خیالات کے خلاف ایک عقیدتمندانہ احتجاج تھا۔

نذیر احمد کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان کے ناولوں پر مجموعی نظر ڈالیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ کہ نذیر احمد کا مقام ناول نگاروں میں کیا ہے؟

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ نذیر احمد قصہ نویس نہ تھے۔ واعظ تھے۔ انہوں نے اپنے قصوں سے دینداری، خداپرستی اور اصلاح معاشرت کا کام لیا ہے ہماری رائے میں یہ خیال بہت حد تک درست بھی ہے ناول کے لئے فنی حیثیت سے "موعظتی رنگ" جس قدر مضر اور ہلاکت آفرین ہے اور کوئی شے نہیں۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے :-

The Novelist should not preach to us.

اور یہ اس معاملے میں ایک زرّیں اصول ہے۔ کیونکہ اخلاقی واعظ کا نصب العین یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مقصد کے لئے واقعات کو اس رنگ میں پیش کرے۔ جو سامعین کو اس کے موضوع کیطرف راغب کریں۔ خواہ اس میں اس دنیائے کون وفساد کا صرف ایک ہی رُخ کیوں نہ پیش کرنا پڑے ؛

بہرحال نذیر احمد کے ناول موعظتی ناول ہیں۔ اور فنی حیثیت سے ہم انہیں نہ صرف اعلےٰ درجے کے ناول نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ درحقیقت انکو صحیح معنوں میں ناول بھی نہیں کہہ سکتے۔ تاہم ہمیں ایک عذر پیش کرنا ہے اور وہ یہ کہ ہر صدی اور ہر دور کا فن کے متعلق ایک مخصوص خیال ہوتا ہے اور مصنف کے لئے ناممکن ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان روایات سے الگ کر سکے۔ خود انگریزی ناول کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا آیا ہے۔ جبکہ ناول نگار کی سب سے بڑی خوبی یہی خیال کی جاتی تھی۔ کہ وہ اپنے ناول کے ذریعے اچھا اخلاقی سبق دے سکے۔ رچرڈسن کہتا ہے :[1]

"All my stories, I am bold to say, carried with them an useful moral."

ایک اور نقاد کہتا ہے :[2] "Richardson was nothing, if not a moralist."

---

[1] H. Williams — Two centuries of English Novel (1911) P. 57

[2] Ibid, P. 41.

بیسویں صدی میں جبکہ پرانے نظریات درہم برہم ہو رہے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ ارباب فکر، ماضی کے بعض خیالات کی طرف پھر توجہ کر رہے ہیں۔ جان گالزوردی نے ناول نگار کو ایک ایسا مصلح قرار دیا ہے۔ جو بدی کے کوچہ میں "چراغ سر راہ" لیکر خرابیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس مصلح کا نام "Cathrw" ہے جس کا مقصد زندگی خود گالزوردی کے الفاظ میں یہ ہے :۔[1]

"His lantern distorted nothing; it did but show that which was there, both fair or foul, no more no less."

(From the Inn of Tranquillity 1912)

بہر حال یہ تو ظاہر ہوا۔ کہ اصلاح یا اخلاق کی درستی کا خیال ناول کی خوبصورتی کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اصل تصویر کے تاریک اور روشن ہر دو پہلو پوری حقیقت کے رنگ میں دکھائے جائیں ؛

نذیر احمد کا اگر نقص ہے تو یہی ہے۔ کہ اس کی تصویریں زندگی کے متعلق ادھوری اور نامکمل ہوتی ہیں۔ نذیر احمد کا موضوع یہ ہے کہ دنیا کو کیسا ہونا چاہیئے! وہ اس سے بحث نہیں کرتے۔ کہ دنیا کیسی ہے ؟

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر نذیر احمد کے قصے دنیا میں رہنے کے قابل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ یورپین قصوں کا ایک معتدبہ حصہ تلف نہ کر دیا جائے جس میں "Uncle Tom's Cabin" اور Pamela اور بے شمار دیگر قصے شامل ہیں۔ بلکہ ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی کے بعض ناول جو ڈکنز اور تھیکرے اور ہارڈی کے احتجاجی قصوں (Novels of Protest) اور مذہبی افسانوں (Evangelical Novels) پر حاوی ہیں۔ ہماری نظر اعتنا کے مستحق نہیں رہتے۔ لیکن یہ واقعہ ہے۔ کہ یہ ناول آج دنیا میں موجود ہیں۔ کیونکہ ان کی ایک خوبی ہے جو ان کو ہمیشہ دنیا کا

[1] A. C. Ward, Twentieth century Literature (1928) P. 28.

جزو بنائے رکھے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ ان ناولوں میں ایک دور کی انسانی معاشرت اور زندگی کا مرقعہ ہے جس کا مطالعہ ہمیں اس عہد کی ذہنیت کی گہرائیوں سے آگاہ بنا دیتا ہے[1]

نذیر احمد کے ناول بھی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۱۹ ویں صدی کے آخری دور کی ہندوستانی سوسائٹی اور ذہنیت کا مرقع پیش کرتے ہیں۔ اور یہی انکی حفاظت کی ضمانت ہے ؛

اس عمومی اظہار رائے کے بعد یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد ہی پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے فطری قصوں کی طرف توجہ کی۔ ذرا پرانے دیووں اور پریوں کی کہانیوں اور فورٹ ولیم کالج کے زیر سایہ تصنیف کردہ فوق العقل قصوں کی طرف توجہ کیجئے اور پھر نذیر احمد کی تصانیف پر غور کیجئے۔ کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ غلطی ضرور کی کہ ہر موقعہ پر اپنے افسانہ کے اغراض و مقاصد کو شروع میں ہی ظاہر کر دیا۔ جس سے دلچسپی میں بہت کمی واقع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ترقی یافتہ ناول کے اصول و قواعد اور دوسری زبانوں کے اچھے ناولوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ ورنہ وہ عمدہ معاشرتی ناول لکھ سکتے۔ کیونکہ انہیں قدرت نے حقیقت نگار بنایا تھا ؛

جہاں تک ان کے پلاٹ اور ترتیب کا تعلق ہے۔ ان میں کوئی خاص غرابت نہیں۔ اکثر قصوں کے پلاٹ بہت مختصر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پلاٹ کا خلاصہ شروع ہی کے دو تین ابواب میں بتا دیتے ہیں۔ اور اپنی سیرتوں کے کردار بھی تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے ناول چونکہ ایک خاص موعظتی مقصد (didactic purpose) کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس لئے غرض تصنیف بھی شروع ہی سے معلوم ہو جاتی ہے ؛

---

[1] Wilson Follett: Modern Novel (1928), P. 123.

نذیر احمد کی قوت مشاہدہ اور جزئیات پر عبور بھی کافی تسلی بخش ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی قوت انتخاب بہت کمزور ہے۔ وہ اپنے کیرکٹروں کی زبان سے ہر بات خواہ مخواہ کہلوانا چاہتے ہیں۔ ان کی گفتگوئیں طولانی، خشک اور بعض دفعہ بے موقعہ ہوتی ہیں۔

ان کے قصوں کی ترتیب بھی فنی لحاظ سے ناقص ہے۔ وہ دراصل انگریزی ناول کے اس دور کے آدمیوں سے مشابہ ہیں جو بوجہ قوت تخلیق کی افراط کے اظہار وتبیین کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور form کی طرف توجہ زیادہ نہ ہوتی تھی ان لوگوں کا آرٹ کمزور لیکن تخلیق کی قوت مضبوط تھی۔ نذیر احمد بھی اپنے عندیہ کا اظہار ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ اور پورا پورا کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس میں آرٹ مجروح ہو جائے۔

غرض یہ ہے۔ کہ ہم نذیر احمد کے قصوں کو متشددانہ تنقید کی نظر سے دیکھنے سے معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے تمام نقائص اسی ایک خرابی میں پنہاں ہو جاتے ہیں۔ کہ انکے ناول، موعظتی تھے۔ اور ان کا مقصد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ نہ تھا۔ کہ اس کے ذریعے حیات انسانی کا صحیح عکس یا صحیح نقل (مطابق اصل) پیش کی جائے۔ بلکہ وہ درحقیقت اپنے دور کی مخصوص ذہنیت (سرسید کے پیدا کئے ہوئے مذہبی احیا و اصلاح) کے مطابق ایک ریفارمر اور مبلغ تھے۔ جنہوں نے کہانی کو ایک اچھا ذریعہ تبلیغ خیال کرتے ہوئے اسے خدمت عوام میں صرف کیا۔

نذیر احمد کن خاص خیالات و تصورات کے حامل تھے؟ وہ کون سے خاص نظریے تھے۔ جن کو وہ اپنے ناولوں کے ذریعے پھیلانا چاہتے تھے۔؟ اس کا جواب مختصراً یہی ہے۔ کہ ان کا تصور، ان کا مطمح نظر، ان کی مذہبی اور سیاسی ذہنیت تقریباً وہی تھی۔ جو زیر بحث زمانے میں اکثر اکابر اور اہل علم و ادب کی بن چکی تھی اور جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں بارہا آچکا ہے۔

ان کا نظریہ تعلیم وہی ازمنہ متوسط کا نظریہ تھا۔ بچوں کی تربیت کے سلسلے میں وہ اکبری کی اکثر خرابیوں کا ذمہ دار اس کی ابتدائی سوء تربیت کو بتلاتے ہیں۔ نصوح کا بڑا لڑکا کلیم اور بڑی لڑکی نعیمہ بھی اسی لئے بڑی عمر میں ناقابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کو شروع میں اچھی طرح پڑھایا نہیں گیا۔

اس سلسلے میں نذیر احمد بچپن کی عمدہ اور نیک سوسائٹی اور صحبت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اکبری اور اصغری میں یہ فرق اس لئے پیدا ہوا۔ کہ دونوں کی ابتدائی سوسائٹی مختلف رنگ کی تھی۔ اکبری کی سہیلیاں اراذل کی بیٹیاں تھیں۔ اور اصغری کی ہمجولیاں نیک معاش! نذیر احمد جس تربیت کے ماحول کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ وہ تھا۔ جو نصوح کے گھر میں خواب سے پہلے موجود تھا۔ اور جس کو پسند کرتے ہیں۔ اس کا نقشہ وہ ہے۔ جو نصوح کے خواب کے بعد اس کے گھر میں پیدا ہوا۔

میاں نصوح جب خواب کے بعد اپنے بچوں کی تربیت نئے خیال کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ تو گھر کو آرٹ اور اس کے آثار تک سے خالی کر دیتے ہیں میاں کلیم کے سامان تفریح کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ان کے البم پھاڑ دیئے جاتے ہیں کتابیں جلا دی جاتی ہیں بلکہ تعلیم و تربیت میں اخلاق پر اتنا اصرار ہے۔ کہ شیخ سعدی کی گلستان کے صفحوں کے صفحوں پر سادہ کاغذ لگا دیا جاتا ہے۔ اور بقول فہمیدہ "خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کٹی ہوگی"

مولانا کا دین کیا ہے؟ اصلاح معاد اور اصلاح معاش! ان کے نزدیک ایک مکمل و دیندار کی تعریف یہ ہے "جو شخص غصے کو پی جائے، انتقام نہ لے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، حریص و طامع نہ ہو، جابر اور سخت گیر نہ ہو، ممسک و بخیل نہ ہو مغرور و متکبر

نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ"۔ غرض اس کے اندر تمام صفاتِ ملکی موجود ہوں۔ حجۃ الاسلام نے ابن الوقت کے سامنے ایک دیندار کی جو تعریف کی ہے۔ وہی نذیر احمد کا نظریہ دینداری ہے ۔

اس صدی کے مخصوص سیاسی تعلیمی اور معاشری تصورات میں نذیر احمد بعض اوقات سرسید کے ہم خیال نظر آتے ہیں بعض اوقات مخالف! ابن الوقت کے بھیس میں انگریزی لباس پر جو لے دے کی ہے یا سید صادق کے خطوں میں علیگڈھ کالج کے غیر اسلامی ماحول کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ وہ سرسید مرحوم کے افراط اور توغل کے خلاف ایک اظہارِ ناراضگی ہے۔ نذیر احمد سیاسیات میں سرسید کے پورے پورے مداح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مغربی معاشرت سے انہیں بہت بُعد ہے۔ نذیر احمد نے بہت سا حصہ تعلیمی نظریوں کی تشریح میں صرف کیا ہے۔ لیکن گمان غالب ہے، کہ موجودہ دور میں ان میں کافی قدامت کا رنگ نظر آئے گا۔ کیونکہ وہ عورتوں کو جس قسم کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے وقت اب سازگار نہیں رہا اور ماحول خود اس کے منافی ہے ۔

نذیر احمد نے توبۃ النصوح اور ابن الوقت میں جو تصویریں اور مناظر کھینچے ہیں، وہ اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ لیکن مولانا کو جس درجہ عبور زنانہ زندگی کے مظاہر پر ہے اس کا مقابلہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ عورتوں کی آپس کی رنجشیں، چشمکیں، لین دین، رشک وحسد وغیرہ کو بہت اچھی طرح پیش کیا ہے ۔

لیکن عجیب بات ہے۔ اگرچہ چنداں تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کہ نذیر احمد نے عشق و محبت کے جذبہ عالیہ کو مطلق مستحق اعتنا نہیں خیال کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ مولانا کا اس کوچہ میں گذر ہی نہ تھا۔ یا شاید یہ ہو۔ کہ زمانہ کے خیال کے مطابق ان کے نزدیک یہ خلاف تہذیب ہو۔ بہرحال اُن کی ہیروئن سیرتیں مقدس اور جذبۂ محبت سے خالی ہیں اکلوتے حجرۂ دل تک عشق کا گذر ہی نہیں ہو سکتا۔ اصغری، فہمیدہ اور دیگر زنانہ سیرتیں اس چنگاری کے نہ ہونے کی وجہ سے کتنی بے سوز معلوم ہوتی ہیں باقی رہی صالحہ سو وہ تو

پہلے ہی سے کشف و کرامت کے میدان میں تھیں ؛

یہی وجہ ہے۔ کہ مولانا عورتوں کی نفسیات کو پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں ہاں ان کے کیریکٹر کی خرابیوں کا تذکرہ مکمل ہے۔ مجموعی حیثیت سے ان کے قصے نفسیاتی تجزیہ سے خالی ہیں ؛

بایں ہمہ نذیر احمد کا یہ وصف ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کہ وہ عورتوں کے مکالمے لکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عورتوں کی گفتگو میں بالکل سلاست اور روانی ہے ۔ ہاں مردوں کی گفتگو میں عربیت اور ثقل ہے۔ اور ان کی پچھلی کتابوں کی زبان پہلی کی نسبت زیادہ ثقیل اور عالمانہ ہے ؛

نذیر احمد کو جتنی شہرت حاصل ہوئی۔ اس میں ان کے قصوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ایک عرصے تک ان کا نام ناول کی دنیا میں سب سے ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن جدید تنقید اور جدید افسانے کے اصول و قوانین نے ان کی شہرت کو بہت حد تک کم کر دیا ہے۔ اور بسرعت تمام گمنامی کی طرف جا رہے ہیں لیکن باوصف ان سب باتوں کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر جانسن کے بقول "فیلڈنگ کی کتاب Tom Jones ابھی تک متروک نہیں ہوئی"۔ اسی طرح ابن الوقت اور توبۃ النصوح بھی ابھی تک فراموش نہیں ہوئیں اور شاید آئندہ بھی اردو ادب میں ان کا نام اعلےٰ کتابوں میں شمار ہوتا رہے گا ؛

سید محمد عبداللہ

کلماتِ عوامانۂ فارسی

غالباً ۱۹۲۴ء میں کاویانی پریس برلن نے ایک کتاب موسوم بہ یکی بود و یکی نبود شائع کی تھی۔ جس میں ایک مجموعہ فارسی زبان کے عوامانہ لغات کا بھی دیا تھا۔ چونکہ ان لغات کی شرح بھی زبان حال میں کی گئی تھی اس لئے ان کے اردو زبان میں مترادف اور معادل کا تلاش کرنا طالب علموں کے لئے دشوار ہے چنانچہ اس وقت تک یہ لغات تحقیق طلب رہے اور کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ان میں سے بعض لفاظ کے معانی مجھ کو یاد نہیں رہے امید کرتا ہوں کہ کوئی اور فارسی دوست بزرگ زحمت فرما کر فارسی ادب میں اضافہ فرمائیں گے ؛

عبدالباقی عباسی

الف

آپاردی = ڈینگیں مارنے والا ؛

آشغال = کوڑا کرکٹ ؛

اَخم = ماتھے کی شکن جو غصہ کے وقت پڑجاتی ہے ؛

اخمو = وہ آدمی جو ہمیشہ منہ سوجائے رہے

ادا = نقالی ؛

ادا درآوردن = نقل اتارنا ؛

اُروَنگ = گھٹنا کھینچ مارنا ؛

اُرقہ = جلتا ہوا، خرانٹ ؛

اطوار، اطفار، اطفور = شترغمزہ ؛

اطفاری، اطفوری = شترغمزہ کرنے والا ؛

اِکبیر = نخوست ؛

اُمَل = تیس مارخان ؛

انگولک = انگلی سے ملانا ؛

انگ انداختن = اندازہ کرنا ؛

انگل = نیبو نچور، کاسہ لیس ؛

الک دولک = گلی ڈنڈا ؛

ب

بامب = دھول ؛

بامبول = دھوکا ؛

بامبول زدن = دھوکا دینا ؛

بخو = (بفتح اول و دوم) بیڑی ٭
برزدن = (بضم اول) تاش کے پتے ملانا ٭
بزک = سنگھار ٭
بلبشو = نفسی نفسی، افراتفری ٭
بنجل = (بضم اول و سوم) چیتھڑے ٭

پ

پائیدن = جھانپ لینا ٭
پاتوق = اڈا، ٹھیکہ ٭
پاتیل شدن = انتا غفیل ہو جانا ٭
پارس کردن = بھونکنا ٭
پتی = برہنہ ٭
پچ پچ کردن = (بکسر اول) کانا پھوسی کرنا
پخ = (بفتح اول) چپٹا ٭
پخمہ = کودن، نافہم ٭
پز = (بضم اول) شکل و وضع ٭
پزدا = (بضم اول) میلا کچیلا ٭
پشتی = حمایتی، مددگار ٭
پشکن = بکسر اول چٹکی ٭
پغیوز = قرساق ٭
پک = (بضم اول) حقہ کا کش جو چھوڑا جائے ٭
پک و پوز = (بفتح اول) تھوبڑی ٭
پکر = (بفتح اول و دوم) ننگا، بدست
پنتی = (بکسر اول) ہڑ جھلڑ ٭
پنکی = انیچی ٭
پنک زدن = اونگھنا ٭
پوزہ = ٹھوری ٭
پوک = خالی دماغ ٭
پیہ = (بفتح اول) احمق و بیہوش ٭
پیل پیلی رفتن = جھومتے ہوئے چلنا ٭
پیلہ و شیلہ = دغابازی ٭

ت

تاکردن = سازش کرنا ٭
تاراندن = بھگا دینا ٭
تپق = (بضم اول و دوم) تتلانا ٭
تخس = (بضم اول و سکون ثانی) شریر آدمی ٭

٭ سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ کے مصنف نے آخری صفحہ پر لفظ پاپتی استعمال کیا ہے جس کے معنی برہنہ پا ہیں مگر بعض استادوں نے اس کے معنی کٹھ پتلی والا لکھے ہیں۔ جو بالکل مہمل اور بے معنی ہیں ٭

تخمہ = (بضم اول) متلی ؛
تزیدن = لڑھکنا ؛
تکہ = قیچی ؛
تشر = (بفتح اول و دوم) طعنہ جھڑکی دھمکی ؛
تغ و لغ = لڑھلڑ ؛
تغالہ = کھوکس ؛
تک = ٹھر ؛
تک = تنہا ؛
تک و پوز = تھوڑی ؛
تک و توک = اِکا دُکا ؛
تلاّن = اینڈتا ہوا ؛
تلوتلو خوردن = (بکسر اول و فتح ثانی) گرتے پڑتے چلنا ؛
توی = اندر ؛
توش = طاقت ؛
توب زدن = ڈانٹ دینا ؛
توپیدن = ڈانٹ دینا ؛
تیپا = (تہ پا یا تگ پا) لات مارنا ؛
تیلہ = گولی جس سے بچے کھیلتے ہیں ؛
توغولی = گول مٹول ؛

ج

جانخانی = بُوری ؛
جفت = (بفتح اول) دوسری چھینک ؛
جر = (بکسر اول) جُھرجھری، جھلانا ؛
جرانداختن = غصہ دلانا ؛
جرداون یازدن = جھڑجھڑکر کے پھاڑ دینا ؛
جُلنقی یا جولقی = بھونڈا ؛
جلہ = (بکسر اول) ٹوئیاں، ٹینی ؛
جغور و بغور = الٹ پلٹ ؛
جفنگ = واہیات، بیہودہ ؛
جلد = چست و چالاک ؛
جلز و وِلز = (بکسر اول و تشدید ثانی) چھُن مُن ؛
جُلّت = (بضم اوّل و تشدید ثانی) بے غیرت ؛
جمبوری یا جمبولی = دخل در معقولات کرنے والا ؛
جنگولک یا جنگورک = منافقانہ کارروائی
جنجال = گڑبڑ ؛
جیردودیر = سنسناہٹ ؛
جیم شدن = کھسک جانا ؛

ح

حشل = (بفتح اول و دوم) خطرہ ٭

خ

خیت کردن = کسی کو میدان سے بھگا دینا ٭

خیکی در آوردن = عاجز رہ جانا ٭

د

داداش = بھائی ٭

داش = مخفف داداش ٭

داغون شدن = منتشر ہونا ۔ نقصان برداشت کرنا ٭

دبش = (بکسر اول و سکون ثانی) بکسا ٭

دبه در آوردن = خرید کردہ مال کو واپس کرنے کی دھمکی دینا تاکہ قیمت میں کسی قدر کمی کر دی جائے ٭

دَبنگوز = اُجڈ ٭

دَدَر = (بفتح اول و ثانی) کوچہ ٭

دده = (بفتح اول و کسر ثانی) حبشی کنیز ٭

دک شدن = کھسک جانا ٭

دک و پوز = تھوتھری ٭

دکل = لم ڈھیک ٭

دگنگ = موٹا ڈنڈا ٭

دله = (بفتح اول و کسر ثانی) کھاؤ ۔ بدنیت ٭

دمر = (بفتح اول و دوم) پٹ لٹینا ٭

دمغ = سادہ لوح و خود پسند ٭

درنج = (بکسر اول) آرام کی جگہ جہاں کوئی مخل نہ ہو ٭

دنگ و فنگ = چہل و پہل ٭

دَوَل دادن = ٹال مٹول کرنا ٭

دیلاق = لم ڈھیک ٭

ر

راستا حسینی = صاف اور سچی بات ٭

ریغماسی = سکھچری ٭

ز

زبروزرنگ = چست و چالاک ٭

زپرتی = بے طاقتی ٭

زرت = طاقت ٭

زل زل نگاه کردن = ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا

زلم زیمبو = انگڑ کھنگڑ ٭

زورکشیدن = گلی ڈنڈے کے کھیل میں کبڈی کی طرح دم بھرنا ٭

زہ زدن = کندھا ڈال دینا ٭
زہ کشیدن = زخموں میں ٹیس کا پیدا ہونا
زخم = (بضم اول وسکون ثانی) بسا ہمند

س

سدرمہ = (بکسر اول وسکون ثانی) چمچڑ ٭
سُرومُر = (بضم اول ہر دو) گول مٹول ٭
سرتق = (بکسر اول وثالث) ضدی، ہٹی ٭
سِنت = (بکسر اول وسکون ثانی) سخت
سقلمہ = ڈک ٭
سلّانہ = اینڈتا ہوا ٭
سمبل کردن = کسی مشکل کام کو انجام دینا
سُنک = (بضم اول) پینی یا آر کی طرح نوکدار لکڑی لیکن ایران میں لوہا نہیں لگاتے ٭
سلف دان = اُگالدان ٭
سوت کردن = چھت پر پھینکنا ٭
سوگورو ملنگ = مرد کا عورت کو دیکھ کر مست ہو جانا ٭
سولدونی = کثیف اور تاریک جگہ ٭

ش

شتل = نعل (جوتے کی اصطلاح) ٭
شرور = (بکسر اول) بکواس ٭
شل ول = ڈھیلا آدمی ٭
شلتاق = ظالم ٭
شلختہ = پھوہڑ عورت ٭
شلم شوربا = ڈھیلا آدمی ٭
شلنگ = چھلانگ ٭
شلنگ وتختہ = اُچھل کود ٭
شلوغ = گڑبڑ، شہر آشوب ٭
شیرجہ = ڈبکی ٭

ط

طاس = تامڑا، گنجا طبل ٭
طپاندن = ٹھونسنا ٭

ع

عرقہ = مست قلندر ٭
علم شنگہ = اُودھم ٭

غ

غال = وعدہ پورا نہ کر کے کسی کو مصیبت میں ڈالنا ٭
غراب = (قرطو ـــ) اکڑباز خان ٭

غربیلہ = (قرو ــــ) نازونخرہ ؛
غنج = کسی کھانے کی چیز کی طرف طبیعت
کا انتہائی مائل ہونا، منہ میں پانی
بھر آنا ؛
غیبہ = شوروغل ؛

ف

فر (فروفر) = نازونخرہ ؛
فرادون = زلف کو تاب دینا ؛
فرتی = دوکوڑی کا آدمی ؛
فکسنی = اُول جلول
فیس = خودنمائی، غرور ؛

ق

قاپیدن = اُچک لینا، جھپٹا مار کے
چھین لینا ؛
قاچ = خربوزہ وغیرہ کی قاش ؛
قاطی = ملانا، گھولنا ؛
قایم = سخت، مضبوط مثلاً تہ کیسہ را
قایم بدوز ؛
قایم شدن = چھپ جانا ؛
قر = کولھے مٹکانا ؛
قرقر = منک چنک ؛
قرزدن = بہکانے جانا، اغوا کرنا ؛
قرت = (قرتی) منک چنک والا ؛
قرمپوف = دیوث و قرمساق ؛
قرم ونگ = " " " ؛
قد = (بضم اول) مغرور ؛
قشقرہ = شوروغل ؛
قل خوردن = لڑھکنا ؛
قُلپ = پانی کا گھونٹ ؛
قلدر = بدمعاش، مستنڈا ؛
قلقلک = گدگدی ؛
قورت دادن = نگل جانا ؛
قورت انداختن = اپنی تعریف کرنا ؛
قولہ (قرض و ــــ) = قرض ورض تالع
مہمل) ؛
قیپ = پُر، بھرا ہوا، مثلاً:- قوطی
از سیگار قیپ است ؛

ک

کپ آمدن = انڈوں سے بھری ہوئی
مرغی ؛
کپہ = ٹیلا ؛
کرہ شدن = اعضا کا سوجانا ؛

کشیدہ = تھپیڑ ؛
کلافہ شدن = غصہ سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانا ؛
کلک زدن = دھوکا دینا ؛
کلکی = آوارہ ؛
کندوکو = دوڑ دھوپ ؛
کنبس = خسیس ؛
کولی = چڈھی چڑھنا ؛
کیس = پیچ و شکن ؛

گ

گس = تکیسا ؛
گندلی = گول ؛
گود = گہرا ؛

ل

لاس زدن = عشقبازی کرنا ؛
لُب ولُباب = گول مٹول ؛
لبو = چقندر ؛
لبلبو = کٹی یا گھٹی ہوئی شکر ؛

عبدالباقی عباسی

بابا فرید گنج شکرؒ۔ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۸ء)

درین چاہ آویخت و مشغول شد ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ (فرید) ہم چنان در چاہ بہ نمازِ معکوس مشغول شد ۔ ۔ ۔ ۔ ہم برین جملہ چہل ثبت چہلہ معکوس داشت ۔ ۔ ۔ ۔ وآن مسجد ہنوز در اوچہ برقرار است ۔ ۔ ۔ ۔ آن چہ فصاحت و بلاغت بود شیخ (فرید) ضاد بنوعے خواندے کہ ہیچ کس را میسّر نشود ۔ ۔ ۔ ۔ اے نگاہ دارِ سرِ خود را از گوے گریبانِ خود ۔ ۔ ۔ ۔

شیخ (فرید) مے فرمود فقیر صابر بر غنی شاکر رجحان دارد زیرا کہ غنی شاکر بر شکر را وعدہ چیست مزید نعمت و فقیر را در صبر بشارت چیست نعمت معیت ۔ میانِ این مرتبہ وآن بہ ہیں فرق از کجا تا کجاست ؛

شیخ معین الدین شیخ قطب الدین را گفت کہ بختیار این جوان را شیخ فرید را چند از مجاہدہ خواہی سوخت ۔ چیزے بخشش کُن ؛

۔ ۔ ۔ شیخ (فرید) درویشے صاحبدل را دید ۔ بشناخت ۔ بر فور در خانہ آمدہ در خانہ بجز قدرے جوارے چیزے دیگر نبود ۔ آنرا خود آش کرد ۔ در برویزن زد و نانے خود پخت در مسجد جمعہ کہ آن درویش فرود آمدہ بود آورد ؛

اب میں شیخ فرید کے کچھ اقوال بے مثال اردو میں ترجمہ کر کے درج کرتا ہوں ۔ تاکہ شیخ سے منسوب پنجابی (ملتانی و لاہوری) کلام کے اُردو ترجمہ سے موازنہ ہو سکے :۔

۱ اگر ہے تو بھی غم نہیں ۔ اور اگر نہیں تو بھی غم نہ ہونا چاہیئے ؛

۲ - نامرادی کا دن، مرد کے لئے اس کی شب معراج ہے ؛
۳ - جس قدر تو رنج اٹھائے گا - اسی قدر سروری تجھے نصیب ہوگی - راتوں کو جاگ کر یادِ خدا میں مصروف رہنا بہتری لاتا ہے ؛
۴ - جب فقیر نیا جامہ پہنے تو یوں سمجھے گویا وہ کفن پہنتا ہے ؛
۵ - جیسا کہ تو ہے خود کو ویسا ہی ظاہر کر ورنہ جیسا تو ہے - ویسا تجھے لوگ ظاہر کر دیں گے ؛
۶ اے دعوے دار تو اس دلیری سے دعوے مت کر کیونکہ معنی کی رُو سے ایک ایک حرف کے تین تین سو جواب ہو سکتے ہیں ؛
[کسی بزرگ نے فرید کے ملفوظات سے پانچ سو کلمات جمع کئے - اس مجموعہ سے ذیل کا انتخاب ہے]
۷ - خدا تعالےٰ سے بنانی چاہیئے - کہ اور سب تو ہم سے لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے جب وہ دیتا ہے تو کوئی ہم سے لے نہیں سکتا ؛
۸ - اپنے سے بھاگنا حق تک پہنچنا سمجھ ؛
۹ - اپنے تن کی خواہشیں پوری نہ کر - کیونکہ اس کی مرادوں اور تمناؤں کی حد نہیں ؛
۱۰ - نادان کو زندہ نہ سمجھ ؛
۱۱ - دانا نما نادان سے حذر کر ؛
۱۲ - ایسا سچ جو جھوٹ سے ملتا جلتا ہے - زبان سے مت کہہ ؛
۱۳ - جسے کوئی نہ خریدے اُسے مت بیچ ؛
۱۴ - جاہ و مال کے لئے پریشان نہ ہو اور خود کو خطرے میں نہ ڈال ؛
۱۵ - ہر کسی کی روٹی (کا دیا ہوا) مت کھا - لیکن سب کو روٹی دے ؛
۱۶ - موت کو کسی بھی جگہ پر اور کسی بھی وقت میں فراموش نہ کر ؛

۱۷- قیاسی بات منہ سے نہ نکال ٭
۱۸- بلاو مصیبت کو اپنی ہوس کاری کا نتیجہ جان ٭
۱۹- اپنے گناہ کی لاف نہ مار ٭
۲۰- دل کو شیطان کی بازی گاہ نہ بنا ٭
۲۱- اپنے بھیدوں کو ظاہر کرنے سے چھپانا ہی بہتر سمجھ ٭
۲۲- اپنی آرایش و زیبایش میں وقت صرف نہ کر ٭
۲۳- حصول جاہ میں اپنے آپ کو بے قدر نہ ہونے دے ٭
۲۴- کسی عاجز اور نوکیسہ سے قرض نہ لے ٭
۲۵- قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھ ٭
۲۶- جہاں تک ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ کا عادی ہونے سے باز رکھ ٭
۲۷- احسان فراموش نہ بن اور کسی پر اپنا احسان نہ جتا ٭
۲۸- نیکی کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھتا رہ ٭
۲۹- جو تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر ٭
۳۰- اپنی طاقت اور توانائی پر بھروسہ نہ کر ٭
۳۱- شہوت کے وقت اپنے پر دوسرے وقتوں سے زیادہ ضبط رکھ ٭
۳۲- جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو نہ بھول جائیو ٭
۳۳- عدل اور انصاف میں ہی اپنی سچی عزت اور حشمت سمجھ ٭
۳۴- امیری کے دنوں میں بڑی ہمت والا بن ٭
۳۵- مہمانوں سے تکلف نہ برت ٭
۳۶- دانش اور تجرید کا توشہ جمع کر ٭
۳۷- جب خدا زحمت اور مصیبت بھیجے تو اس سے بھاگنے کی کوشش مت کر

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

تنقید و تبصرہ

"تابعین" (سلسلہ دار المصنفین ۵۲) مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۳۸ء ؛

علامہ شبلی اور ان کے جانشینوں کی تصانیف کا موضوع ایک خاص حقیقت ہے جس کی طرف سطور ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے :-

اسلام روحانیت اور مادیت کے جامع مکمل دستور العمل کا نام ہے۔ صرف روحانیت اسکے یہاں رہبانیت ہے جس کو اس نے "لا رھبانیۃ فی الاسلام" کہہ کر ٹھکرا دیا اور خالص مادیت اس کی نگاہ میں الحاد و زندقہ ہے۔ جس کی تردید میں اس نے علی الاعلان کہا "الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا" غرض اسلام انسانیت کے کامل مکمل دستور العمل کا نام ہے۔ یورپ کی حیات جدیدہ نے مادیت کو اس قدر چمکایا کہ روحانیت اس کے سامنے بعض کم نظر اصحاب کے خیال میں ماند پڑ گئی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے عہد سلف کی یاد کو تازہ کر کے مادیت کے سیلاب کو روکنا چاہا۔ جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں ؛

اسلام کی بہترین تاریخ اور اس کا اعلےٰ نمونہ صحابہ اور تابعین کا دور ہے۔ ان دوروں سے جس قدر ہمارا انتساب مستحکم ہوگا۔ اسی قدر یورپ کی مادیت کے جراثیم کم اثر کریں گے۔ فاروق ثانی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی زہد و تقوے کو دیکھ کر ایک مادیت پرست نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اس شخص نے اپنے لئے زندگی کو وبالِ جان بلکہ مرنے سے پہلے جہنم بنا لیا تھا۔ اسی ژولیدہ دماغ انسان کی تردید میں علامہ اقبال مرحوم کو کہنا پڑا ؎

در مزارِ زندگی بیگانہ تر باد　　کسے کو عشق را گوید جنون است

زیر تبصرہ کتاب "تابعین" بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ جس میں ایسے چھیانوے (۹۶) اکابر تابعین کے حالات عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ جن سے فقہ مذاہب اربعہ، علم تفسیر اور سلسلہ ہائے تصوف کی بنیادیں پڑیں۔ بالفاظ دیگر جن کے ملفیل "علم قانون" اور "علم احسان" بروئے کار آئے۔ ظاہر کی دوستی کے لئے علم فقہ (قانون) سے چارہ نہیں اور باطن کی اصلاح کے لئے علم احسان کی ضرورت ہے لائق مؤلف نے ان ہر دو سلسلہ کے اکابر کو بغیر ترتیب طبعی محض حروف تہجی کے لحاظ سے جمع کر کے ہمیں اس دور مادیت میں یہ دکھلایا کہ ایک راہ اس سمت بھی جاتی ہے۔ راہ رو کو چاہیئے کہ وہ ہر دو میں موازنہ کر کے کوئی قدم اٹھائے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب مستند عربی تذکروں سے ماخوذ ہے۔ جن کا حوالہ جابجا کتاب میں مذکور ہے اور یہی اس میں خوبی کی بات ہے۔ مگر طرز بیان ایسا ہے جس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ اردو عبارت کسی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ عبارت میں ایسا نسق اور ایسی روانی پیدا کرنی چاہیئے تھی کہ ترجمہ مستقل چیز نظر آتا۔ جیسے مولینا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی نے "تذکرۃ الحفاظ" کے حساسات کو جمع کر کے "علمائے سلف" لکھی۔ مؤلف نے سہولت فہم اور ضبط مطالب کے لئے ذیلی عنوان بھی قائم کئے ہیں مگر ان میں کسی قسم کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ حالانکہ کسی مؤلف کی تالیف کے حسن و قبح کا اندازہ اس کی ترتیب و عدم ترتیب سے لگایا جاسکتا ہے۔

بہرکیف کتاب اپنے موضوع میں نہایت مفید اور کارآمد مضامین پر مشتمل ہے۔ خوشخط۔ طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ سفید چکنا صفحات ۵۳۸ بقیمت چار روپیہ دارالمصنفین اعظم گڈھ سے ملسکتی ہے۔ (محمد نور الحق)

۱۸ مئی ۱۹۳۸ء

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت مئی ۱۹۳۸ء)

۱۶۱، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۱۷، ۲۳۳، ۲۴۱،
۲۶۵، ۱۷۳، ۷۷۳، ۸۲۸، ۴۳۲، ۴۳۸، ا ا :
۷، ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۳۳، ۳۴، ۳۹، ۴۳، ۵۵، ۸۶،
۳۰۱، ۸۰۱، ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۹۲، ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۳۸، ۲۴۶،
۲۵۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۹۲، ۳۱۶، ۳۳۱، ۳۵۱،
۳۵۶، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۸۶، ۳۸۷، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۲۸،
۲۹۴، ۱۲: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۳۱، ۳۷، ۴۶، ۴۷، ۸۴،
۹۰، ۹۱، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۳۱ (؟)، ۱۵۸، ۱۶۵،
۱۶۶، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۸، ۲۷۲، ۲۷۸، ۲۹۰،
۲۹۲، ۳۰۹، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۹۸،
۱۳: ۴، ۸، ۱۱، ۳۵، ۴۷، ۵۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۹۲، ۹۵،
۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۵، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۶۲،
۱۶۸، ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۲۰، ۲۳۲، ۲۴۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۹۰،
۲۹۸، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۶، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۶، ۳۷۶،
۳۹۲، ۴۰۶، ۴۱۵، ۴۲۳، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۴۶، ۴۴۶،
۴۶۳، ۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۸۲، ۴۸۳، ۵۰۳، ۱۴:
۹، ۱۵، ۱۸، ۲۲، ۲۵، ۲۹، ۴۴، ۶۹، ۷۷، ۷۹، ۸۰،
۸۱، ۹۴، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۳۶، ۱۴۹، ۱۶۲، ۱۷۱،
۲۷۱، ۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۰،
۲۱۰، ۲۱۹، ۲۳۳، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۷،
۲۹۱، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۲۴، ۳۶۵، ۳۶۰، ۱۵:

۳، ۲۱، ۲۲، ۳۱، ۳۷، ۴۱، ۴۷، ۵۳، ۶۸، ۸۲، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۴،
۱۵۸، ۱۶۰، ۱۷۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۰،
۲۲۵، ۲۲۷، ۲۶۲، ۲۸۶، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰، ۳۱۰، ۳۱۷،
۳۲۰، ۳۲۳، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵، ۳۵۳، ۳۶۵،
۳۶۷، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۷، ۳۹۲، ۴۰،
۴۰۱، ۴۰۹، ۴۲۳، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳، ۵۱، ۶۹،
۹۸، ۹۹، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۲،
۱۵۲، ۲۳۸، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۷، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۷:
۳، ۵، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۲۳، ۴۰، ۴۷، ۶۹، ۷۸، ۱۱۰،
۱۱۸، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۰،
۱۷۲، ۱۹۸، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۶۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹،
۳۰۵، ۳۱۵، ۳۲۴، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۹۹، ۳۹،
۴۰۴، ۸:۸، ۲۱، ۲۹، ۳۱، ۴۷، ۵۴، ۶۵، ۶۷، ۷۳،
۱۰۱، ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۸۸،
۲۱۷، ۲۲۴، ۲۴۷، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۹۱، ۹:۲۰،
۳۵، ۶۱، ۶۴، ۷۰، ۸۷، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۷۷، ۱۸۶، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۸۰،
۲۵۲، ۳۵۰، ۳۷۱، ۳۸۳، ۳۰:۳، ۲۴، ۶۷، ۸۶، ۹۳،
۱۰۱، ۱۶۳، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۳۷، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۹۱،
۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۶، ۳۲۹، ۳۴۷، ۳۵۸؛

ابن لجأ ۵: ۴۰، ۱۹۶، ۱۳: ۱۲۶، ۱۶: ۴۸؛ (نیز ملاحظہ ہو عمر بن لجأ)۔
لُجَیم بن صَعْب ۲: ۴۰۴ (؟)، ۸: ۱۹۵، ۱۵: ۸ (؟)؛
ابو اللحام التغلبی ۴: ۳۵۳؛
لُحَیْم بن صَعْب ← ہو لجیم بن صَعْب
اللَّعِین المِنْقَرِیّ ۴: ۱۱، ۲۳۶، ۱۱: ۲۷۲، ۱۲: ۳۷، ۵: ۲۰۸، ۱۸: ۸۶، ۲۹۴؛
لقمان بن أَوْس بن رَبیعة بن مالک ... ۲۰: ۱۵۷؛
لقیط الایادی ۸: ۳۹۶، ۱۰: ۲۳۳؛
لقیط بن زُرارة ۷: ۳۷۸، ۴۰۵، ۱۱: ۲۳، ۶۸، ۱۲: ۲۷۲، ۱۴: ۱۸۵، ۳۴۲، ۱۵: ۱۰۵؛
لقیط بن معمر الایادی ۱۸: ۶۵؛
لقیط بن یَعْمَر الایادی ۱۳: ۲۲۹، ۱۷: ۳۷۰؛
لُقَیم بن أَوْس الشَّیْبانی ۵: ۵۳؛
اللهبی ۵: ۳۲۷، ۱۳: ۳۴۸، ۲۰: ۲۸۹؛
لورل الطائی ۵: ۱۴۰؛
لیلی ۱۳: ۴۷۹، ۱۴: ۸۶، ۱۵: ۳۰۷؛
لَیْلَی الاَخْیَلِیَّة ۱: ۲۹، ۴۱۹، ۴: ۲۳۳، ۶: ۳۰۴، ۹: ۱۹۶، ۱۰: ۳۳۶، ۱۱: ۲۱۲، ۱۳: ۱۷، ۱۲۳، ۱۸۴، ۲۴۶، ۳۹۰، ۱۴: ۲۹۳ (؟)، ۳۱۱، ۱۶: ۱۳۴، ۱۷: ۱۰۹، ۱۹: ۲۰۴، ۲۰: ۵، ۲۰۰، ۲۳۹، ۲۴۰؛

م

مازن (رض) ۷: ۱۴۹ (؟)؛
مالک بن اَسماء بن خارجة الفزاری ۱۷: ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶؛
مالک بن جُعْدة التغلبی ۱۴: ۲۶۵، ۱۷: ۴۱۷ (یہاں التغلبی کی بجائے النعلبی مرقوم ہے۔ مگر صاحب معجم الشعراء نے یہی شعر نقل کیا ہے اور التغلبی ہی لکھا ہے)؛
مالک بن الحرث الکاهلی ۳: ۳۱۱، ۱۸: ۲۳۴؛
مالک بن الحرث الهذلی ۱: ۱۲۷، ۹: ۱۱۷؛
مالک بن حَرِیم ۱۵: ۲۶۸؛
مالک بن خالد الخُناعیّ الهذلی ۲: ۴۳، ۲۴۴، ۳: ۳۰۲، ۴۰۱، ۴: ۱۳۷، ۲۲۰، ۵: ۳۰۶، ۸: ۵۶، ۱۴: ۲۲۴، ۱۶: ۱۸۹، ۱۷: ۹۹، ۱۹: ۲۵۱، ۲۵۸، ۲۰: ۳۶؛
مالک بن خُوَیلد الخناعی (او الخزاعی) الهذلی ۸: ۱۱، ۱۳: ۶۴؛
مالک بن ربیعة العامری ۱۰: ۸۶ (؟)، ۱۵: ۱۶۳ (؟)؛
مالک بن الرَّسِّ المازنی ۷: ۴۲۷؛
مالک بن الرَّیْب المازنی ۴: ۵۹، ۷: ۸، ۸: ۳۱۹، ۱۲: ۲۷۹، ۳۳۳، ۱۳: ۱۳۶، ۱۴: ۷۵، ۱۳۸، ۱۵: ۱۵۲؛
ابومالک بن الریب ۱۷: ۹۳، ۲۰: ۲۲۶؛
مالک بن رُغْبة الباهلی ۱: ۱۱۶، ۱۶۳، ۵: ۱۵۴، ۶: ۲۹۶،

۳۰۲، ۳۴۶، ۳۴۰۶ (؟)، ۷: ۱۰۴، ۱۰: ۱۵، ۳۴۳؛
بنت مالک بن زید ۱۱: ۲۰۳؛
مالک بن العَجْلان ۱۸: ۱۴۶؛
مالک العُلَیْمی ۱۰: ۳۰۰، ۱۵: ۳۱۷؛
مالک بن عمار الفُرَیْعِیّ ۸: ۳۰۸؛
مالک بن عوف النَّضْری ۶: ۱۶۰ (؟)؛ (معجم الشعراء میں النصری مرقوم ہے)۔
مالک بن عویمر بن عثمان ... الهذلی ــ ملاحظہ ہو المتنخل
مالک بن فَهْم الأزدیّ ۴: ۱۹۱ (؟)؛
مالک بن ابی کعب ۱: ۸۶؛
مالک بن المتنخل الهذلی ۸: ۶۶؛
مالک بن مرداس ۱۴: ۷۶، ۸۷؛
مالک بن نُوَیْرَة الیربوعی ۱: ۴۳، ۲: ۲۳۱، ۴: ۳۱۰، ۶: ۱۲۱، ۸، ۳۷۷، ۹: ۱۳۱، ۱۰: ۲۶۵، ۱۳: ۸۷، ۱۲، ۱۴، ۱۶: ۸، ۹۸، ۱۷: ۳۷۹؛
ابومالک بن نویرة ۷: ۱۲۹؛
مامة الایادی ابوکعب ۱۹: ۸۴؛
مُبَشِّر بن هُذَیْل بن فَرْوَة الشَّمْخِیّ ۵: ۲۹۲، ۱۷: ۴۰۵، ۱۹: ۱۸۰، ۳۲۵ (الشمجی مرقوم ہے) ۲۰: ۳۱؛
مبشر بن هذیل بن زافر الفزاری ۴: ۳۴۸؛
المُتَلَمِّس (هو جریر بن عبد المسیح) ۱: ۶۸، ۳۰۱، ۴۲۷ (؟)، ۲:

۱۳۱، ۳: ۴۲۲، ۴: ۱۰۴، ۲۸۳، ۲۹۰، ۵: ۲۳۶، ۶: ۱۲۶،
۱۷۰ (؟)، ۴۶۳، ۷: ۲۴۴، ۲۹۹، ۳۱۶، ۳۶۰، ۸:
۲۲، ۷۶، ۸۱، ۹۴، ۱۲۷، ۳۹۵ (؟)، ۹: ۳۴، ۱۴۷، ۲۱۲،
۱۰: ۱۳۵، ۱۱: ۳۱۸، ۱۲: ۲۲۸، ۱۳: ۵۸، ۳۳۶، ۱۴:
۱۹۰، ۱۹۶، ۳۵۴، ۱۵: ۱۰۶، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۸۴، ۴۱۶،
۱۶: ۳۲، ۱۷: ۱۴۰، ۲۴۹، ۳۱۲، ۱۸: ۱۲، ۱۶۷، ۱۹: ۶۸،
۳۸۰، ۲۰: ۶۵؟

المُتَمَرِّس بن عبد الرحمٰن الصُّحاري ۳: ۲۰۸؛

مُتَمِّم بن نُوَيْرَة ۱: ۱۶۸، ۲: ۳۷۳، ۳: ۱۴، ۴: ۳۶۵، ۳۶۶، ۵:
۶۰، ۳۸۰، ۶، ۱۸۸، ۳۹۰، ۸: ۳۸۹، ۱۰: ۲، ۵۳، ۱۴۴،
۱۴۵، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۵۹، ۲۹۹، ۳۷۴، ۴۳۵،
۱۱: ۱۲۰، ۲۵۱، ۱۲: ۱۲۶، ۲۷۷، ۱۳: ۱۵۰، ۳۳۲، ۵۰۲،
۱۴: ۳۲۴، ۱۶: ۳۵، ۱۴۱، ۱۴۱، ۱۹۸، ۱۹: ۳۱، ۸۴؛

المتنبی ۹: ۲۵۰، ۱۳: ۳۷؛

المُتَنَخِّل (هو مالک بن عویمر بن عثمان بن حُنَيْش) الهذلی ۱:
۲۱۵، ۲۶۳ (؟)، ۲: ۲۳۰، ۲۴۳، ۳۳۰، ۴۳۳، ۳:
۱۳۲، ۲۹۴، ۳۴۱، ۳۶۲، ۳۹۱، ۴۴۵، ۴۸۸، ۵:
۱۱۴، ۱۲۰، ۱۴۴، ۳۱۰، ۶: ۶۵، ۴۱۸، ۷: ۱۰۷، ۱۸۷،
۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۲۱، ۲۶۹، ۲۷۶، ۲۹۱، ۳۸۱، ۸:
۱۸۰، ۱۸۸ (؟)، ۹: ۶۳، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۹،
۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۴۷،

۲۹۵، ۳۱۴، ۳۷۸، ۴۷۰|: ۲، ۵۲، ۹۷، ۱۱۰، ۲۱۳، (۹)، ۲۳۱، ۲۳۱|:
۱۹، ۲۹، ۹۴، ۱۲۹|: ۱۳۲، ۲۲۴، ۳۴۰، ۳۹۷، ۳۹۳|: ۴۴، ۱۴۸،
۱۹۰، ۱۹۲، ۲۱۵، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۴، ۳۴۸، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷،
۴۹۷، ۱۴|: ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۷۷، ۲۳۹، ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۶۰،
۲۹۶، ۱۶|: ۲۵۲، ۲۶۸، ۸|: ۵۲، ۱۶۴، ۱۹|: ۵۴، ۱۱۴، ۱۵۱،
۲۷۵ (۹)، ۳۱۲، ۳۳۶، ۲۰: ۷، ۲۷، ۲۸۲؛

المُثَقِّب العَبْدِیّ (هو عائذ بن مِحْصَن) |: ۹، ۶۹، ۲۳۳، ۲۹۳، ۳۶۹،
۴: ۴۲، ۱۰۲، ۲۴۴، ۵: ۹، ۱۰۲، ۱۴۲ (۹)، ۱۷۱، ۸: ۳۷۴،
۹: ۹۴، ۴۳۳، ۱۰|: ۲۹۵، ۳۶۶، ۳۶۸، ۱۲|: ۸، ۳۰۸، ۱۳|:
۱۲۴، ۱۷۲، ۲۹۳، ۱۴|: ۳، ۳۰۳، ۱۵|: ۷، ۱۵۲، ۲۵۲، ۱۶|: ۲۵۷،
۱۷|: ۱۱، ۱۸، ۲۷، ۲، ۷۰، ۱۴۰، ۱۹۸، ۳۴۲، ۳۶۵، ۱۸|: ۳۰،
۱۹|: ۱۹، ۵۸، ۵۷۵، ۲۰: ۱۷۵؛

المُثَلَّم بن عمرو التَّنُوخِیّ |: ۳۳، ۱۳۳، ۲: ۳۶۱؛

ابو المُثَلَّم الهذلی |: ۵۴، ۳: ۵۴، ۱۴۳، ۴۲۴، ۳: ۱۲، ۳۱۱، ۵: ۱۱۲،
۹: ۸، ۱۰۸، ۱۷۷، ۱۲: ۱۰۵، ۱۰۵، ۲۵۱، ۱۳: ۴، ۱۰۴، ۲۸۲، ۱۴: ۲۶۲،
۱۵|: ۹، ۱۰۹، ۱۳۱، ۳۲۸، ۱۵، ۴۱۵، ۱۸|: ۲۸، ۱۳۴، ۱۹|: ۸۰، ۳۷۴،
۲۰: ۶۴؛

ابو المثنی بن سَعلة الاسدی ۱۲: ۹۰؛

مجاشع بن دارم ۲۰: ۲۱؛

ابو المجشّر ۱۸: ۳؛

مُجَمِّع بن هلال ۷: ۳۳۱، ۱۶: ۱۱۳؛

مجنون بنی عامر (هو قیس بن مُعاذ) ۹: ۱۳۱، ۴۰۵، ۴۸۱، ۴۹۶،
۱۰: ۴۷، ۱۱: ۳۰۹، ۳۱۸، ۴۱۴، ۱۴: ۱۰۳، ۲۰۸، ۱۷: ۶۳، ۱۹:
۱۳۶، ۱۵۴ (۹)، ۲۰: ۱۳۳، ۳۷۰؛
مجهز السفینة (؟) ۱۴: ۲۹؛
محارب بن قیس ــــ ملاحظہ ہو الکِنَدی
محبوب بن ابی العَشَنَّطِ النهشلی ۲: ۳۲۲؛
ابو مِحجن الثَّقَفی ۱: ۱۱۹، ۶: ۲۵۲، ۱۰: ۱۲۸، ۱۵: ۳۵۸؛
ابو مُحرِز المُحاربی (اسمه عبید) ۳: ۳۳، ۲۱۶؛
مُحرِز بن مُکعبَر الضبی ۱۵: ۳۸۳؛
ابو محصنة (کذا) ۱۲: ۵۴؛
ابن مَحکان ۲: ۲۴۶؛
ابو محمد ــــ هو یحیی بن المبارک الیزیدی
ابو محمد الاسدی ۱۷: ۳۰۳؛
محمد بن اسحاق ۱۹: ۴۲ (؟)؛
محمد بن بشیر الخارجی ۵: ۶۶؛
محمد بن حبیب ۱: ۵۷؛
محمد بن حُمران بن ابی حُمران (مالک) الجُعفی (هو الشویعر) ۲: ۱۲۴،
۴: ۱۳۵، ۶: ۸۵، ۴۵۴؛
محمد بن ذؤیب العُمانی الفُقَیمی ــ ملاحظہ ہو العُمانی
محمد بن سلمة ۲۰: ۳۳؛
محمد بن شَحّاذ الضَّبّی ۹: ۴۰۳؛

محمد بن ابی صُفرَۃ (ھوابو عُیَیْنَۃ) ۳: ۴۳۷ (؟)، ۸؛ ۶۳؛
محمد بن عبد اللہ الازرقی ۹: ۳۹۳، ۴۱۲، ۱۰: ۹۶؛
محمد بن عبد اللہ بن نُمیر الثقفی ۱۲: ۲۳۹؛
محمد بن مَسْلَمَۃ ۱۷: ۲۷۹؛ (یہی اشعار ۲۰: ۳۳، پر محمد بن سلمۃ کی طرف منسوب ہیں)۔
محمد بن نُمیر الثقفی ۱۹: ۸؛
محمد بن ھلال البکری ۱۳: ۳۴۲؛
ابو محمد الحَذُلَمِی ۱: ۳۷۸، ۲: ۲۶۴، ۳: ۱۴۳، ۱۷۹، ۴: ۸۰، ۶: ۴۵، ۸: ۷۷، ۳۰۹، ۱۰: ۳۰۱، ۱۲: ۳۰۱، ۱۳: ۷۳، ۱۷۱، ۱۴: ۳۲۶، ۲۱۶، ۱۵: ۷۲، ۱۰۱، ۱۲۹، ۱۷۸، ۲۷۵، ۳۲۶، ۳۲۸، ۱۶: ۵۱، ۸۴، ۱۷: ۱۳، ۱۵۹؛
ابو محمد القَفْعَسِی ۱: ۱۴۱، ۴۷، ۲۸۴، ۲: ۹۸، ۲۴۲، ۳: ۱۷۴، ۴: ۲۷۹، ۴۵۷، ۵: ۵۵، ۷: ۴۶، ۱۸۳، ۲۷۸، ۸: ۳۲۰، ۴۰۰، ۹: ۲۹، ۴۴، ۵۵، ۵۷، ۸۱، ۱۰۴ (؟)، ۱۹۹، ۳۴۱، ۳۵۳، ۱۰: ۱۶۵، ۲۵۰، ۱۱: ۳۶۴، ۱۲: ۲۷۲، ۱۸۷، ۴۰۶، ۱۳: ۱۱۳، ۱۴: ۳۰، ۷۹، ۳۰۴، ۳۱۶ (؟)، ۳۷۴، ۱۵: ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۶: ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۴۵، ۲۸۷، ۱۸: ۱۵، ۱۰۹، ۱۶۵، ۲۰: ۶۰؛
مُخارِق بن شِہاب ۲: ۲۳۰؛
المُخَبَّل السَّعْدِی (ھو ربیعۃ بن مالک) ۱: ۱۱۱، ۲۸۱، ۳۲۴، ۳۲۹، ۴۴۰، ۲: ۹۶، ۴۸۰، ۳: ۴۸، ۸۵، ۶: ۹، ۹۱، ۳۰۸، ۴۳۳، ۷: ۸۰، ۸۷، ۳۹۲، ۳۹۶، ۸: ۳۲۰، ۹: ۵۴، ۳۹۵، ۱۱: ۴۸،

۱۲: ۳، ۴۴، ۲۸۶، ۳۶۰، ۱۳: ۲۹، ۱۱۰، ۴۱۹، ۱۴: ۱۷۰، ۲۶۷،
۱۵: ۳۵، ۲۷۲، ۳۰۶، ۳۹۱، ۱۶: ۱۲، ۱۵۸، ۲۸۱، ۲۹۲، ۲۹۴،
۱۷: ۱۵۱، ۱۸۳، ۴۳۰، ۴۴۷، ۴۵۸، ۴۶۲، ۱۸: ۲۱۸، ۲۰: ۵۴،
۳۱۵؛

ابو المختار الکلابی ۶: ۳۷؛

المخروع السعدی ۱۴: ۸۸، ۱۵: ۲۱۶،

المخروع بن رُفَیع ۱۳: ۳۲۵؛

المُخَزِّق ۱۲: ۲۲۰؛

مخشّن العقیلی ۸: ۵۵؛

المُخَیّس ۱۵: ۲۴۲؛

مِدثار بن شَیبان النَّمَری ۲۰: ۱۸۷؛

مَدْمَرَج الریح ۳: ۱۹۰؛

مدرک ۴: ۲۵۴، ۱۰: ۳۷۰، ۱۳: ۹۰؛

مُدْرِک بن حِصْنٍ الاَسَدِی ۱۲: ۳۴۲، ۱۳: ۳۱۸، ۱۶: ۱۰۳ (؟)،
۲۹۲، ۳۰۰، ۱۷: ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۳۷، ۲۳۳، ۱۸: ۷۶؛

مدرک بن حُصَیْن الاسدی ۱۱: ۹۸، ۹۹، ۱۴: ۶۹، ۱۶: ۲۴۸؛

مدرک بن محصن (کذا) ۱۰: ۱۱۴؛

المرادی ۱۹: ۲۴؛

المَرَّار (؟) ۱: ۴۸۰، ۲: ۷، ۶۲، ۱۲۲، ۱۴۳، ۳: ۵۰۹، ۴۷: ۴۲۶،
۵: ۲۶۲، ۴۰۲، ۴۱۰، ۶: ۲۶۰، ۲۶۵، ۳۶۲، ۴۴۵،
۷: ۱۵۸، ۴۳۲، ۸: ۲۴، ۱۰۷، ۱۲۶، ۱۳۶، ۳۷۱، ۹: ۱۲۸،

۴۷۸، ۱۰: ۴۶، ۶۳، ۸۰، ۱۰۷، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۳،
۲۴۱، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۷۵، ۱۱: ۴۰، ۷۰، ۸۶، ۱۲: ۴۳، ۱۶۸،
۱۹۷، ۱۳: ۲۵، ۶۴، ۳۹۴، ۴۶۲، ۱۴: ۳۱، ۱۴۶،
۱۵۲، ۲۸۸، ۳۰۸، ۳۶۷، ۱۵: ۲۳، ۱۱۴، ۲۳۱، ۲۸۳،
۴۱۲، ۱۶: ۴۶، ۵۴، ۱۱۳، ۱۶۹؛

المرّار بن سعید الفقعسی الاسدی ۲: ۴۱، ۳: ۵۲، ۴۷۷،
۴: ۶۴۲۳، ۵۴، ۶۶، ۳۳۲، ۴۴۵، ۷: ۲۲، ۱۷۲،
۴۲۸، ۸: ۲۶۴ (؟)، ۹: ۳۰۵، ۱۰: ۳۳، ۲۲۰، ۳۳۹،
۱۱: ۴۱۲، ۱۲: ۳۱، ۹۲، ۱۳۴، ۱۳: ۱۷۱، ۷۳، ۱۵۹، ۴۴۸،
۴۵۴، ۱۴: ۲۲۲، ۳۴۵، ۱۵: ۲۲، ۲۱۱، ۲۹۴، ۱۶: ۶۳،
۸۰، ۱۶۰، ۱۷: ۲۰۵، ۲۸۳، ۴۰۰، ۱۸: ۱۴۸، ۱۹۶، ۱۹:
۱۱۶، ۱۸۵، ۳۴۹، ۲۰: ۲۰۱، ۲۶۴؛ (نیز ملاحظہ ہو المراس)

المرّار بن مُنقِذ العَدَوِیّ الحَنظَلِیّ ۱: ۱۰۸، ۵: ۱۷۲، ۲۳۰، ۲۷۹،
۴۰۵، ۶: ۱۶۲، ۲۰۷، ۲۵۹، ۷: ۸۹، ۴۱۷، ۸: ۳۱۶،
۹: ۲۲۲، ۱۳: ۱۶۵، ۱۹۷ (؟)؛

مُرّة بن شَیبان ۴: ۴۴۲؛

مُرّة بن عبد اللہ الیحبانی ۸: ۱۶۴، ۱۱: ۶۲؛

مرة بن مَحکان التمیمی ۱: ۶، ۲۰۴۵: ۲۶۳، ۸: ۲۴۶، ۲۰: ۱۸۵؛
(نیز ملاحظہ ہو ابن محکان)۔

مَرحَب الیہودی ۱۲: ۳۴۰؛

مِرداس ۲۰: ۱۴۹؛

ابن مرداس ۱: ۳۴۱؛
مرداس الدُّبَیْرِی ۷: ۲۲۸، ۱۰: ۷۶، ۱۳: ۲۲۱؛
مِرداس الزبیری ۵: ۲۷؛
مرداس بن اَذَنة ۱۱: ۱۳۸؛
مرداس بن حصن جاهلی ۴: ۵۸؛
مرداس بن حُصَیْن ۹: ۴۴۸ (یہی شعر مرداس بن حصن جاهلی کی جانب منسوب ہے) ۱۰: ۲۰۴، ۱۷: ۴۵۵؛
مرضاوی ۴: ۳۲۴؛
المُرَقِّش ۴: ۴۱، ۷: ۶۱، ۸: ۱۹۵، ۹: ۲۴۵، ۱۱: ۳۷۸، ۱۴: ۳۲۹، ۱۵: ۳۲، ۴۴، ۶۹، ۸۴، ۱۳۹، ۳۰۴، ۳۲۲، ۳۷۱، ۱۶: ۱۳۵، ۱۷: ۵۶، ۲۱۲، ۳۵۰ (؟)، ۱۹: ۳۷۷، ۲۰: ۱۸۸، ۲۶۹، ۲۸۵؛
المرقش الاَصغر ۶: ۴۱۹، ۱۳: ۲۸۷؛
مرقش الاکبر ۴: ۲۸۰؛
مرقش السَّدوسی ۵: ۳ (؟)؛
مَرْوان ۱۰: ۵۳؛
مروان بن الحکم ۷: ۳۴۰ (؟)؛
مروان بن سلیمان بن یحیی بن ابی حفصة ۱۳: ۳۳؛
ابو مریم ۱۵: ۲۴۷؛
مزاحِف العقیلی ۱۱: ۳۱؛ (ممکن ہے کہ یہ مزاحم ہو)۔
ابو مُزاحم السعدی ۱۰: ۲۵۸؛

مُزاحِم العُقَيْلي ۱: ۲۰۰، ۲۹۲، ۳۶۷، ۲: ۱۱۷، ۳۹۴، ۳: ۴۰،
۶۲، ۱۲۱، ۲۱۰، ۳۶۱، ۴۴۲، ۴: ۲۴۸، ۵: ۲۱، ۶: ۹،
۷: ۳۶۷، ۸: ۳۹۸ ۵ ۱: ۱۳۱، ۳۵۴، ۱۱: ۳۵، ۳۶، ۳۸،
۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۵، ۱۷۰، ۴۱۶، ۱۲: ۵۹، ۲۱۲، ۳۹۳،
۱۳: ۱۵، ۱۲۰، ۲۲۰، ۴۰۶، ۴۳۸، ۵۰۴، ۱۴: ۲۱۹، ۲۳۹،
۳۱۶، ۱۵: ۲۶، ۸۳، ۲۴۲، ۳۹۹، ۴۲۸، ۱۸: ۲۴۲،
۱۹: ۸۳، ۹۰، ۱۷۰، ۲۸۷، ۳۱۳، ۳۲۱؛
ابو مُزاحِم العُقَيْلي — هو الحارث بن مُضَرِّب
مُزَرِّد بن ضرار (اخو الشَّمّاخ) ۳: ۳۳۴، ۴: ۵۳، ۴۸۴،
۶: ۲۱۷، ۸: ۱۸۲، ۹: ۴۹۹، ۱۰: ۷۳، ۱۶۱، ۱۱: ۴۲،
۱۸۴، ۱۲: ۱۸، ۸۸، ۱۶۸ (؟)، ۲۷۰، ۱۳: ۷۷، ۹۸،
۲۴۹، ۱۴: ۱۴۰، ۱۵: ۹۲۴، ۳۰۹، ۱۹: ۲۲۶، ۳۳۹،
۲۰: ۴۲، ۱۳۷؛
المزني — ملاحظہ ہو عبد الله ذو البجادين المزني
مسافر العَبْسِيّ ۹: ۲۲۴؛
مُسافِع بن عبد مناف ۱۴: ۲۶۸؛
ابنة ابي مسافع القرشي ۱: ۱۳۸، ۱۸: ۲۶۷؛
ابو مُسَاوِر العَبْسِيّ ۱۰: ۴۱۶؛
مُساوِر بن هِنْد العَنْسِي ۱: ۲۰۷، ۷: ۲۳۳ (؟)، ۸: ۳۰۸،
۳۷۹، ۱۰: ۳۵۳، ۱۳: ۳۹۵، ۱۵: ۲۴۹ [العنسی کی
بجائے العبسی مرقوم ہے، آغانی (۹: ۱۵۹) میں بھی العبسی

درج ہے)، ۱۷: ۶، ۴۵، ۲۰: ۲۴۰؛
المُسْتَوْغِر بن ربیعة ۷: ۱۴۹، ۱۳: ۲۷۹؛
مسعود بن عمرو ۱۹: ۲۸۰؛
مسعود بن وکیع ۱۴: ۱۷۰، ۱۷: ۲۵۷؛
مِسْکِین الدَّارِمِیّ ۱: ۳۶۳، ۳: ۴۳۹، ۵: ۸۵، ۲۸، ۳۲۸، ۶:
۹، ۲۲۹: ۳۲، ۱۵: ۱۳، ۱۶: ۳۷، ۱۷: ۲۰، ۱۸:
۱۹، ۲۹۱: ۱۹، ۲۳۴؛
ابو مَسْلَمَة المُحَارِبِیّ ۱۶: ۲۷۵؛
مُسْهِر بن عمرو الضبی ۱۷: ۳۰؛
المسیّب بن زید مناة ۱۹: ۱۵۰؛
المُسَیَّب بن عَلَس ۱: ۳۸۲، ۲: ۳۳، ۳: ۲۵، ۴: ۸۵، ۳۱۸،
۳۲۸، ۶: ۱۲۴، ۱۲۷، ۳۴۹، ۴۳۳، ۹: ۴۹۹، ۱۰:
۸۳، ۲۵۴، ۲۸۳، ۱۱: ۵۶، ۲۴۴، ۳۳۹، ۴۰۸،
۱۲: ۴۴، ۲۴۱، ۳۳۳ (؟)، ۱۳: ۳۴۹، ۱۵: ۳۲۴، ۱۷:
۳۵۷ (؟)، ۲۰: ۸۳؛
المُشَعَّث ۱۰: ۲۰۹، ۱۳: ۱۰۱؛
مَصاد بن زُهیر ۹: ۴۹۴؛
مُصَبِّح بن منظور الأَسَدی ۵: ۲۳۱، ۱۹: ۱۵۴؛
المُضَرِّب بن کَعْب ۲: ۲۲۶، ۲۲۸؛
مُضَرِّس بن الرِّبعی الأَسَدِیّ (او القُقْعَسِیّ) ۲: ۲۷۶، ۳: ۳۵۴،
۵: ۲۵۰، ۷: ۱۰۳، ۱۸۴ (؟)، ۱۳: ۱۳۷، ۱۴: ۱۶، ۱۵:

۱۲۶، ۱۶: ۲۳۱، ۱۸: ۱۴۰، ۱۹: ۳۰۹؛
مَطَر بن اَشْیَم ۱۵: ۶۸؛
مطرود بن کعب الخُزاعی ۱۱: ۱۲؛
ابن مطیر الاَسَدِی ۶: ۴۴۸، ۱۱: ۳۷؛
مُطِیع بن اِیاس ۱۸: ۲۱۲؛ (صاحب معجم الشعراء نے یہی شعر مطیع بن ایاس کی جانب منسوب کیا ہے)۔
مطیع بن ایاس ۸: ۱۸۷؛
مُعاذ الهَرّاء ۱: ۳۴، ۴۶، ۱۷۴، ۱۸۴؛
معاویة الضبی ۲: ۱۳۹؛
معاویة بن مالک (مُعَوِّذ الحکماء) ۴: ۳۸۴ (؟)، ۱۹: ۱۲۳؛
معاویة بن ابی معاویة الجَزَری ۶: ۴۰۱؛
ام معبد (؟) ۱۰: ۲۳، ۱۲: ۳۳۴، ۱۴: ۹۷، ۱۹: ۸۵؛
معبد بن سَعْنَة ۳: ۱۷۳، ۵: ۱۹۲؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن سعنة)
مَعْبد بن علقمة المازنی (او ابن اَخْضَر) ۵: ۳۲۸، ۱۹: ۲۹۴؛
المُعْتَرِض الظَّفَرِی ۱: ۴۴۷؛
ابو مَعْدان الباهلی ۱۳: ۲۶۵، ۱۵: ۲۳، ۱۷: ۵۶؛
معدان بن عبید ۱۵: ۳۹۷؛
معدیکرب بن الحرث بن عمرو بن حُجْر الکندی (المعروف بِغَلْفَاء) ۲: ۵۸، ۶: ۲۵، ۷: ۳۴۷، ۱۰: ۱۸۰، ۱۵: ۳۱۲ (؟)؛
المُعَدَّل البکری ۲۰: ۱۷؛

المُعَذَّل بن عبد الله ۴ : ۱۸۷؛
معروف بن ظالم ۱۳ : ۱۴۵؛
معروف بن عبد الرحمٰن ۱ : ۲۳۸؛
المعرّی ۱۶ : ۲۵۸؛
المُعَطَّل الهذلیّ ۱ : ۲۲۵، ۲ : ۳۵۶ (؟)، ۷ : ۳۵۶، ۴۱۱،
۸ : ۴۶، ۱۱ : ۳۵، ۱۳ : ۳۶۷، ۱۷ : ۶، ۶۶، ۱۸ :
۱۹۴، ۱۹۷؛
مُعَقِّر بن حِمار البارِقیّ ۳ : ۲۰۵، ۱۱ : ۱۸۹، ۱۲ : ۱۷۲، ۲۱۲،
۱۳ : ۱۵۸، ۱۹۰، ۱۹ : ۲۹۵ (؟)، ۲۰ : ۲۲۲، ۲۴۸؛
مَعْقِل بن خُوَیلِد الهذلی ۲ : ۲۳۳، ۳۹۱، ۳ : ۶۳، ۴۷۳،
۴ : ۹۴، ۱۱۸، ۵ : ۳۵۵، ۶ : ۲۳۹، ۸ : ۳۵۰، ۹ :
۲۰۵، ۲۰۶، ۱۱ : ۱۳۸، ۳۶۰، ۱۳ : ۱۹۸، ۲۰۹، ۱۵ : ۲۸۹،
۱۶ : ۳۱، ۴۹، ۲۰۸؛
مَعْقِل بن رَیحان ۱۰ : ۳۵۶؛
ابو معقل الهذلی ۲۰ : ۲۸۱؛ (یہی شعر ۹ : ۲۰۶، پر معقل بن
خویلد الهذلی کی جانب منسوب ہے)۔
المَعْلُوط بن بَدَلٍ القُرَیعی ۹ : ۳۱۹ (؟)، ۱۵ : ۲۴۱، ۱۶ :
۱۷۷ (یہاں بَدَل کی بجائے یَذُل مرقوم ہے)؛
المَعْلُوط السعدی ۴ : ۳۲۶، ۴۵۵، ۱۲ : ۱۲، ۱۶ : ۸۳؛
ابن المُعَلّیٰ ۱۲ : ۴۶ (؟)؛
المُعَلّی بن جَمال العَبْدِی ۷ : ۳۹۲؛ ۱۵ : ۱۶۷ (یہاں جمال کی

بجائے حَمَّال مرقوم ہے، لیکن دونوں جگہ ایک ہی شعر درج ہے)؛
معن بن اَوْس المُزَنِی ۱: ۳۹۰، ۴۲۰، ۲: ۳۷۴، ۳: ۴۵۰، ۴:
۲۶۶، ۲۷۸، ۴۱۳، ۶: ۳۲۵، ۳۵۰، ۴۴۰، ۴۵۷، ۷:
۳۶۱، ۸: ۳۴، ۹: ۲۱۴، ۴۷۳، ۱۰: ۳۷، ۱۱۹، ۲۶۳، ۱۱:
۱۰۵، ۳۴۳، ۱۴: ۱۵۷، ۲۴۸، ۳۶۰، ۱۵: ۸۱، ۱۶: ۱۷۶ (۹)،
۲۰۸، ۱۸: ۲۶۱، ۱۹: ۱۵۳، ۲۹۳، ۲۰: ۲۱۹، ۳۲۶؛
المعنیّ ۱۰: ۲۰۹؛
المُعَیْطِی ۱۷: ۲۴۱؛
ابن مَعْرَاء ــــ ہو اوس بن مغراء التمیمی السعدی
مغلس ۱۵: ۳۳۸؛
مغلس بن لقیط ۱۰: ۴۷، ۱۱: ۱۷۶، ۱۹: ۳۷۸؛
المُغِیْرَة بن الاسود ــــ ملاحظہ ہو الاُقَیشر الاَسَدِیّ
المغیرة بن جنبا التمیمی ــــ ملاحظہ ہو ابن حبناء
المغیرة بن حَبْنَاء التمیمی ــــ ملاحظہ ہو ابن حبناء
ابن مُفَرِّغ ــــ ملاحظہ ہو یزید بن المفرغ الحمیری (بعنین
المُعجمة)۔
مَفْرُوق بن عمرو الشیبانی ۱: ۳۴؛
اخت مُفَضَّص الباهلیة ۲: ۱۷۳؛
المُفَضَّل البَکْرِی (او النَّکْرِی) ۳: ۳۸۵، ۴: ۶۵، ۶: ۵۸، ۲۷۸،
۱۱: ۳۵۶، ۱۲: ۱۹، ۱۳۸، ۲۱۵، ۱۹: ۳، ۷۳، ۲۰: ۲۳۲؛
المفضل بن المهلب بن ابی صُفْرة ۷: ۱۲۱؛

المُعَذَّل بن عبد الله ۴ : ۱۸۷؛
معروف بن ظالم ۱۳ : ۱۴۵؛
معروف بن عبد الرحمٰن ۱ : ۲۳۸؛
المعرّی ۱۶ : ۲۵۸؛
المُعَطَّل الهذلیّ ۱ : ۲۲۵، ۲ : ۳۵۶ (؟)، ۷ : ۳۵۶، ۴۱۱، ۸ : ۴۶، ۱۱ : ۲۵، ۱۳ : ۳۶۷، ۱۷ : ۶، ۶۶، ۱۸ : ۱۹۴، ۱۹۷؛
مُعَقِّر بن حِمار البارقیّ ۲ : ۲۰۵، ۱۱ : ۱۸۹، ۱۲ : ۲۷۱، ۲۱۲، ۱۳ : ۱۵۸، ۱۹۰، ۱۹ : ۲۹۵ (؟)، ۲۰ : ۲۲۲، ۲۴۸؛
مَعْقِل بن خُوَیلِد الهذلی ۲ : ۲۳۳، ۳۹۱، ۳۶۳، ۴۷۳، ۴ : ۹۴، ۱۱۸، ۵ : ۳۵۵، ۶ : ۲۳۹، ۸ : ۳۵۰، ۹ : ۲۰۵، ۲۰۶، ۱۱ : ۱۳۸، ۳۶۰، ۱۳ : ۱۹۸، ۲۰۹، ۱۵ : ۲۸۹، ۱۶ : ۳۱، ۴۹، ۲۰۸؛
مَعْقِل بن رَیحان ۱۰ : ۳۵۶؛
ابو معقل الهذلی ۲۰ : ۲۸۱؛ (یہی شعر ۹ : ۲۰۶، پر معقل بن خویلد الهذلی کی جانب منسوب ہے)۔
المَعْلُوط بن بَدَلِ القُرَیعی ۹ : ۳۱۹ (؟)، ۱۵ : ۲۴۱، ۱۶ : ۱۷۷ (یہاں بَدَل کی بجائے بَذْل مرقوم ہے)؛
المَعْلُوط السعدی ۴ : ۳۲۶، ۴۵۵، ۱۲ : ۱۲، ۱۶ : ۸۳؛
ابن المُعَلّیٰ ۱۲ : ۴۶ (؟)؛
المُعَلّی بن جَمال العَبْدِی ۷ : ۳۹۲؛ ۱۵ : ۱۶۷ (یہاں جمال کی

بجائے حَمَّال مرقوم ہے، لیکن دونوں جگہ ایک ہی شعر درج ہے)؛
معن بن اَوْس المُزَنِی ۱: ۳۹۰، ۴۲۰، ۲: ۳۷۴، ۳: ۵۰، ۴۵، ۴:
۲۶۶، ۲۷۸، ۳۱۳، ۶: ۳۲۵، ۳۵۰، ۴۴۰، ۴۵۷، ۷:
۳۶۱، ۸: ۳۴، ۹: ۲۱۴، ۴۷۳، ۱۰: ۳۷، ۱۱۹، ۲۶۳، ۱۱:
۱۰۵، ۳۴۳، ۱۴: ۱۵۷، ۲۴۸، ۳۶۰، ۱۵: ۸۱، ۱۶: ۱۷۶ (؟)،
۲۰۸، ۱۸: ۲۶۱، ۱۹: ۱۵۳، ۲۹۳، ۲۰: ۲۱۹، ۳۲۶؛
المعنیّ ۱۰: ۲۰۹؛
المُعَیْطِی ۱۷: ۲۴۱؛
ابن مَغْراء ــــ ھو اوس بن مغراء التمیمی السعدی
مغلس ۱۵: ۳۳۸؛
مغلس بن لقیط ۱۰: ۴۷، ۱۱: ۱۷۶، ۱۹: ۳۷۸؛
المُغِیرة بن الاسود ــــ ملاحظہ ہو الاُقَیشر الاَسَدِیّ
المغیرة بن جنبا التمیمی ــــ ملاحظہ ہو ابن حبناء
المغیرة بن حَبْناء التمیمی ــــ ملاحظہ ہو ابن حبناء
ابن مُفَرِّغ ــــ ملاحظہ ہو یزید بن المفرغ الحمیری (بعنین المُعجمة)۔
مَفْرُوق بن عمرو الشیبانی ۱: ۳۴؛
اخت مُفَضَّص الباھلیة ۲: ۱۷۳؛
المُفَضَّل البَکْرِی (او النَّکْرِی) ۳: ۳۸۵، ۴: ۶۵، ۶: ۵۸، ۲۷۸،
۱۱: ۳۵۶، ۱۲: ۱۹، ۱۳۸، ۲۱۵، ۱۹: ۳۷، ۲۰: ۲۳۲؛
المفضل بن المھلب بن ابی صُفْرة ۷: ۱۲۱؛

مَقَّاس بن عمرو العائذی ۶: ۲۴۹، ۸: ۱۷، ۱۳۱، ۱۰: ۲۰۲، ۲۰۴،
۱۷: ۲۴۸، ۲۰: ۳۹۳؛
ابن مُقبِل (هو تميم) ۱: ۳۵، ۱۷۱، ۹۷، ۸۵، ۱۲۹، ۱۷۷،
۲۰۲، ۲۰۶، ۲۱۶ (؟)، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۷۶، ۳۶۰، ۴۵۳، ۴۶۸،
۲: ۱۷۴، ۲۳۸، ۲۸۰، ۲۸۹، ۳۱۲، ۳۷۴، ۳۸۶،
۳: ۴۰۹، ۴۵؛ ۶۳، ۸۱، ۸۵، ۸۷، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۴،
۱۳۳، ۱۵۰، ۱۷۰، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۲۷، ۲۴۷، ۲۴۸،
۲۷۴، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۰، ۳۳۹، ۳۴۰،
۳۵۷، ۳۶۷، ۳۷۹، ۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۲۱،
۴۲۸، ۴۳۸، ۴۴۷، ۴۵۶، ۴۷۱، ۴۸۱، ۴۹۵؛ ۴:
۹۰، ۱۶۵، ۱۷۰، ۲۳۸، ۲۴۳، ۲۶۴، ۲۷۱، ۲۹۱، ۲۹۹ (؟)،
۳۱۱، ۳۷۱، ۳۷۳، ۴۱۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۵:
۱۴، ۲۱، ۲۶۴، ۲۷۴، ۸۵، ۹۴، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۲۲،
۱۵۰، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۹، ۲۰۶، ۲۴۷، ۲۶۹، ۳۰۳، ۳۴۷،
۳۵۳، ۳۶۲، ۳۷۲، ۳۸۶، ۴۰۸، ۴۱۹،
۶: ۳۳، ۹۰، ۹۴، ۱۱۸، ۱۵۵، ۱۶۸، ۱۸۰، ۲۰۰، ۲۱۷،
۲۹۷، ۳۴۹، ۳۷۲، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۴، ۷۰۷:
۷۹، ۸۸، ۱۰۳، ۱۴۹، ۱۶۳، ۱۷۷، ۱۹۲، ۲۳۲، ۲۷۱،
۲۷۲، ۲۸۰، ۲۹۸، ۳۱۴، ۳۲۳، ۳۴۱، ۳۷۶، ۳۸۷،
۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۸، ۸: ۱۸، ۴۳، ۶۵، ۴۳، ۱۷۲،
۱۸۴، ۲۳۸، ۲۴۷، ۳۴۱، ۳۷۵، ۳۸۸، ۴۰۲، ۹:

۱۸۴، ۱۷۹، ۱۵۰، ۱۴۷، ۱۲۶، ۹۴، ۴۳، ۳۷، ۲۴،
۴۳۸، ۴۲۴، ۴۰۰، ۳۹۲، ۳۵۰، ۳۸۱، ۳۶۴، ۲۰۱،
۱۶۱، ۱۵۸، ۱۳۶، ۱۲۹، ۱۰۸، ۱۲، ۴۸۳، ۴۸۰،
۲۷۹، ۲۴۲، ۲۳۷، ۲۲۹، ۲۱۵، ۲۱۱، ۲۰۰، ۱۹۵،
۸۵، ۷۷، ۶۵، ۴۴، ۴۳۶، ۴۲۱، ۲۸۰،
۳۱۵، ۲۷۸، ۲۱۳، ۱۵۸، ۱۵۵، ۱۳۷، ۱۰۱،
۴۲۶، ۴۰۲، ۳۸۴، ۲۲۵، ۲۲، ۲۱۲، ۱۲۷، ۱۱۷،
۳۷۶، ۳۵۳، ۳۳۳، ۳۰۱، ۲۴۶، ۲۰۴، ۱۱۰،
۲۳۷، ۲۲۱، ۱۲۰، ۱۱۶، ۹۸، ۷۵، ۹۰،
۳۸۲، ۳۶۸، ۳۵۶، ۳۴۸، ۳۲۹، ۳۲۰، ۲۷۰،
۴۷۵، ۴۶۰، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۲۴، ۹۰، ۹۵، ۴۹۳،
۱۰۰، ۹۰، ۶۹، ۶۸، ۴۷، ۳۶، ۹۵ (؟)، ۴۴،
۲۵۰، ۲۲۵، ۲۱۴، ۹۰، ۵۹، ۶۲، ۳۷، ۳۶،
۲۶۵، ۲۶۲، ۲۴۲، ۲۲۲، ۲۱۴، ۱۹۱، ۱۷۶، ۱۱۰، ۱۰۴،
۱۲، ۱۳۴، ۱۲، ۳۴۴، ۳۳۸، ۳۱۶، ۲۶۹،
۲۶۸، ۲۶۵، ۲۴۲، ۲۴، ۲۱۸، ۱۵۸، ۱۵۷، ۸۴،
۱۴۶، ۱۲۴، ۱۰۲، ۶۹، ۶۸، ۶۵، ۳۹، ۳۳،
۲۷۹، ۲۶۲، ۲۴۰، ۲۳۵، ۲۳۴، ۱۸۲، ۱۶۵،
۱۵۲، ۱۲۴، ۱۱۸، ۱۱۵، ۱۰۸، ۸۰، ۷۶، ۲۶، ۱۳۵،
۱۴۶، ۱۳۴، ۱۱۸، ۹۸، ۹۷، ۷۵، ۶۴، ۱۲، ۷،
۳۵۷، ۲۹۸، ۲۷۶، ۱۸۰، ۱۷۶، ۱۴۶، ۱۱۸، ۵۳۸،
۴۳۳، ۳۷۴، ۳۵۷، ۲۷۴، ۲۵۷، ۲۰۷، ۱۸۹، ۱۸۴،

۳۴۱، ۳۷۶، ۳۷۰؛ ۲: ۴۱، ۵۶، ۶۱، ۱۰۹، ۱۶۰، ۱۸۷، ۲۳۱،
۲۷۰؛
مقبل بن خویلد الهذلی ۵: ۱۳۹؛ (شاید مقبل کی بجائے معقل ہو)۔
ابو المقدام ــــ ملاحظہ ہو بَیْهس بن صُهَیْب
ابو المقدام الخزاعی ۳: ۸۹، ۷: ۲۴۰؛
ابن مقروم ۶: ۳۲۴؛
مُقْعَد بن عمرو ۱۱: ۳۵۲ (؟)؛
مِقْیَس بن صُبابة ۱۰: ۱۲۲؛
ابو مکعّب الاسدی ۳: ۱۴۵؛
ابو مُلکِعت الاسدی (هو مُنْقِذ بن خُنَیْس) ۵: ۱۵۳؛
ابو المُلَثَّم صَخْر ۶: ۴۲۴؛
مِلْحة الجَرْمی ۴: ۳۴۸، ۵: ۴۰۹، ۹: ۱۸، ۱۵: ۲۸۰،
۴۳۴؛
المِلْقَطی ۱۵: ۴۲۴؛
مُنَیْح بن الحَکَم الهذلی ۱: ۴۰۵، ۲: ۴۸، ۲۹۷، ۳: ۴۱، ۹۰،
۹۸، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۵۴، ۱۷۸، ۲۰۵، ۲۳۲، ۳۲۷،
۴۶۲، ۴: ۹۳، ۱۵۲، ۳۲۰، ۵: ۳۵، ۲۲۵، ۲۵۸،
۶: ۱۵۶، ۸: ۲۵۷، ۹: ۱۲۲، ۱۴۳، ۱۰: ۱۹، ۲۴، ۱۳۲،
۱۲۱، ۱۱: ۳۳، ۴۸، ۵۳، ۹۰، ۱۰۱، ۱۴۹، ۲۲۳، ۱۲:
۱۰۳، ۱۶۴، ۱۳: ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۴: ۳۵۳، ۱۵: ۳۰۳، ۳۲۴،
۱۶: ۴۳، ۲۰۱، ۲۴۸، ۲۹۳، ۱۷: ۲۸۷، ۴۵۹، ۴۶۰،

۱۸: ۱۱۳، ۱۹: ۲۹، ۵۴، ۲۲۸، ۲۰: ۱۶۱، ۲۲۴؛
المُمَزِّق الحَضْرمی ۱۲: ۲۲۰؛
المُمَزَّق العَبْدی (هوشَأس بن نهار) ۸: ۳۳۰، ۹: ۴۱۸، ۱۱: ۲۴۲، ۱۲: ۹۳، ۱۱۹، ۲۱۹، ۲۲۰، ۱۳: ۲۱، ۱۴: ۳۳۹، ۳۵۱، ۱۷: ۳۱۵، ۳۴۴، ۱۸: ۲۵۰؛
ابن مُنادِر ۱: ۱۶۷؛
مُنازِل بن فُرعان ۳: ۸۵، ۱۴: ۱۸۳؛
المُنَخَّل اليَشْكُرِیّ ۲: ۱۱۸، ۵: ۲۵۷، (المتنخل صحیح نہیں) ۶: ۲۷۶؛
اخت المنذر بن عمرو الانصاری ۱۹: ۳۷۹؛
المنذر بن وبرة الثَّعْلَبِیّ ۱۴: ۳۳۱؛
منصور ۱۷: ۲۹۲؛
ابو منصور الاسدی ۸: ۲۲، ۹: ۷؛
منصور بن مرثد الاسدی ۶: ۲۵۳؛ (یہ نام منظور بن مرثد سے مشابہ ہے۔)
منصور بن مِنْجاح ۷: ۴۰۹؛
منظور ۸: ۳۶۵؛
منظور الاسدی ۳: ۱۲۶، ۹: ۲۱۵، ۱۳: ۴۲، ۷۷، ۱۶: ۴۴؛
منظور بن حَبَّة الاسدی (حبة امه وابوه شریک) ۱: ۲۰۱، ۳: ۱۳۳، ۱۷: ۷۵ (۹)، ۱۹: ۷۲؛

منظور الدُّبَيْرِی ۷: ۲۲۶، ۱۲: ۲۱، ۳۲، ۱۳: ۱۶۴؛
منظور بن صُبُح الاسدی ۹: ۴۰۷؛
منظور بن مَرْثَدٍ الاسدی الفَقْعَسِیّ ۱: ۳۰۴، ۲: ۲۷۵، ۳۴۱، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۸۲، ۶: ۴۳۵، ۷: ۲۹۹، ۱۲: ۳۲۰، ۱۳: ۳۹۴، ۹۵۰، ۱۴: ۶۴، ۶۶، ۱۱۷؛ (نیز ملاحظہ ہو منظور الاسدی)۔
منظور الوَبْرِی ۲۰: ۲۸۰؛
منفوسۃ بنت زید الفوارس (او الخیل) ۱۱: ۲۶۵ (؟)، ۱۴: ۲۶۱ (؟)، ۲۶۲؛
منقذ بن خنیس ـــ ملاحظہ ہو ابو مکعت الاسدی۔
منقذ بن الطَّمَّاح الاسدی ـــ ملاحظہ ہو الجمیح بن الطماح الاسدی۔
ابو المِنْہال ۱۶: ۱۸۵؛ (نیز ملاحظہ ہو بُقَیْلۃ الاکبر)
ابو المنیع الثعلبی ۴: ۳۹؛
مُہاصِر بن المُحِلّ ۱۶: ۲۸۹؛
مُہاصِر النہشلی ۸: ۲۷۶، ۳۴۳؛
ابو مہراس ۱۰: ۱۴۶، ۱۴: ۳۳؛
مُہَلْہِل (بن ربیعۃ التغلبی) ۱: ۲۷۵، ۳۷۸ ۲: ۲۳۲، ۳: ۱۳۸، ۴: ۳۸، ۴۲۸، ۶: ۱۹۷، ۲۳۴، ۳۸۹ ۷: ۳۳۷، ۸: ۲۷۶، ۲۷۶ (۹)، ۹: ۳۷۹، ۳۹۶، ۱۰: ۲۴، ۲۴۸، ۱۱: ۳۵۲، ۱۲: ۱۳۹، ۱۳: ۲۰۹، ۲۱۰، ۴۱، ۴۵۸، ۱۵: ۲۵، ۳۷،

۱۴۱، ۳۷۰، ۱۶: ۷۳، ۱۴۲، ۲۸۳، ۱۹: ۲۶، ۲۷۴، ۳۷۶،
۲۰: ۲۸۲؛
ابوالمُهَوِّش الاسدی ۵: ۲۹۳، ۳۰۰، ۱۱: ۲۲۷، ۱۶: ۲۰ (؟)،
۱۸: ۲۵۲ (یہاں بین المهملة مرقوم ہے)، ۱۹: ۲۵۷؛
مَوْدُوْد العنبری ۸: ۸۳ (؟)؛
مؤرّج ۱۵: ۵۰، ۲۰۰؛ ۲۲۳؛
ابوالمورّق ۵: ۳۶؛
موسی بن جابر الحنفی ۶: ۲۴۶، ۹: ۱۴۰؛
مَوْهَب بن رياح (ابوأُنَيْس) ۱۸: ۳۱۳؛
مُوَيلِك المَرْموم ۱۲: ۱۸۰ (خزانة الادب میں المزموم مرقوم ہے)۔
ابن مَيَّادَة (هوالرماح بن ابرد) ۲: ۸۱، ۳: ۵۹، ۲۷۸، ۴۵۱،
۴۶۲، ۴: ۵۵، ۱۸۳، ۲۹۹ (؟)، ۳۳۵، ۵: ۱۳، ۱۷،
۱۴۸، ۱۴۹، ۲۷۰، ۶: ۴۲، ۲۲۷، ۲۶۸، ۷: ۳۸۲،
۴۲۵، ۴۳۳، ۸: ۱۹۸، ۹: ۷۳، ۸۲، ۱۵۶، ۱۶۴، ۱۰:
۱۷۶، ۱۱: ۲۴۴، ۴۰۷، ۱۲: ۵۹، ۱۶۰، ۲۱۰، ۱۳: ۲۵، ۳۱۱،
۳۷۸، ۴۲۱، ۱۴: ۱۲۱، ۱۹۱، ۱۵: ۲۸۰ (؟)، ۱۶: ۹۶، ۲۳۰،
۲۳۱، ۱۷: ۱۳۲، ۲۰: ۱۱۰؛
مَيَّة بنت ضِرَارٍ الضَّبِّيَّة ۵: ۷۸، ۱۱: ۴۱، ۱۶: ۱۹۷؛
مَيَّة بنت ام عُتْبَة بن الحرث ۱۷: ۳۶۰؛
المَيْدان الفَقْعَسِیّ ۱۵: ۹۵ (؟)؛
مَيْسُون بنت بَحْدَل الكلابية ۱۷: ۲۹۴؛

مَيْمون بن حَفْص (ابو تَوْبة) ١٣: ٤٨٠؛
ابو ميمون العجلی (هو النَّضْر بن سَلَمَة) ١٠: ٣٧٣، ١٥: ١٩٠،
٣٨٣، ٢٠: ٢١٥؛

ن

نائِلة بنت الفُرافِصَة بن الاَحْوص الكَلْبِيّة (زوج عثمانؓ) ١:
٢٧٩ (؟)؛
النابغة الجَعْدِیّ (هو قيس بن عبد الله ابو ليلى) ١: ٣٦، ١٠١،
١١٥، ٢١٨، ٢٦٤، ٣١٩، ٤٠٠، ٤٥٨، ٤٧٩، ٤٨٣،
٤٨٥، ٢: ٢٠، ٤٥، ٧٣، ٧٧، ٩٧، ١٩٣، ٢١٩، ٢٣٦،
٢٦٠، ٢٦٣، ٢٨٧، ٢٩٢، ٣٣٥، ٤٢٠، ٣: ٨٤، ١٧٢،
١٩٥، ٢١٣، ٢٢٩، ٢٨٧، ٣٦٨، ٣٨٦، ٤٢٨، ٤٧١،
٤: ٦٣، ١٢٩، ١٤٠، ١٤٥، ٢١٧، ٢٣٥، ٣٢٠، ٣٣٣،
٤٨٥؛ ٥: ١١، ١٧، ٢١٣، ٢٤٧، ٣١٨، ٣١٩، ٣٤٤، ٣٧٢،
٣٨٦، ٣٩٧، ٤١٣، ٤١٨، ٦: ٦٩، ١٧٧، ١٥٧، ٢٠٢، ٢٣٩،
٣٠٣، ٤٣٤، ٤٥٠، ٧: ١٥٢، ١٩٥، ٢٠٦، ٢٦٤، ٣١٢،
٣١٤، ٣٦٤، ٣٦٨، ٤٠٢، ٤١٩، ٨: ٦٢، ٧٢، ٨٧، ١١٢،
١١٣، ١٢٦، ١٣٤، ١٥٣، ١٦٥، ١٩٥، ٢٢٠، ٢٤٨، ٢٨٠، ٣٠٧،
٣٨١، ٤٠٨، ٩: ١٥، ٦٢، ٧٨، ١٤٠، ١٥٧، ١٧٩، ١٨٩،
١٩٣، ٢٢٣، ٢٣٢، ٢٥٥، ٣٤٠، ٣٥٥، ٤٤٥، ٤٥٤، ٤٦٨،
١٠: ٣٥، ١٣٧، ١٥٤ (؟)، ٣٠٧، ٣٩٠، ٤٢٧، ٤٤٣، ١١: ٢٣، ٨٣،

١٠١، ١١٥، ١٨٥، ٢٣٤، ٢٤٠، ٢٥٠، ٢٧٧، ٢٨٧، ٢٨٨،
٢٩٣، ٣٥٠، ٣٨٦، ٣ا: ٢٧، ٧٩، ١٣٢، ١٤٠، ٢١١، ٢٢٤،
٢٣٩، ٢٧٨، ٣٣٤، ٣ب: ٢٢، ٣٦، ٣٧، ٣٨، ٤١، ٤٧، ٥٧، ٦٤،
٧٩، ١٠٩، ١٣٥، ١٤٠، ١٥٢، ١٥٥، ١٧١، ١٩٧، ٢٠٠، ٢٣٠، ٢٥٢،
٢٨٨، ٢٩٣، ٣١١، ٣١٧، ٣٤٠، ٣٥٤، ٣٧١، ٣٨٦، ٤٠٥، ٤١٢،
٤٤١، ٤٩٠، ٥٠٤، ٥٠٥ا: ٤٦، ٥٩، ١٠٤، ١١٥، ١١٨، ٢٤٠، ٢٥٩،
٢٦١، ٢٦٥، ٢٧٦، ٣٥٤، ٣٥٥ا: ٧، ٦٥، ٩٣، ١٣٩، ٢٠٥، ٢٢٨، ٢٤١، ٢،
٢٦٧، ٢٧٦، ٢٧٨، ٢٩٠، ٣٢٠، ٣٢٨، ٣٤٣، ٣٨٤، ٣٨٣،
٦ا: ٨٩، ١٩١، ٢٠٧، ٢١٠، ٣٠١، ٧ا: ١٠، ٢١، ٤٣، ٥١، ٥٢،
١٢٠، ١٣٣، ١٦٥، ١٦٦، ١٦٩، ١٧٩، ٢١١، ٢٩١، ٣٠٤، ٣٣٥،
٣٤٥، ٣٥٤، ٣٥٥، ٨ا: ١٨، ٤١، ٧٦، ٨٧، ١١٧، ١٣٩، ٢٥٢،
٢٦٢، ٢٦٤، ٢٦٦، ٩ا: ٧٩، ٩٥، ١٣١، ١٣٩، ١٨٣، ٢٠٨ (؟)،
٢١٠، ٢١٨، ٢٥٥، ٢٧٩، ٢٨٠، ٣٠٤، ٣٢٧، ٣٥٠ب: ٢٦،
٣٦، ٣٩، ٣٧٤، ١٨٤، ١٨٦ (؟)، ٢١٦، ٢٢٢، ٢٢٨، ٢٤٠،
٢٦٠، ٢٩٠، ٣٥٢؛

النابغة (الذبياني) ا: ٤٨، ٩٠، ١٩٥، ٢٠٨، ٢٥٤، ٢٨٨، ٢٨٩،
٣٠٤، ٣١٥، ٣٢٣، ٣٢٩، ٣٣٢، ٣٦٧، ٣٦٨، ٣٤٣،
ب: ٩٤، ٥٠، ٦٩، ٧٨، ٩٦، ١١٥، ١٣٢، ١٦٦، ١٧٩، ٢٢٤،
٢٣٤، ٢٥٥، ٣١٥، ٣٥٦، ٣٦٠، ٤٠٢، ٤٤١، ٤٦٢،
٤٦٤، ٤٦٦، ٤٦٣ا: ٨، ٣٠، ٩٠، ١٢١، ١٩٧، ٢١٢، ٣٣٣، ٣٤٥،
٣٥٩، ٣٦٧، ٣٩٣، ٤٠٠، ٤٥٥، ٤٥٦، ٤٨٦، ٤٨٤ب: ٤٠، ٤٦، ٥٦، ٥٩،

۴۵۳، ۴۴۲، ۴۰۹، ۲۰۰، ۱۸۶، ۱۴۱، ۱۲۸، ۱۱۸، ۹۹، ۹۴،
۴۵۲، ۴۲۹، ۴۰۹، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۲، ۲۷۴، ۲۶۲، ۲۵۴،
۳۵۴، ۳۵۱، ۳۴۵، ۳۴۱، ۳۲۶، ۳۲۵، ۲۶۹،
۴۶۹، ۴۶۷، ۴۴۶، ۴۳۳، ۴۲۸، ۴۰۸، ۳۶۹، ۳۶۲،
۴۷۱، ۴۵۷، ۴۵۲، ۴۲۵، ۴۱۲، ۱۱۶، ۱۱۱، ۹۵، ۸۵، ۵: ۱۵،
۴۲۳، ۳۷۷، ۳۰۲، ۳۰۴، ۲۹۵، ۲۶۰، ۲۵۵، ۲۰۲،
۴۲۵، ۳۶۵: ۲۳۰، ۲۱۹، ۲۰۳، ۱۸۲، ۱۷۸، ۱۶۵، ۱۳۳،
۴۵۵، ۴۵۲، ۴۰۰، ۳۵۳، ۳۴۷، ۳۰۴، ۲۵۱،
۴۶۳، ۳۱۲، ۲۸۱، ۲۷۶، ۲۷۱، ۲۶۱، ۹۵، ۵۶،
۴۳۴، ۳۱۵، ۲۷۴، ۲۷۲، ۲۰۵، ۱۹۴، ۸: ۹۴، ۷۷،
۴۳۶، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۲۹، ۲۷۴، ۲۳۶، ۲۱۹، ۱۹۵، ۱۸۰،
۴۳۴، ۴۱۹، ۴۱۷، ۳۷۸، ۳۴۳، ۳۰۶، ۲۹۶، ۹: ۳،
۴۳: ۰۸۴، ۴۸۹، ۴۶۲، ۳۵۴، ۳۴۲، ۳۸۶، ۳۰۴،
۴۰۸، ۳۷۳: ۳۴۵، ۳۰۶، ۲۷۰، ۲۳۸، ۲۳۵، ۲۱۲،
۴۲۲، ۴۱۷، ۴۰۸، ۳۹۴، ۳۰۴، ۲۴۴، ۲۱۷،
۴۸۷، ۴۸۱، ۴۷۹، ۴۶۴، ۴۵۵، ۴۲۹، ۴۲۴، ۴۱۸،
۴۲۹، ۴۰۹، ۲۹۰، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۲، ۲۷۴، ۲۶۲، ۲۵۴،
۴۵۳، ۴۴۲، ۴۰۹، ۲۰۰، ۱۸۶، ۱۴۱، ۱۲۸، ۱۱۸، ۹۹، ۹۴،
۴۵۲، ۴۲۹، ۴۰۹، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۲، ۲۷۴، ۲۶۲، ۲۵۴،
۴۶۹، ۴۶۷، ۴۴۶، ۴۳۳، ۴۲۸، ۴۰۸، ۳۶۹، ۳۶۲،
۴۷۱، ۴۵۷، ۴۵۲، ۴۲۵، ۴۱۲، ۱۱۶، ۱۱۱، ۹۵، ۸۵، ۵: ۱۵،
۴۲۳، ۳۷۷، ۳۰۲، ۳۰۴، ۲۹۵، ۲۶۰، ۲۵۵، ۲۰۲،
۴۲۵، ۳۶۵: ۲۳۰، ۲۱۹، ۲۰۳، ۱۸۲، ۱۷۸، ۱۶۵، ۱۳۳،
۴۵۵، ۴۵۲، ۴۰۰، ۳۵۳، ۳۴۷، ۳۰۴، ۲۵۱،
۴۶۳، ۳۱۲، ۲۸۱، ۲۷۶، ۲۷۱، ۲۶۱، ۹۵، ۵۶،
۴۳۴، ۳۱۵، ۲۷۴، ۲۷۲، ۲۰۵، ۱۹۴، ۸: ۹۴، ۷۷،
۴۳۶، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۲۹، ۲۷۴، ۲۳۶، ۲۱۹، ۱۹۵، ۱۸۰،
۴۳۴، ۴۱۹، ۴۱۷، ۳۷۸، ۳۴۳، ۳۰۶، ۲۹۶، ۹: ۳،
۴۳: ۰۸۴، ۴۸۹، ۴۶۲، ۳۵۴، ۳۴۲، ۳۸۶، ۳۰۴،
۴۰۸، ۳۷۳: ۳۴۵، ۳۰۶، ۲۷۰، ۲۳۸، ۲۳۵، ۲۱۲،
۴۲۲، ۴۱۷، ۴۰۸، ۳۹۴، ۳۰۴، ۲۴۴، ۲۱۷،
۴۸۷، ۴۸۱، ۴۷۹، ۴۶۴، ۴۵۵، ۴۲۹، ۴۲۴، ۴۱۸،

٦، ٢٧٦، ٢٧٧، ٣١٢، ٤٠٨، ٤١٩، ٤٩٠، ١٤: ١٥، ١٠٠، ١٠٢،
١١٩، ١٣١، ٢٠٥، ٢٢٦، ٢٣٠، ٢٥٨، ٢٦٩، ٢٨٤، ٢٨٩،
٢٩١، ٢٩٢، ٣٠٦، ٣١١، ٣٣٧، ٣٥٠، ٣٥٦، ٣٧١،
١٥: ٣، ١٠، ٢٥، ٣١، ٣٨، ٤٩، ٥٥، ٨٣ (؟)،
١٥٦، ١٥٧، ١٧١، ١٧٣، ١٧٤، ١٩٢، ٢٠٠، ٢٠٥،
٢٢٩، ٢٣٠، ٢٤٤، ٢٥٨، ٢٦٩، ٢٨٣، ٣٢٤،
٣٨٤، ٣٨٩، ٣٩٨، ٤٠٩، ١٦: ٢٦، ٥٧،
٧٣ (؟)، ١٢٥، ١٥٩، ٢١٥، ٢٢٤، ٢٦١، ٢٨٠،
٢٨٧، ٢٨٩، ٢٩١، ٣٩٣، ١٧: ٣، ٣٤، ٣٦،
٤٥، ٤٦، ٧٧، ٨٢، ٨٧، ١٠٤، ١٠٧، ١١٨،
١١٩، ١٢٨، ١٤٢، ١٤٥، ١٦٧، ١٩٩، ٢٢٤، ٣٠٤،
٣٤٨، ٣٥٦، ٤١٧، ١٨: ٢٣، ٣٨، ٤٠، ٤٦،
٨٣، ٨٧، ١٠٤، ١٢٣، ١٢٤، ١٣٠، ١٦٣، ١٩٧،
١٩٨، ٢٢٣، ٢٤٣، ٢٦٢، ٢٦٨، ٢٨٠، ٢٨٤،
٢٩١، ١٩: ٥٤، ٧٠، ٧٤، ٩٥، ١٠٣، ١٠٤،
١٤١، ٢١٤، ٢٧٢، ٣١٤، ٣٤٩، ٢٠: ٨، ٩،
٥٠، ٥١، ٥٣، ١٢٨، ١٥٠، ١٧٠، ١٧٢، ١٨٦،
٢١٦، ٢٥٠، ٢٧١، ٣١٩، ٣٣٠، ٣٦٥؛

نابغة شيبان ١٣: ٧٦؛

ناشرة بن مالك ٢: ٢٧٤ (؟)، ١٠: ٤٢٠؛

امرأة ابن ناعصة ١٣: ١٥٨؛

نافع بن سعد العَنَوِیّ ١٤: ١٢٨؛
نافع بن لَقِیطٍ الأَسَدِی الفَقْعَسِی ١: ١٢٠، ١٨٤، ٣: ٢٠٣،
٥: ٥٧٣، ٧: ٩٨، ٨: ١٩ (؟)، ٩: ٢٧٦ (؟)،
١١: ٨، ١٦: ٣٦٢، ١٩: ١١٢ (؟)؛
نافع بن نُفَیْع الفَقْعَسی ٩: ٢٧٦ (؟)؛
ناهِض بن ثُومة الکلابی ١٧: ١٧٨، ١٨: ٦؛
نَبْهان ٧: ٣٥٧، ٤٠٣؛
نَبیه بن الحجّاج السَّهْمِی ١١: ١٥١، ٣٠٠: ٣٠٠ (؟)، ٣٨١ (؟)؛
نجادُ الخَیْبَرِیّ ٥: ٢١٥، ٧: ١٢٦، ٩: ٢٥، ١٣٨،
٢٣٠، ٢٧٤، ١٢: ٣٥٧؛
النجاشی ٣: ٧٨، ٨: ١٦١، ١١: ٩٥، ١٦٦، ١٦: ٩٢؛
ابو النَّجم العِجْلِیّ ١: ١٥، ٢٢، ١١٢، ١٤٢، ٢٥١، ٢٨٥،
٣٠٨، ٣٤١، ٣٤٣، ٢: ٩١، ٩٥، ١٢٣، ١٨٩، ١٩٢،
٢٦٤، ٣٠٠، ٣١٦، ٣: ٣٢، ٥٥، ٩٧، ١٧٤،
٢٣٧، ٢٥٢، ٢٥٨، ٢٧٢، ٢٧٦، ٣٠٦،
٣١٣، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٥٠، ٣٦٢، ٣٦٨،
٣٧٥، ٣٧٧، ٣٧٩، ٣٨٧، ٣٩٢، ٣٩٦،
٤٠٤، ٤١٥، ٤٥٢، ٤٥٤، ٤٦٠،
٤٦٥، ٤: ٣٠، ٣٨، ١٣٧، ١٥٥، ٢٤٧،
٢٥٦، ٣١٧، ٣٣٣، ٣٣٩، ٤١٩، ٥:
٨٢، ٢٠٠، ٢٢٢، ٢٤٧، ٢٤٨، ٢٨٤،

٦ : ٥٠، ٦، ٨٦، ١٢٤،
١٠٣، ٣٣٨، ٣٧٨، ٣٩٩،
٣٢٨، ٣٢٣، ٣٠٣، ٢٥٧، ٢٢٥، ١٩٨،
٧ : ٣١٢، ١٥٥، ١٥٦، ١٧٠،
٤٠٤، ١٩٤، ٧٤٥،
٨ : ٢٩٣، ٢٢٥، ٢٢١، ٢٢٠، ٢١٦، ١٧٩،
٩ : ٢٤، ٣٨٢، ٣٧٣، ٣٣٣، ٣٢٥، ٣٠٥،
٢٩٩، ٢٧٢، ٢٦١، ١٦٩، ١٤٣، ١٠٦، ٦٠٢،
١٠ : ٣٤٢١، ٣٠١، ٢٩٣، ٢٣٥، ٢٢٦،
١١ : ٣٤٩، ٣٩٦، ٣٤٩، ٣٨١، ٢٦٧، ٢٨٦، ٢٥٩، ٢٥٥،
١٢ ١٨، ١٩، ١٢٧، ١٢٥، ١٤٧، ١٥٧، ٢٦٥،
١٣ : ١١، ١٣، ٤٥، ٥٠، ٦٤، ٦٥، ٨٦، ١٠٧،
١٨٥، ١٦٤، ١٥٥، ١٢٩، ١٢٣، ١٢٢، ١١٦،
٣١٣، ٣٠٩، ٣٠٨، ٢٨٩، ٢٣٨، ٢١٣، ٢٠٧،
٤٥٠، ٤٢٣، ٤٠٤، ٣٩٨، ٣٩٧، ٣٨٦، ٣٢١،
١٤ : ٥٠٦، ٥٠٢، ٤٧٤، ٤٦٦، ٤٦٥، ٤٢٢،
١٩٠، ٨٨، ٨٥، ٦٧، ٥٣٧، ٥٠٩، ٤٣٣، ٤،
١٩٣، ١٧٠، ١٦٨، ١٦٥، ١٦٣، ١٤٩، ١٤٠،
١٥ : ٠٧، ٧٧، ٨٦، ٨٧، ٢٥٥، ٢٢٣، ٢١٣، ٢٠٩،
٢٨٦، ٢٧٩، ٢٦٤، ٢٦٥، ٢٤٢، ١٦٩، ١٥٣، ١٢٥،

۲۹۲، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۳۷، ۳۷۲، ۴۰۹، ۱۶:
۲۴، ۸۸، ۱۳۳، ۲۵۳، ۱۷: ۱۸۱، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۱۳،
۳۵۳، ۳۸۱، ۴۲۲، ۱۸: ۳۳، ۴۰، ۴۶، ۴۵، ۱۵،
۲۰۷، ۲۶۹، ۱۹: ۶۳ (بجائے ابوالنجم یہاں پریس کی
غلطی سے ابوالنجلہ مرقوم ہے، یعنی حرف میم الٹی لگی ہوئی ہے)،
۶۴، ۸۲، ۱۱۶، ۱۶۶، ۲۰۶، ۲۴۲، ۲۹۲، ۳۱۶،
۲۰: ۱۷، ۱۸، ۲۶، ۳۸، ۲۰۲، ۲۱۵، ۲۲۴،
۲۴۷، ۲۶۰، ۲۶۳، ۳۳۲، ۳۶۱؛
النحّاس (کذا) ۸: ۱۱۲؛ (تاج العروس (۴: ۲۵۵) میں یہی شعر کمیت کی
جانب منسوب ہے)
ابونَخلۃَ ۱: ۲۷۹؛
ابونُخَیلۃ السَّعْدی ۱: ۴۷، ۲: ۱۵۰، ۳۰۷، ۳۳۷، ۳:
۱۹، ۱۶۱، ۴: ۴۶، ۱۷۸، ۲۰۳، ۵: ۲۷، ۶:
۹۲، ۲۸۲، ۲۷۰، ۷: ۶۵، ۴۷، ۸: ۱۱۲، ۹: ۱۰۹،
۱۱۳، ۱۱: ۲۲، ۳۱، ۸۵، ۱۶۴، ۳۹۳، ۱۲:
۱۸۳، ۲۹۸، ۱۳: ۶۵، ۴۰۱، ۴۷۰، ۱۴: ۲۸۶،
۱۵: ۶۲، ۲۰۲، ۲۳۴، ۳۱۷، ۳۳۷، ۱۷:
۱۶۱، ۳۹۰، ۴۴۸، ۴۵۸، ۱۸: ۱۷، ۳۱۹،
۱۹: ۲۲، ۸۵، ۳۰۲: ۳۲، ۴۲، ۱۵۳، ۲۰۹،
۲۱۳، ۲۲۷؛
نصر بن حجاج ۱۷: ۲۴۸؛

نصر بن سيّار ۵: ۴۲۵، ۱۳: ۳۸۴؛
نُصَيْب ۱: ۱۶۵، ۲۲۸، ۲۹۴، ۲: ۴۴، ۴۳۸، ۳: ۳۲۷، ۴: ۵۱، ۲۰۹، ۴۷۰، ۵: ۱۰۳، ۷: ۸۳، ۳۰۴، ۳۰۶، ۹: ۱۶۵، ۱۰: ۴۱۱، ۱۱: ۱۷۹، ۲۵۹، ۳۱۰، ۱۴: ۲۱۵ (؟)، ۳۶۲، ۱۵: ۹۹، ۱۳۸، ۱۶۶، ۱۷: ۸۹، ۳۵۴، ۱۹: ۲۲۰، ۳۷۵، ۲۰: ۸، ۶۰، ۱۹۲ (؟)، ۲۹۸؛
نصيب [بن رباح] الاسود ۱۴: ۲۷۰؛ (اغانی میں رباح بالباء مرقوم ہے)
نصير ۱۹: ۱۶؛
النَّضْر بن سلمة العجلی ـــ ملاحظہ ہو ابو ميمون العجلی
النضری ۱۳: ۸۴؛
نَضْلَة بن خالد الاَسَدی ۱۹: ۲۶۱ (؟)؛
نَضْلَة السُّلَمِيّ ۳: ۳۷۸؛
النَّظَّار الفقعسی الاسدی ۲: ۳۶۲، ۲۰: ۵۷؛
النظار بن هاشم الاسدی ۴: ۲۸۷؛
النعمان بن بشير ۸: ۱۵۸؛
النعمان (بن عدی او من بنی عدی) ۱۱: ۳۱۸، ۱۵: ۵۱، ۱۶: ۵۰ (؟)؛
النعمان بن نَضْلة العدوی ۱۶: ۵۰ (؟)؛
بنت النعمان بن المنذر ۱۲: ۳۶؛
نعيم بن الحرث بن يزيد السعدی ۹: ۴۸۰؛

نَفْر (جَدّ الطِّرِمّاح) ۷: ۳۲۹، ۸: ۱۵۶؛
نُفَيلة (او بُقَيْلة) الاكبر الاشجعي ابو المنهال ۵: ۷۵؛ (معجم الشعراء صـ۶۲ پر بُقَيْلة کو ترجیح دی گئی ہے)
نِقادة الاسدی ۳: ۳۲، ۹: ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۲۸، ۲۴۲، ۲۷۰؛
النَّمِر بن تَوْلَب ۱: ۲۱، ۲۴۵، ۳۵۱، ۴۰۷، ۴۶۷، ۴: ۲۱، ۵۰، ۱۱۱، ۱۸۰، ۳۷۶، ۴۵۷، ۳: ۲۰۱، ۲۸۵، ۳۱۷، ۳۳۷، ۴۹۰ (۹)، ۴: ۴۷، ۳۱۸، ۳۸۵، ۵: ۸۹، ۱۰۸، ۲۶۶، ۳۴۸، ۳۶۶، ۵۷۳، ۶: ۳۳، ۱۱۰، ۷: ۲۱، ۸: ۱۲۴، ۲۵۷، ۳۱۰، ۳۴۵، ۹: ۱۴۵، ۱۰: ۱۵۲، ۲۵۰، ۳۲۸، ۳۹۹، ۱۱: ۹۱۵، ۲۱۷، ۳۵۴، ۱۲: ۵۱، ۷۰، ۲۲۷، ۲۴۰، ۳۳۰، ۱۳: ۱۲۴، ۲۰۷، ۲۲۴، ۳۴۳، ۳۹۷، ۱۱۵، ۱۲۵، ۱۴: ۱۲، ۲۷۳، ۱۵: ۳۰، ۳۱، ۱۷۸، ۲۴۹، ۳۳۹، ۱۶: ۲۳۷، ۲۴۲، ۱۷: ۲۹۰، ۲۹۶، ۱۸: ۲۲۴، ۱۹: ۱۰۰، ۱۴۹، ۱۶۰، ۱۸۶، ۱۹۴، ۲۷۰، ۲۰: ۲، ۲۹۲؛
النمری ۳: ۴۲، ۱۴: ۳۳۲؛
نُمیر بن جَرّاح ۲: ۴۵۵؛
النُّمَیْری ۱۳: ۲۷۹؛
نَهار بن تَوْسِعَة ۶: ۷۳، ۱۵: ۲۹۲؛

نَهْشَل بن حَرِّی ۲: ۱۲۷ (حری کی بجائے جُرَی مرقوم ہے)، ۳:
۲۵۸، ۶: ۶۷، ۸: ۲۴۱، ۹: ۴۱۶، ۱۱: ۴۰۱، ۱۲:
۳۶، ۲۰۸، ۱۳: ۲۶۲، ۲۰: ۴۳؛
نَهِیک بن اِساف الانصاری ۱: ۳۱۸؛
نَهِیک الفزاری ۱: ۳۰۶؛
نَهِیک بن قَعْنَب ۱۶: ۱۰۱؛
نُهَیْکة الفزاری ۹: ۴۰۰؛
نَوَار ۱۳: ۲۳۷؛
ابونُوَاس ۵: ۳۲۸؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن ھانئ)
نوح بن جریر ۱۷: ۱۲۱؛
ابو نوفل ۱۱: ۳۰۱؛
نوفل بن ضمرة الضَّمْری ۱۴: ۱۳۱؛
نُوَیْفِع بن نُفَیْع الفقعسی ۹: ۲۷۶ (؟)؛

ھ

ابن ھانئ ۶: ۹۷، ۷: ۹۷؛
ھانئ بن توبة الشیبانی (الشُّوَیْعِر الحنفی) ۴: ۱۳۶، ۶:
۸۵؛
ھُبَیْرة بن عبد مناف ـــــ ملاحظہ ہو الکَلْحَبَة
ھُبَیْرة بن عمرو النھدی ۱۵: ۲۲۰ (؟)؛
الھُجَیْمی ۱۷: ۳۴۹ (؟)، ۱۹: ۳۶۱؛

الهداس ||: ٣٨٣ (؟)؛
هُدْبَة بن الخَشْرَم |: ٢٨٧، ٢: ٣٩٣، ٥: ٣١٤، ٦:
٣٨٢، ٩: ٨٨١، ٣٦٨، ٣٨٢، ١٠|: ٢٧١، ٣٣٠،
١٩٣، ١٢|: ٢٥٧، ١٣: ٣٦٢، ١٤|: ٣٤٣، ٤٢٧،
٩٣، ١٥|: ٣٤، ٣٥٤، ٣٩٩، ٢٠: ٣٢؛
الهُذَلى |: ٣٦، ٦٩، ١٧٤، ٢١٣، ٢١٤، ٢٥١، ٢٧٣،
١٨٣، ٢٠٤، ٦٥٤، ٨٦٤، ٣: ٤، ٩، ٢٥، ٤٥،
٢٣٧، ٢٨٣، ٢١٣، ٢٥٧، ٣٦٧، ٣: ٩، ١٤،
٣٦، ٦٠٦، ٩٦، ١٣١، ١٥٩، ١٦٦، ١٨٨، ٢٣٥،
٢٤١، ٢٥٧، ٢٨٠، ٢٨٢، ٢٩٥، ٣٤٠،
٥٧، ٣٧٧، ٤: ٨٢، ٧٨، ١٥٩، ٢٣٢،
٢٤٥، ٢٧٥، ٢٨٥، ٣٠٢، ٣٢٥، ٣٤٦، ٣٤٧،
٤٦١، ٥: ٣٨، ١٨٧، ٢١٠، ٢٢٦، ٢٣٠، ٢٧١،
٣٤٦، ٤٠٨، ٤١٢، ٦: ٢٠٦، ٢٧٣، ٢٨٨،
١٣٢، ٣٨٤، ٤٣٧، ٧: ٩٠، ١٣٠، ١٧٥،
٣١٥، ٣١٦، ٣٣٢، ٣٣٩، ٣٤١، ٣٦٦، ٣٨٧،
٨: ٣، ١١، ١٤١، ١٥٨، ١٣٨، ١٧٣، ١٨٨ (؟)، ٢٨٩،
٩: ٣، ٧، ٧٨، ١١٤، ١٢١، ١٤٨، ١٧٧، ١٨٠، ٢٠٦،
٢٣٧، ٢٥٥، ٢٦٤، ٢٦٧، ٢٧٢، ٢٨٨،
٣٠٥، ٣٣٩، ٣٧٣، ٨٦٤، ١٠|: ٢٦، ١٢٢،
١٤٠، ١٩٣، ١٩٨، ٢٥٥، ٢٨٨، ٣٠٩، ٣٤٤،

۱۱: ۲۶، ۳۷، ۴۷، ۴۹، ۵۴، ۶۵، ۷۱، ۷۸،
۹۴، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۴۶، ۱۵۸، ۱۷۱، ۲۳۲،
۲۹۰، ۳۱۳، ۳۹۹، ۱۲: ۴۹، ۵۶، ۷۲، ۱۵۳،
۲۰۸، ۴۰۴، ۱۳: ۲۸، ۱۱۰، ۱۳۴، ۱۵۶، ۱۶۷،
۲۲۱، ۲۳۰، ۲۳۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۳۷، ۳۸۷،
۱۴: ۷، ۲۴، ۱۱۲، ۳۰۶، ۳۳۶، ۳۵۱، ۱۵:
۴۴، ۱۲۶، ۱۳۳، ۳۱۷، ۳۳۶، ۱۱۴، ۱۶؛ ۲۴۴،
۲۵۶، ۲۵۲، ۲۸۱، ۱۷: ۴، ۷۶، ۱۷۰، ۱۰۲،
۱۳۵، ۱۶۴، ۲۱۴، ۳۳۳، ۲۸۲، ۳۰۴، ۳۵۷،
۲۶۴، ۵۹۴، ۱۸: ۵۵، ۱۵۱، ۱۷۷، ۱۸۴،
۲۵۵، ۲۸۰، ۲۹۳، ۳۱۲، ۱۹: ۱۲۸، ۱۷۸،
۱۷۹، ۲۲۴، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۹، ۲۰: ۶۷،
۱۹۹، ۲۷۰، ۲۷۷، ۲۷۸، ۳۰۷، ۳۶۹؛

هذیل ۱: ۸۹، ۴؛

ابو هذیل ۷: ۸۶؛

هذیل الاشجعی (الحجازی) ۸: ۲۹۲؛

الهَرّاء ــــ ملاحظہ ہو معاذ الهَرّاء

ابن هرم الکلابی ۱۲: ۲۴۲؛

ابن هَرْمَةَ (هو ابراهیم) ۱: ۸۶، ۱۷۵، ۲۱۶، ۳۱۲، ۳۶۲،
۳۲۴، ۴۵۸، ۱۷۴، ۲: ۳۶، ۳۳۴، ۳۳۹، ۱۸۴،
۳۰۵، ۳۲۶، ۳۹۳، ۴۵۴، ۴: ۴۳۵، ۴۵۳،

۵: ۱۶۴، ۶: ۱۸۶، ۷: ۸۴، ۱۹۱، ۸: ۱۴۱، ۹: ۵۸،
۲۴۸، ۴۹۹، ۱۰: ۹۸، ۲۳۱، ۲۷۵، ۴۴۳ (؟)، ۳۵۹،
۴۰۲، ۱۱: ۴۷، ۲۶۷، ۳۷، ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۲۴، ۱۲: ۹۷،
۱۳: ۶۴، ۲۴۳، ۲۶۲، ۴۲۹، ۴۳۴، ۱۴: ۱۵۱،
۱۷۴، ۱۷۷، ۲۱۷، ۲۲۸، ۳۱۳، ۱۵: ۸۲،
۱۹۱، ۱۶: ۷۵، ۲۱۲، ۱۷: ۳۵۲، ۱۷۳، ۱۸:
۳۰۹، ۱۹: ۱۰۵، ۱۴۷، ۸۰۲، ۲۰: ۳۰، ۶۰،
۱۰۰، ۱۶۸، ۲۹۹؛

هُرَيْم بن الحَكِيم ۵: ۳۸ (؟)؛

هُرَيْم بن رافع ۱۵: ۲۶۷ (؟)؛

هِشام ۱۳: ۳۴؛

هشام (اخو ذی الرمة) ۱: ۱۹۹؛

هشام المزنی ۵: ۲۵؛

هَمَّام (اخو ذی الرمة) ۵: ۵۵؛

ابن هَمَّام السَّلُولِيّ ۲: ۴، ۳۰، ۱۲: ۳۹۳، ۱۳: ۸۵،
۸۸، ۱۴: ۱۳۱؛

همام بن قَبِيصة الفزاری ۱۱: ۲۵۸؛

همام بن مُرَّة ۱۷: ۸۴ (؟)؛

الهَمْدانی ۷: ۱۵، ۹: ۳۷۳؛

هِمْيان بن قُحافة السعدی ۱: ۴۸۶، ۲: ۲۱، ۸۸، ۳:
۲۶، ۴۱، ۵۶، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۷۵،

۸۶، ۱۰۷، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰،
۱۴۵، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۸۴، ۱۹۷، ۲۰۱،
۲۱۵، ۲۲۰، ۴: ۲۸، ۵۷، ۱۷۵، ۲۹۱، ۶:
۲۵، ۳۲۳، ۳۶۱، ۸: ۹۷، ۳۷۸، ۳۹۲، ۴۰۸،
۹: ۴، ۲۴، ۴۰، ۵۷، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۵۹، ۲۵۹،
۲۹۳، ۱۰: ۴۰۲، ۱۱: ۶۳، ۱۳: ۱۳۲، ۲۵۲،
۳۵۷، ۴۲۵، ۱۴: ۵۱، ۲۹۴، ۳۴۶، ۱۵:
۴۰، ۲۱۰، ۲۱۱، ۱۷: ۴، ۱۳۴، ۱۸: ۲۲۲، ۲۰:
۱۹۰، ۱۹۴؛

هند بنت بياضة بن رباح بن طارق الايادی ۱۲: ۷۸ (؟)،
۲۳۹؛

هند بنت ابی سفيان ۱: ۲۱۵، ۲۰: ۷۳؛

هند بنت عُتْبَةَ ۲: ۴، ۱۴۴، ۱۲: ۷۸ (؟)؛

هند بنت النعمان بن بشير ۱۳: ۶۱، ۱۷: ۳۲۳؛

ابو الهندی الیربوعی (هو عبد المؤمن بن عبد القدوس)
۲: ۵۷، ۳: ۲۲۰، ۷: ۱۴۷، ۸: ۸۰، ۹: ۴، ۱۳،
۱۱: ۲۹۹، ۱۵: ۳۴۸، ۱۷: ۲۹۹؛

هُنَیّ بن اَحْمر الکنانی ۷: ۳۶۱ (؟)؛

هَوْبَر الحارثی ۱۰: ۴، ۱۹: ۳۶۱، ۲۰: ۱۶۷، ۲۲۶؛

هَوْذَة بن عَوْف العامری ۶: ۹۵؛

ابو الهَيْثَم ۴: ۳۴، ۶: ۴۵، ۱۹۱؛

ابوالهیثم التغلبی (او الثعلبی) ۳: ۳۳۴، ۹: ۱۸، ۱۱:
۳۱۴، ۱۲: ۱۹۲، ۱۵: ۱۹۳؛
الهَیْثم بن حَسّان التَّغْلبی ۱۰: ۳۴۶؛
ابوالهیثم الهذلی ۹: ۱۲۵؛
الهَیْردان السعدی (احد لصوص بنی سَعْد) ۱۴: ۳۵۹؛

و

ابن وادِع العَوْنی ۱۷: ۴۱۷؛
واقِد بن الغِطْرِیف الطائی ۱۴: ۱۲۵، ۱۸: ۸۲؛
الوالبی ۱۳: ۱۰۷ (۹)؛
وَبْرة (هو لِصّ) ۸: ۴۰۹؛
ابو وجْزَة السَّعْدِیّ (هو یزید بن ابی عُبَیْد) ۱: ۱۴۳، ۴۷۴،
۳۸۳، ۲: ۴۸، ۶۳، ۱۶۴، ۱۸۲، ۱۸۱، ۲۹۶،
۲۹۲، ۳۹۳، ۴۷۴، ۴۷۸، ۳: ۴، ۱۱۵، ۱۶۲، ۱۸۷،
۲۱۱، ۲۱۳، ۲۴۰، ۲۶۰، ۳۵۰، ۳۹۹، ۴۱۹،
۴۶۵، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴: ۷، ۱۶، ۱۶۸، ۲۴۸،
۴۴۹، ۵: ۲۴، ۴۰، ۱۳۹، ۶: ۳۳، ۶۳،
۱۷۴، ۲۲۵، ۲۱۳، ۷: ۱۱۲، ۱۸۸، ۲۹۲،
۸: ۲۳، ۲۸، ۳۴، ۱۲۲، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۹:
۲۴۴، ۲۵۶، ۳۱۱، ۳۸۰، ۴۰۹، ۴۳۴، ۴۵۲،
۴۶۱، ۴۶۸، ۴۸۸، ۱۰: ۴۵، ۱۲۶، ۱۵۸، ۳۳۲،

۲۴۴، ۲۸۸، ۳۱۵، ۴۴۶، ۱۱: ۱۰، ۲۹، ۴۱، ۱۵۱،
۱۵۶، ۲۸۵، ۳۳۱، ۳۵۰، ۱۲: ۱۲۸، ۲۲۲،
۲۳۸، ۳۴۰، ۳۷۶، ۳۸۳، ۳۸۶، ۱۳: ۴۱،
۳۰۹، ۳۷۷، ۳۹۰، ۴۰۷، ۱۰۵، ۱۴: ۱۴، ۱۹،
۱۰۶، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۵۵، ۲۱۵ (؟)، ۲۵۷، ۳۶۳،
۳۷۴، ۱۵: ۴۷، ۸۲، ۱۳۶، ۱۳۹، ۳۷۳،
۲۸۹، ۲۹۲، ۳۲۷، ۳۸۵، ۳۹۰، ۱۶: ۳۷،
۱۰۴، ۱۳۴، ۱۸۷، ۲۹۱، ۱۷: ۲۰، ۲۶۳، ۳۰۲،
۱۸: ۲۷۰، ۱۹: ۱۰۶، ۲۷۹، ۳۴۲، ۳۷۰، ۳۸۰،
۲۰: ۵۱، ۱۱۵، ۲۲۸، ۳۶۱؛

ابن وداعۃ الہذلی ۹: ۳؛

وَدّاک بن ثُمَیْل ۹: ۳۷۸؛ (اصل میں ثمیل کے حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے، مگر خزانۃ الادب اور تاج العروس میں حرف اول ث مرقوم ہے)۔

ابوالوَرْدِ الجعدی ۴: ۳۰۲، ۱۵: ۱۵۵ ۱۶: ۱۴؛

وَرْقاء بن زاھیر ۶: ۱۹۸؛

ورقۃ بن نوفل ۴: ۱۰۵ (؟)، ۹: ۳۹۵؛

الوَرَک الطائی ۱۰: ۲۵؛

وَسِیْم بن طارق ۱۵: ۸ (؟)؛

وُشَیْم بن طارق ۲: ۴۰۴ (؟)؛ (یہی شعر وسیم بن طارق کی جانب منسوب ہے)۔

وضّاح ۱۳: ۱۳۰؛
الوضّاح بن اسمٰعیل ۹: ۲۲؛ ۲۰: ۱۷۲؛
وَضّاح الیَمَن ۱: ۶، ۲۹، ۱۶: ۲۳، ۲۰۸؛
وِعاس ۱: ۴۸۸؛
ابو وِعاس الھذلی ۱: ۶۶۴ (؟)؛
وَعْلَۃ الجَرْمِیّ ۸: ۱۷۲، ۹: ۳۵، ۱۶۵، ۲۳۵، ۲۴۴،
۱۰: ۹۷، ۱۵: ۸۸۲ (؟)، ۱۶: ۲۶۰؛
الوَقّاف العُقَیْلِیّ ۱: ۷۷، ۸: ۴۶۲ (؟)؛
الولید بن حَنِیفَۃ ــــ ملاحظہ ہو ابو حُزَابَۃ
الولید بن عُقْبَۃ بن ابی مُعَیْط ۱: ۹۷ (؟)، ۲: ۱۴۵،
۵: ۳۱، ۱۷: ۱۱۹، ۱۱: ۳۹۳، ۱۵: ۳۶ (یہاں ابی
معیط کی بجائے ابی عقبۃ مرقوم ہے، مگر تاج العروس میں
ابی معیط ہی لکھا ہے)، ۱۷۶، ۱۹: ۳۳۹؛

ی

یحیی بن المبارک الیزیدی ابو محمد ۱۷: ۴۰۸؛
یحیی بن منصور ۵: ۲۶۴ (؟)؛
یحیی بن وائل ۱۳: ۲۸۴؛
یزید بن الاعور الشَّیْبِی (والشَّنِّیّ) ۳: ۲۱۴، ۱۱: ۱۴۶،
۱۳: ۱۸۷، ۱۷: ۱۹۱، ۲۲۹، ۱۸: ۱۰۳، ۲۲۰؛
یزید بن الجَھْم الھلالی ۹: ۱۹۰؛

يزيد بن حَذّاق العَبْدِيّ ـــــ ملاحظہو يزيد بن خَذّاق
يزيد بن الحَكَم الثَّقَفِيّ ١: ٣٤٤، ٤: ٣١٣، ١١: ١٣٥، ٣٥٣،
١٢: ٦٣، ٢٣٨، ١٤: ٣٠٥، ٣٥٩، ١٥: ٣١١،
١٧: ٤١٠، ١٨: ١٠١، ١٤٩، ١٩٦، ٣٠٦، ١٩: ١٣٩،
١٥٥، ١٨٨، ٢٠: ١٧٨، ٢٤٧، ٢٧٠؛
يزيد بن الخَذّاق العَبْدِي ٣: ٢٠٦، ٧: ٤١٠، ٤١٢،
١٩: ٢٦٦، ٢٠: ٢٢٨؛
يزيد بن الصَّعِق ٤: ٢٣٧، ٣٤٢، ٥: ٥٣، ١٣: ٤٨٩،
١٧: ١٥١، ١٨: ٢٥٢، ١٩: ١٨٨؛
يزيد بن الصِّقِيل العُقَيلي ٥: ١٣٧؛
يزيد بن ضَبَّة الثَّقَفِيّ ٢: ٣١٤، ١٥: ٢٧٢؛
يزيد بن الطَّثْرِيَّة ـــــ ملاحظہو ابن الطثرية
اخت يزيد بن الطثرية ـــــ ملاحظہو زينب بنت الطثرية
يزيد بن طُعْمة الخَطْمِيّ ٩: ٣٠٤، ١٤: ١٤٩؛
يزيد بن عبد المَدَانِ ١٧: ١٧٥؛
يزيد بن ابی عُبَيْد ـــــ ملاحظہو ابو وَجْزَة
يزيد بن عمرو بن الصَّعِق ٨: ٢٢١، ١٣: ٤٠٣، ١٦: ٢٠ (؟)؛
يزيد بن معاوية ٩: ٣٧٣، ١٠: ١٩١، ٢٩٨ (؟)؛
يزيد بن معاوية الرُّؤَاسِيّ ابو دُواد ١: ٦٢، ٢: ١٩٩، ٩:
٢٢٨، ٤٦٧، ١٠: ٢٩٢، ١٧: ٣٧، ٧٥، ١١٤، ١٦٨،
٢٣٧ (؟)، ٢٩٤، ٣٠٥، ٣٤١، ٤٠١، ٤٠٣، ١٨: ١٣٩،

۱۶۳، ۲۲۰، ۱۹: ۱۱۲، ۱۵۱، ۱۸۶، ۲۷۳، ۲۰: ۷۸؛
یزید بن المُغَرِّغ الحِمْیَرِیّ ۳: ۱۱۹، ۴: ۵۴، ۷: ۳۴۷،
۸: ۷، ۸، ۱۰، ۹۵، ۲۶۴، ۱۲: ۲۳، ۳۰۲، ۱۶: ۲۵،
۹۳، ۱۷: ۳۱۲، ۱۹: ۱۴۴، ۱۵۶، ۲۹۶، ۲۰: ۲۰،
۳۷؛
یزید بن المُهَلَّب ۵: ۱۱۱؛
یزید بن النعمان الاشعری ۱۶: ۲۸۸، ۱۷: ۲۶۵؛
الیزیدی ۵: ۹۸؛
ابن یعفر ۱۶: ۴۶؛
یعلی بن الاحول (هو ابن مُسْلِم بن قَیْنٍ الشَّکْرِی) ۱۶: ۲۸۴، ۲۰: ۱۵۵(؟)،
۳۶۷؛
ابو یَعْلَی المُهَلَّبِیّ ۶: ۴۱۶؛
الیَهُودِیّ الخَیْبَرِیّ ۲: ۳۳۲، ۱۲: ۱۲۳؛

تمام شد

استدراکات

فہرست اسماء الشعراء لسان العرب میں مندرجہ ذیل حوالہ جات کا اضافہ فرمالیا جائے :-

الاحوص ۱۲ : ۱۸۲ ،

الاخضر بن هبيرة ۱۵ : ۹۷ ،

الاشتر النخعی ۱۵ : ۴۰ (؟) ،

الاعشی ۱۵ : ۶۹ ،

الحطم القیسی ۱۱ : ۳۷۰ (؟) ، [یہی شعر ۱۲ : ۳۲ پر الحطم القیسی کی جانب منسوب ہے ، دونوں نام مشابہ ہیں]

الحنفیة ۱۱ : ۳۳۲ (؟) ؛ (حنظلة بن مصبح کے بعد لکھیں)

خرنق ۱۱ : ۳۳۲ (؟) ،

ابو دُجانة سماك بن خَرشة ۱۴ : ۱۲۷ (؟) ، (الدبیری کے بعد لکھیں) ،

رؤبة ۱۲ : ۲۶۰ ،

رَبیّان بن عنترة المغنی ۱۴ : ۸۹ (؟) ، (ربّان بن حُوَیص کے بعد لکھیں) ،

الزفیان ۱۱ : ۳۴۴ ،

سماك بن خَرشة ـــــ ملاحظہ ہو ابو دُجانة (ابن سماعة الذهلی کے بعد لکھیں) ،

شافع اللیثی ۱۴ : ۲۷۱، (شاس بن نہار کے بعد لکھیں)،
شقیق بن جزء بن ریاح الباہلی ۱۲ : ۲۰۱ (؟)، (شُقران اسلامی کے بعد لکھنا چاہیئے)،
عائذ بن سعد العَنْبَرِیّ ۱۵ : ۲۴۷، (فہرست ہذا ص۹۴ دوسری سطر کے بعد لکھیں)،
عدی بن زید ۱۵ : ۳۸۸،
عمر بن ابی ربیعۃ ۱۶ : ۶ (؟)،
عوف بن الخرع ۱۱ : ۳۵۰ (؟)،
الفرزدق ۱۲ : ۲۸۷،
اللعین المنقری ۱۴ : ۱۶۵،
فہرست اسماء شعراء ص۸۲ سطر ۱۰، ۲۷۵، ۱۲۱، کی بجائے ۷۵، ۱۱۱، پڑھنا چاہیئے۔

عبدالقیوم

---

5. Analytical Indices of the Kitab al-Ikd al-Farid of Ahmad B. Muhammad B. 'Abd Rabbihi (based on the Cairo edn. A H. 1321). Prepared by Principal Mohammad Shafi M. A., Panjab University Oriental College, Lahore.

Index I — Names of Poets cited in the work.
Index II — Rhymes.
Index III — Names of Persons, Tribes etc.
Index IV — Names of Places.

With a conspectus of the pagination of the contents in the various editions of the 'Ikd. Vol. I. Size 22x29. Pages lxxiii+1044. Printed at the Baptist Mission Press, Calcutta, 1935. Price: Rs. 26-0-0. Vol. II Printed at the same Press in 1937 Pages xxiv+212 Size 22x29 Price Rs. 6-8-0 8

6. Life and Works of Amir Khusrau by Dr. Mohammad Wahid Mirza M. A. (Panjab), Ph. D. (London), Professor of Arabic in the Lucknow University. Pages VI+262 Size 20x26. Printed in 1935. Price Rs. 4-0-0 or 6 Shillings. 8

Under Preparation.

Letters of Rashid ud-Din Fadlullah. Persian text and abridged translation, by Principal Mohammad Shafi M.A. (Cantab.)

Please apply to the Sale Agents :—

1. Messrs. LUZAC & Co.
46, Great Russell Street,
LONDON, W.C.I.

2. Messrs. MOTILAL BANARSI DASS
Oriental Booksellers,
Saidmitha, LAHORE.

PANJAB UNIVERSITY ORIENTAL PUBLICATIONS.

ARABIC, PERSIAN, AND URDU SECTION

1. Iqlid al-Khizana or Index of the titles of works referred to or quoted by 'Abdul Qadir al-Baghdadi in his **Khizanat al-Adab.** Prepared by M. 'Abd-al-'Aziz Maiman, Lecturer in the Muslim University, Aligarh. Printed in Lahore, 1927. Pp. 19+130. Size 20x26. Price : $\frac{8}{}$ paper cover, Rs. 1-0-0, bound 1-5-0.

2. Majmua-i-Naghz or the **Tadhkira-i-Shuara-i-Urdu** (in Persian) by Mir Qudratullah Qasim. Edited by H. M. Shairani, Lecturer in Urdu in the Panjab University, from the author's autograph copy. Two volumes in one. Lithographed. Printed in 1933. Pp. 47+456. Size 20x30. Price : unbound Rs. 3-6-0. bound, Rs. 3-12-0.
8

3. Tatimmat Siwan al-Hikma or **Akhbar al-Hukama'** of **'Ali b. Zaid al-Baihaqi** (d. 565 A. H.). Arabic Text and the Persian version with copious notes and full indices. Edited by Principal Mohammad Shafi, M. A. (Cantab), Panjab University Oriental College, Lahore, from Berlin, Istambol and Lahore Mss. Printed in Lahore. 1935. (in 2 pts) Pp. 17+359 and 134. Size 20x26. Price Rs. 6-12-0. Part 3 $\frac{8}{}$ (Introduction) still to appear.

4. Akhbar al-Dawlat al-Saljukiya also known as Zubdat al-Tawarikh. Edited by Dr. Mohammad Iqbal M.A., Ph. D (Cantab), Professor of Persian, Panjab University. The text is based on the unique copy in the British Museum Printed in Lahore, 1933. Pages viii+228. Size 20x26. Price: cloth bound Rs 4-5-0; paper cover Rs. 3-12-0.
8

فہرست مضامین

جلد ۱۵ - عدد ۱	بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۸ء	عدد مسلسل ۵۵

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تاریخ غربیی ———	پروفیسر حافظ محمود صاحب شیرانی	۳
۲	سرسید کے ہم خیال علمائے دینی نظریے	سید محمد عبداللہ، ایم اے، ڈی لٹ،	۵۲
۳	بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ ابراہیم اور فرید ثانی	ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ، ایم اے،	۶۷
۴	سلطان ناصر الدین قباچہ اور اس کے درباری شعراء	آغا عبدالستار خاں، ایم اے، ایم او ایل،	۸۵
۵	اسماء الشعراء ———	مولوی عبدالقیوم، ایم اے، میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۱۸۱ تا ۱۸۸
۶	فہرس القوافی دجو لسان العرب میں درج ہیں	〃 〃 〃	۱ تا ۱۶

نوٹ :- یہ مجلہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں میں تقسیم ہوتا ہے

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبا میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے

رسالہ کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے۔ حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی بحروف فارسی، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی بحروف گورمکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت اور قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست میں شایع ہوگا سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۲؎ اور اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خریدار رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں، اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

۱؎ چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجموعہ تعطیلات میں شایع ہوتا ہے۔

تاریخ غریبی

(۱۱۶۴ھ - ۱۱۷۰ھ)

یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ جو سات سو صفحات پر تقریباً شامل ہے۔ اور آفرینش نور محمدی سے لے کر تمام سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے حالات و قصص از آدمؑ تا خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں مرقوم ہیں۔ اس کا وزن ہندی عروض سے تعلق رکھتا ہے جسے امیر خسرو دہلوی نے فارسی میں بھی روشناس کر دیا ہے۔ عنوان سرخ سیاہی سے اور مطالب سیاہ روشنائی سے مسطور ہیں۔ ہر موضوع ایک علیحدہ عنوان سے شروع ہوتا ہے اور ہر عنوان کے خاتمہ پر ایک ایک دوہرہ اور ایک ایک سورٹھ زبان ہندی درج ہے۔ فی صفحہ ۱۳ سے ۱۷ تک سطریں اور تعداد ابیات تقریباً دس ہزار ہے۔ خط بدنما نستعلیق مختلف کاتبوں کے ہاتھ کا۔ کاغذ دیسی اور یورپین۔ مؤخر الذکر کئی کارخانوں کی ساخت کا جس پر مختلف آبی نشانات و علامات موجود ہیں۔ کسی ورق پر بڑے تاج کی تصویر ہے۔ کسی پر ایک بڑے دائرہ نما حلقہ کے اندر مختلف اشکال اور خطوط درج ہیں۔ کئی ورقوں پر تین سطروں میں یہ عبارت درج ہے:۔

سطر اول FINDE سطر دوم OHANNOT سطر سوم DANNONAY

ایک ورق پر آبی حروف میں ۱۷۴۳ء مرقوم ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ولایتی کاغذ ہندوستان میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں تجارتی مال کے طور پر آنے لگا ہے

تصنیف کے سلسلہ میں دو تاریخیں ملتی ہیں۔ پہلی ۱۱۶۴ھ جو دیباچہ میں مذکور ہے

گیارہ سے چوسٹھ پر بنی　　پوری کری فضل کردھنی

دوسری تاریخ ۱۱۷۰ھ خاتمہ میں آتی ہے۔ چنانچہ:۔

پندرھویں جو صفر کی پیر بار یہ آج　　گیارہ سو ستر بھئے ہوا سو پورن کاج

ان میں پہلی کتاب کی ابتدا کی اور دوسری اختتام کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔
کتاب بہرحال شہر بیانہ میں جسے مہدوی روایات میں کسی قدر اہمیت حاصل ہے۔
لکھی جاتی ہے :۔

شہر بیانے میں سبھی پوری ہوئی کتاب　　لکھے پڑھے کوئی سنے سبکوں ہوے ثواب

تاریخ غریبی اگرچہ ایک اہم تالیف ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس کے مصنف کے نام پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ متعدد موقعوں پر شاعر نے اپنے متعلق اشارے کئے ہیں مگر ہر بار وہ اپنے آپ کو جیسا کہ متقی اور دیندار مسلمانوں کا دستور رہے 'غریب' اور 'عاجز' کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ بلکہ ایک دو موقعے ایسے بھی آئے ہیں جن میں وہ اپنے لئے 'ساقی' کا لفظ لاتا ہے۔ یہ اشارے شاعر کے نام کی گتھی سلجھانے کے لئے ناکافی ہیں۔ ذاتی حالات کے سلسلہ میں اس نے اسی قدر بیان دیا ہے کہ وہ خوب میاں کا خانہ زاد ہے اور میاں عیسےٰ اس کے مرشد ہیں۔ ذیل میں یہ اشارے نقل کئے جاتے ہیں :۔

(۱) سنو عاجزی کرے بچارا + ان باتوں کا لکھنے ہارا + ہے غریب یہ عاجز بندا + ساری باتوں میں شرمندا
مہدی کے جو سیوک سور　　ان سب کے پاین کی دھوٗر + خوب میاں کا خانہ زاد　　کھوٹی عمر سبھی برباد +
مرشد میاں محمد عیسیٰ　　ان کے صدقہ سوں کچھ دیسا + لہ۱۲

(۲) سنڑو پھر قصہ کی باقی　　کہے بچارا عاجز ساقی　　لہ۱۵۹

(۳) اب سورۂ یٰس بتاوے　　یہہ غریب ہندی میں لیاوے　　لہ۲۹۸

(۴) یہ غریب عاجز بتلاوے　　جیسا جانڑا ویسا لیاوے　　لہ۳۰۱

(۵) ایک تردد من میں آوے　　یہ غریب عاجز بتلاوے　　لہ۳۰۷

لہ تاریخ ہذا کے لئے میں محترمی سید خیر الدین صاحب وکیل بھاگلپور کا ممنون احسان ہوں۔ موصوف نے انتہائی مہربانی سے کام لے کر نہ صرف یہ کتاب بلکہ دیگر مہدویہ اردو مؤلفات کے مخطوطے بھی میرے حوالے کر دیئے جن پر تبصرہ عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ راقم یہاں سید صاحب ممدوح کی اس کرمفرمائی کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہے۔

(۶) ایک فاطمہ رہی جو باقی — کہے پکارا عاجز ساقی — ۳۳۱
(۷) سنتر میں سوں جو سیر نکالا — سو یہاں کہے غریبی والا — ۳۳۴
(۸) یہ غریب عاجز کیا ہوگا — اس بیان کا پاوے جوگا
اس غریب نیں لکھی غریبی — پہنچے سبکوں نفع نصیبی — ۳۴۵

الفاظ 'غریب' و 'عاجز' بحیثیت اسم صفت آئے ہیں نہ بحیثیت علم۔ لیکن یہ خیال بھی آتا ہے کہ چونکہ کتاب کا نام تاریخ غریبی ہے۔ اس لئے 'غریب' مصنف کا نام یا نام کا حصہ ہو۔ دو جگہ 'ساقی' ایسے طور سے استعمال ہوا ہے کہ اس پر نام یا تخلص کا گمان گذرتا ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ مصنف اس لفظ کو ایک خاص مفہوم میں لاتا ہے جو دیگر مصنفین اُردو کے ہاں نامعلوم ہے۔ اس موقعہ پر خوب میاں اور میاں محمد عیسے کے متعلق چند الفاظ کہنے ضروری معلوم ہوتے ہیں ؛

خوب میاں ان کا عُرف اور نام سیّد مرتضےٰ ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں حضرت میراں سید محمد مہدی جونپوری سے اس طرح ملتا ہے کہ سید مرتضےٰ ابن میاں شاہ شریف ابن سید حیدر ابن سید ابراہیم ابن سید یعقوب ابن سید محمود ثانی مہدی ابن میراں سید محمد مہدی۔ سید مرتضےٰ بظاہر اہل دائرہ سے علاقہ نہیں رکھتے بلکہ اصل جماعت مہدیہ کے رکن ہیں۔ انہوں نے ایک فارسی رسالہ میاں مصطفےٰ کے پیروؤں کی حمایت میں لکھا ہے۔ جس کا نام 'رسالہ در تائید تابعان بندگی میاں مصطفےٰ' ہے۔ اس رسالہ کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں مگر ایک قلمی نسخہ ۱۱۸۱ھ کا نوشتہ راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ اسی موضوع پر ایک اور منظوم رسالہ اُردو میں اسی مصنف کا موجود ہے جس کی ابتدا ہے:۔

اول حمد خدا کی کرہوں ہے خالق کرتارا — جنت میلے نے ملیں نعمتاں ہو جو متقی بلہارا؛

مصنف اپنے آپ کو خوب میاں کا خانہ زاد کہتا ہے اس سے ہم اس قدر سمجھتے ہیں۔ کہ وہ خوب میاں کا فرزند ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور رشتہ رکھتا ہے ؛

بندگی میاں محمد عیسیٰ اہل دائرہ کے نہایت مقبول اور مشہور پیشوا ہیں وہ بندگی میاں عماد الدین کے بعد جن کا سال وفات ۱۱۱۳ھ ہے مسند ارشاد پر فائز ہوتے ہیں۔ فیض عام دکنی مثنوی جو میاں مصطفےٰ کے حالات میں ایک مقبول تالیف ہے ۱۱۴۱ھ میں انہی کے زمانہ میں لکھی جاتی ہے۔ ۱۱۵۱ھ میں وفات پاتے ہیں۔ مگر وفات کے بعد بھی ان کی شہرت دیر تک قایم رہتی ہے اور مختلف تالیفات میں ان کا مذکور آتا ہے۔ چنانچہ محمد جی 'فتحنامہ امامین' (۱۱۸۱ھ) میں اور شیخ محمد 'رسالہ عمل مہدیاں' میں اور آدھین مہدوی 'شہادت نامۂ امام حسنؓ و حسینؓ' اور 'وفات نامۂ رسولؐ' (۱۱۷۵ھ) میں بڑے احترام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح کتاب بحر المعانی عرف معراج نامہ کا مصنف بھی ان کی یاد تازہ رکھتا ہے۔ الغرض یہ تمام مصنفین میاں عیسیٰ کو ان کی وفات سے پچیس تیس سال بعد تک بھی اپنا مرشد بیان کرتے ہیں ؛

یہ خیال ہمارے اذہان پر قبضہ کئے ہوئے ہے کہ یہ شعر و غزل ہے جس نے اُردو کی ارتقا میں بڑا کام کیا ہے۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر و شاعری اور اس کا مذاق خواص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ عوام میں جس چیز نے اُردو کو مقبول بنایا اور اس کی نشر و اشاعت میں نمایاں حصّہ لیا وہ اس کے نیم مذہبی قصص اور اسی قسم کے دیگر موضوع ہیں۔ جنھوں نے عوام الناس کے قلوب کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ گذشتہ دو صدیوں میں جس قدر کتابیں ان مضامین پر مرقوم ہوئیں اور جس تعداد میں چھپیں کسی اور مضمون پر شاید نہیں ہوئیں۔ ان نیم مذہبی تالیفات سے ہمارا مقصد نور نامے۔ معراج نامے۔ وفات نامے۔ شہادت نامے (امام حسینؓ) و مراثی و جنگ نامے وغیرہ قسم کی مولفات ہیں۔ جو کثرت کے ساتھ طبع ہوئی ہیں۔ شعرا کے دیوان بے شک کثرت سے لکھے گئے لیکن اوّل تو یہ دیوان، کم طبع ہوے اور جو طبع ہوے سوائے معدودے چند کے ان کو پڑھنے والے میسّر نہیں۔ مگر حلیمہ وائی اور شاہ روم

اجمیر شیخ معین الدین چشتی کے قصے پڑھنے والوں کی تعداد آج بھی لاکھوں سے متجاوز ہے جیسے ہی ہمارے لڑکے اور لڑکیاں اُردو حرف شناسی سے فارغ ہوتے ہیں وہ ان تالیفات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جس کی وجہ مذہب سے قریبی لگاؤ کے علاوہ اس شاخ ادب کی ایک اور خصوصیت یعنے سادگی بیان اور سلاست زبان میں تلاش کرنی چاہیئے۔ یہ کتابیں ایسی آسان اور عام فہم زبان میں مرقوم ہوئی ہیں کہ ہماری قوم کا نیم تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان کے مطالب کے سمجھنے سے عاجز نہیں رہتا اور یہی دراصل ان کی مقبولیت کا راز ہے۔ یہی خصوصیت تاریخ غریبی میں بھی بڑی حد تک معاینہ کی جاتی ہے۔ اس کی ابتدا ہے :- اوّل صفت اللہ کی کرو تاہ نانورس رسنا بھرو

حمد و نعت و منقبت اصحاب اربعہ کے بعد مصنف اپنے فرقہ کے پیشوا حضرت سید محمد مہدی اور ان کے پانچ اصحاب و جانشین میراں سید محمود ثانی مہدی۔ میاں سید خوندمیر۔ میاں شاہ نعمت۔ میاں شاہ نظام۔ میاں شاہ دلاور۔ کے ذکر سے فارغ ہوکر سبب تالیف کتاب میں لکھتا ہے :-

ہے غریب یہ عاجز بندا ساری باتوں ہیں شرمندا
نا کچھ عربی علم پچھانا نہیں فارسی کا کچھ جانا
نا کچھ دکھنی بولی آئی نا کچھ بدیا ہندی پائی
مہدی کے جو سیوک سور ان سب کے پاین کی دُھور
خوب میاں کا خانا زاد کھوئی عمر سبھی برباد
میاں جی کا در بل داسی ناجی ٹولی کا ہے باسی
ان کے صدقہ اللہ بارے بھوساگر سوں پار اتارے
ہے وہ صاحب بخشنہارا جس کی رحمت اپرم پارا
مرشد میاں محمد جیسے ان کے صدقہ سوں کچھ ویسا

نور نبی کیاں بعض نکاتاں　　اور نبیوں کیاں دو دو باتاں
لکھاں پنٹ کر سیدھی بولی　　جو کچھ گنٹھڑی تھی سو کھولی
سمجھیں سارے خاص عوام　　مور رکھ چپہ سگھر ز بام
پہنچے سب کوں نفع نصیبی　　نا نور رکھا تاریخ غریبی
گیارا سے چوسٹھ پر نبی　　پوری کری فضل کر دھنی

میں نے صرف ضروری ضروری ابیات پر کفایت کی ہے ۔

اس زمانہ میں ادبی مقاصد کے لئے رسماً فارسی استعمال میں آرہی تھی اور ہندی (اُردو) کے خلاف لوگوں کے دلوں میں تعصّب کے جذبات موجزن تھے۔ چنانچہ مصنف کو اُردو میں اپنی کتاب لکھنے کے متعلق معذرت کی ضرورت محسوس ہوئی اس لئے کہتا ہے کہ ہندی میں لکھنے کی بنا پر طعنہ زنی نہ کرو۔ سب جگہ ہندی میں مطالب بیان کرنے کا عام دستور رہے حتےٰ کہ کلام پاک کے معنے بھی ہندی بولی میں ہمیشہ سمجھائے جاتے ہیں۔ جن اقوام میں انبیاء آئے وہ انہیں اقوام کی زبان میں تلقین و ہدایت کرتے رہے[1] حضرت مہدی نے ہندی استعمال کی اور خوندمیر نے بھی۔ چنانچہ کئی دوہرے اور ساکھی وغیرہ ان سے منقول ہیں۔ اور میاں مصطفےٰ نے بھی بولی ہے پھر اوروں کا تو کیا ذکر بلکہ مہدی نے تو راہ ہدایت دکھاتے ہوئے بعض اشعار بھی نقل فرمائے ہیں مصنف لکھتا ہے:۔

ہندی پر نا مارو طعنا　　سبھی بتاویں ہندی معنا
یہ جو ہے قرآن خدا کا　　ہندی کریں بیان سدا کا
لوگوں کوں جب کھول بتاویں　　ہندی میں کہہ کر سمجھاویں
جن لوگوں میں نبی جو آیا　　اُن کی بولی سوں بتلایا
ہندی مہدی نیں فرمائی　　خوندمیر کے منہ پر آئی

---

[1] آیۂ کریمہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" کی طرف اشارہ ہے ۔

کہئی دوہرے ساکھی بات بولے کھول مبارک ذات
میاں مصطفےٰ نیں بھی کہی اور کسی کی پھر کیا رہی
نقل یو مہدی نیں فرمائی بھوے جنکوں راہ دکھائی
جو ساری باتوں کا جیو نقل تمکوں بھو جن ہمکوں پیو
پھاٹا پہنیں ٹوکا کھائیں راول دیول کبھی نجائیں
اس گھر آلی یا ہی ریت پانی چاہیں اور مسیت

مصنف کے اس استدلال سے ظاہر ہے کہ اس عہد تک جماعت مہدویہ (مقیم دائرہ) میں اُردو کا استعمال اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہ ان کے تعصّب کے بندھن کو توڑنے کے لئے اپنی جماعت کے پیشواؤں اور ہندی کے ساتھ ان کی وابستگی کا ذکر کرتا ہے ؛

کتاب میں پچھلے پانچ مصرعوں پر خط کھینچا ہُوا ہے اور اس سے قبل لفظ 'نقل' لکھا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ پانچ مصرعے وہ ہیں جو انکے دینی پیشوا حضرت میراں سید محمد مہدی سے منقول ہیں۔ میرے خیال میں کسی غلط فہمی کی بنا پر پہلے مصرع پر خط ڈالا گیا ہے۔ صرف پچھلے دو شعر سید صاحب سے مروی ہیں اور ان سے قبل کا شعر خود سید صاحب ممدوح کی تعریف میں لایا گیا ہے۔ یعنے ؎

جو ساری باتوں کا جیو تمکوں بھو جن ہمکوں پیو

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان اشعار کے مالک سید محمد مہدی ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ان کے راوی ہیں نہ مالک۔ لیکن جس کثرت سے مہدوی روایات میں یہ شعر منقول ہیں ان سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی کے طبع زاد مانے گئے ہیں۔ دراصل ان شعروں کے مالک شیخ بہاء الدین باجن ہیں۔ جو حضرت میراں مہدی کے ہم عہد ہیں۔ اور ان سے دو سال بعد یعنے ۹۱۲ھ میں بمقام برہان پور وفات پاتے ہیں۔ باجن جسکے

معنے سازہیں ان کا تخلص ہے۔ گجرات کے رہنے والے اور شیخ رحمت اللہ کے مرید ہیں یہ ابیات کسی قدر اختلاف کے ساتھ ان کی تصنیف گلستانِ رحمت میں یوں ملتے ہیں:۔

راول دیول ہم نجانا　　پھاٹا پہنا روکھا کھانا
ہم درویشن ایہی ریت　　پانی لوڑھیں ہور سیت
بیٹھے آچھیں ٹھنڈی چھانو　　جو کچھ دیویں سو ہی کھانو

ہماری نگاہ میں تاریخ غریبی اس کی لسانی قدامت اردو سے قدیم سے اسکی قرابت اور مقامی زبانوں کے ساتھ اس کے تعلقات و مشارکت کی بنا پر ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ قدیم اُردو کے گجراتی و دکنی نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ لیکن راجپوتانہ اور اطراف اجمیر کی اُردو کے نمونے اب تک نامعلوم کمیت کا حکم رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ اور دیگر کتب مہدویہ جو اہل دائرہ کی مساعی کی یادگار ہیں جدید روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کی اُردو ایک موٹی قسم کی اُردو ہے جس پر قصباتی لہجہ غالب ہونے کے علاوہ راجستانی زبان کا بھی کافی پرتو ہے اور کسی قدر گوجری اور دکنی کی بھی ممنون ہے اس کی صرف اور قواعد کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر میں کئی زبانیں شریک ہیں مثلاً اس کا حال گوالیری کی تقلید میں مارت ہے جات ہے بھی آتا ہے۔ اور الف کے اضافہ سے تقلید پنجابی مارتا ہے اور جاتا ہے بھی آتا ہے۔ اس کی ایک تیسری شکل 'آوے ہے' 'جاوے ہے' آتی ہے۔ ایک اور نادر شکل 'جان ہے' (جانے ہے) بھی ملتی ہے۔ مستقبل میں بھی ایک سے زیادہ شکلیں ملتی ہیں۔ چنانچہ مرجاویں گے، کھاویں گے۔ ایک شکل مرجانگے اور کھانگے بھی ہے۔ ایک تیسری نادر شکل مرجاہی (مرجاؤنگا) مارہوں (ماروں گا) ہے جو مطلق راجپوتانہ سے علاقہ رکھتی ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم تاریخ غریبی کی املاء و انشا و قواعد زبان پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس سے ناظرین کو اس کی خصوصیات کا کسی قدر اندازہ ہوسکے گا۔

املا:- تاے ہندی پر چار نقاط دیئے ہیں۔ مثلاً بات۔ ٹھور۔ بھروٹا۔ ترلیٹھ وغیرہ۔ دال ہندی اور راے ہندی کے نیچے پ اور چ کی طرح تین تین نقطے دینے کا دستور ہے۔ یعنی بڈا۔ ڈال۔ بوڈھا۔ جھاڑ۔ کھڑا۔ لڑکا۔ ہندی کا 'نڑا' ڈ 'نڑ' کے ذریعہ سے جیسے سنڑایا = سنایا۔ پانڑیں پانی انپڑاں = اپنا۔ اونڑیں = اونٹنی۔ کھانڑا = کھانا۔ دانڑا = دانہ وغیرہ۔ یائے معروف و مجہول و ہائے ہوز و دو چشمی اور کاف و گاف میں کوئی فرق ملحوظ نہیں۔ تمام ایسے مسلمانی الفاظ جو 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں الف سے لکھے ہیں۔ چنانچہ حصہ = حصا۔ قصہ = قصا۔ خزانہ = خزانا۔ پیشہ = پیشا۔ جامہ = جاما۔ تماشہ = تماشا۔ خاصہ = خاصا۔ خلاصہ = خلاصا۔ غصہ = غصا۔ ہمیشہ = ہمیشا اندیشہ = اندیشا۔ تشنہ = تشنا۔ طعنہ = طعنا۔ معنیٰ = معنا۔

حروف کا تبادلہ

ایسے الفاظ کے تعلق میں جن میں اُردو اور پنجابی میں 'ڑ' اور 'ر' و راجستانی میں 'ڈ' پائی جاتی ہے۔ ہمارا مصنف مؤخر الذکر زبانوں کی پیروی کرتا ہے۔ چنانچہ :-

ڈاڑھی = ڈاڈھی۔ گاڑھی = گاڈھی۔ بڑی = بڈی۔ چڑھے = چڈھے بڑھا = بڈھا۔ پڑھے = پڈھے۔ کاڑھی = کاڈھی۔ اڑاوے = اڈاوے۔ بوڑھی = بوڈھی۔ آڑے = آڈے۔ گاڑا = گاڈا۔ کڑھا = کڈھا۔ بھیڑ بھیڈ۔ پیڑھ = پیڈھ ایڑی = ایڈی۔ پاڑی = پاڈی۔ گاڑی = گاڈی۔ بڑائیاں = بڈائیاں۔ چھڑانا = چھڈانا۔ نگوڑا = نگوڈا۔ اوڑھنا = اوڈھنا۔

نون اور نڑہ کا تبادلہ :-

جانیں = جانڑیں۔ سنلو = سنلیڑو۔ جنی = جنڑی۔ کھانے = کھانڑے۔

پہچانے = پچھانڑے - اپنا = اپنڑاں - گوَن = گونڑ - تنکے = تنڑکے - سرنائی = سرنڑائی - گنتی = گنڑتی - ٹخنوں = ٹخنڑوں - سوکن = سوکنڑ - منکا = منڑکا - چنایا = چنڑایا - برانا = برانڑا - ہنومان = ہنڑومان - دھنی = دھنڑپس - بچھونا = بچھونڑا - ٹھکرائی = ٹھکرانڑی - ہونا = ہونڑا - کہانی = کہانڑیں ؛

رے اور لام کی تبدیلی :-

بادل = بادر - ڈالی = ڈاری - سگلی = سگری - ڈالا = ڈارا - کملی = کمری - گلے = گرے - کالے = کارے - رکھوالی = رکھواری - تلواراں = تروراں - بدلی = بدری

تے اور دال میں تبادلہ :-

پلید = پلیت - مدد = مدت - گھاد = گھات ؎

اسے دال اس میں لیجاوے داؤ گھاد کر کہیں چھپاوے لف ۱۳۹

'واؤ' کا 'یے' سے اور 'میم' کا 'واؤ' سے بدل جانا :-

بورچی = ببرچی - دامن = داون -

'یے' اور 'واؤ' میں تبادلہ :-

سیدھی = سودھی - پیٹھ = پوٹھ - مینچنا = مونچنا -

بعض صوتی تبدیلیاں :-

بٹمار = بٹپارا - چھلکے = چھلٹے - چیونٹی = چمٹی - کلہاڑی = کہاری - جانور = جناور - ڈکار = دھکار - چوٹی = چٹیا - مسکرایا = مسکانا - طعنہ = تارا - چڑیا = چرپی - بھیا = بھاجی - بھیا = باچھی - ناؤ = نیا - کتیا = کوتی - ننھیال = نسال - گوندھا = گونہا - اتوار = دتیار - پالا = پانا - کہاوت = کہبت - اونیس = گونڑیس - بائیس = باویس - تئیس = تیویس - اٹھائیس = اٹھاویس ؎

اٹھاویس اٹھارویں آٹھ تین تیویس اور تیرھویں منع ہے جانو بوبیس

ضمیر و اسمائے اشارہ

غائب
واحد :- اے - ان - اس - یہہ - یو - اسے - وا - یا - اِسی - اُسی - وہی - ان نیں (اس نے) ؛
جمع :- وے = اِن - انو - اونو - انوں = انہوں ؛

مخاطب
واحد :- تُو - تیں - تیرا - توَ - توَہ - توکوں - توسوں ؛
جمع :- تُم - تمہارا - تمہیں - تم ؛

متکلّم
واحد :- میں - میرا - منجھ - منجھکوں - مجھ - موَہ - مو - موکوں - موسوں ؛
جمع :- ہم - ہمارا - ہمیں ؛

قدیم اُردو میں 'الف' قریب کے لئے - 'واؤ' بعید کے لئے - 'کاف' استفہام کیلئے 'جیم' شرط و موصول اور 'تے' جزا و صلہ کے لئے آتے ہیں - ان سے مختلف الفاظ بن کر مختلف مقاصد یعنے ضمیر و اشارہ - موصول - صفت - ظرف - مقدار و تشبیہ وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں - واؤ اور تے کی ترکیب سے بننے والے الفاظ زیادہ رائج نہیں - ذیل میں تاریخ غریبی سے مثالیں دی جاتی ہیں - جو لفظ قلابوں میں درج ہے - اس کا یہ مقصد ہے کہ وہ لفظ اگرچہ قاعدہ کی رو سے آتا ہے - لیکن اس تالیف میں میری نظر سے نہیں گذرا -

ضمیر و اشارہ
اے - وے - کے - جے - —
یو - وو - کوؤ - جو - تو
یا - وا - کیا (کا کہا) - جا - تا
یاہ - واہ - کاہے (کاہو) جاہ - تاہ
ان اُون (کنپر جن جنپر تن تنپر)

موصول
اِس (اُس وِس) - کس جس تس
اِسے (اُسے وِسے) کسے - جسے (تسے)
انو (اُنو ونو) - کنو - جنو -
انے (ونے) کنے - جنے -
انیں (ونیں) کنیں جنیں -
ان نیں (اون نیں) اکن نیں جن نیں -

ظرف زمان	اب — کب جب تب	اہاں	اوہاں / اُہاں
	— — کد جد تد	ظرف مکان	یہاں وہاں کہاں - جہاں - تہاں واہاں کہوں
	— — کدی جدی تدی		یہیں وہیں کہیں — —
	ابھی — کبھی جبھی تبھی		یہانکر وہانکر کہانکر [جہانکر] —
			اِدھر اُدھر کدھر - جدھر - تدھر
صفت کیفیتی	ایسا ویسا کیسا جیسا [تیسا]	صفت مقداری	اینا ویتا کیتا جیتا —
	ایسے ویسے کیسے جیسے تیسے		ایتے ویتے کیتے جیتے —
	ایسو [ویسو] کیسو [جیسوں تیسو]		ایتوں — کیتوں [جیتوں] —
	ایسی [ویسی] کیسی جیسی [تیسی]		ایتی ویتی کیتی جیتی —
	ایسیاں ویسیاں کیسیاں جیسیاں [تیسیاں]		ایتیاں ویتیاں کیتیاں جیتیاں —
	ایسیں [ویسیں] کیسیں جیسیں —		اتنا وتنا کتنا جتنا —
	یوں [وول] کیوں جیوں تیوں		اتنی وُتنی [کتنی] جتنی —
	یونکر — کیونکر جیوں کر —		

حروف ظرف :- میں - مانہہ - ماں - مانہی - مانہیں - منے - میانے - درمیانے بھیتر - بیچ ؛

حروف جارہ :- سے - سیں - ستی - سیتی - تیں - تھیں - سوں - اوپر - پر - پہ - پو - پۂ - تل - تلے ؛

حروف نفی :- ناں - نا - ناہی - ناہیں - نانہہ - نانہی - نانہیں - نہیں - نہ فی - مت - جن - نکو (دکنی) مت (مبادا) ؎

اگر ناکریں ہم شکرانا مت کہوں کھوس رکھیں یہہ کھانا
نہیں (ورنہ) ؎

حروفِ شرط :- جے - جو - اگر - اگر جو -

حروفِ ندا :- اے - ارے - رے - ابے - ہیں (تنبیہی)

حروفِ ترديد - یا - و یا - یا جے - کے ؎

دے طلاق جیوں باہر آؤں کے میں خبر ہنسی کی پاؤں لہ ۲۶۱

جو - سو - جیوں اور جب ایک سے زیادہ معنوں میں آتے ہیں - بعض مثالیں :-

جو = اگر ؎ جو سہاے ہوگی نا تیری دیسے آج خرابی میری لہ ۱۰۱
(دیگر) ؎ جو پناہ تیری نہیں پاؤں کون بھانت انسوں برآؤں لہ ۱۰۱
جو = چونکہ ؎ جب سردار انکوں کا بولا جو وے تھے شیطانی ٹولا لہ ۵۸
(دیگر) ؎ آج خوشی کا دن جو آیا یوسف تجھسوں آن ملایا لہ ۱۲۶
جو = کہ ؎ رسی چھری جو وہاں نا پاویں بھلا جو اپنے ساتھ لیجاویں لہ ۶۷
(دیگر) ؎ جب وے بولے بھائی گیارہ ہم جو کیا لیا کہو تمہارا لہ ۱۱۴
جو = جسے ؎ جس نیں کال خون کر دالا وہی موسیٰ جو تیں نیں پالا لہ ۱۴۴
(دیگر) ؎ لیکن مہتر یوسف پیارا جو حق نیں معصوم سنوارا لہ ۹۴
جو = اور ؟ ؎ اترے نبی جو مومن سارے وہی اسی اللہ پیارے لہ ۵۲
سو = وہ ؎ بیٹا چال باپ کی چالے بیٹا سو جو نا نوا اُجالے لہ ۵۱
(دیگر) ؎ سنت سو جو دونو تیا گے حلق خلق کے کہے نہ لاگے لہ ۲۸۰
" = پس ؎ ہم بھی بُت خانے میں جاکر مانگیں دعا سو جیو لگا کر لہ ۵۷
(دیگر) ؎ کاٹوں جیبھ لگاؤں لون یہہ تو بات کہے سو کون لہ ۷۳
" جو ؎ سنو پھیر کیا ہویاں سو باتاں بیبیاں چلیاں باپ کن آتیاں لہ ۱۴۶

(دیگر) فجر اُٹھ چلے دونوں ذاتاں — سنیو پھیر کیا ہویاں سو باتاں — ۱۸۹

سو = اور = سورج چاند سو گیارہ تارے — مجکو سجدا کریں جو سارے — ۸۴

(دیگر) اس کی طرف جو چل کر آوے — ہوئے نہال سو بخشا جاوے — ۶۴

(دیگر) حق نہیں اپنپراں فضل دکھایا — لو ہی گیا سو پانپریں آیا — ۱۶۰

(دیگر) بہتر موسےٰ ندی کنارے — دیکھیں کھڑے سو مومن سارے — ۱۶۵

جیوں = تاکہ = کرو معجز اظاہر ہمکوں — جیوں ہم سانچا جانپریں تمکوں — ۵۷

(دیگر) چاہو گھیر نکالو ہمکوں — خالی رہے شہر جیوں تمکوں — ۱۵۵

" = جبطرح = بی بی نیں سن بات جو ساری — حکم ہوا جیوں کری تیاری — ۶۷

جب جس وقت = جب یوسف مانگے تم دیجیو — جو کچھ تمہیں کہے سو کیجیو — ۸۷

" (دیگر) جب غریب وہ لاگا مرنے — التماس یوں لاگا کرنے — ۱۸۸

" وتب = یوسف نیں جب بیگ بلائے — جب محل کے اندر آئے — ۱۱۰

(دیگر) جبرئیل جب سن کر بھاگے — جا خلیل سوں کہنے لاگے — ۶۰

تصریف کے عام قاعدے وہی ہیں جو اُردو میں رائج ہیں۔ لیکن بہت سے موقعوں پر ان کی پیروی سے اعراض کیا گیا ہے۔ میں بعض مثالیں یہاں درج کرتا ہوں۔ جن الفاظ کی تصریف نہیں ہوئی ان پر ایک خط ڈال دیا گیا ہے :-

= نگہبان میرا رکھوالا — جیو جان سب تجھے حوالا — ۱۰۱

(دیگر) ڈیرے جا کر گوپاں کھولیں — اپس میں دیکھیں کیا بولیں — ۱۱۱

(دیگر) کروں توکل اسپر میرا — اسی یاد میں سانجھ سنویرا — ۱۱۳

(دیگر) جب تیں خوشی ہوا تو پیارا — خوشی ہو گیا عالم سارا — ۱۲۶

(دیگر) کر صندوق میں خوب بچھونا — محکم کیے سو چاروں کونا — ۱۳۹

(دیگر) رود نیل میں جا کر ڈالا — کیا خدا کے فضل حوالا — ۱۳۹

(دیگر) ؎ مہتر موسےٰ اُٹھ کر بھاگے — بیچھا پھر پھر دیکھن لاگے — لف ۱۷۵
(دیگر) ؎ کہا بات سُن مائی جایا — مجھے انہوں نہیں ہلکا پایا — لف ۱۷۱
(دیگر) ؎ پھیر کلیم دھرتی کون بولا — پکڑ جو ہیں شیطانی ٹولا — لف ۱۸۶
(دیگر) ؎ گوپھیا کوں خوب پھرایا — اس بیت کی طرف چلایا — لف ۲۰۰
(دیگر) ؎ وہاں تھے جو مابتیا پیارے — رہتے دور شہر سوں نیارے — لف ۲۲۸
(دیگر) ؎ پھیر کہیا ما بتیا آؤ — لیو قصاص اب پھیل نلاؤ — لف ۲۳۱
(دیگر) ؎ کدی نہ اُن کا ہوئے میلا — آپ اپ میں رہیں اکیلا — لف ۲۳۳
(دیگر) ؎ اسے کہا تو میرے پاچھے — قدم بر قدم دھرجے آچھے — لف ۲۷۶
(دیگر) ؎ جبریل کوں ہوا حوالا — چھات پھاڑ کر بنی نکالا — لف ۲۸۲
(دیگر) ؎ ایک بات میں کہوں بھتیجا — لاجوں توسوں نہیں کہی جا — لف ۳۳۲
(دیگر) ؎ باغ پھیر کر ہو جا ایسا — پہلے تھا جیسے کا جیسا — لف ۲۲۶

یہ مثالیں بہرحال مستثنیات میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ خود اُردو میں ان امور میں قواعد کی پابندی نہیں تھی۔ حتےٰ کہ میرزا غالبؔ بھی بعض موقعوں پر ایسی بے ضابطگی برت گئے ہیں۔ چنانچہ ؎

دل ان کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

یہاں تقاضے آنا چاہیئے ؛

جمع

جمع دو طرز کی ملتی ہے :-

(۱) بطرز راجستانی و گوالیری (برج) جس میں صرف ایک نون لفظ کے آخر میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً گای سے گاین اور چور سے چورن۔ لیکن یہ جمع ندرت کے ساتھ آتی ہے اور بہت کم موقعوں پر ملتی ہے۔ چنانچہ :-

؎ ایسی بات کا کرو سواس کری دور داتن سوں باس ل ۱۶۶
(دیگر) ؎ مہدی کے جو سیوک سور ان سب کے پاین کی دھور ل ۱۲
(دیگر) ؎ گل سو ہے موتن کی مالا بھانت بھانت کا پھرا پ والا ل ۲۲۸
(دیگر) ؎ جو یوشع بن نون کہایا نبی نورن میں آئے سمایا ل ۳۰۹

قدیم اُردو میں اس جمع کا رواج رہا ہے۔ مثلاً شیخ باجن لکھتے ہیں ؎

ہم درویشن ایہی ریت پانی لوہڑیں ہور مسیت

اور افضل اپنی بکٹ کہانی میں لکھتا ہے ؎

سلام از طرف این غمخوار کیجو پگن کو پرس پاتی ہاتھ دیجو

ان شعروں میں درویشن اور پگن بحالت جمع ہیں ؛

(ب) دوسری جمع لفظ کے آخر میں 'ان' کے اضافہ سے بنتی ہے جیسا کہ پنجابی اور قدیم اُردو میں دیکھا جاتا ہے۔ یعنے :۔

قندیلاں ۔ برجاں ۔ ایتیاں ۔ چوریاں ۔ دلیلاں ۔ زمیناں ۔ بوناں ۔ باتاں ۔ گھاتاں ۔ نکاتاں ۔ فوجاں ۔ موجاں ۔ سوگنداں ۔ ذاتاں ۔ ساریاں ۔ قبراں ۔ نیاریاں ۔ کیاں ۔ ارواحاں ۔ پیراں ۔ لاگیاں ۔ آیاں ۔ لگایاں ۔ بھاگیاں ۔ دیواراں ۔ پکاریاں ۔ اوپدیاں ۔ حوراں ۔ بچاریاں ۔ خدمتگاراں ۔ بدیاں ۔ بلایاں ۔ دھالاں ۔ تزواراں ۔ اصحاباں ۔ یاراں ۔ پیلاں ۔ اونٹاں ۔ عرضاں ۔ آنکھاں ۔ کرگساں ۔ محراباں ۔ کتاباں ۔ گایاں ۔ بچھیاں ۔ نعمتاں ۔ بہتیریاں ۔ دیگاں ۔ کرسیاں ۔ امیراں ۔ وزیراں ۔ شیطاناں ۔ چمٹیاں ۔ ناماں ۔ چیزاں ۔ تمیزاں ۔ چیریاں ۔ کناریاں ۔ ایسیاں ۔ بنریاں ۔ سہیلیاں ۔ ساریاں ۔ ناریاں ۔ آفاتاں ۔ نمازاں ۔ لکریاں ۔ لاتاں ۔ قلماں ۔ بیبیاں ۔ نیکیاں ۔ کھوٹیاں ۔ روٹیاں ۔

مگر ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'ئی' لاحقہ آتا ہے جمع کی حالت میں اس کی ہمزہ حذف

کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ :۔

واحد :۔ بھائی - دائی - آئی - لگائی - بدائی - ہوئی - کسائی (قصاب)

جمع :۔ بھایاں - دایاں - آیاں - لگایاں - بدایاں - ہویاں - کسایاں -

جملے میں فاعل یا مفعول یا مبتدا اگر جمع مؤنث ہے تو اس کا اثر اس کی صفت، اضافت - حالیہ - فعل اور توابع فعل و خبر تک پر پڑتا ہے - یعنے یہ سب جمع مؤنث آئیں گے - یہ قاعدہ امثلۂ ذیل سے واضح ہوگا :۔

؎ چل کر آیاں فوجاں ایتیاں کھاے گیاں انگیاں سب کھیتیاں ۱۵۷

اس شعر میں فوجاں چونکہ بحالت جمع ہے اس لئے اس کی صفت ایتیاں اور فعل آیاں جمع میں آئے - اسی طرح مصرع دوم میں کھاے گیاں بھی جمع میں آیا - ادھر کھیتیاں (مفعول) جمع مؤنث تھا اسلئے اضافت بھی جمع میں آئی ؛

؎ گیاں بلوں میں چمٹیاں ساریاں کاڈھے تھیاں سامان بچاریاں ۲۴۳

یہاں چمٹیاں (فاعل) کی بنا پر گیاں اور کاڈھے تھیاں فعل اور ساریاں اور بچاریاں صفت بحالت جمع آئے ؛

؎ مرد برن جو تھیاں سرمایاں کپڑوں سدھیاں ساریاں نہایاں ۲۴۹

یہاں کپڑوں سدھیاں حالیہ ہے ساریاں صفت اور نہایاں فعل ہے ؛

؎ تیریاں باتاں سانچیاں ساریاں اے سب جھوٹیاں موریاں بچاریاں ۱۰۷

اس میں باتاں مبتدا تیریاں اس کی اضافت ساریاں صفت اور سانچیاں خبر ہے ؛

؎ بی بی کوں جب پیراں لاگیاں آیاں اور لگایاں بھاگیاں ۳۱۳

مصرع دوم میں 'لگایاں' فاعل 'آیاں' فعل اور 'بھاگیاں' حالیہ ہے ؛

؎ ایک روز میں اور سہیلیاں کھیلیں بیٹھیاں کرب کھیلیاں ۲۵۷

اس میں کھیلیں فعل اور بیٹھیاں حالیہ ہے ؛

؎ ہتیاں ہزار وہاں کرسیاں دھرلیں سو تو سب سونے سوں جڑیاں لف ۲۴۰

یہاں ہتیاں فعل دھریاں کا تابع ہے ؛

؎ ہتیاں جو گوشت روٹی دے کھاتیاں کاٹ کاٹ نیبو برکاتیاں لف ۹۹

کھاتیاں فعل ہتیاں تابع فعل اور برکاتیاں حالیہ ہے ؛

؎ کھائے چکیاں جب کھاٹ زاں سا ریاں سنہرو پھیر کیا کیاں تیاریاں لف ۹۹

اس میں کھائے چکیاں فعل مرکب ہے ؛

مفعول کی مثالیں :-

؎ دیکھیاں سات جو موتیاں گلیاں سو کی ندی میں سوں آیاں لف ۱۰۵

؎ سونے کیاں وہاں اینٹاں تین پایاں پیر پایاں سنہرو پر ہین لف ۲۸۷

(دوگیرہ) دیاں نبی کے ہاتھوں کھلیاں برن برن کیاں رنگ رنگیلیاں

؎ میریاں بکریاں ساریاں لیاں اس کھیت والیکوں دیاں لف ۲۲۵

یہ جمع قدیم اُردو اور پنجابی میں بکثرت ملتی ہے جس سے ان زبانوں کے اتحاد و یگانگت کا ہم کو پتہ چلتا ہے۔ میں یہاں چند اور مثالیں عرض کرتا ہوں :-

؎ ایسیاں بنڑیاں سہیلیاں ساریاں اصل ہو بہو دیسیں ناریاں لف ۲۴۷

(دوگیرہ) حوراں ساریاں کہیں بچاریاں ہمتو اسکیاں خدمتگاراں لف ۳۱۷

؎ حور ملائک کیاں سب فوجاں جیوں دریاؤ کیاں اوپدیاں موجاں لف ۳۱۶

(دوگیرہ) لوہے کیاں ہتیاں قلماں سا ریاں سبکوں ملا کیاں یکشماریاں لف ۶۶۹

؎ گانوگا نوسوں دایاں آتیاں بال بچونکوں لیکر جاتیاں لف ۳۱۷

تذکیر و تانیث

تذکیر و تانیث کے لحاظ سے متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کی حیثیت اُردو سے مختلف یا متضاد ہے۔ ان کی مثالیں ذیل میں آتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہی لفظ ایک مقام پر

مؤنث آیا ہے اور دوسری جگہ مذکر ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تذکیر و تانیث کے قواعد اس عہد تک انتشاری کیفیت میں تھے :-

مؤنث	مذکر
نیا ۔ دَہُم رَجَبِ چڈھی جو نیا	ناو ۔ جب طنور میں پانی آیا
نبی نوح جا بھیا کھویا ۵۰	بیٹھ نوح نیں ناو چلایا ۵۱
ناو ۔ نبی نوح نیں ناو بنائی	عداوت ۔ دل میں رکھا عداوت کینا
جسکی بات سو یوں بتلائی ۴۹	کافر تھا ملعون کینا ۱۳۶
کاروان کاروان جب وہاں اک اتری	گھونٹ ۔ ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا
تھی زمین جو خاصی ستھری ۹۱	جس کی کیا تعریف کہی جا ۲۳۴
درہم ۔ سترہ درہم کھوٹیاں سبھی	عمر ۔ بارا برس عمر جب پایا
حاضر ہیں جے لیو تم ابھی ۹۲	اسے خدا نیں خواب دکھایا ۸۳
سال ۔ سترو ساتویں سال جو آئی	بات ۔ سارو نیں یہہ جیو کر آیا
ملے مصر کے لوگ لگائی ۱۰۹	عجب بات یہ منجھے دکھایا ۱۴۰
دلاسا ۔ اب میں تیری کروں جو آسا	گھات ۔ تجھ سوں پر یہ گھات نکالا
تو کر میری خوب دلاسا ۲۵۸	ماں نیں منجھے ندی میں ڈالا ۱۵۲
ہوش ۔ جا کر انکے سیج چھپائی	قوم ۔ سونپا قوم اسیکوں سارا
کہیں کسی کو ہوش نہ آئی ۲۱۰	چلا خدا کن نبی پیارا ۱۶۶
من ۔ کہا اگر تیری من مانی	کتاب ۔ رود نیل سوں خوب بچایا
کرو خوشی ہو کر مہمانی ۲۸۳	بھی کتاب تمکوں پہنچایا ۱۷۵
غم ۔ پھیر نبی نیں یوں بتلائی	رحمت ۔ جس نیں حق کی رحمت پایا
تجھے قوم کی غم کیوں آئی ۲۴۲	جس نیں علم لدنی سکھایا ۱۷۷

درم ؎ کیتیاں درماں کھول نکالیاں　　چادر ؎ خواجہ خضر کوں دیکھا لیٹتا
؎ طباخ کے آگے پالیاں لف ۳۰۴　　مکھ پر چادر لیا لپیٹا لف ۱۷۷
سفر ؎ بات ان دونوں کی سنر پائی　　جان ؎ سنر بیان الحان بنی کا
سفر شام کی آگے آئی لف ۳۲۶　　بہت لرزتا جان سبھی کا لف ۲۲۱
انار ؎ بھری آدمیوں سوں یوں بھرتی　　روزی ؎ ناشکری کا یہہ پھل لاگا
جیوں انار دانپوں سوں بھرتی لف ۲۰۹　　تھا حلال روزی سو بھاگا لف ۲۲۸
التماس ؎ جب رسول سجدے میں جاکر　　سانچہ ؎ کہا سانچ تو لاگے کروا
التماس کی جیو لگا کر لف ۲۲۷　　نیب آک کا جیسیں چپروا لف ۲۴۲
درد ؎ موسے کے وہ درد کھٹکتی　　نظر ؎ سنر اغلغلہ باہر آیا
بات بولتے جیبھ اٹکتی لف ۱۴۳　　کعبہ کا نی نظر چلایا لف ۳۱۵

مونث

دانہ ؎ سکل سُشت جن ایسیں جانا　　جیوں ہاتھ ماتھہ رائی کی دانا ل ۶
قصہ ؎ جگ سوں بڑا چار سو حصّا　　اس کی سنر و سمجھ کر قصّا لف ۲۱
حج ؎ بھنک تا ہ سروں جا پری　　حج آئے مکے کی کری لف ۶۶
شہر ؎ فجر ہوئی جبرائیل آئے　　جبرسوں ساری شہر اٹھائے ل ۷۸

مجھے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض الفاظ محض قافیہ کی غرض سے لگروہ مؤنث ہیں تو مذکر یا مذکر ہیں تو مونث لائے گئے ہیں۔ ایسے موقعے اس تالیف میں کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً بات اُردو میں مونث ہے اور اس کتاب میں بھی سینکڑوں جگہ مونث باندھی گئی ہے۔ چنانچہ ؎

سنر و پھیر یوسف کیاں باتاں　　کہے بیچہ میں دوی نکاتاں لف ۱۰۱
؎ ہای مکر نیں بات پڑوئی　　جنسوں مرد نہ پوچے کوئی ل ۱۰۰

؎ سوائے باتاں جب یوسف آگے کیاں سواتھ کروہانسوں بھاگے لف۱۰

تاہم متعدد موقعے ایسے موجود ہیں جن میں غالباً بضرورت قافیہ بات کو مذکر لایا گیا ہے مثال میں یہ دو شعر ملاحظہ ہوں :۔

؎ نرت عاج بن عوج بلایا اسے بات یونکر سمجھایا لف۴۸

'بلایا' کا فاعل حضرت نوح ہیں اور بلایا چونکہ قافیہ ہے اسلئے دوسرے مصرع میں 'بات سمجھائی' کو بات سمجھایا میں تبدیل کر دیا۔ شعر آیندہ میں بھی یہی صورت معلوم ہوتی ہے

؎ جب کلیم جذبے میں آیا بات قوم سوں یوں بتلایا لف۲۰۱

یہی سلوک میں سمجھتا ہوں 'ناؤ' اور 'گھات' کے ساتھ کیا ہے۔ جنہیں ضرورتاً مذکر لایا گیا ہے ؛

'راہ' اُردو میں مؤنث ہے اور مصنف کے نزدیک بھی مونث ہے۔ تاہم بغرض قافیہ وہ اس کو مذکر لایا ہے :۔

؎ دنیا پر یوں حکم چلایا حق کی سیدھی راہ بتایا لف۴۴

دوسرے مصرعہ میں بتائی آنا چاہیئے تھا ؛

الف زائدہ

لفظ کے آخر میں ایک زائد الف بیسیوں جگہ لایا گیا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

؎ تو جو غیب سوں ہے بے خبرا لا تُطیق مَعَیَ ہرگز 'صَبرا' لف۱۷۹

(دیگر) ؎ ایسی جوت بنے گلزارا مانو پھولے پھول ہزارا لف۱۲۳

(دیگر) ؎ اسکا ہیں جو لیا اُدھارا دیا ہاتھ میں اس کے سارا لف۲۲۲

(دیگر) ؎ لیا مال بوڈھی نے سارا آئی گھر کوں شکر گذارا لف۲۲۷

(دیگر) ؎ آٹھ مہینے دو پرے گھورا ایتا دستر خوانا چورا لف۲۳۸

(دیگر) ؎ ایک بادشاہ تھا کفرانا بدا بلی بلونت سیانا لف۲۸۵

(دیگر) سنہرے نہ دیکھے ناکچھ جانیے — پتھر اہے سب لوک پچھانیے — لف ۲۹۲

(دیگر) جنکوں روئے عالم سارا — عرس کرس میں پراپکارا — لف ۲۹۷

(دیگر) آج گھاس منجھے دے ادھارا — گر لگے جی تجکوں پیارا — لف ۲۶

(دیگر) میں خدای کا بندا خاصا — میرا اب تم سنہرو خلاصا — لف ۲۷

(دیگر) دی کتاب موہ کیا نبیا — اَوْصَانِیْ مَا دُمْتُ حَیًّا — لف ۲۷

(دیگر) نیک عمل کوں کرو وسیلا — ہے کریم رحمان وکیلا — لف ۳۰

(دیگر) نِرا سالنا روٹی کھانیا — میوا بھاجی کورا دانیا — لف ۳۳۵

(دیگر) تھا اُسکنے جو صحی صحیفا — جو کلام انجیل لطیفا — لف ۳۲۸

(دیگر) منجھے مل گیا وہاں بٹ پارا — اس نیں لیا سو میرا جھاپا — لف ۲۵۴

(دیگر) ہاتھ چلیچی بھی استاوا — ہیرے موتی لال جڑاوا — لف ۳۱۳

(دیگر) ایتا ہوتا شور پکارا — سنے تو مرجا عالم سارا — لف ۲۸

(دیگر) بیٹھ سانپ کے منہ میں سارا — گیا بہشت میں وہ مکارا — لف ۳۸

(دیگر) آؤ بیٹھ میرے مہمانا — ہم تم مل کر کھالیں کھانا — لف ۴۵

(دیگر) دُکھ بن ملے نہ در جا خاصا — دُکھ بن سکھ کی کریں نہ آسا — لف ۷۴

(دیگر) اول احد اتھا کرتارا — آپ اکیلا سرجن ہارا — لف ۱۳

(دیگر) عرض کری جب اے کرتارا — منجھے قوم کا کر سردارا

یائے زائدہ

یائے زائدہ فارسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی تقلید میں پنجابی اور اُردو کی قدیم میں بھی آتی ہے۔ ہمارا مصنف ہندی الفاظ میں کم اور مسلمانی الفاظ میں زیادہ استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ امثال :—

؎ کہیں ایک تھی بوڈھی بی بی — مومن منہیں بہت غریبی — لف ۵۱

(دیگر) جب بولا وہ فتنہ بازی جس تھیں سارے ہیں ناراضی لف ۷۳
(دیگر) جب فرعون کیسنہ پازی بولا انکوں ہو نا راضی لف ۱۵۵
(دیگر) دیکھیہ نبی نیں جب ترتابی عرض خدا کن کری شتابی لف ۱۶۰
(دیگر) اٹھ سلام کی وئی علیکی پھیر بوجھ لی بات بھلیکی لف ۱۷۷
(دیگر) گھوپرے سوں جب اترشتابی کر سلام دل سوں آدابی لف ۱۲۵
(دیگر) بیٹی بدی صفورا بی بی سو کلیم کے ہوئی نصیبی لف ۱۴۸
(دیگر) وہ زبوں ایسا ہوا ماضی جو دیکھے سو ہو ناراضی لف ۲۰۰
(دیگر) بنا پیو کچھو رکھے نہ غرضی جو کچھو کرے اسیکی مرضی لف ۲۰۳
(دیگر) وہ پکا رتا رین جو ساری برا مانتے وہ مرداری لف ۲۱۰
(دیگر) بہت غروری منمیں لیایا وہاں بہیشہ کریوں بتلایا لف ۲۱۱
(دیگر) بادشاہ ہو کر ناراضی یونکر بول اٹھا وہ پازی لف ۲۹۴
(دیگر) اس پر تھی یوسب آسانی جس نیں سانچی کری کہانی لف ۲۵۷
(دیگر) کری سلام علیسکی کدکی ظہر پر ہی تھی میں نیں جد کی لف ۲۵۸
(دیگر) کہا بھول جن کرو اداسی یہی نشانی جانو خاصی لف ۲۶۵
(دیگر) جاگ پرا جب کری خوشیالی اٹھا شتابی سوں در حالی لف ۳۱۲
(دیگر) آسمانسوں خوان شتابی بھیجہ سالنا نان کبابی لف ۲۷۳
(دیگر) اوّل سلام علیکی کرتے پہلے کوئی کرے یوں ورتے لف ۳۳۵
(دیگر) ہوے انبیا جو ل سارے ایک لاکھ چوبیس ہزارے لف ۳۴۴
(دیگر) کافر کے یوں موکی ماری ترت مر گیا وہ مرداری لف ۱۴۴
(دیگر) گوشت کھاے جب بھیئے خوشیال کری دعا خاصی در حال لف ۸۰
(دیگر) عزازیل نیں کیا غروری حکم نمانا حال حضوری لف ۷۳

مصدر

اُردو میں مصدر کی علامت 'نا' ہے۔ مگر 'نا' والا مصدر کتاب ہذا میں قلت کے ساتھ ملتا ہے۔ میں بعض مثالیں دیتا ہوں :۔

؎ دعا ہمارے حق میں کرنا	آخر ہے تمکوں بھی مرنا	ص۷۵
(دیگر) شام طرف کا کیا پیانا	اب ننسال طرف کوں جانا	ص۸۱
؎ لیکن یاد خدا کی ہونرا	وہی اوڈھنیرا وہی بچھونرا	ص۷۰
(دیگر) دوجے سال دیا سب گہنا	بنا ناج کہو کیونکر رہنا	ص۱۰۹

اس مصدر میں تصریف بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کتاب میں یہ تصریف بہت کمی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ چنانچہ :۔

؎ جب تو سارے یوسف آگے	بہت عاجزیاں کرنے لاگے	ص۱۱۲
(دیگر) بھائی ایک جو ہمسوں لیجے	اسے باپ کن جانے دیجے	〃
؎ اس پر حق ہمارا آوے	اب یو کہاں سو جانے پاوے	ص۱۱۵
(دیگر) رکھے خوانچے بھایوں آگے	مہتر یوسف کہنے لاگے	ص۱۱۳
(دیگر) ایک روز مایوں بتلاوے	کیوں نہ کھیلنے کون تو جاوے	ص۲۶۵
(دیگر) عیسےٰ کہو رسول الٰہی	جیو دھونپر کی گت یاہی	ص۲۷۲

جس مصدر کا عام رواج ہے وہ وہی ہے جو گوالیری اور راجستانی میں مستعمل ہے۔ یہ مصدر صرف 'ن' پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور تصریف اس میں جاری نہیں ہوتی۔ مثالیں :۔

؎ اس نیں پکر جگاے سارے	یوسف آیا ملن تمہارے	ص۹۳
(دیگر) جب محبوب مصر میں آیا	دیکھین کوں سب لوگ لبھایا	〃
(دیگر) یوسف کوں تم ڈھونڈھین جاؤ	بن یامین کی بات چلاؤ	ص۱۱۹

(دیگر) آن پری بچپن گھڑی دھری ہی رہ گئی بات ہاتھ جھاڑ کیں اٹھ چلے نبی مبارک ذات لف ۱۲۸

(دیگر) تو وہ صحی سراہن جو گا جیوں تو کہے سو ویا ہو گا لف ۱۲۹

(دیگر) کسی گانو میں رہن نپاویں سبھی گھیر تے سانبھے آویں لف ۱۳۲

(دیگر) کیئی ایک دن کرن مزوری بہت بار کہوں بھئی ضروری لف ۱۳۴

(دیگر) شاید اس کے بیٹا ہو گا بادشاہ کے مارن جو گا لف ۱۳۹

(دیگر) مہتر موسے اٹھ کر بھاگے پیچھا پھر پھر دیکھن لاگے لف ۱۴۵

(دیگر) موسیٰ ان سوں بوجھن لاگے لیاؤ کیوں نہ تم بکریاں آگے لف "

(دیگر) پھیر آدمی ملیں جو ویتے لگے دول کا دھن کون جیتے "

(دیگر) یہ تو نبی خدا کا پیارا بھاری بوجھ نباہن ہارا لف ۱۴۷

(دیگر) بدا اژدھا ہو کر بھاگا لکڑی رسّی نگلن لاگا لف ۱۵۵

(دیگر) ساروں نے جب چلن بچارا لیا مانگ کر ابھرن سارا لف ۱۶۲

(دیگر) تھا یوشع بن نون جو بیٹھا وضو کرن پانیں میں بیٹھا لف ۱۷۶

(دیگر) جب تم سوے رہے اُس جاگا میں اٹھ وضو کرن کوں لاگا لف ۱۷۶

(دیگر) نئی ناؤ تیار کھڑی تھی پار چلن کوں خوب بھری تھی لف ۱۷۸

(دیگر) جب وہ بیٹا بوجھن آوے ماں صاحب کو سوتی پاوے لف ۱۸۹

(دیگر) دگا جیو جب نکلن لاگا موسے آسا لے کر بھاگا لف ۱۹۴

(دیگر) بہت بار رو رو کھپتایا دعا کرن حجرے میں آیا لف ۱۹۷

(دیگر) ہوں تیار میں تیرے آگے جب جم جیو نکالن لاگے لف ۲۰۰

(دیگر) جب کلیم انسوں بتلائے کیا تم آج ملن کوں آئے لف ۲۰۲

(دیگر) میں ہوں عزرائیل فرشتا جیو لین کا رکھوں سرشتا لف ۲۱۱

(دیگر) دیس دیس سوں دنیا بھاگی خلقت ساری آون لاگی لف ۲۳۸

(دیگر) کہا لال میں لیکر بھاگا — موٹھی کھول سو دیکھن لاگا — لف ۲۵۳
(دیگر) آپ سمندر مانہیں بیٹھے — لینے غسل کرن کوں بیٹھے — لف ۲۵۴
(دیگر) ترت دیکھ ہم ساریاں بھاگیاں — دیکھ تماشا بوجھن لاگیاں — لف ۲۵۵
(دیگر) پری جن سب مونہہ کے آگے — تسلیمات بجاون لاگے — لف ۲۵۶
(دیگر) دُبلا دیکھ کسائی بھاگے — تجھے لین کوں جیو نہ لاگے — لف ۲۶۰
(دیگر) کوئی ایک نہ آوے پاوے — ناکوئی قضیا جھگڑا لیاوے — لف ۲۶۳
(دیگر) کہا ہم نہ یہاں کھیلن آئے — بھجن کارنے ہمیں بنڑائے — لف ۲۶۵
(دیگر) انکوں کہا بلا کر سارے — اے کپرونکے دھوون ہارے — لف ۲۷۲
(دیگر) بادشاہ کوں مارن لاگا — وہ بیچارا پکارن لاگا — لف ۲۷۷

افضل کے بارہ ماسے میں بھی یہ غیر منصرف مصدر نظر آتا ہے مثلاً ؎

ملن پاچھے بچھڑناں بھی کٹھن ہے — کہو اب زندگی کا کیا جتن ہے
(دیگر) پیا بن سیج ری ناگن بھئی ری — ہمن کھیلن کی سب سودھ بودھ گئی ری

جعفر زٹلی کے ہاں بھی موجود ہے :-

چوکی لکھیں اور حاضری کھاون نا پاویں پاجری — تسپر چلاویں ناظری یہ نوکری کا حظ ہے

اسم فاعل

عربی فارسی اسم فاعل کے علاوہ جو بہت کم استعمال ہوئے ہیں ایسے ہندی اسم فاعل جو 'ونت' اور 'ار' پر ختم ہوتے ہیں بہت قلت کے ساتھ ملتے ہیں ۔ مثلاً بھاگونت ۔ دیاونت ۔ گنونت ۔ سانونت ۔ لجونتا ۔ دھنونتا ۔ ستونتا ۔ آدھار ۔ نرادھار ۔ داتار ۔ کرنہار ۔ کرتار وغیرہ ۔ اسی طرح گوپال ۔ پرتپال ۔ گنی ۔ دھنتر ۔ بسیا ۔ بھی ندرت کے ساتھ آئے ہیں ؛

ایک اور اسم فاعل ہے ۔ جو اسم اور 'والا' کی ترکیب سے بنتا ہے ۔ اس تالیف میں

اگرچہ ملتا ہے مگر کمی کے ساتھ مستعمل ہے۔ یہ اسم فاعل پنجاب سے تعلق رکھتا ہے جہاں وال اور والا کی صورت میں ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے شہروں اور قصبات کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ جیسے ملکوال۔ بگووال۔ دھاریوال۔ گوجرانوالا ؛

یہ 'وال' غزنویوں کے دور میں بلکہ شاید ان سے بھی پیشتر فارسی میں پہنچ گیا ہے 'کوتوال' (کوٹ وال) بمعنی محافظِ قلعہ ہندی الاصل ہے۔ اور فردوسی کے شاہنامہ میں استعمال ہوا ہے ؎

چو آگاہ شد کوتوالِ حصار — برآویخت بارستم نامدار

'نخچیر وال' بمعنی شکاری ایک اور لفظ ہے۔ جو فرخی کے دیوان میں موجود ہے ؎

نخچیر والان این مملکت را — شاگرد باشد افزون زبہرام

'والا' اسم فاعل کی بعض مثالیں اس تالیف سے :۔

؎ بھیجا پانی کا دھن والا — اس نیں پول کوئیں پر والا لف ۹۱

(دیگر) نگہبان میرا رکھوالا — جیو جان سب تجھے حوالا لف ۱۰۱

(دیگر) بیچہ رہ گیا میں رکھوالا — تیرے اونٹ چراون والا لف ۱۳۱

(دیگر) تھے جو دھاپکر ہیون والے — ہونٹھ ہو گئے ان کے کالے لف ۲۱۷

(دیگر) بول اُٹھا جب جھا پر ونوالا — دیکھ نبی یہہ کھپر اگوالیا لف ۲۲۵

(دیگر) جب وہ بکریوں والا بوجھا — باغ برانا تجھے نسوجھا لف ۲۵۲

(دیگر) باغ سنبھالے بکریوں والا — سینچے جتن کرے رکھوالا لف ۲۲۶

(دیگر) دیکھے نبی کا نور اجالا — بول اُٹھا وہ لکڑیوں والا لف ۲۵۲

(دیگر) اسی ٹھور اک مچھلی والا — جال سمندر میں جا ڈالا لف ۲۵۵

(دیگر) پھیر ہنسا وہیلوں والا — عورت بیٹھی کھائے نوالا لف ۲۶۰

(دیگر) جب وے سارے بکریاں لیاں — اسی باغ والے کوں دیاں لف ۲۲۵

(دیگر) بول اٹھے پھر آون والی ہم بھی نہیں علم سوں خالی لف ۲۵

سات سو صفحوں کی ایک تالیف میں اس اسم فاعل کا استعمال اس قلت کے ساتھ ہونا بظاہر تعجب خیز ہے۔ کیونکہ 'والا' اُردو میں کثرت کے ساتھ آرہا ہے مگر ان ایام میں اس کا رواج بہت کم تھا۔ چنانچہ دکنی تالیف سبرس میں جو ۱۰۴۵ھ میں لکھی جاتی ہے بالکل نامعلوم ہے۔ تاریخ غریبی میں جو اسم فاعل کثرت سے آرہا ہے۔ وہ راجستانی مصدر پر 'ہارا' کے اضافہ سے بنتا ہے چنانچہ :-

ے حافظ ہوے دنیا میں بھارے مصحف یاد سناون ہارے ل ۱۵

(دیگر) باویں انگری پوتھ نہارے درزی بھئے جو سیون ہارے ل ۱۶

(دیگر) بھئے انبیا جگ میں سارے امت پار لنگھاون ہارے ل ۱۶

(دیگر) پسو پراجن دیکھا غازی زانو دیکھین ہار نمازی " ل ۱۷

(دیگر) اس نیں کئے ملائک سارے حق کا حکم بجاون ہارے ل ۱۸

(دیگر) جو وے عرش اوٹھاونہارے اونکی سنپر وبڈائی سارے لف ۱۹

(دیگر) لکھ جاتیں کیا سوچ بچارا وے پاپی ہیں بخشنہارا ل ۲۰

(دیگر) اسمیں پتھر بھرے ہیں سارے دوزخ آگ جلاون ہارے ل ۲۶

(دیگر) ہوئیں اسی کی صورت سارے حق کا حکم بجاون ہارے لف ۳۰

(دیگر) چاروں عرش اٹھاونہارے چاروں بیڑے ملایک پیارے لف ۳۲

(دیگر) اتنا کہکر گئی بچاری سوت کات کر بیچن ہاری ل ۵۱

(دیگر) قوم عاد کے مل کر سارے تھے وے بت کوں پوجن ہارے ل ۵۵

(دیگر) [illegible] جگمیں دین جگاونہارا لف ۵۹

(دیگر) تھا یعقوب غریب بچارا بکریاں پال چراون ہارا ل ۷۹

دوسرا اسم فاعل مصدر میں تصریف کے ساتھ ملتا ہے یعنے :-

؎ انگری درس پرس جو دارے بھئے کتاباں لکھنے ہارے (۱۶
(دیگر) وے نماز جو کرنے ہارے سہو خطا کچھ کریں بچارے (۱۷
(دیگر) ہیں جو آگ میں جلنے ہارے ان کے دفتر اس میں سارے (۲۶
(دیگر) جتنی خلق دنیا میں ساری جیو جنت سب ہلنے ہارے (۳۱
(دیگر) کہاں گئے تم عالم سارے میری میری کہنے ہارے "
(دیگر) ایتے ذکر کئے جو سارے کافر ہیں سب جلنے ہارے (۳۴
(دیگر) اُمت ہوئی نبی کی ساری کلمہ طیب کہنے ہاری "
(دیگر) رہی اونٹ پر ہیں وہاں بچاری تھی ایکا نترے چرنے ہاری (۵۸
(دیگر) جو کہ کاملی خود بچارے فجر و وگانا پڑھنے ہارے (۷۰
(دیگر) وہاں بسیں تھے کافر سارے سبھی گھات تولنے ہارے (۱۳۴
(دیگر) سکھی ہوے مظلوم دکھیارا دکھی ہوے دکھ دینے ہارا (۱۵۶
(دیگر) جب وے سجدے کرنے ہارے کریں عاجزی کھپرے بچارے (۱۷۱

الغرض اسم فاعل کی یہ دو قسمیں ہیں۔ جو اس تصنیف میں بکثرت ملتی ہیں ۔

جملوں میں بے ربطی

اُردو کے دستور کے برخلاف مصنف دو جملوں یا ایک ہی جملے کے اجزا کی ترتیب و تعلق قائم رکھنے میں کئی موقعوں پر بے ربطی سے کام لیتا ہے۔ حروف عاطفہ و استدراک اور ضمیر وغیرہ حذف کر دینے سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے اور اصل مفہوم کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ میں چند مثالیں دیتا ہوں :-

؎ جب دوڑے ملعون لئیم جا کر پکڑے ابراہیم (۶

اس جملے میں ابراہیم فاعل بھی مانا جا سکتا ہے اور مفعول بھی جس سے معنوں میں تناقص پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ "تب کافر ملعون دوڑے (اور انہوں نے)

جاکر حضرت ابراہیم (کو) پکڑ لیا"۔ اب ظاہر ہے کہ اس جملے میں یہ بے ربطی حرفِ عاطفہ وضمیر فاعلی وعلامت فاعل ومفعول کے حذف کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ مثال دیگر ؎

اسی تھور ایک مچھلی والا جال سمندر میں جا ڈالا لف ۲۵۵

یہاں جملے کے دونوں ٹکڑوں میں ایک بے تعلقی پائی جاتی ہے۔ اگر 'مچھلی والا' کی جگہ 'مچھلی والے' اور اس کے بعد 'نے' علامتِ فاعل ہوتی تو مفہوم صاف ہو جاتا۔

مثال دیگر ؎ جب کلیم نیں زمیں پکاری پکڑ لیئے تینوں مرداری لف ۱۸۵

یہ شعر قارون اور اس کے ساتھیوں کے زمین میں اتارے جانے کے ذکر میں آتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کلیم نے زمین (کو) پکارا (تب) اس نے (یعنے زمین نے) ان (تینوں مرداروں (کو) پکڑ لیا۔ خطوط ہلالی میں جو عبارت ہے وہ ادا ہونے سے رہ گئی ؛

مثال دیگر ؎ ہار ماندگی جب کچھو پاتا مرکب ہو کر خوب چڑھاتا لف ۴۱

یہ بیت عصاے موسوی کی تعریف میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ 'جب عصا (حضرت موسی ہیں) کچھ خستگی دیکھتا (تب) مرکب بن کر (اپنی پشت پر اُن کو) چڑھا لیتا ؛

مثال دیگر ؎ اور انگوٹھی لیا ہے ساتھ سلیمان کے آئی ہاتھ لف ۴۲

دونوں مصرعوں میں ربط دینے کے لئے (جو) درمیان میں آنا چاہیئے ؛

مثال دیگر ؎ پیچھے سوں مریم کا پیالا آ پہنچا جی کا دھن والا لف ۲۸۰

یہ شعر حضرت مریم کی وفات کے بیان میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسے کی غیبت میں حضرت مریم کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور جان نکالنے والا آ پہنچا ؛

مثال دیگر ؎ ایک بات میں کہوں بھتیجا لاجوں تو سوں نہیں کہی جا لف ۳۳۲

اس میں دونوں جملوں کے درمیان 'مگر' حرفِ استدراک چاہیئے ؛

مثال دیگر ؎ کہا موت آئی تو مر جا خبر ہنسی کی موکوں کر جا لف ۲۶۱

دونوں مصرعوں کو ربط دینے کے لئے وہی حرفِ استدراک آنا چاہیئے ؛

مثال دیگر پکر بھتیجا خوفی پازی گردن مار کر دیا ماضی لف ۱۹

اور تناقص سے قطع نظر دونوں مصرعوں کے درمیان حرفِ عاطفہ 'اور' آنا ضروری ہے

مثال دیگر جو یہاں پر یہاں چل کر آیا ایک ایک پتھر پہنچایا لف ۶۵

دونوں مصرعوں کے درمیان ضمیر غائب 'اُس' اور 'نے' علامت فاعل آنی چاہیئے ؛

فاعل اور مفعول کی علامتوں کا حذف

اسی طرح فاعل اور مفعول کی علامتیں کئی موقعوں پر ترک کر دی گئی ہیں۔

بعض امثال :-

؎ یوسف نبی جب دیکھ بشارا بھائی یہودا ترت پکارا لف ۱۲۸

یعنی یہودا کو

(دیگر) اس کا میں جو لیا اُدھارا دیا ہاتھ میں اس کے سارا لف ۲۲۲

'میں جو لیا' یعنے میں نے جو لیا

(دیگر) فضل خدا نیں جب یوں کیا جو تیں مانگا سو ہم دیا لف ۸۸

یعنے جو تو (نے) مانگا وہ ہم (نے) دیا۔

(دیگر) جب بلائے میرے پر آئی میں ضرور یہہ بات چلائی لف ۹۶

(دیگر) منجھے بھاگسی میں کیوں دیا میں کیا کہو تمہارا لیا

کاپڑھ یہا نسوں منجھے بلاؤ میں کیا کیا سو منجھے بتاؤ لف ۱۰۳

(دیگر) جب وے بولے بھائی گیارا ہم جو کیا لیا کہو تمہارا لف ۱۱۴

ان چاروں شعروں میں 'نے' علامت فاعل محذوف ہے ؛

(دیگر) جب طالوت فتح کر آیا انپر پس کن داؤد بلایا لف ۲۲۰

(دیگر) جب خلیل آگ میں ڈالا جبرئیل نیں جاے سنبھالا لف ۱۰۴

(دیگر) کارواں اتری وہاں آکر یوسف کا پدھا پول لگا کر (۱۱۶

(دیگر) ترت عاج بن عوج بلایا اسے بات یوں کر سمجھایا (۴۸

ان چاروں شعروں میں 'کو' علامت مفعول محذوف ہے ؛

فعل کی فاعل و مفعول کے ساتھ عدم مطابقت

اُردو میں قاعدہ ہے کہ فعل لازمی ماضی میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے اور فعل متعدی بعض مستثنیات کے ساتھ مفعول کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کتاب میں بھی اسی قاعدہ پر عمل درآمد ہے۔ لیکن ایسے موقعے بھی بہت نظر آتے ہیں جب فعل نہ فاعل کے مطابق آتا اور نہ مفعول کے مطابق ہوتا ہے میں کچھ مثالیں نقل کرتا ہوں

؎ ترت زلیخا کوں دھمکائی کہا تجھے کچھ لاج نہ آئی (۹۷

یہاں دھمکائی کا فاعل عزیز مصر ہے۔ اور فعل بظاہر اپنے مفعول زلیخا کے مطابق معلوم ہوتا ہے مگر اُردو کا قاعدہ ہے کہ جب جملہ میں 'کو' علامت مفعول مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد مذکر آتا ہے مثلاً (۱) 'عزیز نے زلیخا کو دھمکایا' اور 'زلیخا نے عزیز کو دھمکایا' پہلی مثال میں مفعول مونث ہے۔ دوسری مثال میں مذکر ہے۔ لیکن فعل ان کے ساتھ تطابق سے بے نیاز ہے ؛

مثال دیگر؎ یہی سمجھ اِک راند بلائی پاس بٹھا کر یوں سمجھائی (۸۴

اس شعر میں فاعل قارون ہے۔ جو حضرت موسےٰ پر تہمت لگانے کے لئے ایک فاحشہ عورت کو بلواتا ہے اور اسے سکھاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں 'اسے' یا 'اس کو' مقدر ہے اور فعل 'سمجھائی' بصیغۂ واحد مذکر ہونا چاہیئے۔ یعنے سمجھایا۔

مثال دیگر؎ ایک تھا نب پتھر کا لیا ئے بہت خلق نیں اُسے اٹھائے (۲۹۲

'اٹھائے' اپنے مفعول 'اسے' کی مطابقت میں 'اٹھایا' چاہیئے ؛

مثال دیگر؎ سوداگر سوں یوں بتلائے یہ غلام جو تم نیں پائے (۹۲

برادران یوسف فاعل ہیں اور غلام مفعول ہے۔ اسلئے اس کا فعل 'پائے' بصیغۂ واحد مذکر 'پایا' آنا چاہیئے ؛

میں نے یہ چار مثالیں مفعول کے ساتھ فعل کے عدم تطابق کی دی ہیں اور ایسی مثالیں کثرت کے ساتھ اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ جن کا کوئی حل نہیں ملتا اور نہ قواعد میں کوئی ضابطہ پایا جاتا۔ کافی غور کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مصنف قافیہ کی خاطر سے اس بے قاعدگی کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے:۔

؎ یوسف نبی جب حکم چلایا زمین مصر کی خوب بسایا ۱۰۹

پچھلے مصرع میں فعل 'بسایا' اپنے مفعول (مؤنث) زمین کی مطابقت میں 'بسائی' آنا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ پہلے مصرع میں قافیہ 'چلایا' ہے۔ اس کے تطابق میں 'بسائی' کا 'بسایا' کر لیا

مثال دیگر؎ آدم نبی فرزند بلائے ایک ایک کوں یوں سمجھائے ۴۲

چونکہ پہلے مصرع میں قافیہ 'بلائے' ہے۔ اسلئے دوسرے مصرع میں فعل واحد کو فعل جمع بنا لیا

مثال دیگر؎ لوک خدا کی طرف بلائے بھانت بھانت کر انکو سمجھائے ۴۷

دوسرے مصرع میں قواعد کی رو سے 'سمجھایا' آنا چاہیئے۔ لیکن پہلے مصرع کے قافیہ کی بنا پر جمع میں لایا گیا ؛

مثال دیگر؎ رہے دس برس گوال کہائے بکریاں انکیاں خوب چرائے

فاعل حضرت موسےٰ ہیں اور فعل 'چرائے' اپنے مفعول 'بکریاں' کی مطابقت میں 'چرائیں' آنا مگر مصرع اول میں قافیہ 'کہائے' جمع مذکر ہے۔ اس کی بنا پر 'چرائیں' کی جگہ 'چرائے' لایا گیا

مثال دیگر؎ جب صالح پیغمبر پیارے دو رکعت کر وضو گذارے ۵۸

دو رکعت کی مناسبت سے فعل 'گذاریں' لایا جاتا لیکن قافیہ 'پیارے' تھا اسلئے 'گذارے' رقم کیا مطلب یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت ادا کیں ؛

بعض اور مثالیں درج ہوتی ہیں:۔

ے بارا برس عمر جب پایا اسے خدا نیں خواب دکھایا ل ۸۳

یعنے عمر جب 'پائی' ۔

(دیگر) انکیاں بکریاں پاس منگایاں ایک ایک کوں خوب دھپایاں ل ۱۴۶

یہاں 'دھپایا' چاہیئے ۔

(دیگر) اس لڑکی کوں لے کر آئے موسے کالب اسے لگائے ل ۱۴۱

'لگایا' صحیح تھا ۔

(دیگر) جب اسحٰق نبی اُٹھ بولے جو کچھو بات ہوئی سو کھولے ل ۸۱

'کھولی' درست ہوتا ۔

(دیگر) کیتے برس شام میں رہے ایک روز بی بی سوں کہے ل ۶۴

بروے قواعد 'کہا' آنا چاہیئے ۔

(دیگر) بی بی بدی جو اوّل آئی چھ بیٹے تو اس نے جائی ل ۸۳

یعنے 'جائے' جمع میں آتا ۔

(دیگر) ترت خدا نیں اسے جلائی اٹھی گور سوں باھر آئی

'جلایا' چاہیئے ۔

(دیگر) دنیا پر یوں حکم چلایا حق کی سیدھی راہ بتایا ل ۴۴

'بتائی' درست ہوتا کیونکہ راہ مؤنث ہے ۔

(دیگر) جھوٹا روج روتے آئے سارے جگ کا بھرم گنوائے ل ۸۹

'گنوایا' صحیح ہوتا ۔

(دیگر) حق نیں قدرت یوں دکھلائی اسی دھار صندوق چلائی ل ۱۴۰

'چلایا' درست ہے ۔ کیونکہ صندوق مذکر ہے ۔

(دیگر) آٹھ روز تک دودھ نہ پیا اپنی انگلی مونہہ میں لیا ل ۱۴۱

'انگلی منہ میں لی' درست ہوتا ؛

(دیگر) برس روز لگ پھر پھر آئے کہیں ایک دن بیٹھا پائے ۱۵۱

'بیٹھا پایا' صحیح ہے ؛

(دیگر) ترت عارج بن عوج بلایا اسے بات یونکر سمجھایا ۱۴۸

'بات سمجھائی' درست ہے ؛

(دیگر) اسے تخت پر سوتے پائی ترت جائے چیٹی پہنچائی ۲۴۲

فاعل ہدہد ہے اور 'پائی' کا مفعول ملکہ بلقیس ہے۔ اسلئے 'پائی' کی جگہ 'پایا' آنا چاہیئے ؛

(دیگر) بی بی سارا کن آبوے وہاں کی بات جو تھی سب کھوے ۶۴

'کھولی' درست تھا ؛

(دیگر) ان لوگوں نیں ہمیں چدھائے کر احسان بھٹا کر لیائے ۱۴۸

'چدھائے' کی جگہ 'چڑھایا' چاہیئے ؛

(دیگر) بھینت وہاں اک ٹوٹی پائی خواجہ خضر نیں اسے بنائی ۱۷۹

'بنائی' کی جگہ 'بنایا' چاہیئے ؛

(دیگر) میں نیں شیث خلیفہ کیا اسے نبوت حق نیں دیا ۴۲

گویا نبوت حق نے 'دی' ؛

(دیگر) ایک نوکتی سا ہیں آئی عیسیٰ نیں اسکوں بتلائی ۲۷۵

'بتلایا' چاہیئے۔ یہاں بتلانا کے معنے بات کرنا ہیں ؛

(دیگر) جب دونو یا ہی بتلائے بادشاہ نیں ہمیں بلائے ۱۵۳

'بلایا' درست ہوگا ؛

ذیل کی مثال ایک عجیب استثنا قائم کرتی ہے :-

؎ ایک نبی نیں اُسکوں چاہی کر نکاح لے گھر میں باہی ۱۸۰

اردو کے محاورہ کی رو سے دونو جگہ فعل مذکر آنا چاہیئے۔ یعنے 'چاہا' اور 'باہا' ؛

نے کا استعمال

قواعد کی رو سے نے، ماضی مطلق قریب، بعید اور شکیہ میں فاعل کے ساتھ متعدی افعال میں آتا ہے۔ اور بعض مصادر لانا۔ بولنا اور چلنا وغیرہ کے ساتھ نہیں آتا۔ مگر ہمارا مصنف ان مصادر کے ساتھ بھی نے استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ :۔

'بولنے' کی مثالیں :۔

ے مہتر یوسف نیں جب بولے — مالک جھولے وہاں ہنڈولے ل ۹۶
(دیگر) یوسف نیں جب بولا یاہی — منجھے خوارمت کرے الٰہی ل ۹۵
(دیگر) اس نیں بولا نبی خدا کے — ہمتو خانا زاد سدا کے ل ۲۲۳
(دیگر) جب رئیس نیں بولا یونکر — کہو گا ی وہ بولے کیونکر ل ۲۳۰
(دیگر) اس نیں بول اُٹھا جب یاہی — عجب ہوا یو فضل الٰہی ل ۳۱۲

'لانے' کی مثالیں :۔

ے اس نیں شرع جو پرگھٹ لیایا — اس نیں اس کا بھید بتایا ل ۵
(دیگر) اس نیں لیا یا بھاری بوجھ — اس نیں لیا اسید کا کھوج ل ۔
(دیگر) یو شع بنی دل میں یوں لیایا — عجب تماشا منجھے دکھایا ل ۱۷۶

چلنے کی مثال :۔

ے بوڑھی نے جب لیکر تیلا — چلی دعا کر پکرا گیلا ل ۲۲۶
(دیگر) ایک ایک دونوں نیں کھاکر — چلے وہانسوں شکر بجاکر ل ۲۷۶

ذیل کی مثال بھی عجیب معلوم ہوتی ہے ؎

دیکھ چیل نیں اسکو آئی — کہا گوشت کی بو پائی ل ۲۵۲

افعال

اس تصنیف میں افعال کی کئی قسمیں ایسی موجود ہیں۔ جو اب اُردو کے دائرہ سے

خارج ہیں۔ بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے :۔

(۱) بعض قدیم زبانوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ امر۔ حال۔ مضارع مستقبل بلکہ مصدر کے لئے بھی ایک ہی فعل کام دیتا ہے۔ اس کے کچھ آثار اس کتاب میں بھی نظر آتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف جانا، کھانا اور جاننا وغیرہ مصادر سے متعلق ہے، مثلاً جانا مصدر سے امر 'جا' اور مضارع 'جائے' ہے لیکن اس تالیف میں مضارع 'جا' واحد میں اور 'جاں' جمع میں آتی ہے۔ اسی طرح کھانے سے مضارع 'کھا' اور جمع میں 'کھاں' آتا ہے،

مثلاً بیٹی سوں پھر یوں بتلائی دیکھ کہاں جاتیرا بھائی ۱۳۹

یعنے کہاں جاتا ہے۔ 'جا' یہاں مضارع بھی ہے اور حال بھی ؛

مثال دیگر مارٹا نچہ اسکوں برجا کیا جانو موکی سوں مرجا ۱۵۱

یہاں 'مرجا' 'مرجائے گا' کے مفہوم میں ہے ؛

مثال دیگر سیر ناج واہے ایک لتا ایک روز مرجا البتا ۲۱ یعنی مرجائیگا

(دیگر) باغ پھیر کر ہوجا ایسا پہلے تھا جیسے کا جیسا ۲۲۶

یہاں 'ہوجا' ہوجائے مضارع ہے ؛

(دیگر) ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا جس کی کیا تعریف کہی جا ۲۳۴

'پی جا' پی جائے اور 'کہی جا' کہی جائے ہے ؛

(دیگر) اولے سوں بھی ٹھنڈا ہوجا ایسے عقل اسی کی کھوجا ۲۳۴

(دیگر) پگھل پگھل دیکھے سوں مرجا جیونکر لونڑ میں پانڑیں بھرجا ۲۰۳

(دیگر) اگر اسے تو لے جا بی بی تیرے نعمت ہوئی نصیبی ۳۱۸

(دیگر) تھا خلیل کا سگا بھتیجا سارونہیں یہہ نقل چلی جا ۷۷

(دیگر) مال اونٹ میں چاہوں بھیجا اگر محمد تو وے لے جا ۲۳۲

جمع کی مثالیں :۔

ے کلمہ کہہ کر سارے مرجاں ترت نور سوں قبراں بھر جاں ل ۲۸۳
(دیگر) اسی غار ہیں جیوں وے مرجاں پھیر کدی نا اپنے پیں گھر جاں ل ۳۰۳
(دیگر) کھوجھا پر جیونکہ تیوں ہو جاں ڈال پھول پھل بھر کر سو جاں ل ۲۹۴
(دیگر) جیسیں ہو جاں گو راندھاری ان تینوں پر آئی کھاری ل ۳۰۶
(دیگر) کہاں کہہ سکیں اسکیاں باتاں اگر بیت جاں سب دن راتاں ل ۳۳۹
(دیگر) ڈوب ڈوب کافر سب مرجاں مومن خوشی خورمی گھر جاں ل ۱۶۲
(دیگر) سنہ پیں بنی اسرائیل سارے ترت بھاگ جاں ڈریں بچارے ل ۱۶۲
(دیگر) دیکھیں اسکوں چمٹیاں ساریاں غافل ہو جاں وہی بچاریاں ل ۲۴۱
(دیگر) اسی واسطے لاگے پیارا یہہ انجیر جو کھاجاں سارا ل ۳۹
(دیگر) ساتھ نکوئی گھیرن والے بیل چلے جاں الہ حوالے ل ۲۱۶

کھانے کی مثال :۔

ے کھا مریض جو وہ نارنگی ہو جا اس کی دیہی چنگی ل ۱۹۱
(دیگر) کر کباب راکھے گھر ما نہیں روز بھون کھاں بیٹھے واں ہیں ل ۲۲۹

جاننے کی مثال :۔

ے اس ہیں باہا جو کچھ چاہا وہی جان ہے کیا کیا باہا ل ۳۶
(دیگر) کون کہہ سکے وا کی برنی وہی جان ہے وا کی کرنی ل ۱
دوہرہ خاکی صفت نہ کر سکے پاکی اپرم پار وا کی واہی جان ہے جو کچھ کیا بچار

میں اس امر کی تشریح سے قاصر ہوں کہ ان مصدروں میں یہ خصوصی مضارع کیوں لائی جا رہی ہے۔ مضارع کی یہ قسم راجستانی سے تعلق رکھتی ہے جو ہریانی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ در دنامۂ محبوب عالم :۔

ے مرے پاچھے دکھ بہت تجھ پر پراں صبر کیجو جب سر اوپر پراں

(دیگر) کہا یہہ خدا نے جو قرآن ماں مرے تو محمد اور اسے بھی مراں

(۲) مضارع کی ایک اور قسم ہے جو برج اور اودھی میں ملتی ہے۔ یہ مضارع امر پر ایک 'تے' کے اضافہ سے بنتی ہے۔ چنانچہ ؎

اور بات ہم جانت ناہیں پیالا پایا گونڑی ماہیں ۱۱۷

(دیگر) واہنڑیں بانویں ہوے اشارا گرتر در سب ویت بشارا ۳۱۹

(دیگر) پکڑ گود میں لیت بلیا کرے کھیڑی یوں ہا ہا دَیا ۱۴۳

(دیگر) بولا پھر وہی سن بات جے توں دور نہیں ہو جات ۷۹

(دیگر) کھلک ہلک یا کی دونیا جا سوں ویت جگت کوں سینا ۲۸۰

(دیگر) لالچ کام بگاڑت سارے نہیں لالچی حق کے پیارے ۲۴۷

یہی مضارع ماضی کے معنے بھی دیتی ہے۔ جن میں حالیہ اور ماضی ناتمام زیادہ نمایاں ہے :۔

؎ کوئی کرے تھی خدمت گاری گھر آنگن ویت بہاری ۱۴۰

(دیگر) سبھی سہیلیاں ہلبل گیاں ایک ایک سب لیت بلیاں ″

(دیگر) کئی بہت تھوپروں نیں ہارے تھوپرے جیت زیادہ ہارے ۲۱۸

(دیگر) سب بہشت کیاں حوراں آیاں دیکھ دیکھ سب لیت بلایاں ۳۱۴

(دیگر) زرد برن کنچن جیوں سوہے دیکھت ہی من مورت موہے ۱۸۹

(۳) یہی مضارع 'ہے' کے اضافہ سے حال بن جاتی ہے :۔

؎ جا کا رن کہہ سکوں نہ تو کوں یہی لاج آوت ہے موکوں ۳۳۲

(دیگر) جنت سوں کا دھا آدم کوں اب گمراہ کرت ہے تمکوں ۱۷۴

(دیگر) دیتی اس کے تن پر نین سبکوں رکھت ہے دن رین ۳۱

(دیگر) جانت ہین سبھی پر بین جھلک جوت جا کی لیس ۲

(دیگر) کوئی فتنا کے بھی معنے کھول کہت ہیں ایسیں یعنے ۲۵۱
(دیگر) جا کا رن کہہ سکوں نہ تو کوں یہی لاج آوت ہے موکوں ۳۳۲

مذکورۂ بالا مضارع سے گویا مضارع اور ماضی کا افادہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی مضارع کا کام دیتی ہے اور کبھی ماضی کا۔ افضل کے بارہ ماسے میں بھی یہ مضارع استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ:۔

؎ اندھیری ہو چلی رووت مری نین نہیں یکدم مجھے دن رین میں چین
(دیگر) پپیہا پیہ پیہ نس دن پکارا پکارت دادر و جھنگر چنگارا
(دیگر) کہ جس کے بیچھ یہ آتش پری ہے وہی دن رین سلگت ہے سریرے
(دیگر) تم اوروں سے پیارے سکھ کرت ہیں ہمن سی برہنی سو دکھ بھرت ہیں

(۴) صرف امر باضافۂ 'گا' علامتِ مستقبل فعل استقبال بن جاتا ہے۔ امثال:۔

؎ بے شعور ہو جاگا ایسا بنا جیو مردا ہو جیسا
کی شتاب تو ہی مر جاگا کیا جو رونا تجکوں لاگا ۱۱۸
(دیگر) یہ قارون زمیں میں جاگا ہو بدبخت ہلاک ابھاگا ۱۸۵
(دیگر) اس میں بیٹھا آکر بھاگا ایسی بھانت ترت مر جاگا ۲۶۶
(دیگر) لیکن فتح سو ہوگی تیری کھلک بھاگ جاگی بہتیری ۳۴۱

جمع کی مثالیں:۔

؎ ڈوب ڈوب سب مر جانگے ایک ایک غوطے سب کھانگے ۴۸
(دیگر) رسی چھپری لیاؤ ہاتھ لیجانگے ہم اپنے ساتھ ۶۷
(دیگر) کہا دوست کے گھر کو جانگے وہاں جائے مہانی کھانگے ۷۳
(دیگر) فجر بچکر جانگے سب بھائی پھر یہ گھپری منجھے کہاں پائی ۹۲
(دیگر) سولی پر اسکوں لیجانگے وہاں پنکھیرو اسکوں کھانگے ۱۰۳

(دیگر) برس روز تو روٹیاں کھانگے موسے کے نزدیک نہ جانگے لف ۱۵۸
(دیگر) اتنا کیا تو بخشے جانگے نہیں سر جوتیاں کھانگے لف ۱۷۳
(دیگر) پری سانجھ اب ہم کہاں جانگے اور کہاں سوں کھاپڑا کھانگے لف ۱۷۹
(دیگر) جیتی مار پڑے سو کھانگے ہمتو طرف خدا کے جانگے لف ۱۵۶

(۵) ماضی میں ایک اور شکل ہے جو اسی مضارع سے ملتی جلتی ہے اور 'تھا' یا 'تھی' کے اضافہ سے استمراری بنتی ہے۔ یہ بہت نادر ہے۔ صرف ایک مثال مجھے ملی ہے:۔

؎ اور ایک دائی تھی ساتھی الٹ مدینہ سوں جب جاتھی لف ۳۲۴

(۶) معمولی مضارع ماضی استمراری کا کام دیتی ہے۔ بعض مثالیں درج ہیں:۔

؎ بدل بھیس تن کمری کاری پھریں گلیو نمیں شب بیداری لف ۲۲۱
(دیگر) بیابان میں دو نور رہتے کسکی سنیں نہ اپنر یں کہتے لف ۲۲۸
(دیگر) بی بی ساراں کہیں سو کرتے حکم انوں کا دل پر دھرتے لف ۶۲
(دیگر) پری جن اور دیو بچارے مسجد چنپر یں کماویں سارے لف ۲۶۲
(دیگر) خوشی خوشی کیاں لہراں آویں کھپرے خدا کا شکر بجاویں لف ۲۶۳
(دیگر) بدا شہر کنعان جو خوب جہاں بسیں مہتر یعقوب لف ۱۱۰
(دیگر) ایک باب بولیں داؤدی پھول رہی داؤدی اودی لف ۲۶۴
(دیگر) کھپرے خوشی وہاں لیکر آسا دیکھیں چاروں طرف تماشا لف ۲۶۳

واحد کی مثالیں:۔

؎ سارا عالم حکم بجاوے بے فرمانی کہیں نپاوے لف ۲۶۳
(دیگر) پاوحکم میں فوج چلاوے کہو جہاں بیگی پہنچاوے لف ۲۶۳
(دیگر) چلا لنگ بنپر یں سوں آوے ہولے ہولے قدم اٹھاوے لف ۲۵۲
(دیگر) اس زمیں میں چنتیاں ساریاں رہیں بلوں میں سدا بچاریاں لف ۲۴۱

(۷) مضارع پر تھا، پڑھانے سے بھی ماضی استمراری بنتی ہے :-

؎ سلیمان سنیہ پیارا	چلا جاے تھا لشکر سارا	لہ ۲۵۸
(دیگر) کوئی کرے تھی خدمت گاری	گھر آنگن ویت بہاری	لہ ۳۱۴
(دیگر) اسے پگاویں تھیاں ہم ساریاں	یوسف جیتا ہم سب ہاریاں	لہ ۱۰۶
(دیگر) گیاں بلوں میں چمٹیاں ساریاں	کاڈھیں تھیاں سامان بچاریاں	لہ ۲۴۳
(دیگر) مسلمان پاروس رہیں تھے	کافراں کو برا کہیں تھے	لہ ۱۵۷
(دیگر) لوگ خداسوں بہت پریں تھے	آپس میں احسان کریں تھے	لہ ۲۲۳
(دیگر) سپرد وہاں کی کھتا کہاپریں	لوگ بھریں تھے اس میں پانیں	لہ ۱۴۵
(دیگر) جہاں بسیں تھے ماتا بھائی	ملاقات کی من میں آئی	لہ ۱۴۹

(۸) مضارع کی ترکیب سے افعال مرکب :-

؎ کھاے چکیاں جب کھاپراں ساریاں	سنو پھیر کیا کیساں تیاریاں	لہ ۹۹
(دیگر) نہاے دھوے دریا و کنارے	بیٹھے تھے وہاں نبی پیارے	لہ ۲۵۵
(دیگر) بول اٹھاوے ہی دو روتیاں	لیاے دیاں سو تپلیاں موتیاں	لہ ۲۷۸
(دیگر) سو اسکوں ہم لیکر آئے	بادشاہ کن لیاے بٹھائے	لہ ۱۱۲
(دیگر) جب گلاب کا شیشا لیائے	مونہہ دھلاے کریوں بتلائے	لہ ۱۱۳
(دیگر) سوے رہو تو ہو رکھ والا	خوب سوچ کی دینے والا	لہ ۴۱
(دیگر) گھوڑا ہانک شتابی آیا	پاس جاے کریوں بتلایا	لہ ۳۲۴
(دیگر) کھا پکاے یوں لذت چاکھو	تھوڑا بیجہ واسطے راکھو	لہ ۱۰۶
(دیگر) وہاں جاے کر ہم شرمائے	جانیں چور چور کر لیا ئے	لہ ۲۴۹
(دیگر) ہوے جائیں دو ٹکڑے میرے	کوئی کہیں دو سانجھ سنورے	لہ ۷۱
(دیگر) ایسی کری نہایت زاری	روے تمکی پیدائش ساری	لہ ۲۶۷

(۹) افعال مزید فیہ :۔

ے بیبیاں دوے سو بکریاں لایاں مردوں میں آتیاں شرمایاں ل۱۴۵
(دیگر) بکریاں چار ہزار جو آتیاں گھیو دال سب بھونیاں جاتیاں ل۲۳۷
(دیگر) نہیں یہاں آونگیاں فوجاں جیوں دریاو کیاں اپدیں موجاں ل۲۴۹
(دیگر) مرد برن جو تھیاں وے چیریاں کمر باندھ تھا پدھیاں بہتیریاں ل۲۴۹
بیٹھ گیاں پازیں لے آگے جنکے لوگ تماشے لاگے ل۲۴۹
(دیگر) وے تینوں اینا سر ہازپے دھریاں رہیاں سب اسی ٹھکا پے ل۲۷۱
(دیگر) کے بہشت میں پالیں جھولا کھریاں جھلاویں جگ کا دولہا ل۳۱۷
(دیگر) پال پوس دو چار برس کے لیا پہنچاتیاں کمی سر سکے ل۳۱۷
(دیگر) کہیں نیستی میں سب خواری پھریں ڈھونڈتیاں دنیاداری ل۳۱۷
(دیگر) تھیاں جو گوشت روٹی وے کھانیاں کاٹ کاٹ نیبو برکاتیاں ل۹۹

(۱۰) استعمال کر'۔ یہ کر' عاطفہ کے علاوہ اور معنوں میں بھی آتا ہے۔ امثال :۔

(ا) عاطفہ بمثال :۔ سنپر کر اُٹھا جو موسیٰ پیارا آسا پکپر پتھر میں مارا ل۱۹۵
کر نماز سجدے میں جاکر دعا کری یہہ من میں لیا کر ل۱۹۸
(ب) ہمعنی سے مثال :۔ کوئی روایت یونکر لیائے اول دنیا میں دیو بنائے ل۳۵
(دیگر) جب خلیل نیں بولا یونکر میں مریض ہوں آؤں کیونکر ل۵۹
(دیگر) کہیں باپ جب بولا یونکر مجھے بتا تو دیسے جیونکر ل۶۱
(دیگر) دیکھ اسے پھر یوں بتلایا کہہ تو آج کہاں کر آیا ل۲۱۲
(دیگر) تیری دعا سبب کر پیارے بخش دیئے اے ہم نیں سارے ل۱۹۳
(دیگر) بہت خوشی کر تجھسوں لیونگی جو تو مانگے سو ہی دیونگی ل۱۳۸
(دیگر) کسی بھانت کر پیسا آؤ دین ذوق سوں جا تو جاؤ ل۷۰

(دیگر) باغ پھیر کر ہو جا ایسا — پہلے تھا جیسے کا جیسا ۲۲۶

(دیگر) تجھے نپٹ کر ایذا دینگے — اختلاف اور جدہ کرینگے ۳۴۱

(دیگر) اسے لے گئے مل کر بھائی — جس کی پھر کر خبر نہ آئی ۱۱۹

(دیگر) جو حاکم کا حکم نہ مانے — اسکوں پکڑ پہلیں کر بھانے ۲۳۲

(دیگر) بوڑھا نبی جو باپ ہمارا — بھانت بھانت کر دکھی پکارا ۱۱۷

(دیگر) یہہ شیطان جو ہے ابلیس — است کر نہیں آنے ریس ۳۷

(ج) بمعنی پر، مثال ؎ ہر کوئی جو وہانکر آوے — سودا گر لے اسے بساوے ۶۳

(دیگر) کاروان جب وہانکر آئی — ترت سیر پرے نیں سنپر پائی ۳۲۶

(دیگر) نبی محمد یہانکر آوے — اس پر بادل چھانہہ کر اوے ۔

(د) میں کر = بذریعہ۔ ذریعہ سے۔ مثال :۔

؎ اب تیری کیا کروں بڈائی — ساقی میں کر عرض کرائی ۱۰۴

یعنے ساقی کے ذریعہ سے

(دیگر) ایکوں کے سر دھپر پر نا نہیں — ہے سو راخ سو گردن ما نہیں

اس میں کروے کھائیں جو پیویں — اسی بھانت وے جگ میں جیویں ۳۴

(ہ) برابر و طرح۔ مثال :۔

؎ بات نبی کی ایک نمانی — ساری جھوٹھ غلط کر جانی ۵۷

(دیگر) اس نیں کیا سو حق کر مانو — اپنی خیر اسی میں جانو ۱۲۷

ان مثالوں کے باوجود 'کر' کا استعمال ابھی اور بھی وسیع ہے ۔

لازمی و متعدّی

کئی افعال جو اُردو میں متعدّی ہیں اس کتاب میں لازمی کی طرح برتے گئے ہیں اور کئی جو متعدی المتعدی ہیں متعدی مانے گئے ہیں۔ بعض مثالیں یہاں نقل ہوتی ہیں :۔

(ا) متعدی مثل لازمی :-

؎ جب نزیک چل کافر آئے — دل میں مومن بہت ڈرائے لہ ۱۶۳

'ڈرائے' یعنے ڈرے ؛

(دیگر) وہاں جائے دونو ٹھہرائے — مہتر موسے یوں بتلائے لہ ۱۷۶

'ٹھہرائے' یعنے ٹھہرے ؛

(دیگر) آپس میں یوں چرلاویں — زمین آسمان بھی لرزاویں لہ ۲۸۹

یعنے زمین و آسمان لرزیں ؛

(دیگر) یہاں نہ کھیلن کوں ہم آئے — بھجن کارنے ہم اپجائے لہ ۳۲۱

یعنے اپجے (پیدا ہوئے) ؛

(دیگر) ساروں میں یہہ جیو کر آیا — عجب بات یہ منجھے دیکھایا لہ ۱۴۰

'دکھایا' یعنے دِکھی (نظر آئی) ؛

(دیگر) مسجد میں یوں ہوئے اجالا — جانپریں سورج چاند نکالا لہ ۲۶۲

(دیگر) مہتر موسے کن جب آئے — ہو غریب ایسیں بتلائے لہ ۱۵۷

'بتلائے' یعنے بولے ؛

(دیگر) گیہوں بھر کر گوزاں لیائے — لادلو دکر سبھی چلائے لہ ۱۱۴

یعنے چلے (روانہ ہوے) ؛

(دیگر) سلیمان باہر سوں آئے — بوجھے سوں یوں بتلائے لہ ۲۲۶

(دیگر) پھیر نبی کن دوپرے آئے — سوگند کھا کر یوں بتلائے لہ ۱۵۸

(دیگر) جب داؤد نبی لرزائے — کیا خوف رو رو پچھتائے لہ ۲۲۴

(دیگر) اسی وقت میں وحی جو آئی — سن سنبھال موسے کی مائی لہ ۱۳۸

(دیگر) یہی بات اُٹھ بولی دائی — ہیں تو اسپر بہت لبھائی 〃

(دیگر) اس میں دیکھ مورشد مایا — اپنی چھب پر آپ لبھایا لہ۱۴ یعنے ریجھا
(دیگر) شہر مکے کن چل کر آئے — گھڑی ایک لگ وہاں ٹھہرائے لہ۳۲۳
(دیگر) اسی ٹھور وہ بادل پایا — اسی جھاپر اوپر ٹھہرایا لہ۳۲۷
(دیگر) ہو تم کون کہاں سوں آئے — ہمکوں تم جاسوس دکھائے لہ۱۱۱
(دیگر) دیتا وہانسوں دور دکھایا — جب مردود بہت شرمایا لہ۱۶۱

(ب) متعدی المتعدی مثل متعدی۔ امثال :۔

ے شیث نبی کے بیٹا جایا — اس کا نانو انوش دھرایا لہ۴۳ دھرایا یعنے رکھا
(دیگر) کیا طاقت فرعون دھرائے — تیرے اوپر ہاتھ چلاوے لہ۱۵۱
(دیگر) مدین نیں جو نگر بسایا — مدین اس کا نانو دھرایا لہ۱۳۴
(دیگر) نبی ہود کے بیٹا جایا — سارو غ جس کا نانو دھرایا لہ۵۶
(دیگر) ہم کا پھیں تو باہر آوے — تو نہ آپ میں سکت دھراوے لہ۴۶
(دیگر) پالیں جال سو مچھلیاں لیاویں — پکر پکر یوں ڈھیر کراویں لہ۲۷۲ یعنے ڈھیر کریں
(دیگر) ایسا نیک کہاں پھر پاؤ — بکریوں پر تم اسے رکھاؤ ۱۴۸ یعنے رکھو
(دیگر) کیتوں کی یوں بھانت بتاویں — ہاتھی کی سی سونڈ رکھاویں لہ۳۴ یعنے رکھیں
(دیگر) ہے جو دودھ پلایا بھائی — اسی واسطے وہ رکھوائی لہ۳۱۸ یعنے رکھی
(دیگر) دس ہزار روتیاں واکھتا — کدی نی اس کا پیٹ بھراتا لہ۴۸ یعنے بھرتا
(دیگر) کہا وہی دونو بتلاویں — بت پوجا کو منع کراویں لہ۲۹۹ (منع کریں)
(دیگر) کہا نبی عیسےٰ جو آیا — اس نیں ہمکوں بھیجہ دلایا لہ۲۹۸ (بھیج دیا)
(دیگر) حکم ہوا تم جن اکتاؤ — چار یارکوں بھیجہ دیلاؤ لہ۳۰۵ (بھیج دو)
(دیگر) یعنے دوئے فرشتے آئے — وے خدا نیں بھیجہ ویلائے لہ۳۲۱
(دیگر) مہتر عیسےٰ نے سنیر پایا — ترت تیسرا بھیجہ بلایا لہ۲۹۹

(دیگر) یہہ نہیں ہاتھ کسی کے آیا بڑے بھاگ جو تجھے ملایا ۱۸ (ملا)
(دیگر) ناجوان نابودھی لیاؤ درمیان کی ذبح کراؤ ۱۸۷ (ذبح کرو)

قافیہ

قافیہ میں مصنف فن قافیہ کے قواعد وضوابط کی پیروی نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر صوتی اشتراک ومماثلت کی پابندی کرتا ہے۔ 'س' کو 'ص' کا 'ز' کو 'ض' کا۔ حائے حطی کو ہائے ہوز کا 'ت' کو 'ط' کا ہم قافیہ لے آتا ہے۔ صحت الفاظ کی پروانہ کرتے ہوئے 'طرز' کو 'گز' کا 'بوی' کو 'ہوے' کا 'ذات' کو 'ساتھ' کا 'صحی' (صحیح) کو 'وحی' کا 'کھلک' (خلق) کو 'ملک' کا قافیہ لایا ہے۔ ادھر 'ع' کو الف سے اور بعض وقت 'ی' سے بدل لیا ہے۔ بعض وقت حذف کر دیا ہے۔ مثالیں :۔

؎ بھیجے موذن کریں جماعت پانچہ وقت کی بانگ صلوٰۃ ۱۶

یہاں مصنف نے جماعت کو 'جمات' بروزن صلوٰۃ پڑھا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ طبقہ آج بھی 'جمات' بولتا ہے ؛

(دیگر) جب نماز کی باندھی نیت حق کی طرف کری جمیعت ۱۷
'ی' کو مشدد کر کے 'جمیعت' کا عین گرا دیا ہے ؛

(دیگر) اسے دیکھ کر کرے مطالا اسی وقت دل ہو جا کالا ۶۹
(دیگر) الٹ گئے جب نذروں والے کہا ہمارے پھوٹے تالے (طالع) ۲۴۹
(دیگر) مسلمان ماروگے ہم سے جیوں فعلت نفسا بالاس ۱۴۴
(دیگر) چمپری اوڑھ بنا کر بھیس کہا میں جو آیا ہوں عیس ۸۰
(دیگر) سنپر فرعون جو ہو کر غصہ کہا پکڑ لیاؤ تم اسے ۱۴۵
(دیگر) بادشاہ نیں بہت تلاش کر کر یوسف سوں اخلاص
پاس بٹھائے ایک دن صحی بات کھول کر ایسی کہی ۱۰۸

(دیگر) بی بی نیں جب ہوکر غصہ دیا جواب کھول کر اسے ۷۳
(دیگر) کہا بھول جن کرو اداسی یہی نشانی جانپروخاصی ۲۶۵
(دیگر) کیا غریب ادنیٰ کیا خاصے آئے سارے لوگ تماسے ۱۵۴
(دیگر) بھانت بھانت کری دلاسا پھیر منگایا کھانا خاصا ۱۴۷
(دیگر) چاہے تمکوں یہی خلاصا اول ان کی کرو دلاسا ۱۴۶
(دیگر) اگر نہ اس کا قول رَبَّنَا کہتی بیٹا مار دست نا ۱۴۱
(دیگر) بدا وہی جس نیں حق راضی وہی جیت گیا سانچی بازی ۱۳۵
(دیگر) جب فرعون کینا پازی بہت ہوا انسوں ناراضی ۱۳۶
(دیگر) آپ لعین کینا پازی پڑتا بھاگا ہوکر ماضی ۱۵۲
(دیگر) جبرایل جو لیاوے وحی اس کی صفت سنو تم صحی ۲۹
(دیگر) سات اسمانکی سب ملک اور ملاؤ ساری کھلک ۳۳

کھلک یعنے خلق کو بتحریک اول و دوم لایا گیا ہے ؛

(دیگر) یہہ ہیں تمکوں راہ بتاوی کہو کیا کروگے من بعدی ۱۲۸
(دیگر) دل ہیں رکھو نہ غسم کی بوی اب تم دیکھو کیا کیا ہوے ۸۹
(دیگر) سونا تھا پھر ہوا سوکُند (کندن) دیکھ لجائے سورج چند ۳۶
(دیگر) بھائی سارے آئے گھر کوں مہتر یوسف چلے مصر کوں ۹۳
(دیگر) کہو باپ نیں چلتے ہمسوں کیا کیا قول کئے تھے تمسوں ۱۱۷

یہاں غالباً تم کو بفتح اول لایا گیا ہے۔ جیسا کہ راجستانی میں دستور ہے ؛

(دیگر) یہاں نماوے ذکر انوں کا لکھا کھول مذکور نبیوں کا ۴۷

اس میں 'نبیوں' کی 'ب' متحرک اور 'ی' مخلوط ہے۔ اور 'نبیوں' بروزن 'انوں' آیا ہے ؛

(دیگر) کنگرے کنگرے لاکھ قندیلاں اتیاں چوریاں سنو دلیلاں ۱۴۲ قندیل بانون غنہ بروزن دلیل آیا ہے

(دیگر) عاد قوم تھی عجب طرز کی کہیں ایک سو اسی گز کی ۵۵

'طرز' بتحریک را بروزن غرض بندھا ہے ؛

(دیگر) دونوں چلے مبارک ذات ہوا تیسرا یوشع ساتھ ۱۷۸

معروف ومجہول کا قافیہ بھی بہت آتا ہے :-

؎ جا خلیل کے چرنوں لاگی اکھت پڑھائی بکھت یوں جاگے ۶۱

اس میں فاعل حضرت سارا ہیں ؛

(دیگر) کھینچ نکال ڈول بھر پاڑیں تو ہم تیری غیرت جاڑیں ۱۴۶

گویا 'پانی' کا قافیہ 'جانیں' ہوا ؛

(دیگر) تھا ملعون کفر میں ڈوبا باندھ لیا من میں منصوبا ۱۵۳

(دیگر) بے قرار ہو کر چر لائے اب تو موت کنارے آئی ۱۸۶

پہلے مصرع میں فاعل قارون اور اس کے دو ساتھی ہیں جب زمین میں وہ گلے تک دھنس گئے ہیں ؛

(دیگر) ایک ایک روتی تھی ایسی گاڑی کا پایا ہو جیسے ۴۸

(دیگر) لگی تیاس ہمکوں تیں جاڑے اب تم بیگ منگاؤ پاڑیں ۱۹۵

(باقی دارد)

حافظ محمد محمود شیرانی

سرسیدؒ کے ہم خیال علماء کے دینی نظریے

مذہبی افکار اور علم کلام کی تبدیلیوں کے متعلق ہم بہت کچھ سرسید احمد خاں کے ذکر میں کہہ آئے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت یہی مسلمانوں میں ایک نئی فکری تحریک کے بانی تھے۔ انہوں نے ہی اجتہاد اور تنقید مذہب کا دروازہ کھولا اور اصول مذہب کی از سر نو چھان بین کرتے ہوئے مدافعت مذہب کے لئے "جدید علم کلام" قایم کیا۔

اگرچہ اس موضوع پر گذشتہ سطور میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور یہاں ان مطالب کے تکرار کی گنجائش نہیں۔ تاہم یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ سرسید جس تحریک تجدید فکر کے بانی تھے۔ اس میں ان کے دیگر رفقاء بھی برابر کے شریک تھے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ سید صاحب اپنے خیالات میں جس غیر معتدل انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ اس کو ان کے عزیز ترین دوست اور رفیق بھی پسند نہ کرتے تھے۔ تاہم یہ اصول میں سارے متفق تھے۔ اُن کے اہم خیالات میں اتحاد تھا۔ البتہ ان کے رفقاء بعض اوقات اپنے خیالات کی شکلیں تبدیل کرنے کے لئے انہیں زیادہ مقبول لباس میں پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن سید صاحب نے جو رجحان پیدا کیا اس کو تسلیماً یا انکاراً بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور آج تک مصلحین بہت حد تک انہی کے خیالات کو اپنے لئے بنیاد اور مبنیٰ قرار دیتے ہیں۔

نواب محسن الملک | ان کے عزیز ترین دوستوں میں نواب محسن الملک مولوی مہدی چراغ علی تھے۔ جنہوں نے اگرچہ کوئی اہم اور قابل ذکر تصنیف نہیں کی۔ تاہم دونوں سید صاحب کی تحریک کے زبردست اور پُرجوش مبلغ تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق میں پے در پے مضامین لکھ کر زبان اُردو کو سید صاحب کے خیالات سے سرشار کر دیا۔

نواب محسن الملک کا نام سید مہدی علی تھا۔ آپ ۱۸۳۷ء میں اٹاوہ میں متولد ہوئے۔ ان کے والد میر ضامن علی شیعہ تھے۔ لیکن انہوں نے تفحص اور تحقیق کے بعد آبائی مذہب ترک کر کے سُنّی ہونے کا اعلان کر دیا اور اسی ضمن میں ایک کتاب آیاتِ بیّنات لکھی۔ جس میں مذہب سُنّی کی فضیلت اور حقانیت کے دلائل پیش کئے۔ سید مہدی علی پہلے مولوی محرر تھے۔ پھر غدر کی بعض خدمات کے بدلے سررشتہ دار، تحصیلدار اور انجام کار ڈپٹی کلکٹر ہو گئے اٹاوہ میں تحصیلداری کے زمانے میں سرسید سے شناسائی ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ واقفیت گہری دوستی تک پہنچ گئی۔ ۱۸۷۴ء میں مولوی مہدی علی کی خدمات سلطنت حیدرآباد نے حاصل کیں۔ چنانچہ نواب محسن الملک محسن الدولہ کا خطاب وہیں کی یادگار ہے۔ ۱۸۹۳ء میں نواب صاحب نے حیدرآباد سے پنشن حاصل کر لی اور علیگڈھ کالج کے معاملات میں سید صاحب کے دست و بازو بن گئے۔ ۱۸۹۹ء میں سید صاحب کے انتقال کے ایک سال بعد آپ کالج کے سکرٹری مقرر ہوئے۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں شملہ کی بلندیوں پر وفات پائی[1]۔

سرسید کے ساتھ محسن الملک کے تعلقات اس درجہ گہرے تھے۔ کہ اوّل الذکر کبھی کبھی انہیں 'گمک لجی' اور 'محب'، اور 'محبوب' وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ ان دونوں بزرگوں میں خیالات کا کامل سے کامل اتفاق تھا۔ وہ ۱۸۶۴ء میں سید صاحب کی سائنٹیفک سوسائٹی کے ممبر بنے اور اس کے لئے سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ انہوں نے خطبات احمدیہ کی تالیف میں بہت مدد دی اور تہذیب الاخلاق میں سید صاحب کے مشن کی حمایت اس دلکش اور پُرزور انداز میں کی۔ کہ لوگوں پر اس تحریک کا بہت عمدہ اثر ہوا۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:- مضامین تہذیب الاخلاق، مکمل مجموعۂ لکچرز، تقلید، عمل بالحدیث، کتاب المحبت والشوق، مکاتیب، مسلمانوں کی تہذیب اور آیاتِ بیّنات۔

---

[1] حیات محسن از محمد امین زبیری (۱۹۳۴)۔ ص ۲۱۳، ۲۱۴۔

یہ تمام کی تمام کتابیں بہت بلند درجہ کی نہیں۔ البتہ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں بہت زور اور قوت ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کہ نواب صاحب کے مضامین میں کوئی جدید خیال موجود نہیں۔ کیونکہ وہ دراصل سید صاحب کے ترجمان تھے اور انہی کی پیروی کیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں انہیں سید صاحب کے مذہبی خیالات سے بہت اختلاف تھا۔ بلکہ ان کے سیاسی ارادوں کے متعلق بھی بدظن تھے۔ لیکن بعد میں سیاسی معاملات میں کامل یک جہتی ہوگئی تھی۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ بعض مذہبی مسائل میں ان کا سرسید سے آخر وقت تک اختلاف قائم رہا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر بیان کرتے ہیں کہ :۔

"مجھ سے زیادہ سرسید کا جاننے والا۔ ان کی عزت کرنے والا۔ ان کی خوبیوں کو سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن پھر بھی ۱۸۶۴ء سے ان کے اخیر دم تک میرے اور مرحوم کے درمیان بحث و تکرار قایم رہی۔ چنانچہ ان کی زندگی کے آخری دور میں بھی ایک مضامین کا سلسلہ عرصہ دراز تک بطور خط و کتابت کے جاری رہا۔"[1]

نواب صاحب نے جس خط و کتابت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا مجموعہ "مکاتبات الخلان" کے نام سے طبع بھی ہوگیا ہے۔ جہاں تک راقم نے اس پر غور کیا ہے۔ اس میں سید صاحب سے جزئیات میں تو اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن بڑے بڑے مسائل میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواب صاحب سید صاحب کے زبردست مقلد ہوگئے تھے۔ اسی لئے ہم اس موقعہ پر ان کے اس مختصر فکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا قرین انصاف ہوگا۔ کہ وہ اصول تفسیر و قرآن میں سید صاحب کی طرح اسلامی پس منظر سے بالکل منقطع نہیں ہوگئے تھے۔ بلکہ بعض اوقات سلف کے دینی نظریوں اور مذہبی افکار سے ضرور متاثر ہوتے تھے۔

مولوی چراغ علی | اس دور میں مذہبی مناظرہ کا جو جوش پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قبل ازیں

---

[1] حیات محسن۔ محمد امین زبیری۔ ص ۲۰۹ ؛

ہوچکا ہے۔ مختصراً یہ کہ خیالات کی آزادی اور عام حریتِ فکر کی وجہ سے مذہبی اور دینی مناظرات کو بہت فروغ ہوا۔ اور لوگوں میں تقابل مذاہب کے متعلق ایک عام دلچسپی پیدا ہوگئی ؛

ہمارے دیگر مصنفین کی طرح مولوی چراغ علی نے بھی سید صاحب سے ملاقات ہونے سے پہلے مذہبی مناظرہ اور تحقیق کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کا جواب تعلیقات کے نام سے لکھا۔ جس میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی ترجیح کے وجوہ پیش کئے اور تاریخ محمدی کے مآخذ کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔ علاوہ ازیں مولوی صاحب اکثر معترضین اسلام کی تردید میں رسائل لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہ شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی براہین احمدیہ لکھنے میں مدد دی۔ اگرچہ یہ بھی ایک دینی خدمت تھی۔ لیکن سرسید نے جس طریقۂ مدافعت دین کی بنیاد ڈالی۔ وہ اس مناظرہ کے رنگ سے کہیں زیادہ مؤثر تھا۔ تاہم دونوں کی غرض ایک تھی اس لئے وحدتِ ذوق نے مولوی چراغ علی کو سید صاحب کے قریب تر کر دیا ؛

مولوی چراغ علی کشمیری الاصل تھے۔ ان کے آبا و اجداد کشمیر سے پنجاب میں آئے۔ ان کے والد مولوی محمد بخش میرٹھ میں آباد ہوئے اور وہیں ملازم ہوئے۔ اور مختلف فرائض کی انجام دہی کے بعد ۱۸۵۶ء میں انتقال کر گئے ؛

بوقت وفات مولوی محمد بخش کے سب سے بڑے لڑکے چراغ علی کی عمر ۱۲ سال سے زائد نہ تھی۔ اس یتیمی کے لئے ابتدائی تعلیم ناقص رہ گئی۔ اس پر حالات نے جلد ملازمت اختیار کر لینے پر مجبور کیا۔ ابتدا معمولی محرری سے ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ انگریزی ملازمت میں رہنے کے بعد حیدر آباد میں ملازمت مل گئی۔ جہاں وہ ترقی کرتے کرتے معتمدی مالگذاری تک پہنچے۔ اور وہاں ہی صوبہ داری کی عزت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۸۹۵ء میں ہوا[1] ؛

مولوی صاحب کی اکثر کتابیں انگریزی میں ہیں۔ حالانکہ ان کی انگریزی تعلیم باقاعدہ

---

[1] مفصل حالات کے لئے دیکھو اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ دیباچہ از مولانا عبدالحق ؛

نہ ہوتی تھی۔ ان کی انشا پردازی کی تعریف بڑے بڑے اہل قلم کیا کرتے تھے۔ ان کے مضامین انگلستان کے بلند پایہ رسالوں میں شایع ہوتے تھے۔ اور ان کی تصانیف پر نہایت عمدہ ریویو انگریزی رسالوں میں لکھے گئے ؛

انہیں عبرانی اور سریانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ اسی زباندانی کا نتیجہ تھا۔ کہ ان کے مضامین حد درجہ محققانہ ہوتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اسی وسعت نظر کا مالک صحیح طور پر دادِ تحقیق دے سکتا ہے۔ انہوں نے انگریزی میں جو کتابیں لکھی ہیں ۔ ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) Critical Exposition of the popular Jehad.

(۲) Reforms under Moslem Rule.

(۳) Muhammad, the True Prophet.

ان کی اُردو کتابوں کے نام یہ ہیں :-

تعلیقات ۔ اسلام کی فتوحی برکتیں۔ قدیم قوموں کی تاریخ۔ ماریہ قبطیہ۔ بی بی ہاجرہ تعلیق نیاز نامہ۔ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ تھا (العلوم الجدیدۃ والاسلام) لیکن افسوس کہ موت نے فرصت نہ دی۔ رسائل چراغ علی کے نام سے ان کے کچھ رسالے بھی طبع ہو چکے ہیں۔ نیز جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ مولوی صاحب رسالہ تہذیب الاخلاق کے زبردست مضمون نگار بھی تھے۔ اور دراصل انگریزی کتابوں کے بعد ان کی قابلیت کی سب سے بڑی تماشا گاہ یہی مضامین ہیں ؛

یوں تو رفقائے سرسید سب کے سب ان کے مقلد اور متبع کہلاتے ہیں۔ لیکن مولوی چراغ علی کو سید صاحب سے جو اتفاق رائے تھا وہ شاید کسی اور کو نہ تھا۔ اور اس لحاظ سے اگر "نیچری" کے لفظ کا اطلاق سید صاحب پر ہو سکتا ہو تو ہم مولوی چراغ علی کو ان سے کم "نیچری" نہیں کہہ سکتے ؛

مولوی چراغ علی کا موضوع تحقیق بھی قریباً وہی تھا جس پر سید صاحب نے اپنا سارا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ وہ موٹے موٹے مسائل جن کی طرف مولوی صاحب نے خاص طور پر توجہ فرمائی یہ ہیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ اسلام کی لڑائیاں مدافعانہ تھیں۔ فقہ و حدیث بطور ایک حجت شرعی واجب التسلیم نہیں۔ قرآن میں جہاد محض محنت اور مشقت کے معنوں میں آیا ہے۔ اسلام نے لونڈی غلام بنانے کا حکم نہیں دیا۔ اور بی بی ماریہ آنحضرت صلعم کی حرم نہ تھیں۔ وغیر ذالک ؛

مولوی صاحب نے غیر مسلموں کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ کی مفصل تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اسلام کی نظر میں دنیاوی طور پر مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب "Proposed political, legal and Social Reforms under Moslem Rule" میں جس کا اُردو ترجمہ "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" (۱۹۱۰ء) کے نام سے مولانا عبدالحق نے کیا ہے۔ ریورنڈ ٹائیکل صاحب کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کہ مذہب اسلام ترقی کا مانع نہیں۔ اسلام پر زمانے کی معاشرت کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حدیث عقیدتاً پیروی کے قابل نہیں۔ اسلامی سول لا کے بعض حصے از سر نو لکھے جانے چاہئیں۔ مذہب اور سیاست الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسلام میں رائے کی آزادی ہے۔ غلامی، جنگ و جدل اور جہاد کا اسلام میں کوئی ذکر نہیں، اسلام نے عورت کی پوزیشن کو بہت بلند کر دیا ہے۔

یہ وہ چند اہم اور موٹے موٹے خیالات ہیں۔ جو مولوی صاحب نے اپنی کتابوں میں ظاہر کئے ہیں۔ ان کا طرز استدلال جدید اور سید صاحب کے طریق پر ہے۔ ان کی تحریرات میں سید صاحب کا اثر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ وہ جس ہوشیاری اور قابلیت سے اسلامی لٹریچر سے اپنے مطلب کی بات نکالتے ہیں۔ اس کا دل پر رعب پڑتا ہے۔ علی الخصوص اس لیے بھی کہ وہ مغربی تاریخ کے انجیل۔ تورات اور دیگر کتب آسمانی کے اقتباسات سے

اسلام کی تائید کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں اُردو میں کم ہیں لیکن جو ہیں خشک ہیں۔ اور ان پر سیّد صاحب کا رنگ بہت گہرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پڑھنے والے کم ہیں۔ کیونکہ سیّد صاحب کے مدّاح خود سیّد صاحب کی کتابوں سے براہِ راست استفادہ کرتے ہیں اور مخالفوں کو سیّد صاحب اور مولوی صاحب دونوں کی تحریروں میں کوئی دلچسپی اور غرابت نہیں معلوم ہوتی ؛

قصہ کوتاہ! یہ وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے سیّد صاحب کے عقاید اور خیالات کی تبلیغ کے لئے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیتوں کو پورے طور پر صرف کیا۔ اور اس پُرزور طریق پر ان عقاید کو پھیلایا۔ کہ آہستہ آہستہ یہی خیالات غیر محسوس طور پر سب لوگوں کے عقاید کا جزو بن گئے۔ چنانچہ آج بے شمار لوگ سیّد صاحب سے اختلاف رکھنے کے باوجود کہتے اور مانتے وہی ہیں جو سیّد صاحب، نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی کہتے اور مانتے تھے ؛

مولوی نذیر احمد خاں | سیّد صاحب کی جماعت میں دو بزرگ ایسے تھے جنہوں نے علاوہ دیگر شعبہ ہائے علم کی طرف توجّہ کرنے کے، اپنی زبردست تصانیف کے ذریعے دینی افکار میں بھی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یعنی مولوی نذیر احمد خان اور شبلی نعمانی۔ ان دونوں بزرگوں کا اصلی میدانِ عمل دوسرا تھا۔ اور ان کی شہرت کا دارومدار بھی ان دوسری تصانیف پر ہی ہے۔ تاہم ہندوستان میں دینی افکار کی ترقی اور انقلاب کی تاریخ ان کے ذکر سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ نذیر احمد کا اصلی محورِ عمل "موعظتی ناول" تھا اور شبلی فن تاریخ کے امام تھے۔ نذیر احمد کی طبیعت میں محقق ہونے کے باوجود سلامت و استقامت تھی۔ لیکن شبلی کو قدرت کی طرف سے جو انقلاب آفرین مجتہدانہ قابلیت عطا ہوئی تھی۔ اس نے اکثر موقعوں پر شبلی کو سرسیّد کے دینی نظریہ سے اختلاف کرنے پر مجبور کیا ؛

نذیر احمد جن کی سوانحعمری کا یہ محل نہیں آغازِ کار سے ہی مذہب کے معاملے میں محقق واقع ہوئے تھے۔ جس زمانے میں نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہوئے اِن دنوں میں باہیوں

اور حنفیوں کا اختلاف بہت زوروں پر تھا۔ شروع شروع میں نذیر احمد اسلامی فرقوں کی کسی خاص جماعت کے خلاف تعصب نہ رکھتے تھے۔ بلکہ موقعہ اور محل کے لحاظ سے جدھر مصلحت کا تقاضا ہوتا تھا۔ شامل ہو جایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب ان کے خیالات میں پختگی آگئی۔ تو انہوں نے بہت سے مسائل کے متعلق محققانہ رائے قایم کی۔ جس پر وہ سختی سے قایم رہتے تھے۔ عام طور پر لوگ انہیں بھی "نیچری" ہی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا سرسید کے ساتھ بہت سے عقاید میں اتفاق رائے تھا۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت جو سرسید کے ساتھ ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ سرسید کی طرح رائے اور عقل کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ تقدیر، توکل، خیر و شر وغیرہ کے متعلق اُن کا نظریہ وہی ہے جو سرسید کے دور کا مخصوص نظریہ تھا۔ لیکن یہ امر قابلِ غور ہے کہ وہ ہمیں اوروں کی نسبت معتدل نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے۔ کہ وہ مغرب کے خیالات سے سیّد صاحب کی طرح واقف نہ تھے اور اس ناواقفیت کی بدولت مدّاح بھی نہ ہو سکتے تھے۔ انہوں نے موقعہ بموقعہ سرسید کے خیالات و مسلّمات سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں وہ اجتہاد، آزادی رائے اور جرأت نہیں جو شبلی کا خاصہ ہے۔ انہوں نے نہایت متین اور معتدل طریق پر سیّد صاحب کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہیں کیا۔

جن لوگوں نے مولوی نذیر احمد کی تکفیر و تفسیق کی ہے۔ ان کے لئے صرف اسی قدر کافی تھا۔ کہ اُنہوں نے عقل اور قیاس کو جو اس دور کے اکثر مذہبی مفکرین کا جزو مشترک ہے مذہب میں استعمال کرنے پر زور دیا ہے۔

نذیر احمد اپنی اکثر کتابوں میں تعلیم جدید کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی بعض خرابیوں سے قوم کو متنبہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں توکل کا جو غلط مفہوم رائج تھا۔ اور مسئلہ تقدیر کی جو یاس انگیز تفسیر کی جاتی تھی۔ نذیر احمد اس کے خلاف بہت زوردار دلائل دیتے ہیں۔

ترکِ دنیا کا خیال بھی ان کے نزدیک غیر اسلامی خیال ہے۔ انہوں نے اس دَور کے اکثر مصنفوں کی طرح اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ اسلام ترقی کے منافی نہیں۔ مذہب عین فطرت کے مطابق ہے۔ سائنس اور دین آپس میں متعارض نہیں۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا اور مسلمان حکومتوں کا ازروئے مذہب برابر کا اور عُمدہ سلوک ہونا چاہیئے۔ "ذمیون" کا مسئلہ ایک ایسا موضوع ہے۔ جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سرسیّد کے اکثر دوستوں کے لئے مرکزِ توجہ بنا رہا۔

مولوی نذیر احمد نے اپنی کتاب حقوق والفرائض میں جہاد کا باب تک قائم نہیں کیا، کیونکہ ان کے خیال میں جن مجبوریوں کے ماتحت جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ وہ انگریزی عملداری میں موجود نہیں[1]۔

نذیر احمد کی قابلِ ذکر دینی تصنیفات میں ترجمہ قرآن مجید اور ان کی مشہور فقہی کتاب الحقوق والفرائض ہے۔

ترجمۂ قرآن ٹھیٹھ اُردو میں ہے۔ اور غالباً شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین صاحب کے بعد سب سے پہلا اُستوار اور جدید اُردو ترجمۂ قرآن ہے۔ اس کے خلاف یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض اوقات سوقیانہ محاورات جو نا ول کے لئے تو موزوں ہیں۔ لیکن قرآن کے تقدس کے منافی ہیں۔ استعمال کئے گئے ہیں۔ باوجود اس کے نذیر احمد کا ترجمہ آج تک ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت مقبول ہے۔ اس ترجمے کی پیروی میں بے شمار تراجم شایع ہوئے۔ جن کا رُتبہ بہرحال بلحاظ ترجمہ معمولی ہی ہے۔

نذیر احمد کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف الحقوق والفرائض ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے۔ یہ دراصل مفصّل فقہِ اسلامی ہے۔ جسے جدید اصول پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں عقائد۔ عبادات۔ معاملات اور معاشرت کے متعلق خالص اسلامی نقطۂ خیال سے بحث کی گئی ہے۔

---

[1] حقوق والفرائض۔ ج ۲۔ ص ۱۷۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کتاب کا جسے علم کلام کی اہم تصنیف کہا جا سکتا ہے طرز استدلال جدید نہیں۔ بلکہ اس کا رنگ شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر مسلم حکما سے ملتا جلتا ہے نذیر احمد کی کتابوں میں بہت کم جدید مغربی حکمت و فلسفہ سے استفادہ نظر آتا ہے۔ اور ان کا سارا زور دلیل قدیم طرز کا ہے ؛

بلحاظ ایک کتاب کے اس کی ترتیب اور طرز تصنیف ایسی نہیں کہ بہت مقبول ہو سکے افسوس ہے کہ اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ؛

نذیر احمد کا دینی نظریہ معلوم کرنے کے لئے صرف یہی ایک کتاب کافی ہے۔ اس میں جا بجا سرسید سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اور اپنے آپ کو "نیچریانہ" الزام سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نذیر احمد کی کچھ اور کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے ؛

ہمارے خیال میں ان کتابوں کا رنگ شبلی کی تصانیف کے سامنے پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نذیر احمد اس آرٹ سے غالباً واقف نہ تھے۔ کہ کیونکر ایک دینی کتاب کو مدلل اور دلچسپ بنایا جا سکتا ہے ؛

شبلی نعمانی شبلی نعمانی جن کا مفصل تعارف تاریخ کے ضمن میں آئے گا غیر معمولی مجتہدانہ اوصاف کے مالک تھے۔ درحقیقت سرسید کے بعد یہی بزرگ ہیں جن کی تصنیفات میں ہم جدت، آزادی رائے اور فکری گہرائی پاتے ہیں ؛

ابتدائی تعلیم کے بعد انہیں مذہبیات میں سب سے پہلے وہابیوں اور حنفیوں کے باہمی جھگڑے سے عمیق دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے عربی کا ایک رسالہ "ارشاد المعتدی" وہابیوں کے رد میں لکھا۔ ان پر اس ابتدائی تحریک کا اثر اتنا گہرا اور دیرپا ہوا۔ کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت کی رعایت سے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کی نسبت کو لازم قرار دے دیا۔ اور آخری عمر میں بھی جبکہ آزادی اور عقل پسندی کے زبردست علمبردار مانے جاتے تھے۔ حنفیت کی مدح و ستایش کو نہ چھوڑا ؛

بھائی مہدی کے داخلۂ علیگڈھ کالج نے انہیں ایک نئے ماحول میں پہنچا دیا جہاں انہیں سرسید سے تعارف کا موقعہ نصیب ہوا۔ اس زمانے میں آرنلڈ صاحب بھی علیگڈھ میں تھے۔ ان سے بھی ملے۔ سید صاحب نے ایک عمدہ لائبریری اسلامیات کے متعلق جمع کر رکھی تھی۔ اس کے معائنہ سے بھی محظوظ ہوئے۔ سید صاحب نے انہیں جوہر قابل سمجھ کر علیگڈھ کالج کا پروفیسر مقرر کر لیا۔ غرض یہ ماحول تھا۔ جہاں شبلی نعمانیؒ کے دل میں پہلے پہل "عقلیت" کی طرف میلان ہوا۔ اس نئی فضا میں انہیں محسوس ہوا۔ کہ قدیم علوم کو نئے رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ علی الخصوص تاریخ کی تدوین نئے مذاق کے مطابق اور بھی ضروری ہے ؛

جب تک سید صاحب زندہ رہے۔ شبلی علیگڈھ کالج کے پروفیسر رہے۔ وہ اگرچہ بعض مذہبی خیالات میں سید صاحب کے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ تاہم انہیں سید صاحب کا غلو اور افراط پسند نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مواقع پر اس سے اظہار برأت بھی کیا ہے باین ہمہ شبلی پر عقل پسندی کا جو رنگ چڑھ چکا تھا۔ اس کا اُترنا آسان نہ تھا ؛

شبلی کا میدانِ عمل اپنے دوسرے رفقاء سے کچھ الگ نہ تھا۔ انہوں نے اپنی اکثر تحریروں میں اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ مذہب اسلام کو جدید علوم اور جدید تمدن سے مطابقت دی جائے۔ اور فلسفۂ حال کے ان مسائل کی تشریح کی جائے۔ جو مذہب سے بظاہر ٹکراتے نظر آتے ہیں ؛

نظریۂ دینی میں۔ اُن میں اور سرسید میں فرق یہ تھا۔ کہ سید صاحب اسلامی عقاید کو توڑ مروڑ کر علوم جدید سے تطبیق دیتے تھے۔ لیکن شبلی مسائلِ علومِ جدید کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ کہ اُن سے حقیقی اسلام کی تائید ہو۔ سید صاحب کا ماحول مغربی تھا اور شبلی کا ماحول اسلامی۔ منزل اگرچہ دونوں کی ایک ہی تھی۔ کہ مذہب کو جدید فلسفہ و سائنس کے حملوں سے محفوظ کیا جائے لیکن راستے مختلف معلوم ہوتے ہیں ؛

شبلی نے سید صاحب کے خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ اس موضوع پر علاوہ مضامین کثیرہ کے انہوں نے چار کتابیں بھی لکھیں۔ علم الکلام۔ الکلام۔ الغزالی اور سوانح مولانا روم۔ مؤخر الذکر کا کچھ حال ہم سوانحعمریوں میں بیان کریں گے۔ سردست علم الکلام اور الکلام کے اہم مضامین کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

علم الکلام دراصل مسلمانوں کے کلام یا فلسفۂ مذہبی کی تاریخ ہے۔ شبلی لکھتے ہیں کہ "مدت سے میرا ارادہ تھا۔ کہ علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے مطابق مرتب کیا جائے لیکن میں نے اس کے لئے ضروری سمجھا کہ پہلے علم الکلام کی تاریخ لکھی جائے"[1] گویا یہ جدید علم کلام کو مرتب کرنے کے لئے مبادیات کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ شبلی اپنے ماحول کو ہر حالت میں اسلامی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کتاب میں متعدد مرتبہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ علم کلام کی از سر نو ترتیب ہونی چاہیئے "لیکن یہ ضرور ہے کہ بزرگان سلف کے مقرر کردہ اصول کا سررشتہ کہیں ہاتھ سے نہ جانے پائے"۔

علم الکلام میں شبلی ایک اہم خیال پیش کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں عقاید کا اختلاف اکثر اوقات سیاسی وجوہ کی بنا پر پیدا ہوا۔ چونکہ شبلی سید صاحب کے رفقاء میں سے واحد شخص تھے جو سیاسیات کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں فلسفیانہ استخراج نتائج کا ملکہ تھا۔ اس لئے وہ ادبی اور فکری تحریکوں میں اکثر سیاسی اثرات و اسباب کا سراغ لگاتے رہتے ہیں۔ یا یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ ہر مسئلہ میں "تاریخی پس منظر" کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ انکے نزدیک علم کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ۔ جو مسلمانوں کے اندرونی فرقوں کے اختلافات سے بحث کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو فلسفہ کے مقابل میں ایجاد ہوا۔ شبلی ان علما میں سے تھے۔ جنہوں نے فلسفہ اور علوم عقلیہ کی ترویج پر بہت زور دیا ہے اور قدیم فلاسفہ اسلام کے ایسے اقوال پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ فلسفہ کی تعلیم مسلمانوں میں ہمیشہ رائج

---

[1] علم الکلام۔ ص ۴۔

رہی ہے ؛

شبلی نے اس خیال کی بہت تردید کی ہے۔ کہ مسلمانوں کا فلسفہ یونانی فلسفہ سے ماخوذ تھا۔ ان کی رائے ہے۔ کہ مسلمانوں نے فلسفہ میں یونان سے استفادہ ضرور کیا۔ لیکن اس میں اپنے اجتہاد اور تفکر سے بہت قابل قدر اضافے بھی کئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ ہمارے مصنف کے محبوب رہنماؤں میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فلسفہ کی دکان کو اکثر مواقع پر انہی کے اقوال سے آراستہ کیا ہے ؛

الکلام | شبلی کی دوسری کتاب الکلام درحقیقت ان کے فلسفۂ مذہب اور نظریۂ دینی کی بنیاد ہے۔ اگرچہ خود شبلی کی رائے اس کے متعلق زیادہ اچھی نہ تھی تاہم یہ کتابیں اس عظیم الشان تغیر اور انقلاب کا پتہ دیتی ہیں۔ جو اس دور میں علوم جدیدہ کے تصادم سے مسلمانوں میں پیدا ہوا ؛

شبلی کے نئے علم کلام کا دائرۂ بحث کیا ہے ؟ خود ان ہی کی زبان سے سن لیجئے۔

" قدیم علم کلام میں صرف عقاید اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے۔ عقاید ہی کے متعلق تھے۔ لیکن آج کل تاریخی۔ تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے۔ یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقاید اس قدر قابل اعتراض نہیں۔ جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ انکے نزدیک تعدد نکاح، طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کی جائے گی "[1]

شبلی اس بات کو نہیں مانتے۔ کہ علوم جدیدہ مذہب کو متزلزل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مذہب انسان کے لئے ایک فطری چیز ہے۔ اور وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پس جب مذہب کا ہونا ضروری ہے۔ تو لامحالہ ایک نہ ایک مذہب کو ترجیح دی جائے گی۔ شبلی

---

[1] الکلام ص ۶۔

اس مذہب کو اسلام کی شکل میں موجود پاتے ہیں ۔

مذہب اور عقل کی جنگ میں شبلی قدرتاً عقل کے استعمال کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہاں ایک سرحد ایسی بھی آجاتی ہے۔ جہاں عقل بے کار ہو جاتی ہے ۔

الکلام میں شبلی نے مذہب اسلام کے اصولوں کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنے دلائل کو مغربی مصنفین کی تحریروں سے مربوط کیا ہے۔ معجزہ اور خرق عادت کے متعلق شبلی کی پوزیشن معتدل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ "اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانوں نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے۔ اس کی رُو سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی ناممکنات بھی خرق عادت کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور حاشا ہم ان کے امکان کا دعوے نہیں کرتے۔"[1] شبلی خرق عادت کو مانتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے لئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ جو نظر نہیں آتے۔ گویا شبلی کی رائے اس بارے میں سرسید اور عام مسلمانوں کے درمیان درمیان ہے ۔

سب سے بڑا اور معرکۃ الآرا مسئلہ جس نے اس دور کے مصنفین اور مفکرین کو عرصہ تک پریشان رکھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ کیا اسلام تمدن و ترقی کا مانع ہے؟ شبلی کہتے ہیں[2]۔ کہ تمدن کی ترقی کے جتنے اسباب ہیں۔ وہ سب اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مساوات۔ مذہبی بے تعصبی، آپ اپنی عزت کا خیال۔ جمہوریت۔ تقسیم عمل۔ انسانوں کا مختلف المراتب ہونا۔ علمی ترقی کی انتہا، دین و دنیا کا باہمی تعلق، عملی زندگی کا وجود، اور رہبانیت سے نفرت وغیرہ وغیرہ۔ قوموں کے باہمی تعلقات کے متعلق بھی ان کے خیال میں اسلام نے جو راہ عمل واضح کی ہے۔ وہ اُسے ترقی اور تمدن کا بڑا مؤید قرار دیتی ہے۔ نیز اسلام کا قانون وراثت اور اسلام کا عورتوں کے متعلق قانون نہایت مفید اور معقول ہے اور دنیا کے دیگر قوانین اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔

بہرحال شبلی کی آواز سید صاحب سے کوئی جدا آواز نہ تھی۔ لیکن شبلی کی نظر عالمانہ تھی۔

---

[1] الکلام۔ ص ۱۳۰۔ [2] الکلام۔ ص ۲۱۸ ۔

اور عوام کے لئے مانوس ۔ اس لئے جہاں سیّد صاحب کا نام سن کر لوگ متوحش ہو جاتے ہیں ۔ وہاں شبلی کی بات کا بدل و جان خیر مقدم کرتے ہیں ۔ اس کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں ۔ ایک تو شبلی کا دلچسپ مختصر طرز تحریر ۔ اور دوسرا ان کا طرز استدلال جس کی بنیاد اس عقیدہ پر تھی ۔ کہ "قدیم خیالات کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے" ۔ بہ خلاف سر سید کے کہ انہوں نے جدید پرستی پر زیادہ زور دیا ۔

یہ بات بالیقین کہی جا سکتی ہے ۔ کہ اس صدی میں شبلی کی تصنیفات مذہبی نے جدید تعلیم یافتہ گروہ کو جتنا متاثر کیا ہے ۔ اتنا کسی اور عالم کی تصانیف نے نہیں کیا ۔ سیّد صاحب کا اثر بہت گہرا اور دُور رس اور ہمہ گیر تھا لیکن ان کے نام کے ساتھ بعض ایسے عقاید منسوب ہو گئے تھے ۔ جو عوام بلکہ خواص کی نظر میں بھی پسندیدہ نہ سمجھے جاتے تھے لیکن شبلی نے اُن اُلجھنوں سے بچنے کی کوشش کی ہے ۔ وہ اپنے ایک خط میں بجا طور پر کہتے ہیں :-

کہ "مجھ کو اس بات کا فخر ہے ۔ کہ اس نئی زندگی کے پیدا کرنے میں میرا بھی حصہ ہے ۔ اور اس جوش مذہبی کو برانگیختہ کرنا میری قسمت میں بھی تھا ۔"[1]

سید محمد عبداللہ

---

[1] مکاتیب ۔ ج ۱ ۔ ص ۵۰ ۔

بابا فرید گنج شکرؒ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت اگست ۱۹۳۸ء)

۳۸- اپنے عیبوں کو دیکھتا رہ ٭

۳۹- خوار ہو کر بھی ہنر حاصل کر ٭

۴۰- اپنی نیکیوں اور بدیوں کو پنہاں اور پوشیدہ رکھ ٭

۴۱- دین کی علم سے حفاظت کر ٭

۴۲- بلندی چاہتا ہے تو غریبوں (شکستہ حالوں) کے پاس بیٹھ ٭

۴۳- آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر ٭

۴۴- اس بات کی کوشش میں رہ کہ موت تیرے لئے زندگی جاوید ثابت ہو

بہاؤالدین بخدمت شیخ (فرید) کاغذے نوشت . . . سخن این بود کہ میان ما و شما عشق بازی است۔ جواب این معذرت شیخ (فرید) نبشت: میان ما و شما عشق ہست و بازی نیست ٭

اب فرید گنج شکر کی کرامات کا ذکر ہوتا ہے:۔

(فرید) نماز بامداد کردہ بود و سر بر زمین نہادہ و مستغرق شغل برین ہیئات بسیار بودے . . . درین میاں یکے بیامد و بآواز بلند سلام گفت . . . شیخ ہم چنان سر بر زمین نہادہ بود . . . گفت این کس کہ آمدہ است زنجیر در میان دارد۔ (سلطان المشایخ) جواب دادم آرے۔ باز فرمود کہ در گوش چیزے دارد من درود یدم ہم چنان بود . . . این بار کہ گفتم آرے حلقہ در گوش دارد شیخ فرمود او را بگو کہ برو۔

[شیخ فرید کو سیر الاولیاء میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین شیخ کبیر لکھا ہے]

سلطان المشائخ مے فرمود کہ مادر اجودھن میر فتیم ۔ در صحرائے سرسی مرا مارگزید ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ (فرید) گفت اگر کسے بر کسے تہور راند و آن کس تحمل کند و اگر او ہم از آن خود براند روا باشد ۔ شیخ (فرید) گفت کہ اے بیچارہ اگر خواندن برائے جدل است مخواں ۔ و بخلق ایذائے مرساں و اگر برائے عمل است ہمیں قدر کافی است کہ مے خوانند و عمل مے کنند ۔ مقصود از خواندن علم شریعت برائے عمل ست نہ از برائے ایذائے خلق ؛

جہاں پنجابی کتابوں میں جو سکھوں اور ہندوؤں کی تصنیف ہیں ۔ بابا فرید کے متعلق بہت سی باتیں اور کراماتیں درج ہیں وہاں بابا فرید کی والدہ کے متعلق بھی ایک آدھ خاص بات مذکور ہے ۔ اس لئے ہم سیر الاولیا سے دو چار اقتباسات اور دیتے ہیں : ۔

شیخ کبیر (فرید) را والدہ بود ۔ بس بزرگ ۔ ۔ تا شبے دزدے در خانہ در آمد اہل خانہ خفتہ بودند و والدۂ شیخ بیدار بود و بحق مشغول ۔ ۔ ۔ والدۂ شیخ کبیر دعا کرد و او بینا شد و برفت ۔ ۔ ۔ الغرض برکت آن ولیہ ہمہ مسلمان شدند ۔

شیخ (فرید) را زحمت خلہ شد ۔ بداں زحمت رحلت کردند ۔

پوشیدہ نماند کہ تولد شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر در ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء و وفات حضرت ایشاں در ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء و عمر حضرت ایشان نود و پنج باشد ۔

فوائد الفواد میں فرید کی عمر (صفحہ ۵۳) نود و سہ سال ۔ ۹۳ برس لکھی ہے وہاں فرید کو شیخ کبیر اور شیخ الاسلام لکھا ہے ؛

بیت مناسب این معنی بر زبان شیخ (فرید) گذشتہ است و آن بیت

این است :-

رَو دل بہ کسے دہ کہ نمیرد تا تو از دردِ فراقِ اونگری باری (صفحہ ۴۴)

درین معنی کہ خواجہ منصور را کہ پیش آمد بر زبان شیخ (فرید) این بیت بارہا گذشتہ

از نورِ جلال مرد مطلق خیزد واز شوقِ خدا نگر چہ رونق خیزد

این خاطرِ مردان چہ عجائب بحرے است چون موج زند ہمہ انا الحق خیزد

پیش شیخ (فرید) در اباحت و حرمت سماع کہ در آں اختلاف علما است ذکر کردند۔ فرمود سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد و دیگرے ہنوز در اختلاف است۔ تفاوت ببیں۔ شیخ سعدی گوید :-

آتش اندر نخلِ گاں افتاد و بسوخت خامِ طبعاں ہم چناں افسردہ اند

و نیز از شیخ (فرید) نقل کردہ کہ . . . یعنی سماعِ آوازے موزون در جنبش مے آرد لہائے شنوندگان را و مے افروزد آتشِ شوق را در سینہ ہائے مشتاقاں

شیخ بدر الدین از شیخ (فرید) سوال کرد کہ بے ہوشیٔ اہل سماع از کجاست حضرت فرمود از آنکہ ندائے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ شنیدند بے ہوش گشتند۔ ازاں روز باز بے ہوشی در ایشاں مرکوز است چوں سماع شنوند آں بے ہوشی در ایشاں اثر کند۔ حیرت و حرکت در ایشاں ظاہر شود ؛

روزے خواجہ خضر بخدمت شیخ (فرید) آمد و درویشاں سماع آغاز کردند۔ شیخ (فرید) بر سرِ سجادہ نشستہ بود۔ ہر دو دستِ مبارکِ خود بر آورد و این بیت بلند خواند ؎

صاحب دردے کجاست تا بنمایم صد گریۂ زار زیرِ ہر خندۂ خویش

وقتے شیخ (فرید) ایں بیت خواند ؎

نظامی این چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی کسے ترسش نہ داند زباں و مکش زباں و مکش

ہر بار کہ ایں بیت بر لفظ مبارک مے راند تغیرے پیدا مے شد۔

درآں ایام ماضی قاضیٔ بود . . . از غایت خصومت بہ ملتان رفت۔ باصدور و ائمہ ملتان گفت کہ کجا روا باشد کہ یکے در مسجد نشیند و آنجا سماع فرماید وگاہ گاہ در رقص ہم باشد ؛

بر لفظ گہربار شیخ (فرید) رفتہ بود . . . مے باید کہ فرزند آدم بطاعت وتقویٰ بیروں آید خواہ مرد باشد خواہ زن ؛

امیر حسن کی فوائد الفواد کا ذکر سیر الاولیا میں موجود ہے۔ لہذا اب ہم فوائد الفواد سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ یہ کتاب امیر حسن المعروف حسن دہلوی کی تالیف ہے (نولکشور ۱۹۰۸ء) تکمیل تالیف کا سن ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء ہے حسن بابا فرید کو شیخ الاسلام لکھتا ہے۔ اس کی بیشتر اطلاعات صاحب سیر الاولیاء نے شامل تحریر کر لی ہیں ؛

شیخ الاسلام فرید الدین ہر شب آدینہ فرمودے . . . . . شیخ کبیر فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز . . . چہار شنبہ بست سوم ماہ محرم سنۃ اثنی عشر وسبعمائۃ . . . . بعد ازاں (نظام الدین اولیا) فرمود کہ من وقتے بخدمت شیخ کبیر (فرید) در اجودہن بودم۔ جوگی بود۔ بیامد۔ من از وپرسیدم کہ شما کدام راہ میروید۔ اصل کار و ریاں شما چیست۔ او گفت در علم ما ہم چنیں آمدہ است کہ در نفس آدمی دو عالم است۔ یکے عالم علوی دوم عالم سفلی۔ از تارک تا ناف عالم علوی است و از ناف تا قدم عالم سفلی است۔ سبیل کار آں است کہ در عالم علوی ہمہ صدق وصفا و اخلاق خوب و حسن معاملہ باشد و در عالم سفلی نگاہداشت و پاکی و پارسائی۔ خواجہ (نظام الحق والدین) بر لفظ مبارک راند کہ مرا ایں سخن او خوش آمد (صفحہ ۸۴-۸۵)

وقتے شیخ بہاء الدین ذکریا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب الدین بختیار کاکی

در ملتان بودند۔ لشکرِ کافر سے زیرِ پائے ملتان آمد . . . .

دیگر شومت آں بود کہ ہمدراں ایام بعضے سوداگران از لہاور طرف گجرات رفتہ اند . . . . در اثنائے راہ شنیدند کفار نگوں سار بیامدند و لہاور را خراب کردند ۔

شیخ (فرید) در دہلی بود۔ چوں او بہ نماز جمعہ رفتے پیش از وقت رواں شدے تا مزاحمت خلق کمتر باشد۔ خلق ہم چناں پیش مے آمدند دست مے بوسیدند تا از خلق یکے حلقہ شدے . . . . . ہم بدیں نوع تا تنگ آمدن گرفت۔ بعد ازاں خسرو من گفت کہ این نعمتِ خداست چرا تنگ مے آئی ۔

. . . . تا چناں شد کہ بعد از ہر نمازے وہ بارے گفتم کہ شیخ فرید الدین۔ پس آں محبت بغایتے رسید کہ جملہ یاراں مرا ازیں خبر شد۔ تا چناں شد کہ اگر از من سخنے پرسیدندے و خواستندے کہ سوگند دہند گفتندے سوگند بشیخ فرید بخور (صفحہ ۱۴۹) ۔

حج کسے رود کہ او را پیر نباشد۔ خواجہ (نظام الدین) چوں ایں سخن بشنید چشم پر آب کرد بعد ازاں فرمود کہ بعد از نقل شیخ (فرید) مرا اشتیاق حج عظیم غالب شد۔ گفتم بارے دراجود من بُردم۔ بزیارتِ شیخ ۔ القصہ چوں بزیارت شیخ الاسلام رسیدم آں مقصودِ من حاصل گشت ۔

وقتے پیرے بخدمت شیخ (فرید) آمد . . . . یکے جوانکہ برابر خود آوردہ بود۔ آں پسر او بود۔ آں پسرک بے ادب . . . در بحث در آمد و گستاخ وار با شیخ بحث کردن گرفت۔ چنانکہ سخن بلند شد شیخ ہم سخن بلند کرد۔ مولانا شہاب الدین در آمد و آں پسرک را سیلے زد۔ پسرک طیرہ شد خواست کہ با مولانا بسفاہت در افتد۔ من (نظام الدین) دستِ آں پسرک بگرفتم ۔ دریں میاں شیخ کبیر فرمود کہ صفا کنید۔ مولانا شہاب الدین جا کی نقرہ بیاورد و مبلغ سیم بداں پسر و پدر داد۔ ہر دو خشنود شدند و باز گشتند ۔

شیخ کبیر (فرید) چوں افطار کردے پس از آں مشغول شدے مشغول شدنی عظیم

تا آنگاہ کہ نماز خفتن در آمدے ۔ از وقتِ افطار تا نماز خفتن مسافتے ہست . . . .

شیخ احمد نہروالی شیخ بہاء الدین ذکریا کا ہم عصر تھا۔

حکایت دریں افتاد کہ شیخ احمد نہروالی مریدِ کہ بود ۔ فرمود کہ واللہ اعلم مریدِ کہ بود ۔ بعد ازاں (نظام الدین) فرمود چنیں گویند کہ او را نعمت از فقیہ مادھو رسیدہ بود ۔ و ایں فقیہ مادھو امام مسجد جامع اجمیر بود ۔ روزے شیخ احمد ہندوی مے گفت در عہدِ جوانی آوازے خوب داشت ۔ ہندو بیہا خوش گفتے ۔ چوں فقیہ مادھو بشنید گفت چنیں آوازے کہ تو داری در ریخ باشد کہ در سرودِ ہندوی خرچ کنی ۔ فقیہ مادھو فرمود کہ قراں یاد گیر ۔ شیخ احمد قرآن یاد گرفت . . . . دراں سماع کہ واقعہ شیخ قطب الدین بختیار بود شیخ احمد نیز دراں مجلس حاضر بود (صفحہ ۱۷۴) ؛

شیخ (فرید) فرمودے کہ ہر کہ بر من مے آید چیزے مے آرد ۔ اگر مسکین بیاید و چیزے نیارد و ہر آئینہ مرا چیزے بدو باید داد ۔

شیخ (فرید) وقتے در حجرہ در بستہ کردہ بودند ۔ من بنوعے نظر کردہ دیدم کہ ہر بار ایستادہ مے شد و در سجدہ مے رفت ۔ و ایں مصراع مے گفت ؎ از سر تو میرم از برائے تو زیم

شیر خان والی اچہ و ملتان در حق شیخ (فرید) چنداں اعتقاد نداشت ۔ تا بارہا شیخ در معنیٔ او ایں دو مصراع بگفتے . . . .

خواجہ (نظام الدین) فرمود کہ بنگر در یادِ حق (فرید) چگونہ مستغرق بودہ است کہ پسر خود را از چنیں تفہیم و تعریف بجا آوردہ ۔

در [illegible] دانشمندے بودند (صفحہ ۲۴۴)

خواجہ (نظام الدین) گفت کہ وقتے بخدمت شیخ (فرید) بودم ۔ آنجا جوگی حاضر بود ۔ سخن دراں افتاد کہ بعضے فرزنداں بے ذوق پیروں مے آیند ۔ از آں است کہ مردماں وقتِ مباشرت نمے دانند ۔ بعد ازاں جوگی آغاز کرد کہ مہے سی روزے باشد و

نہ روز باشد۔ ہر روز را خاصیتے است۔ . . . چوں آں جوگی سخن تمام کرد (خواجہ فرمود) من اثر آں روز ہا را پرسیدن گرفتم . . . .

مردے بود یوسف نام از مریدان شیخ (فرید)۔ وقتے بخدمت شیخ عتاب گونہ مے کرد کہ من چندیں سال در بندگی مے باشم ہر کسے از خدمت شیخ بخشش یافت۔ مرا بایستے کہ بیش از ہمہ بودے۔ شیخ (فرید) فرمود کہ از جانب من تقصیرے نیست از جانب تو استعدادے و قابلیتے مے باید۔ و نیز من از آں خود مے کنم۔ اگر خدائے تعالےٰ ندھد آں را چہ تواں کرد۔

لکھا ہے (صفحہ ۳۰) کہ بابا فرید جو کچھ کہتا تھا۔ خواجہ نظام الدین اُسے لکھ لیتا تھا ؛

دیوانۂ وقت صباح بر در استادہ بود . . . . (صفحہ ۲۹)

سخن در نگاہداشت فرمان پیر افتاد۔ فرمود کہ وقتے شیخ (فرید) دست بدعائے برداشت مے فرمود کسے باشد کہ ایں یاد گیرد . . . . من (نظام الدین) یاد گرفتم ؛

از شیخ (فرید) شنیدم کہ در مدت عمر خود یک جرأت کردہ بودم۔ بخدمت پیر خود۔ و آں چناں بود کہ وقتے من از شیخ اجازت طلبیدم تا یک چلہ برآرم۔ و عزلت گیرم۔ شیخ قطب الحق والدین بختیار فرمود کہ حاجت نیست۔ ازیں شہرت حاصل آید۔ از خواجگانِ ما ہم چنیں نیامدہ است۔ من جواب دادم . . . . کہ من برائے شہرت نمے کنم۔ حضرت قطب العالم . . . . ساکت شد۔ بعد ازیں در ہمہ عمر خود پشیمانیہا خوردم و استغفار ہا کردم کہ چرا جواب بے دادم کہ نہ موافق حکم ایشاں بودہ است ؛

ایں لفظ آں روز از خدمتِ ایشاں (فرید) شنیدم (نظام الدین) کہ پیر مشاطۂ مرید باشد۔

(۲۹) اوپر کی شہادتوں سے جو چودھویں صدی عیسوی کی ہیں۔ ہم ذیل کی باتیں اخذ کر سکتے ہیں :۔

(۱) شیخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر کو مختصراً "شیخ فرید" کہتے تھے۔ اس کی حین حیات میں

(۲) شیخ کی والدہ کرامت کی مالکہ اور خدا پرستی میں ممتاز تھیں۔

(۳) شیخ نے اوائل عمر ہی میں درویشی کی راہ اختیار کی۔

(۴) شیخ کا طریق صوف میں طرۂ امتیاز زہد و ریاضت تھی۔ جس کو وہ انتہائی بلندی تک لے گیا تھا۔

(۵) شیخ کا مسلک یہ تھا کہ برائی کے عوض میں بھی بھلا ہی کیا جائے۔

(۶) شیخ نے طویل عمر پائی۔

(۷) شیخ کے پاس جوگی بھی آتے تھے۔

(۸) شیخ نے چہلۂ معکوس کھینچا۔

(۹) چونکہ شیخ نے کھتوال۔ ملتان۔ لاہور۔ دہلی۔ ہانسی میں اکثر اقامت کی اور ان شہروں کے بلاوہ اوچ۔ سندھ۔ غزنی۔ اجمیر۔ لکھنوتی۔ ناگور۔ بداؤں۔ گجرات۔ سرسہ۔ کیتھل۔ سیوستان وغیرہ سے آنے والوں کے ساتھ ان کی ہمکلامی اور صحبت رہی۔ لہٰذا انہیں ان بلاد کی دیسی زبانوں سے کماحقہٗ واقفیت رہی ہوگی۔ یہ تو غیر ممکن ہے کہ کھتوال میں تولد ہونے والا تمام مریدوں۔ نوکروں۔ درویشوں سے فارسی ہی میں بات چیت کرتا ہو۔

(۱۰) شیخ اپنے فرمودات و ارشادات کو نہایت احتیاط سے دوسروں سے قلمبند کراتے اور ان کی صحت کی ضمانت کے لئے اُن تحاریر پر نظر ڈالتے تھے۔

(۱۱) اگرچہ ریاضت اور زہد سے شیخ کو خاص رغبت تھی۔ پھر بھی وہ رقص و سرود اور سماع کی مجلس گرم کرتے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔

(۱۲) شیخ کو ادائے نماز و سجدہ اور مشغولی اوراد و وظایف سے اس قدر وابستگی تھی۔ کہ وہ عام باتوں کو بھی بھول جاتے تھے اور انتہائی انہماک کا اظہار کرتے تھے۔

(۱۳) شیخ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ تنہائی پسند تھے۔ سب سے میل جول کے پابند

اور حسن اخلاق کی صفت سے مزین تھے ۔

(۱۴) شیخ کا اثر صحبت بہت دُور دُور پہنچا ۔

(۱۵) شیخ کا دروازہ سب کے لئے کھلا تھا۔ غصہ و غضب سے وُہ دور تھے۔ آنیوالوں کو ان کے لنگر سے حسب منشا ماحضر ضرور ملتا تھا ۔

(۱۶) شیخ کے تصوّف آمیز اسلام کا دائرہ بہت وسیع تھا اور تعصّب اس میں نام کو نہ تھا

(۱۷) شیخ کی نان زنبیل ایک خاص ذکر کے قابل چیز تھی ۔

(۱۸) شیخ کا باپ شیخ کے بچپن میں فوت ہو چکا تھا اور ماں کی عجیب و غریب موت بھی انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھی ۔

(۱۹) معقول اور دلپسند جائے عبادت کی تلاش میں اور رویے اپنی خلوت پسندی کے زیر اثر شیخ جنگلوں اور ریگ زاروں میں پھرا کئے ۔

(۲۰) شیخ نے گذرگاہ اجودہن کا انتخاب کیا اور وہاں اقامت مستقل اختیار کی ۔ اُس گذرگاہ کے اِردگرد کے نظارے اور وہاں کی انسانی اور نباتاتی زندگی کا ان کی زبان و بیان پر اثر پڑا ہوگا ۔

آگے چل کر شیخ فرید کے کلام کے مطالعہ کے وقت ہم دیکھیں گے۔ کہ یہ سب باتیں اور حالات کلام سے بھی ٹپکتے ہیں ۔

(۲۱) شیخ فرید کے متعلق جو باتیں سکھ اور ہندو حلقوں اور تصنیفوں میں پائی جاتی ہیں اب ہم ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں :۔

شیخ فرید کا ذکر اُن گوشٹوں یا فرضی ملاقاتوں میں آتا ہے۔ جو گورو نانک کے متعلق بعد میں سوانح نویسوں نے اسلئے لکھیں کہ وہ طرفین کے خیالات کا موازنہ اور مقابلہ کر سکیں اور آخر میں نانک کی عظمت کا سکہ دوسری پارٹی کے دل پر بیٹھا دکھا سکیں ۔ ان فرضی ملاقاتوں اور فرضی گفتگوؤں میں جن مقامات کا ذکر ہے۔ وہ بھی فرضی ہیں ۔ یہ بات سوانح نویسوں نے

نہیں چھپائی - نہ ہی وہ چھپا سکتے تھے - کیونکہ صدیوں پہلے اور صدیوں بعد آنے والے تاریخی اصحاب کو نانک سے لابھڑایا ہے۔ دو جنم ساکھیوں سے میں اقتباسات دیتا ہوں

(اوّل) انڈیا آفس کی جنم ساکھی جو سترھویں صدی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ مطبوعہ ۱۸۸۵ء ؛

(دوسری) بھائی بالا کی جنم ساکھی - مطبوعہ ۱۹۲۵ء ؛

اوّل - شیخ فرید سے گوشٹ (مکالمہ - مجادلہ - بات چیت) شیخ ابراہیم سے گوشٹ سے پہلے آتی ہے - عبارات یوں ہیں :-

تب پھر آسا دیس میں آیا - آگے شیخ فرید تھا جنگل میں بیٹھا - تب وہاں بابا بھی آیا - تب شیخ فرید بولا - اللہ اللہ درویش - تب گورو بابا نے جواب دیا - آوازۂ اللہ - اے فرید زہدی - ہمیشہ آؤ - شیخ فرید زہدی - اللہ - اللہ - تب "دست پنجہ" لے کر بیٹھ گیا - تب شیخ فرید بابا کی صورت دیکھ کر بولا :- شیخ فرید نے گوشٹ کی اور بابا سے پوچھا - کہا :

ا - اکے ناں لوڑ مقدمی اکے ناں اللہ لوڑ ؛ دوہوں بیڑیں ناں لت دھرت وچ وکھر بوڑ

تب گورو بابا نے جواب دیا - سلوک :-

دوہیں بیڑیں لت دھر دُہیں وکھر چاہڑ — کوئی بیڑی ڈُبسی کوئی لنگھے پار

ب - ناں پانی ناں بیڑیاں ناں ڈُبتے جائے — نانک وکھر سچ دھن سہجے رہیا سمائے

تب شیخ فرید نے کہا :-

ج - سلوک :-

فریدا چوڑیلی سیوں رتیاں دنیا کوڑا ہیت — نانک اکھیں دیکھدیاں اُجڑو وچے کھیت

تب گورو بابا نے جواب دیا :-

د - فریدا دھروں شروع ہوندا آیا چوڑیلی سیوں ہیت ؛ نانک کھیت نہ اُجڑے جے راکھا ہوئے چیت

ر - تب شیخ فرید بولا - سلوک :-

فرید اتن رہیا من پھٹیا طاقت رہی نہ کائے پری طبیب تھیو کاری دارو لائے

س ۔ تب گورو بابا نے جواب دیا۔ سلوک :۔

سجن سچ پرکھ مکھ الاون تھو تھرا نانک من منجھا ہوں لکھ تدھوں دوڑاں موہی

ش۔ تب شیخ فرید نے کہا۔ شبد راگ سوہی میں۔

بیڑا بن نہ سکیو جاں بہن کی ویلا بھر سرور جب اُچھلے تب ترن ڈھیلا

. . . . . .

ہنس چلے گا ڈمنا یہہ تن خاک رلیسی

تب گورو بابا نے جواب دیا۔ شبد کہا۔ راگ سوہی میں۔

ص جب تپکا بندھ بیڑا جت لنگھیں ویلا ناں سرور ناں اُچھلے لے ایسا پنتھ سہیلا (۱)

تیرا اکو نام مجیٹھڑا جت راتا میرا چولا۔ سچ رنگ ڈھولا

رہاؤ

سجن چلے پیارا کیوں میلا ہوئی جے گن ہوویں گنٹھڑیاں میلے گا سوئی (۲)

ملیا ہوئے نہ وچھڑے جے ملیا ہوئی آواگون نوراسی سچ دیوے سوئی (۳)

ہوں میں مار نبڑیے سیتا میرا چولا گور بچنیں سہہ پائیا سہہ کے امرت بولا (۴)

نانک کہے سہلیو سہہ کھرا پیارا ہم سہہ کیریاں داسیاں سچا خصم ہمارا (۵)

تب شیخ فرید بولا۔ شبد راگ آسا میں۔

ض ۱ ۔ راتے عشق خدائے ہنگ دیدار کے . . . . . شیخ فرید اخیر دتجے بندگی

ض ۲۔ تب بابا بولا۔ شبد۔ راگ سوہی میں۔

جاں توں تاں میں سبھ کوئے توں صاحب میری راس جیو

. . . . . .

اِک نانک کی ارداس جیو

تب بابا اور شیخ فرید دونوں ایک رات اکٹھے رہے جنگل میں۔ تب اک بندہ خدا کا آنکلا۔ وہ دیکھ کر گھر کو اُٹھ گیا۔ تب ایک طبل باز دودھ کا بھر کرے آیا۔ اس میں چار پہریں ڈال کر پچھلی رات کو لے آیا۔ تب شیخ فرید نے اپنا بجرہ پالیا۔ اور گورو کا بجرہ رکھ چھوڑا۔ تب شیخ فرید بولا:۔

ط۔ سلوک:۔

جو جاگن سے سائیں پاسوں لین دات　　پہلی رات پہلے پہر اچل بھی پچھلی رات

(رات کے آخری پہر میں)

تب بابا نے جواب دیا۔ سلوک:۔

ظ۔ داتیں صاحب سندیاں . . . . اٹھال

تب بابا بولا۔ شیخ فرید۔ اس دودھ میں ہاتھ پھیر کر دیکھ کیا ہے۔ جب شیخ فرید نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاروں پہریں موجود ہیں۔ تب وہ طبل باز چھوڑ کر جاتا رہا۔ تب گورو بابا بولا۔ شبد۔ راگ تکھاری:۔

ع۔ چھنت۔ پہلے پہرے نین سلونڑیئے رین اندھیاری رام . . . اندھیریاں . . . .

نانک سُرز سبد ملائے تن پربھ کارن کیا (۵)

تب بابا اور شیخ فرید وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب وہ آدمی لوٹا۔ اس نے دیکھا کہ طبل باز پڑا ہے۔ اُٹھایا تو اُسے سونے کا پایا۔ پہروں سے لبالب بھرا تھا۔ تب وہ پچھتانے لگا۔ اس نے کہا۔ وہ دنیا دار فقیر تھے۔ اگر میری توجہ دوسری طرف ہوتی۔ تو میں دُوسری چیز یعنی دین حاصل کرتا۔ دُنیا لایا تھا۔ دُنیا ملی۔ تب وہ طبل باز لے کر گھر آیا۔ تب وہاں سے گورو بابا اور شیخ فرید آسا دیس میں آئے۔ تب آسا دیس کا راجہ سمندر تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُسکی کھوپری جلتی نہ تھی۔ کئی جتن کئے۔ تب جوتشیوں سے پوچھا۔ جوتشیوں نے کہا۔ اس نے ایک بار جھوٹ کہا ہے۔ اُس سے اس کا جی دُکھ پا رہا ہے۔ آسا دیس کے لوگ راست گو تھے

(دیکھو فوائد الفواد صفحہ ۱۱۷۔ وہاں لاہور کی تباہی کا قصہ ہے۔ لاہور کے سوداگر گجرات گئے گجرات کے تمامی باشندے راست گو تھے۔ کیا آساویس سے مُراد گجرات کا ٹھیاوار ہو سکتا ہے؟)

دن کو بیچتے تھے اور رات کو کاٹتے تھے۔ تب آساویس کے لوگوں نے ہائے ہائے کرنا شروع کیا۔ تب جوتشیوں نے کہا کہ اس کی نجات تب ہو سکتی ہے کہ کسی سادھو کے پاؤں اس کی کھوپڑی سے چھوئیں۔ تب لوگوں نے آساویس کا راہ بند کر لیا۔ ایک دروازہ کھلا رکھا تھا اگر کوئی فقیر اندر آئے گا تو اسی دروازے سے آئے گا۔ تب بابا اور شیخ فرید وہاں جا نکلے۔ جب نزدیک پہنچے تو گورو نانک نے کہا۔ شیخ فرید۔ پیر دھر۔ تب شیخ فرید نے کہا۔ میری کیا مجال ہے جو میں آگے پاؤں رکھوں۔ تب بابا نے پاؤں رکھا اور کھوپری پھوٹ گئی۔ اُس جی کو نجات ملی۔ تب سارا آساویس اگر پاؤں پڑا۔ تب بابا بولا۔ شبد۔ راگ ماروئیں۔

غ ہل مات پتا پنڈ کمایا .... کہہ نانک دیوے کا ہو (۴)

تب روٹیاں لانے لگے۔ جو شخص شیخ فرید کو دے اُسے شیخ جواب دے ہیں کھا بھی چکا ہوں اور دامن میں بھی باندھ لی ہے۔ تب آساویس کے لوگوں نے کہا۔ او نبلے خُدا کے۔ تو کوئی اُسی ملک کا دروغ گو ہے۔ جس ملک میں فرید رہتا ہے۔ کہ روٹی تو اُسکی کاٹھ کی ہے۔ مگر جب کوئی اُسے روٹی دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کھا بھی چکا ہوں اور میرے دامن میں بندھی بھی ہے۔ تب شیخ فرید نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور کہا ایک دفعہ دروغ کہنے کے بدلے راجہ کو اتنی عقوبت ملی۔ تب بابا خوش ہوا۔ شیخ فرید کو وداع کہا۔ تب بابا بولا شیخ فرید۔ سچ مچ تم میں خدا ہے۔ مگر تو کوئی پیر پکڑ۔ تب شیخ فرید نے کہا۔ بہت اچھا۔ تب شیخ فرید روانہ ہوا۔ گلے ملے۔ تب گورو بابا نے کہا۔ شبد۔ راگ سری راگ میں۔

آود بھینو گل ملو انگ سہیلیڑیاں . . . . . نانک سچا پاتشاہ آپے لئے ملائے (۴)

دوم۔ بھائی بالا کی جنم ساکھی میں یہی واقعات، یا روایات اور یہی اشعار دیئے ہیں۔

راجہ کا نام سمندر کے بجائے شام سندر دیا ہے۔

(۳۱) ظاہر ہے کہ فرید اور نانک کے کلام میں کچھ مماثلت اور اختلاف دیکھ کر اُن کی ملاقات کی کہانی گھڑ لی گئی ہے۔ جہاں کچھ گنجایش دیکھی وہاں کے اسماء اور مضامین کے گرد تانا تن دیا اور اُن پر مشتمل ساکھیاں بنا ڈالیں۔ یا زبان کی مماثلت دیکھی۔ یہ فیصلہ کیا کہ فلاں علاقہ کی زبان ہو سکتی ہے۔ وہاں کے کسی مشہور صاحب قلم اور صاحب کرامت کے ساتھ گورو جی کی ملاقات اور بات چیت کرا دی۔ اور دوران گفتگو میں وہ کلام گورو نانک کے منہ سے نکلوا کر ارشادات کے مواقع بہم پہنچا لئے۔ کلام کی تشریح زمان و مکان کے احاطہ میں خوب ہو جاتی ہے۔ اور یہی سوانح نویسوں کا مقصود اعظم تھا ؛

اب ذرا اس کلام کے متعلق جو اوپر نمبر ۳۰ میں آیا ہے۔ کچھ تحقیق کرنی چاہیئے ؛

ا۔ گورو گرنتھ صاحب میں نہیں۔

ب۔ ایضاً

ج۔ "

د۔ "

ہ۔ "

س گورو ارجن دیو کی تصنیف ہے۔ راگ مارو۔ وار

ش ص۔ ض ا } گورو گرنتھ صاحب میں موجود ہیں۔ ان میں ش۔ ض ا اور ط فرید کے
ض۲۔ ط۔ ظ } ہیں۔ اور باقی گورو نانک دیو کے ؛

ص۔ راگ سوہی میں ہے۔ ض ۲۔ راگ سوہی میں ؛

(۳۲) اچھے کلام کی تلاش سکھ گورو صاحبان ہی کو نہ تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی تھی۔ پھر جن عارفوں اور درویشوں کا کلام سکھ گورو صاحبان کی نظر میں ممتاز ثابت ہو چکا تھا۔ اُن کے کلام معرفت آموز کی تلاش کا جاری رکھنا ایک غیر متوقع بات نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ شبد شلوک مجموعہ میں جو کسی سندھی صاحب ذوق کی تالیف ہے۔ کلام شیخ فرید موجود ہے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ ہے جس میں فرید کا کلام ہے۔ (سلوک) وہ نسخہ ۱۸۰۴ء میں نقل کیا گیا ؛

حفظ العلوم لائبریری میں بھی ایک قلمی کتاب ہے جس میں فرید کا وہی کلام جو یونیورسٹی کے نسخے میں ہے۔ تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ درج ہے۔ وہاں پر ان شلوکوں کو نصیحت نامہ کہا گیا ہے۔ اس فریدی نصیحت نامہ کا ایک شعر تو ضرب المثل ہو چکا ہے۔ ہاں اس شعر کی صورت بس ایک مصرع کی رہ گئی ہے۔ اصل شعر یوں ہے :-

نسخہ یونیورسٹی :- مُوسے اِنھّا موت تے ڈھونڈے کائے گلیہ

نسخہ حفظ العلوم :- مُوسے اِنھّا موت تے ڈھونڈے کائے گلی

چارے کنڈاں ڈھونڈیاں اگے موت کھلی

عوام کی زبان پر فقط اتنا ہے :- ع مُوسے اِنھّا موت توں اگے موت کھلی۔

میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب پنجابی (ہسٹری آف پنجابی لٹریچر) میں دونوں نسخوں سے عبارت نقل کر دی ہے ؛

(۳۳) اُردو دان اصحاب فارسی کی شہادتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ ایک تو اس خیال سے اور دوسرے اس لحاظ سے کہ زبانی روایات جو پنجاب میں رائج ہیں۔ تحقیقاتِ چشتی میں آگئی ہیں۔ اور وہی روایات سکھ صاحبان کے لئے ماخذ رہی ہیں۔ ہم یہاں پر تحقیقاتِ چشتی سے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں :-

احوال مکان چلّہ بابا فرید جس کو عام لوگ پھلیدانہ بولتے ہیں۔ اصل نام اسکا فرید آستانہ ہے۔ خواجہ مسعود اجودہنی المشہور بابا فرید گنج شکر واسطے زیارت حضرت داتا گنج بخش کے لاہور میں تشریف لائے۔ بابا فرید نے اس ٹیلہ پر ادائے عبادت اور طلب امداد حضرت داتا صاحب کے واسطے چند مدت اعتکاف کیا ہے ؛

تجرید اور تفرید بابا فرید کی نہایت مشہور و معروف ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو

مخفی رکھتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے ان کو نفرت تھی۔ اس نظر سے شہر بشہر اور جا بجا پھرتے رہتے تھے۔ . . . . اجودھن کے باہر بہت درخت کریر کے تھے . . . ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کے کپڑے میلے کچیلے ہو گئے تھے۔ ایک شخص آپ کے واسطے ایک پیراہن لایا۔ اور آپ نے زیب تن فرمایا۔ اور پہن کر اسی وقت اُتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین متوکل کو جو آپ کے حقیقی بھائی تھے بخش دیا۔ اور کہا کہ جو لطف اس پیراہن کہنہ میں تھا اس پیراہن نو میں نہیں۔ اور اوقات بسری آپ کی ایسی تھی کہ حضرت ہمیشہ صائم رہتے تھے . . . . جس گودڑی میں آپ بیٹھے رہتے تھے اسی کو بوقت شب اوپر لے کر استراحت فرماتے تھے۔ اور وہ گودڑی اتنی لمبی نہ تھی۔ کہ تمام بدن کو ڈھانپ سکے۔ اگر سر پر لیتے تھے۔ تو پاؤں برہنہ ہوتے تھے اور اگر پاؤں پر لیتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ . . . دو خلفاء ان میں سے بڑے ہادی، صاحب خانوادہ ہوئے۔ ایک تو علی احمد صابر اور دوسرے حضرت نظام الدین دہلوی۔ حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ جب ہم بخدمت حضرت بابا کے حاضر تھے تو ان کے گھر میں دیگ جس روز پکتا اور ہم سیر ہو کر کھاتے تھے تو ہم کو عید ہوتی تھی۔ جب موسم دیگ کا نہ ہوتا تھا۔ تب نان گدائی سے اوقات بسری ہوتی تھی۔ ایک روز ایک خادم حضرت کا ایک درم نمک قرض لایا۔ اور کھانا پکایا۔ جب کھانا آگے آیا تو آپ نے نور باطن سے یہ حال دریافت کر کے فرمایا۔ کہ اس طعام سے ہم کو بوئے اسراف آتی ہے۔ . . . . آپ نے فرمایا کہ جو چیز گھر میں موجود ہے وہ اپنے خورد و نوش کے تصرف میں لے آنی اسراف نہیں ہے اور قرض لا کر کھانا عین اسراف ہے۔

حضرت کو لوگ زبدالانبیاء بھی کہتے ہیں۔ . . . آپ پر اوّل بے ہوشی غالب ہوئی بعدہٗ جب ذرا ہوش میں آئے تو خادموں سے پوچھا کہ ہم نے نماز عشا پڑھی ہے یا نہیں۔ خادموں نے عرض کی کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور بھی سہی۔ اور اسی طرح تین دفعہ آپ کو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد اس کے تین دفعہ یا حیّ یا قیوم پڑھ کر جان بحق تسلیم فرمائی۔

اور یہ بھی حضرت کا مقولہ ہے . . . . اس کے معنے یہ ہیں کہ آفت تدبیر میں ہے اور سلامتی تسلیم میں ہے۔ اور عالم لوگ سب آدمیوں سے اشرف ہیں۔ یعنی بہترین اور فقیر لوگ بہترین بہتراں۔ اور فقیر عالموں میں ایسا ہے جیسے کہ چاند ستاروں میں ؛

ایک شخص حضرت کے پاس آیا۔ حاضر آیا اور عرض کی کہ میرے واسطے سلطان غیاث الدین کے نام خط لکھ دو کہ آپ کی سفارش سے میرا کام سرانجام پا جاوے۔ حضرت نے یہ رقعہ لکھا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے۔ کہ سپرد کیا میں نے ترا تجھ کو طرف اللہ کی اور بعد اس کے تیری طرف۔ اگر تو بخشے اس کو کوئی چیز فی الاصل بخشنے والا اللہ ہے۔ اور تو شکور ہوگا اور اگر تو نہ بخشے اس کو کچھ تو منع کرنے والا اللہ ہے اور تو معذور ہے ؛

اور حضرت یحییٰ حیات بارہ برس صائم رہے [اس اطلاع کا مخرج کیا ہے ؟] اس عرصہ میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور گلے میں ایک روٹی کاٹھ کی رکھتے۔ جب بھوک بہت غلبہ کرتی۔ تو آپ اس روٹی پر دانت مارتے تھے۔ چنانچہ اس روٹی پر نشان دانتوں کے اب تک دکھائی دیتے ہیں۔ بعد اس محنت بارہ سال کے جب اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے ذکر چوبی روٹی کا سنا تو فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے کہ کاٹھ کی روٹی رکھتے ہو گویا ابھی حرص روٹی کی نہیں گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنوز نفس تم پر غالب ہے۔ جاؤ اور بغیر روٹی چوبی کے صائم رہو۔ چنانچہ حضرت نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور پھر بارہ سال تک صائم رہے (جنم ساکھی سے مقابلہ کرنا چاہیئے) ۔

بہ مقام فرید آستانہ المعروف پھلی دانہ ہر سال بتاریخ پنجم محرم میلہ ہوتا ہے اور اکثر حجام وہاں موجود رہتے ہیں۔ اور آواز دیتے ہیں کہ سر منا جا اور کھل (کھلی) گڑ کھا جا۔ اکثر مرید انکے سر منڈاتے ہیں (جوگیوں کی رسوم سے مقابلہ ہو) اور کھل گڑ کھاتے ہیں۔ اور کئی لوگ رشتہ سیا بطور سلی جس کو پنجابی زبان میں پیر بولتے ہیں۔ بیچتے ہیں۔ وہ لوگ تبرکاً لے کر پہنتے ہیں (جوگی ہم)

(۳۴) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلی کی تصنیف ہے۔ گورو نانک دیو کو

شیخ فرید کا ملتانی کلام ملا۔ کیا کوئی اور شیخ فرید یا شیخ فرید الدین مشہور صوفی بابا فرید کھتوالی کے علاوہ گورو نانک سے پہلے شہرت پا چکا تھا۔ جو ملتانی زبان میں شعر کہتا ہو؟

اخبار الاخیار کی رائے اس بارے میں قابل وثوق ہے۔ سیر الاولیاء کو ہم دیکھ چکے اب اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ محدث دہلوی سترھویں صدی کا بزرگ ہے۔ اور جامع اوراق گرنتھ بھی ۱۶۰۶ میں ملک بقا کے راہی ہوتے ہیں ؛

(صفحہ ۸۵) شیخ فرید الدین نبیرۂ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی است۔ مرید و خلیفہ و صاحب سجادہ جد بزرگوار خود است۔ سرور الصدور کہ از ملفوظات شیخ حمید الدین است او جمع کردہ در وقت سلطان محمد تغلق از ناگور بدہلی قدوم آوردہ بود و ساکن گشتہ۔ قبر او در فنائے شہر قدیم است۔ سنگ خراس در آنجا افتادہ است۔ مردم گویند کہ شیخ ایں را در حالت سکر در گردن داشت و ہم بداں حالت از ناگور بدہلی آمدہ۔ واللہ اعلم ؛

شیخ فرید ناگوری تھا۔ دہلی میں آکر رہا اور وہیں مرا۔ سلطان محمد تغلق کا زمانہ ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء ہے ؛

شیخ حمید الدین۔ شیخ فرید الدین شکر گنج (اخبار الاخیار میں شکر گنج لکھا ہے بجائے گنج شکر کے صفحہ ۳۶) کا ہم عصر تھا۔ شیخ فرید کی جانب ایک مکتوب بھی لکھا تھا ؛

(صفحہ ۶۴) فرمودہ۔ کار گرم خود را بسخن سرد مردماں نباید گذاشت۔ فرمودہ ؎

دو شبینہ شبم دل حزینم بگرفت ۔۔۔ وندیشۂ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسرو دیدہ روم بر در تو ۔۔۔ اشکم بدویدہ آستینم بگرفت

(۳۵) اب اتنا کہہ کر کہ بابا نانک نے جو شیخ فرید کی طرح اپنے کلام کی صحت سے قلمبندی کرانے میں اسقدر کوشاں اور محتاط تھا۔ ابراہیم سے پٹن میں ملاقات کے وقت ضرور تحقیق کر لی ہوگی کہ وہ کلام جو ابراہیم سے ملا ہے وہ ابراہیم جانشین فرید کا ہے۔ یا خود فرید کا ہم گورو گرنتھ صاحب میں درج کلام شیخ فرید کا اردو ترجمہ دیتے ہیں تاکہ کلام کی اندرونی شہادت پر غور کر کے نمبر ۲۹ میں دی ہوئی شہادت سے اسکا موازنہ کر لیں اور اسکا تطابق دیکھ لیں۔ اسکے بعد زبان فرید اور قدامت زبان ملتانی کے متعلق لکھیں گے ؛

(باقی بواردو) ——— موہن سنگھ دیوانہ

سلطان ناصرالدین قباچہ اور اسکے درباری شعرا

سلطان ناصرالدین قباچہ سلطان معزالدین محمد بن سام کا غلام تھا۔ ایک عرصہ تک سلطان موصوف کی خدمت کرتا رہا۔ اور حسن خدمات کے صلہ میں افسر لشکر اور والئ ملک بنا دیا گیا۔ لیکن جب ۶۰۲ھ میں سلطان موصوف اندخود میں لشکر خطا و ملوک ترکستان سے جنگ آزما ہوا اور ملک ناصرالدین ایتم والئ اُچہ و ملتان نے غیر معمولی دلاوری اور مردانگی کا ثبوت دے کر جام شہادت نوش کیا تو سلطان نے موصوف کی جگہ قباچہ کو حضرت اُچہ کا والی مقرر کیا۔ قباچہ اُچہ پہنچا اور ملتان کو سر کرنے کے بعد اپنے مقبوضات کی توسیع میں مصروف ہو گیا۔ اور سیوستان۔ دیبل وغیرہ کے علاوہ مملکت سندھ کے اور بہت سے شہر بھی اپنے قبضہ میں لے آیا۔ اب اس نے اپنے لئے چتر شاہی اختیار کر لیا اور تیرھنڈہ (بھٹنڈہ) کھرام و سرستی بھی فتح کر لئے۔ بلکہ لاہور پر بھی بعض وقت حکمرانی کرتا رہا ہے۔

ناصرالدین قباچہ ایک دُوربین اور نکتہ شناس سُلطان تھا۔ عقل و کیاست میں درجہ غایت رکھتا تھا۔ کاردانی۔ تیز۔ حذاقت اور دانائی میں مشہور تھا۔ ایک جری سپاہی ہونے کے علاوہ علم کا شایق۔ علمی صحبتوں کا دلدادہ۔ شعر و سخن اور علماء و شعراء کا بے حد قدرشناس تھا۔ اس کی اس قدردانی کی وجہ سے اطراف و اکناف عالم سے آکر آسمان شاعری کے کئی درخشندہ ستارے اس کے دربار کو منوّر کر رہے تھے۔ جن کی وجہ سے ساتویں صدی ہجری کے ربع اول میں دربار ناصری علمی و فنّی نقطۂ نظر سے ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہو گیا۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ کی دستبرد سے اس عہد کی بافیات صالحات و دیگر علمی خزائن ہم تک بہت کم پہنچے ہیں۔ اور اسی لئے اکثر اس صدی کے پہلے ثلث کو خشک زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ

اول تو شعراء کا تمام کلام ہم تک نہیں پہنچا اور قدرے قلیل جو ہماری قسمت میں آیا وہ اس عہد کی شاعری پر پوری روشنی نہیں ڈالتا۔ لیکن جو کچھ حاضر ہے اسے ہی غنیمت جانتے ہوئے ہم یہ کہنے میں یہاں تک حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ کہ دربار ناصری نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ متاخرین کے کہکشانی دور میں بھی مقابلتہً کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ اور شعر و فنون میں دبستان غزنہ کی روایات کا بھی مقلد تھا۔ جو سلطان محمود کے وقت سے مستقلاً قایم ہو چکا تھا ؛

سلطان ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ ہونے کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کی دامادی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اور اس طرح دہلی و ملتان میں تعلقات دوستی ایک مستحکم اساس پر قائم ہو جاتے ہیں۔ جن سے ناصر الدین کی امتیازی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ شاہانہ لوازم جو مشرقی حکومتوں میں سلاطین کے رعب و داب اور قدر و منزلت کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے۔ پیدا ہو جاتے ہیں ؛

ناصر الدین ایک بڑا فیاض سلطان تھا۔ اس کے جود و سخا اور شاہانہ عواطف و انعام و اکرام کے دروازے کس و ناکس۔ مقیم و مسافر۔ امیر و غریب اور عامی و عالم پر ہر وقت کھلے رہتے۔ خواہ رزم ہو خواہ بزم۔ اس کا دست کرم بحر بے پایاں کی طرح موجزن تھا۔ مولانا منہاج سراج جو اس کے زمانے میں ۶۲۵ھ میں ملتان اور اُچہ پہنچے تھے لکھتے ہیں[1]۔

" وچوں ممالک سندھ بروی قرار گرفت در حوادث کفار چین اکابر خراسان و غور و غزنین بسیار بخدمت او پیوستند و او در حق ہمگنان انعام و اکرام وافر فرمود "

۶۲۱ھ میں جب مغلوں کی یورش عام ہوئی۔ چنگیزی افواج طوفان قیامت کی طرح ہر طرف وارد ہونے لگیں۔ جلال الدین خوارزمشاہ اپنے ملک کو چھوڑ کر پسپا ہوتے

---

[1] طبقات ناصری ص ۴۳۰

دریائے سندھ پر چنگیزی چشم سے مقابلہ آرا ہوا۔ اور شکست کھانے کے بعد سندھ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ اور دیول و بکران کی طرف چلا گیا۔ اس حالت میں تولی نوین مغل ایک لشکر گراں لے کر ملتان پر حملہ آور ہوا اور چالیس دن تک شہر کا محاصرہ کئے رہا۔ سلطان ناصرالدین نے شاہی خزانہ کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں پر بے حد احسان کرنا شروع کئے۔ اور دلاوری و دانشمندی اور جلادت و مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ صفحہ روزگار پر قیامت تک باقی رہیں گے۔

اس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد غور کے ملوک کفار کے مظالم سے تنگ آکر ناصرالدین کے دربار میں حاضر ہوئے[1]

سلطان ناصرالدین طبقۂ صوفیہ سے خاص شغف رکھتا تھا اور ان کی صحبت کا دلدادہ تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں اپنے ملک میں سکونت پذیر دیکھنے کا متمنی تھا۔ اکثر اوقات ان کے وسیلہ سے امداد غیبی کا طالب ہوتا۔ اور جنگ کے مواقع پر ان کی برکات کا خواہاں رہتا۔ چنانچہ مغلوں کی جنگ کے حملہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد بن قاسم فرشتہ لکھتا ہے[2]۔

"سلطان ناصرالدین قباچہ حاکم ملتان بمدافعہ قیام نمودہ از خواجہ قطب الدین کاکی دعا و ہمت استعانت جست . . . . ."

اور آگے چل کر کہتا ہے۔ "بفرمان خدا یتعالے . . . . انگاہ ہر دو بزرگوار عازم سفر شدہ شیخ جلال الدین تبریزی بغزنی رفت و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی متوجہ دہلی گردید و ہر چند ناصرالدین قباچہ تضرع و زاری نمود کہ خواجہ در ملتان توطن نماید قبول نہ نمودہ . . . ."

۶۲۵ھ میں سلطان شمس الدین التتمش ناصرالدین قباچہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور غنیم کو ایک شکست فاش دیتا ہے۔ ناصرالدین اپنے بیٹے بہرام شاہ کو التتمش کے پاس بھیجتا ہے جو اسے قید کر لیتا ہے۔ جس سے ناصرالدین بد دل ہو کر اور سلطنت سے نا امید ہو کر خود کو

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۱۴۳ ۔ [2] تاریخ فرشتہ ص ۳۷۹ ۔

آپ سندھ میں غرق کر دیتا ہے۔ اور اس طرح اس مشہور سلطان کا ۲۲ سالہ دورِ حکومت ختم ہو جاتا ہے لیکن علمی اہمیت کے لحاظ سے آج تک قایم نظر آتا ہے۔ علماء و فضلاء اور شعراء نے اس کے دربار کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اس عزت میں ایک حد تک اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضیّ الدین ابی بکر الاشعری جیسے بیدار مغز۔ علم پرور۔ عدالت گستر۔ اور معارف نواز وزیر کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جس کی مدح و توصیف میں بہت سے شعراء نے قصائد لکھے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوئے

سلطان اور وزیر کے علمی شغف کی شہرت عام اس قدر پھیلی کہ جس عالم فاضل یا شاعر نے ہندوستان کا رُخ کیا وہ پہلے پہل اسی دربار میں حاضر ہوا۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ محمد عوفی بخارا سے نکلا تو پھرتا پھراتا دربارِ ناصری میں ملتان پہنچا۔ اسی طرح مولانا منہاج سراج مصنف طبقاتِ ناصری بھی سب سے پہلے اسی دربار میں رسائی حاصل کرتے ہیں ؛

محمد عوفی اس ضمن میں دربارِ ناصری پر حقایق افروز تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے[1]۔

"ہر چند ایں حضرت مشحون است بعلما و فضلا آسمانیست کواکب ثاقب ارباب مآثر و مناقب در وی لایح شدہ، بوستانیست از اہیر فضل و شگوفہاء ہنر در وی فایح گشتہ پادشاہی عدل گستر و وزیری عالم پرور تبع آں باقلم ایں لایق در خور جہاں شاہ و وزیر اعتدال ایام بہار یافتہ . . . . . فاضل جہاں ذرہ وار در ہوای ایں آفتاب ہوا گر فتند و بآں مہر مہرہ باختن آغاز کردند"۔

سلطان ناصر الدین قباچہ کے مختصر حالات کے اندراج کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزیر عالی مرتبت کے متعلق جو کچھ میسّر ہے اسے سپردِ قلم کیا جائے ؛

عین الملک فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضیّ الدّین ابی بکر الاشعری

---

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۲۱۸ ؛

ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے تھا۔ ابتدا سے قباچہ کا وزیر رہا۔ لیکن ۶۲۵ھ میں قباچہ نے ڈوب کر خودکشی کر لی اور اس کا تمام ملک التتمش کے قبضہ میں آگیا۔ تو عین الملک اور اسکے بھائی بہاء الملک تاج الدین الحسن[۲] نے بھی سلطان التتمش کی ملازمت قبول کر لی۔ چنانچہ سلطان موصوف نے عین الملک کو اپنے بیٹے شہزادہ رکن الدین فیروز شاہ کا وزیر مقرر کیا۔ اس عہدے کے بعد اس کے حالات نامعلوم ہیں[۳]۔

بہاء الملک بھی ناصر الدین قباچہ کے وزراء میں سے تھا اور رکن الدین فیروز شاہ بن التتمش کے زمانہ تک زندہ تھا۔ لیکن ۶۳۳ھ کے آخر یا ۶۳۴ھ کے اوائل میں جب امراء نے فیروز شاہ سے بغاوت کی تو یہ اس کے ترک غلاموں کے ہاتھ سے امراء تازیک کے ساتھ قتل ہوا[۴]۔

عین الملک کی قابلیت اور علم دوستی کی وجہ سے دربار میں ہر وقت علوم و فنون کا چرچا رہتا۔ شعراء طبع آزمائی کرتے اور صلہ پاتے۔ وزیر نہ صرف وزیر سلطنت تھا۔ بلکہ دربارِ شاہی کی شمع انجمن بھی تھا۔ کہ جب تک جلتی رہے پروانے آ آکر اس پر گرتے رہے۔

عین الملک کی تعریف میں شعراء نے بے شمار قصائد لکھے ہیں۔ جو اس کی شہرت عامہ اور تسخیر قلوب پر دلالت کرتے ہیں۔ خود محمد عوفی اس کے معاصر نے لباب الالباب میں کئی مقامات پر قطعات اور مدحیہ نظمیں اس کی شان میں کہی ہیں۔ اور اسے بڑے بڑے القاب اور معزز الفاظ سے یاد کیا ہے[۵]۔ بلکہ یہاں تک کہہ گیا ہے کہ وزیر نظام الملک اور

---

[۱] ابوموسیٰ مشہور صحابی اور حکمین میں سے ایک تھے۔ [۲] لباب اور طبقات ناصری ص ۱۸۳ پر حسن کی جگہ حسین لکھا ہوا ہے۔ تاریخ فرشتہ اور راوندی نے حسن لکھا ہے جو بقول مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی صحیح ہے۔ اسلئے کہ دونوں بھائیوں کا ایک نام غیر معمولی ہے۔ ہم یہاں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ عین الملک کا نام اشعار میں کئی جگہ حسین وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے اسلئے دوسرے کا نام حسن ہونا چاہیئے۔ [۳] لب صفحہ ۱۴۴، ۱۶۲، ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۸۱، [۴] لب صفحہ ۱۸۳، ۲۶۱، تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۱۸، [۵] لباب جلد اول ص ۳، جلد دوم ص ۱ ۔

صاحب عبّاد بھی اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ حالانکہ یہ دونوں مربّی علوم نہ صرف اپنے وقت میں بلکہ ہر دور میں اپنی علمی سرپرستی کی بنا پر ضرب المثل کا حکم رکھتے ہیں بعوفی کا یہ قول ہم نہیں جانتے کہاں تک درست مانا جائے۔ اس نے ہم خیال کرتے ہیں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا ہے۔ ساتھ ہی یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ اس نے اپنی تصانیف وزیر موصوف کے نام پر معنون کی ہیں۔ اس لئے اس کو یہ رتبہ دینے میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہے ؛

وہ لکھتا ہے: "[1] اگر شعرا را ہیچ فضیلت نیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جمال و ماہِ آسمان کمال و یگانۂ بشر و دوم مطر و سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل مؤیّد منظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزرا است ضاعف اللہ علاہ، تمامست۔ ہر جواہر فاخر کہ خاطر فضلاء عصر و رمداتح ایں دولت در سلک نظم می کشند واسطۂ عقد منافر صدور غابر و وزراء اوّل و آخر ست صاحبی دولتی کہ اگر نظام الملک با ایں ہمہ انتظام در احیا بودی در صفّ خدّام ایستادی و اگر صاحب عبّاد با ایں استبداد جاہ فنا نوشیدہ بودی در عباد انتظام یافتی لاجرم دلہاء عالمیان بہواء و ولاء ایں حضرت منطق است و زبانہاء جہانیاں ثناء و دعاء این دولت منطق ؛"

ہمیں افسوس ہے کہ دانشمند اور مقبول عام وزیر کے حالات تفصیلاً دستیاب نہیں ہوتے جس سے ہمیں یہ موقعہ مل جاتا کہ ہم اسے "وزرای اسلام" کی صف میں شامل کر سکتے اور اس عہد کی ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود ہمارے لئے فخر کا باعث ہوتا ؛

ان پراگندہ سطور سے قارئین کرام اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ دربار ناصری میں علم کا چرچا کہاں تک تھا اور اس کے وجود سے علوم و فنون کی گرم بازاری اور شعرا کی قدر دانی کہاں تک تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ ہمارا یہ مضمون مواد کے لحاظ سے کوئی بڑی گنجائش

---

[1] لباب۔ جلد اول ص ۱۶، ۱۷ ؛

نہیں رکھتا۔ اس لئے شعرائے کرام اور ان کے نام اور کلام سے مجملاً ہی بحث کی جاسکتی ہے ۔

محمد عوفی جو اس دربار کا ایک مشہور تذکرہ نگار ہے۔ درباری تبصرے کے بعد صرف ان شعراء کا ذکر کرتا ہے۔ جن سے وہ خود ملا قی ہوا۔ یا جن سے اسے کچھ شناسائی تھی شعرائے سابق کے متعلق وہ اس لئے خاموش ہے کہ ان کا تذکرہ اجل محترم مجدالدولۃ والدین سید الافاضل والکتاب دام فضلہٗ نے اپنے دیوانوں میں کیا ہے۔ اور ان کے اشعار تمام وکمال درج کئے ہیں۔ جوامع الحکایات اور لباب الالباب کو بارہا اسلئے دیکھا گیا کہ اجل محترم کے متعلق کچھ حالات دستیاب ہوسکیں اور اس تحریر کا بھی جسے محمد عوفی نے اتنی اہمیت دی ہے کچھ پتہ لگ سکے لیکن وائے ناکامی کہ یہ سب تلاش ابھی تک بارآور نہ ہوئی۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ تحریر ہے جس کی بدولت ساتویں صدی کے ابتدائی علمی دور کی احیا ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ جب تک منظر عام پر نہیں آتی یہ باب مکمل نہیں ہوسکتا ۔

شعراء کے کلام سے سوائے مدحیہ قصائد اور قطعات کے اور کچھ نہیں ملا۔ ہاں بعض رباعیاں بھی نظر پڑتی ہیں۔ لیکن یہ ذخیرہ تبصرہ کے لئے کافی نہیں۔ لباب میں جن بزرگوں کا ذکر موجود ہے۔ ان کی تصانیف کے موجود نہ ہونے کی بنا پر ہم مفصل رائے زنی سے قاصر ہیں۔ تاہم کہا جاسکتا ہے کہ ان کے قصائد نہایت صاف اور سادہ زبان میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں قدیم شعرا کی تقلید اور تتبع کی کوشش موجود ہے ۔

یہاں یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف تذکرہ نگاروں نے بھی اس باب میں ہماری مدد نہیں کی۔ آتشکدۂ آذر۔ گل رعنا۔ مجمع الفصحا وغیرہم ہمیں کسی قسم کی جدید اطلاع دینے سے قاصر ہیں ۔

شمس الدین محمد بلخی

عوفی نے اسے سید الندماء، تاج الفضلاء، مفخر القدماء کے القاب سے یاد کیا ہے وہ

ایک بے نظیر نوجوان شاعر تھا جس سے بہتر شخص زمانہ نے اب تک نہ دیکھا۔ وہ ایک اعلےٰ پایہ کا کاتب بھی تھا۔ یہاں تک کہ ابن البوّاب اور ابن مقلہ اس کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے اور اغلباً یہ شعر اس پر صادق آتا ہے :-

از ہر فنی کہ باز جوئی اورا آن فن بیابدست گوئی اورا

عوفی اس کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے[1] " در شعر عدیل انوری و در خط عطارد مشتری"۔ اس کے علاوہ بڑے فضائل کا حامل۔ وسیع الاخلاق۔ کریم طبع لطیف مزاج دوست پروری اور مردم داری میں مشہور تھا۔ اور شاہ قباچہ کے مداحوں میں شامل تھا اس کا مشہور قصیدہ یہ ہے :-

ای لب لعلت مزاج آب حیواں یافتہ [2]بر جہان دلبری حسن تو فرماں یافتہ

شہسوار حسن در میدان خوبی مر ترا بر کمیت دلربائی تیز جولاں یافتہ

روز عید از گرد یکرانت مشام عاشقان نکہت مشک تتار از خاک میداں یافتہ[3]

فضلی ملتانی[4]

یہ جید عالم اور فاضل محترم صاحب فضیلت و شمائل ابنائے کبار اور علمائے نامدار میں سے تھا۔ فضلی محمد عوفی کا ہم مکتب ہے۔ اور بخارا میں قاضی امام فخر الدین جان کی تالیف جامع الصغیر دونو نے ساتھ ساتھ حفظ کی تھی۔ چنانچہ اس کے الفاظ میں[5] "چہ جامع الصغیر قاضی امام فخر الدین جان را تمام یاد میدارد و در بخارا شریک غم ایں داعی بود و ہر دو ایں

---

[1] لباب جلد دوم ص ۴۲۱، [2] یہ مصرع میں نے مخزن الغرائب (احمد علی سندیلوی) مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب سے حاصل کیا ہے [3] پورے قصیدے کے لئے دیکھو لباب جلد دوم ص ۴۲۱-۲۲-۲۳ [4] لباب کے مطبوعہ نسخے میں شاعر کا نام مذکور نہیں۔ لیکن گل رعنا میں مل گیا۔ چونکہ صاحب گل رعنا نے اسے ملتانی لکھا ہے۔ اسلئے میں نے بھی تقلیداً ملتانی لکھ دیا ہے۔ [5] لباب جلد دوم ص ۴۲۳ ۔

تالیف را حفظ کردند و بحث کرد و ائمہ و علما دانند کہ ایں چہ سرمایہ است۔"

بخارا میں یہ تالیف ان ایام میں مقبول عام تھی۔ علماء اس کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محمد عوفی آگے چل کر لکھتا ہے[1]۔" فاما چوں بدیں دیار و بلاد ایں نوع را وسیلت حصول مقصود خود بشناخت و شعر شعرا را رونقی دید۔ . . . بدانست شیوہ نمود شعر او از شعر متقدماں . . . ." لچھمی نرائن گل رعنا میں لکھتا ہے "فضلی ملتانی ملقب بتاج الفضلا از علماء ملتان بود و در خدمت ناصر الدین قباچہ بصر میبرد۔"

ایک قصیدے کے علاوہ چند رباعیات بھی ہیں جو مختلف مواقع پر ناصر الدین قباچہ کی شان میں جسے عوفی صاحب قران کے لقب سے یاد کرتا ہے لکھی ہیں۔

قصیدۂ ذیل سلطان ناصر الدین کی مدح میں کہا گیا:۔

اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ — نامۂ تائید تو انا فتحنا آمدہ
ناصر دیں خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق — ای مہ چتر تو بر گردون مینا آمدہ
از پی اعلاء دیں نصر من اللہ در ازل — بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ
حلیۂ خطبہ[2] ز القاب تو زینت یافتہ — چہرۂ سکہ ز انساب تو زیبا آمدہ[3]

رباعی آیندہ اس نے شرف الملک رضی الدولۃ والدین کے حق میں کہی۔

ای صدر بفر ملک عجم چون تو نیافت — شہ صاحب فرخندہ قدم چون تو نیافت
بسیار بگشت روز و شب دست بدست — تیغ و قلم و عدل و کرم چون تو نیافت

ضیاء الدین سجزی

فخر الشعرا کے لقب سے مشہور تھا۔ دربار کے سرکردہ فضلاء میں سے ہونیکے علاوہ

---

[1] لباب جلد دوم ص ۴۲۳-۲۴ ، [2] لچھمی نرائن نے صرف مطلع پر ہی اکتفا کی ہے ، [3] لباب میں صرف 'خط' لکھا ہوا ہے [4] پورے قصیدے کے لئے دیکھو لباب جلد دوم ص ۴۲۴-۲۵

اقبال بھی اس کے آستانہ نشینوں میں تھا۔

یہ ایک قصیدہ اسی کا ہے :-

خیل لالہ کز کمین گاہ بہار آمد پدید — بر بساط باغ آنک بازمانہ دروغاست
ابر خلقان خرقہ را بر چار سوی شش جہت — پیرہن عشاق وار از آرزوی گل قباست
از گل سوری پدید آمد مگر سور چمن — ارغنوں پرداز سوری عندلیب خوش نواست
گرچہ از طفلان نوعہدست پر آغوش باغ — قد خشبوی بنفشہ از غم پیری دوتاست[1]

" ——— "

ایک اور شاعر لباب الالباب میں جس کا نمبر (۱۶۶) ہے۔ اور صدر الاجل جس کی ابتدا میں آتا ہے۔ نسخۂ اصل کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے نام ضائع ہوگیا ہے۔ قصیدۂ ذیل کا مالک ہے۔ بقول عوفی 'صاحب السیف والقلم' اس کا خطاب ہے۔ اور سلطان جلال الدین نے اس کو 'بغروش' خطاب دیا تھا۔ یہ شاعر ایک مدت تک ممالک بامیان میں مقیم تھا۔ اور ریاست سمنگان اور تنبرک پر ممتاز تھا۔

ذیل کا قصیدہ جو سوال و جواب پر مشتمل ہے۔ عین الملک اشعری وزیر قباچہ کی مدح میں ہے :-

گفتم بدان نگار کہ خورشید انوری — گفتا زوی نکوترم از نیک بنگری
گفتم کہ دلربائی جانا زعاشقان — گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری
گفتم مہ چہاردہ بر سپہر حسن — گفتا مہ مراست ہزارا ز تو مشتری
گفتم ببندگی تو اقرار می کنم — گفتا چو تو بسیست کنونم بچاکری
گفتم کہ جان بنرد تو آرم بخدمتی — گفتا کہ تحفہ الیست زبی سیمی و زری[2]

---

[1] پورے قصیدے کے لئے دیکھو لباب جلد دوم صفحہ ۴۲۸-۴۲۷ [2] باقی کے لئے دیکھو لباب جلد دوم صفحہ ۴۱۹-۴۲۰

سدیدالدین[1] محمد عوفی

سدیدالدین محمد عوفی کی شخصیت محتاج بیان نہیں۔ لباب الالباب جو شعرا کا مشہور تذکرہ ہے۔ انہی کے قلم کی یادگار ہے۔ جب تک تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے محققین کو اس شاہکار کے بغیر چارہ نہیں۔ ان کی ایک اور تالیف جوامع الحکایات ہے۔ جو اپنے موضوع پر ایک چوٹی کی کتاب ہے۔ اول الذکر پروفیسر براؤن اور مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے زیر ترتیب شایع ہو چکی ہے۔ جوامع الحکایات کے مطالب اختصار کے ساتھ ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے بزبان انگریزی تحریر کئے ہیں[2] عوفی کے مکمل حالات میرے پیشروؤں نے قلمبند کر دیئے ہیں۔ یہاں ناظرین کرام کے تعارف کی خاطر ان کے مختصر واقعات زندگی پیش کئے جاتے ہیں:۔

سدیدالدین محمد۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف صحابۂ رسول صلعم کی اولاد سے تھے اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو عوفی کہتے ہیں۔ ان کے جد امجد قاضی امام شرف الدین ابوطاہر یحییٰ علماء ماوراء النہر سے تھے۔ اور ایک بڑی شہرت کے مالک تھے۔ انکے خالو شرف الزمان مجدالدین[3] محمد بن ضیاء الدین عدنان السرخکتی سلطان قلج طمغاج خان بن ابراہیم کی سلک خدمت میں طبیب خاص کی حیثیت سے سرفراز تھے۔

محمد عوفی قرن ششم کے اواخر میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اس شہر میں حاصل کی۔ امام رکن الدین بخارا میں انکے استاد تھے۔ اسکے[4] بعد تلاش علم و نیاز شیوخ کے لئے بخارا سے نکلے اور مختلف مقامات مثلاً سمرقند۔ خوارزم۔ نیشاپور۔ ہرات۔ اسفزار

---

[1] محمد عوفی کا لقب مدت سے نورالدین چلا آتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نظام الدین نے ثابت کیا ہے کہ سدیدالدین صحیح ہے چنانچہ ہم یہی اختیار کرتے ہیں۔ [2] ان کے حالات لباب جلد اول صفحہ ۱۸۱-۱۷۹ پر دیکھیں [3] جوامع الحکایات صفحہ ۴۷ جلد اول، Introduction to Jawami P. 7.

غزنی وغیرہ میں کئی سال اقامت کرتے ہیں۔ اور اس اثنا میں قلج ارسلان خان نصرۃ الدین عثمان بن ابراہیم کے دربار سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور بڑا قرب پاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہیں ۶۱۷ھ کے لگ بھگ دربار ناصری میں دیکھتے ہیں۔ یہاں انکی اقبالمندی کا ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ اور تیزی کے ساتھ عروج کی منازل طے کرنی شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ افاضل وقت میں شمار ہونے لگتے ہیں ؛

دربارِ ناصری میں پہنچتے ہی وہ اپنی قابلیت کی بنا پر ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو واعظ اور امامت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بس یہاں سے ہم ان سے ایک ہندوستانی فارسی شاعر اور تذکرہ نگار کی بنا پر متعارف ہوتے ہیں ؛

عیدین کے دنوں میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انکا ایک عربی خطبہ جو ۶۱۷ھ کے ابتدائی ایام میں پڑھا گیا۔ لباب میں بجنسہٖ منقول ہے[1]۔ اس سے مصنف کی عربی دانی کا پایہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے۔ اس خطبہ میں بعض سیاسی امور پر بھی تبصرہ ہوا ہے ؛

اب ہم تذکرہ نگار کے چند قطعات۔ رباعیات اور قصائد درج ذیل کریں گے جو مختلف کوائف سے تعلق رکھتے ہیں ؛

نصرۃ الدین شاہ کبود جامہ[2] جو ۶۲۰ھ میں بحکم سلطان علاء الدین خوارزم شاہ قتل کر دیا گیا۔ عوفی اپنے سیر و سفر کے دوران میں شہر نو میں جو کبود جامہ کا شہر ہے پہنچتا ہے۔ اور رسائی چاہتا ہے۔ نصرۃ الدین عیش پرست اور شراب دوست تھا۔ اسے دربار میں بلانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ عوفی ناچار رباعی ذیل اس کی خدمت میں بھیجتا ہے،

ای شاہ ببذل بحر و کانی دگری در قالب عدل جانی دگری
زان روی کبود جامہ میخوانندت کز رفعت و قدر آسمانی دگری

---

[1] لباب جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۵ [2] کبود جامہ کہنے کی وجہ رباعی مذکور کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎
زان روی کبود جامہ میخوانندت ؛ کز رفعت و قدر آسمانی دگری ؛ صاحب مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۵۰۰ کبود جامہ پر یوں بحث کرتے ہیں۔
"کبود جامہ لقبِ شہی است کہ در ربیانۂ استرآباد و خوارزم می نشستہ اند و شہری دانشمند موسوم بہ شہر نو (نصرۃ الدین) پادشاہ آن طائفہ بود ؛

زیادات وتصحیحات

ذیل کے مطابق اضافہ و تصحیح کر لی جائے :-

الأبرش کے تحت بخرج کی بجائے بَخْرَج پڑھیں ۔

ابن احمر ۱۷ : ۱۲۹ ، ۱۸ : ۱۰۵ ؛

الأحوص ۱۸ : ۴۹ (؟) ؛

الأحول اليشكرى (اسمه يَعْلَى) ۱۷ : ۴۰۰ ؛

ابو أخزم الطائى ۱۷ : ۱۱۰ ؛

الأخطل ۱۷ : ۲۹۶ ، ۱۸ : ۱۱۴ ؛

الأسدى ۱۷ : ۹۲ ؛

الاشعر الرقبان کے آخر میں لکھیں : (نیز ملاحظہ ہو عمرو بن حارثۃ)۔

الاعشى ۱۷ : ۱۹ ، ۲۱ ، ۲۷ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۷۲ ، ۸۶ ، ۸۸ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۴ ، ۱۰۱ ، ۱۱۳ ؛

الاعشى الحرمازى ۱۷ : ۲۴ ؛

أعصر بن سعد بن قيس ... ۱۸ : ۲۱۸ ؛

الأغر ۱۷ : ۳۸۲ ،

الاغلب العجلى ۱۷ : ۳۷ ، ۱۸ : ۲۵۴ ؛

ام البنين بنت عتيبة بن الحارث ۱۷ : ۳۶۰ (؟) ؛

أمية بن الصلت الثقفى ۱۶ : ۲۳ (؟) ،

الاهتم بن سمى کے آخر میں لکھیں ، (بحوالہ کتاب الشعر اور کتاب الاشتقاق صحیح لقب

الاھتم ہے)

تُبَّع ۲۰ : ۲۹۳ ؛

جِران العَود ۱۹ : ۱۳۴ ، ۲۰ : ۱۱۰ ؛

ابوجَرْوَل الجُشَمی (اسمہ ھند) ۱۷ : ۸۴ ؛

جریر ۱۷ : ۱۱۵ ، ۱۸ : ۱۸۹ ، ۲۰ : ۱۲۳ ؛

ابوجعفر المنصور — ملاحظہ ہو منصور (ص۳۰ س ۱۵ کے بعد لکھیں)

جَنْدَل (؟) ۱۸ : ۱۰۵ ؛

جَنْدَل بن المثنی الطھوی ۱۷ : ۱۳۴ ، ۱۸۸ (؟) ؛

حبیب بن مر (؟) کی بجائے حبیب بن مِرْقال العبدی (او العَنْبَری) پڑھیں ۔

حَجْل بن نَضْلۃ ۲۰ : ۳۷۴ (؟) ؛

الحَذْلَمی ۱۷ : ۱۳ ، ۲۰ : ۲۱۳ ؛

حَذَیْفَہ بن بَدْر (جدّ جریر) — ملاحظہ ہو الخَطَفَیٰ (فہرست ص۳۶ س۱۳ کے بعد لکھیں ۔)

الحزین اللیثی ۱۷ : ۳۷۹ (؟) ؛

الحطیئۃ ۱۸ : ۹۶ ؛

بنت الحُمارِس ۲۰ : ۲۷۰ ، کی بجائے ۲۰ : ۳۷۰ پڑھیں ۔

حمید بن ثور ۱۸ : ۶۸ ؛

حنظلۃ بن شَرْقیّ — ملاحظہ ہو ابوالطمحان (ص۴۲ س ۸ کے بعد لکھیں)

ص۴۲ س ۱۳ جَیان کی بجائے حَیّان پڑھیں ۔

خالد بن جعفر بن کلاب کے تحت ۱۷ : ۱۶۴ ، قلمزن کر دیں ۔

خِطام المُجاشعی ۱۷ : ۱۴۱ (؟)؛
خفاف بن ندبة ۱۹ : ۳۲۸ ؛
دُکَین بن رَجاء ۱۷ : ۵۷ (؟)؛
دلم العَبْشَمی ۲۰ : ۸۴ (یہاں ابوذغب مرقوم ہے)؛
ابن الدُّمَینة (ص۴۹ س ۱۷، ۱۸) دو مرتبہ اندراج غلط ہے۔ ایک ہی مرتبہ
ہونا چاہیئے۔ نیز ۱۱: ۲۸۱ کی بجائے ۱ : ۲۸۱، پڑھیں)
ابو دواد الایادی ۱۷: ۲۳۷ (؟)، ۳۴۱ ؛
ذوالرمة ۲۰ : ۳۴۱ ؛
ابوذؤیب ۱۷ : ۱۰۹، کے بعد لکھیں : (یہاں ابوذئب مرقوم ہے۔)،
۱۴۶، ۱۸ : ۲۹، ۱۶۸ ؛
ابن الرِّقاع ۱۸ : ۱۸۰ ؛
رؤبة ۱۷ : ۴۲، ۲۰ : ۱۸۲، ۲۴۵، ۲۶۴، ۲۷۳ ؛
ابوزہیر الطائی ۱۶ : ۲۹۴، ۱۷ : ۵۳، ۱۳۷ ؛
زہیر (بن ابی سُلمیٰ) ۱۷ : ۲۷، ۲۷۳، ۲۸۱، ۳۱۰، ۱۸ : ۶۰؛
زیاد الاعجم ۲۰ : ۳۲۱ ؛
زید بن حارثة ۱۷ : ۲۲۲ (؟)؛
زید بن کَثْوَة (کَثْوَة اُمّہ) ۲۰ : ۷۹ ؛
سالم بن دارة (التغلبی) ۱۷ : ۲۵۹ (؟)؛
ابوسِدْرة الاسدی (راوالھُجَیمی) ۱۷ : ۴۲۴ ؛
ابن السکیت ۱۶ : ۱۶۲ ؛
سلیمان بن ربیعة بن دَبّاب ... ۱۶ : ۲۲۱ ؛

الشَّمَرْدَل بن شریك الیربوعی ۲۰ : ۲۰۵ (؟)؛
ضابئ البُرْجمی ۱۷ : ۹۲ (؟)، ۲۱۱ کی بجائے ۱۷ : ۹۲ (؟)، ۱۸ : ۲۲۱، پڑھنا چاہیئے۔
الطائی ۲۰ : ۱۶۷؛
طرفة (بن العبد) ۲۰ : ۱۶۸؛
الطرماح (بن الحکیم) ۱۰ : ۲۹۱ (؟)، ۱۷ : ۴۲، ۱۹ : ۶۹، ۲۴۵؛
طُرَیح ۱۷ : ۱۲۱؛
طفیل ۲۰ : ۱۹۰؛
ابو الطمحان ۱۷ : ۷۷، کے بعد لکھیں : (یہاں ابو الطحان مرقوم ہے) ۱۹ : ۳۱۱، پڑھنا چاہیئے۔
عامر بن الجحلان الهذلی کے آخر میں لکھیں : (نیز ملاحظہ ہو ابن الجحلان الهذلی)۔
عامر بن مؤالة واسمه معقل ۱۸ : ۱۵۱؛
العامریّة ۲۰ : ۱۳۷؛
عبد الله بن عَنَمَة الضبی ۱۹ : ۱۴۳ (؟)؛
عبد الله بن هَمّام السلولی کے آخر میں یہ اضافہ کریں : (نیز ملاحظہ ہو ابن هَمّام السلولی)۔
عبد بنی الحسحاس ۲۰ : ۳۶۵، کی بجائے ۲۰ : ۲۶۵، پڑھیں۔
بنت عبد الحرث الیربوعی ۱۷ : ۳۶ (؟)، کی بجائے ۳۶۰ (؟)، پڑھنا چاہیئے۔
عبد الرحمن بن الاحوص ۱۸ : ۸۰ (؟)، (عبد ربه السلمی کے بعد لکھیں)

عبد المسیح بن عسلة ۲۰ : ۱۱۷ ؛
العجاج ۱۷ : ۲۰ ، ۱۹ : ۲۳۶ ، ۳۱۲ ، ۳۱۹ ، ۳۴۷ ، ۲۰ :
۱۸۳ ؛
عدی بن زید ۱۹ : ۳۲۵ ؛
عَنْتَرة (بن شداد) ۲۰ : ۳۱۲ ؛
غادیة الدبیریة ۱۷ : ۱۵۳ (؟) ؛
الفُرَیْعَه بنت همّام (هی اُمّ العجّاج) ۲۰ : ۱۶۳ ؛
قعنب (بن ام صاحب) ۱۷ : ۴۹ ؛
ابو قلابة الهذلی ۱۷ : ۱۰۰ ؛
قیس بن ذُرَیح ۱۸ : ۲۲۱ ؛
قیس بن زهیر ۱۰ : ۲۸۶ (؟) ؛
کعب بن زهیر ۱۷ : ۳۳۴ ؛
الکمیت بن زید الاسدی ۱۸ : ۲۵۸ ، ۲۰ : ۲۴۳ ؛
لبید ۱۷ : ۳۸۵ ، ۴۱۴ ، ۲۰ : ۱۶۲ ، ۲۰۷ ؛
لیلی الاخیلیة ۲۰ : ۸۳ ، ۲۰۵ (؟) ؛
المأثور المحاربی (جاهلی) ۱۸ : ۱۱۹ ؛
مالك بن الریب المازنی ۱۷ : ۹۳ ؛
ابو مالك بن الریب کے تحت ۱۷ : ۹۳ ، قلمزن کردیں ۔
ابن محکان ۲۰ : ۲۰۷ ، (محکان کی جگہ محکان پڑھنا چاہیئے ، دونوں
مقامات پر ایک ہی شعر درج ہے ۔)
ابو محمد الحذلمی ۲۰ : ۲۷۶ ؛

المخبل السعدی ۱۹ : ۵۹ ؛
مُدرِك بن حِصْن ۱۷ : ۱۵۳ (؟) ؛
مسافر بن ابی عمرو ۲۰ : ۱۰۰ ؛
مُعَلِّس الاسدی ۱۹ : ۱۹۱ ؛
ابنہ المنذر ۱۰ : ۲۹۹ ؛
منصور کے بعد توسین میں لکھیں (ھو ابو جعفر المنصور)
منظور بن مَرْثد ۱۹ : ۱۱۲ (؟) ؛
ابن مَیّادَۃ ۱۷ : ۲۵۹ (؟) ؛
نابغۃ الجعدی ۱۷ : ۴۰، ۲۰ : ۲۴۱ ؛
نابغۃ (الذبیانی) ۱۷ : ۲۳۷، ۱۹ : ۴۸ ؛
ابو النجم ۱۸ : ۲۴۰ ؛
ابو نُخَیلۃ (ھو ابو المَضاء) ۲۰ : ۱۵۳ ؛
ابو نخیلۃ السعدی ۲۰ : ۱۷۲ ؛
نصیب ۱۷ : ۴۲۹ ؛
النعمان بن نَضْلۃ العدوی ۱۸ : ۱۴۸ ؛
ابو وَجْزۃ ۱۷ : ۱۸۹ ؛
وَرْقاء بن زُھیر ۱۷ : ۱۶۴ ؛
یزید بن المُغَرِّغ الحِمْیَری ۱۸ : ۲۹۷ ؛

نوٹ (۱) فہرست اسماء الشعراء لسان العرب میں ان نسبتوں کو تو شامل کر لیا گیا ہے، جو یائے نسبتی کے ساتھ مذکور ہیں۔ جیسے الھذلی، التمیمی وغیرہ۔ لیکن جہاں اشعار کو اس طرح منسوب

کیا گیا ہے : "قال" رجل من بنی فزارۃ" یا " امرأۃ من بنی کلاب" یا " احد بنی یربوع" وغیرہ، تو ان صورتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔

(۲) فہرست میں بعض جگہ "معجم الشعراء" کا حوالہ درج کیا گیا ہے، اس سے مراد معجم الشعراء اور المؤتلف والمختلف ہیں، جو تصحیح ڈاکٹر کرنکو، مکتبہ قدسی کی طرف سے اکٹھی شائع ہوئی ہیں۔ سہولت کی خاطر صرف معجم الشعراء پر اکتفا کیا گیا ہے ۔

عبدالقیوم

اطلاع

فہارس لسان العرب

فہرست دوم

فہرس القوافی

لسان العرب میں جس قدر اشعار اور انصاف الابیات

مذکور ہیں۔ ان کی فہرست اب بالکل تیار ہے، اس کو

باقساط ہدیۂ قارئین کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز ؛

فہارس لسان العرب

حصّہ دوم

فہرست قوافی

مرتبہ

عبدالقیوم، ایم اے،

میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ

پنجاب یونیورسٹی

سنہ ۱۹۳۸ء

فہرس القوافی

چند تشریح طلب امور

اس فہرست قوافی کی ترتیب میں "عیون الاخبار" مطبوعہ دار الکتب المصریہ کی فہرس القوافی کے اصول پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ یعنی شعر کا کلمۂ اول و آخر صدر البیت اور قافیہ کے ماتحت ترتیب ہجائی اور بیان عروض کے ساتھ مندرج ہیں۔ ہر حرف کے ماتحت بحور کے اعتبار سے علامت روی (ـُ)، (ـِ)، (ـَ)، (ـْ) کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہٗ، ہٖ، ھَا، ہٗ ترتیب ہجائی کے تحت بحر وار مذکور ہیں۔ البتہ عَمَاہُ، سواھا، یلقاہُ وغیرہ قبیل کے قوافی کو حرف "ھ" کے تحت ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔

اشعار رجز میں مصراع اول کا ابتدائی اور آخری کلمہ درج کیا گیا ہے لیکن جہاں کسی رجز بشعر کے دونوں "قافیے" یکساں نہیں ہیں، اس جگہ عام دستور کے مطابق مصراع ثانی کا قافیہ مرقوم ہے (۱۶ : ۱۵۷، سطر اول)۔

بعض مقامات پر شعر رجز کا ہر یک مصراع صوتی اعتبار سے تو ہم قافیہ ہے۔ لیکن شکلی اور صوری لحاظ سے آخری حروف جداگانہ ہیں، جیسے ظِ اور ذِ (۷ : ۱۸۳، سطر نیچے سے ۵)۔ ایسے اشعار دونوں حروف کے تحت درج فہرست ہیں۔

بعض اوقات بحر رجز میں مصراع اول و ثانی کے قوافی مختلف حروف کے تحت آسکتے تھے، جیسے عجاج کا شعر (۱۱ : ۴۷،)

وَمَرْبَعًا عَالِي لِمَنْ تَشَرَّفَا اَشْرَفْتُهُ بِلَا شَقًى اَوْ بِشَفَا

لیکن دستور کے مطابق مصراع اول کا کلمہ آخر ہی داخل فہرست کیا گیا ہے ۔

جب ایک بیت کے دونوں "قافیے" یکساں واقع ہوئے ہوں (۱۶ : ۱۲۶، شعر لبید) تو مصراع اول کے آخر کلمہ کو درج کیا گیا ہے ۔

بعض جگہ روی ——— قافیہ کا حرف آخر ——— م ، ن ، ن اور م اکٹھے کر دیئے گئے ہیں (۱۸ : ۲۶۷) ۔ ایسی صورت میں چاروں قافیے اپنی اپنی جگہ پر شامل فہرست ہیں ۔

نیز بعض جگہ "اقواء" کے سبب رفع (ـُـ) و جر (ـِـ) کا اجتماع ہو گیا ہے ۔ (۲۰ : ۱۷۱) ۔ ایسی حالت میں دونوں صورتیں شامل فہرست ہیں ۔

اگر ایک شاعر کی ایک ہی نظم کے ایک سے زائد اشعار ایک ہی صفحہ پر درج ہوئے ہیں تو صرف پہلا شعر داخل فہرست کیا گیا ہے ۔ باستثنائے (۲۰ : ۲۰۰) ، یہاں شعر اول چند سطروں کے بعد ایک لمبی نظم میں مکرر مذکور ہے ۔ اس صورت میں شعر اول نظر انداز کر کے بعد کی نظم کا بیت اول درج فہرست کیا گیا ہے ۔ اسی طرح اگر ایک ہی صفحہ پر ایک شعر کے اندراج کے بعد کچھ فاصلہ پر اس کے ماقبل و مابعد اشعار درج ہوئے ہیں تو وہ شامل فہرست نہیں کئے گئے ۔ (۷ : ۱۶۴، سطر ۱۵) پر ایک شعر مندرج ہے اور مابعد کے دو شعر ص ۱۶۵ پر منقول ہیں جو شامل فہرست نہیں کئے گئے ۔ صرف ص ۱۶۴ کا شعر درج فہرست ہے ۔

اگر ایک شعر یا اس کا کوئی مصراع ایک سے زائد مرتبہ ایک ہی صفحہ پر مذکور ہے تو ہندسۂ صفحہ پر خط کھینچ دیا گیا ہے ۔ اور اگر کسی دوسرے صفحہ پر منقول ہے ۔ تو قوسین میں اس صفحہ کا حوالہ دے کر مصراع اول کے لئے (ص) اور مصراع ثانی کے لئے (ع) کا اضافہ کر دیا گیا ہے ۔ لیکن اگر ایک شعر مختلف مقامات پر آیا ہے ، اور کہیں اسکے ساتھ اسی قصیدے کے زیادہ اشعار درج ہیں اور کہیں کم ، تو کم اشعار کا حوالہ

قوسین میں علامتِ مساوی کے ساتھ درج کیا گیا ہے ۔

جہاں ایک سے زائد مرتبہ شعر مذکور ہے اور مختلف مقامات پر کلمۂ اول یا آخر میں اختلافِ قرأت ہے تو ایسی صورت میں اس کلمے کے ساتھ قوسین میں باضافہ "او" درج کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اختلاف قرأت کا حوالہ نہیں دیا گیا ۔

جلی ہندسہ جزء اور خفی صفحہ پر دال ہے۔ مشکوک مقامات کے لئے علامت استفہام (؟) استعمال کی گئی ہے ۔

اس جگہ یہ ذکر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ فہرست "انصاف للابیات" میں جو اس فہرست کے بعد آئے گی وہ مصاریع بھی درج ہوں گے جو صاحب "لسان العرب" نے نقل کرتے وقت اس طرح لکھے ہیں: "وفی حدیث سطیح"، لیکن سطیح کو فہرست شعراء میں درج نہیں کیا گیا ۔

لسان العرب کی فہارس کی ترتیب و تکمیل میں میں اپنے محترم استاذ پرنسپل محمد شفیع صاحب (ایم۔اے۔ کینٹب) مدظلہ۔ بیس دار العلوم مشرقی و صدر شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود ہر موقع پر میری رہنمائی فرمائی۔ مجھے یہ کہنے میں بالکل باک نہیں کہ اگر استاذ مکرم کی شفقت آمیز ہدایات اور مسلسل اعانت ساتھ نہ ہوتی تو اتنا بڑا اور اہم کام کبھی بھی تکمیل پذیر نہ ہو سکتا تھا ۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء

عبد القیوم

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة

ع

فلا	سَواءُ	طويل	٣	٩
اذا	وِراءُ	〃	٤	٦٠
وسِبّانِ	سَواءُ	〃	٨	٣٧٤
فجاءَت	لِواءُ	〃	٩	١٨٠
وإنّي	رِخاءُ	〃	١٥	٣٨٣
ضَوامِنُ	أداءُ	〃	١٧	١٢٦
لَعلّكَ	بَداءُ	〃	١٨	٧٠ (٦٠)
فيا عَجَبًا	جُماعُ	〃	١٨	١٦٧
لَيالِيَ	رِثاءُ	〃	١٩	١٢
لهم	فَقَضاءُ	〃	١٩	٢٢
رفَعْتُ	رِداءُ	〃	١٩	٣٢
فيا بُعْدَ	سَفاءُ	〃	١٩	١١٣ (١١١ ع)
وما	سَفاءُ	〃	١٩	١١٣ (١١١ ع)
يَجُبْنَ	سِقاءُ	〃	١٩	١١٥
عَليكِ	قَلاءُ	〃	٢٠	٦٠
تَرُضّ	هُماءُ	〃	٢٠	٢٢١
أبامُعاوِيَ	عَزّاءُ	〃	٢٠	٢٦٩
بَنَتْ	النَّواؤُها	طويل	٢	١٥٢
لئن	فَضاؤُها	〃	١٧	١٤١ (١٤٠)
وجارةٍ	داؤُها	〃	١٩	٩٨
بِها	الصَّوْنُ ضَحاؤُها	〃	١٩	٢١٠
فآخرُهُم	مُهيّعُ	〃	١	١٧٥
فاوَهْ	اوْفارَوْ سَماءِ	〃	١٧	٣٦٥ (٥٦:١٨)
فَقُلْتُمْ	صُداءِ	〃	١٩	١٨٩
ووَفْراءَ	بِرِشائِها	〃	١٠	٢٩١ (٣٢٣:١٩)
من الآكِلين	الماءَ	〃	١٣	١٩
الى	مُهْراءَ	〃	١٨	٢٠٢
طَعَنْتُ	أضاءَها	〃	٥	٥٢ (١٠٤:٦٥)
مَلَكْتُ	وراءَها	〃	٧	٩٦ (١٢:٣٨٥)
وكنتُ	غِطاءَها	〃	١٧	٢٤٩
ثأرتُ	إزاءَها	〃	١٨	٣٤

صدر البیت قافیتہ	بحرہ	مجلد	صفحۃ
اِنْ تَلْقَ شَاءُ	بسیط	۱	۱۶ (۹: ۴۳۵)
تَرَی اصْغَاءُ	″	۱۹	۱۹۴
انی بِبَزْلَاءِ	″	۱۳	۵۵
قُلْ صَمَّاءِ	″	۱۵	۲۳۵
قالوا أَنْدَاءِ	″	۱۵	۳۹۵
هَلَّا بِأَسْوَاءِ	″	۱۹	۱۳۴
وَمُرَيِّحٍ هَائِی	″	۲۰	۳۷۳
کَأَنَّ هَوَاءُ	وافر	۱	۱۶ (۲۰: ۳۲۴؛ ۱۴: ۲۳۲)
رَأَيْتُ بُرَاءُ	″	۱	۲۴ (۱۸: ۲۶۸)
بَسَأْتُ رَوَاءُ	″	۱	۲۵
فَلَمْ يُسْتَبَاءُ	″	۱	۳۰ (۳۵: ۴۳۵)
وجاء الرَّجَاءُ	″	۱	۴۵
بآبزة خِلَاءُ	″	۱	۶۲ (۷: ۶۹؛ ۱۱: ۶۹۴)
وقد نَشَاءُ	″	۱	۲۳۷ (۱۸: ۱۱۶؛ ۲۰: ۱۹۸)
وَرُجَّتْ الدِّمَاءُ	″	۲	۷۷
اذا الاَوْلَانِ[1] الشِّتَاءُ	وافر	۲	۱۰۰ (۱۹: ۱۴۹؛ ۲۰: ۵۶)
تُوَلِّيهَا لِحَاءُ	″	۳	۱۲
يَخِرُّ وِقَاءُ	″	۳	۱۵
يَشُجُّ الرِّشَاءُ	″	۳	۱۲۸ (۲۰: ۲۴۹؛ ۲۴۸ع)
وبَعْضُ إِتَاءُ	″	۳	۱۵۴ (۱۸: ۱۹)
قِفَا وَانْثِنَاءُ	″	۳	۱۵۶
يُلَجْلِجُ داءُ	″	۳	۱۸۰ (۸: ۳۸۴؛ ۱۳: ۴۰۷)
(أَوْ تُلَجْلِجُ)			
فَإِنْ يَشَاءُ	″	۳	۱۹۸
ويأخُذُهُ الرِّدَاءُ	″	۳	۲۱۰
جَرَتْ اللِّقَاءُ	″	۳	۳۲۱ (۱۳: ۳۸۷)
لَدَدْتُهُمْ فَقَاؤُا	″	۴	۳۹۶
کَأَنَّ دُعَاءُ	″	۴	۴۰۰
أَتَهْجُوهُ الفِدَاءُ	″	۴	۴۳۰

[1] (۲: ۱۰۰) "اذا کی بجائے "اِذَانِ" ہے، لیکن دیوان حلیہ میں "اذا" ہی مرقوم ہے۔

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وجبريلُ كِفاءُ		وافر	٥	١٨٤
فانكُمُ العَبَاءُ		″	٥	٣٣٨
أنا ابنُ رداءُ		″	٦	٤
وأنصابُ الدِّماءُ		″	٦	٤١٦
أنا القَطِرانُ هِناءُ		″	٦	٤١٧ (٤ : ١٠٥ أو شِفاءُ)
تَظَلُّ النِّساءُ		″	٧	٢٩ (١٥ : ٢٦٢)
فإنَّ جَلاءُ		″	٧	٤٨ (١٠ : ٥٥٨ ؛ ١٣ : ٤٣٨)
ومَجْلَفُ رواءُ		″	٨	٢٠٨
فإنَّ وِقاءُ		″	٩	٣٢
وقال اللِّقاءُ		″	٩	٤٩
بَليدٌ الخِفاءُ (؟)		″	٩	١٧١
يُرَجِّعُ الدِّلاءُ		″	٩	٢٢٤ (١٥ : ١٦١)
وتُوقِدُ لِواءُ		″	٩	٤٠٥
اذا لَمْ تَشاءُ		″	١٠	٨١
أَلا هَواءُ		″	١٠	٣٧٩ (٢٠ : ٢٤٧)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وأُعرِضُ الْطِواءُ		وافر	١٠	٤١٢
ولم والْتِواءُ		″	١٠	٤١٥ (٢٠ : ٢٢٣)
الا الوَلاءُ		″	١١	١٨٩
وما بَلاءُ		″	١٢	٣٩٢
هُنالِكَ الإتاءُ		″	١٣	٦٠ (١٨ : ٩ ؛ ١٩ : ١٣٤)
فسِبْطٌ كَرْبَلاءُ		″	١٤	١٠٦
وجاءت الرِّعاءُ		″	١٥	١٩٣
فَتُجْمَعُ الدِّماءُ		″	١٥	٣٨٣ (١٧ : ٣٥٥)
وما نِساءُ		″	١٥	٤٠٨ (١٦ : ٢٧٧)
اذا كان الشِّتاءُ		″	١٧	٢٤٧
يراه والإباءُ		″	١٨	٣
يَشِمْنَ العَماءُ		″	١٨	٣٠
هُمُ الإساءُ		″	١٨	٣٦
فإنَّ أساؤُا		″	١٨	٣١
فانتُمُ الأكاءُ		″	١٨	٤٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وانَيْتُ الأَناءُ (والكَرَيْتُ)		وافر	١٨	١٥١ (٢٠ : ٥٨)
يُبارِيْنَ الظِّماءُ		″	١٨	٧٧
جِوارٌ والثِّلاءُ		″	١٨	١١٣
كَأَنَّ وِضاءُ		″	١٨	١٦٩ (١ : ٨٦، ٧ : ٣٩٧)
بَشِمْتُ دواءُ		″	١٨	١٧٢
حَشا الدِّلاءُ		″	١٨	١٩٨
يُفَضِّله والذَّكاءُ		″	١٨	٣١٥
أَرَى الرَّواءُ		″	١٩	٦٣
وهُمْ السَّناءُ		″	١٩	١٢٨
أَمُرُّونى السَّواءُ		″	١٩	١٣٨
بَكَتْ البُكاءُ		″	١٩	٢٦٧
أَذَلِكَ عِفاءُ		″	١٩	٣٠٨
تَحَمَّلَ العَفاءُ		″	١٩	٣١٠
سَيُغْنِيْنِى غِناءُ		″	١٩	٣٧٣
اذا والفَتاءُ		″	٢٠	٣
فَنَحْكُمُ الدِّماءُ		″	٢٠	٥٧
عَدِمْنا كَداءُ		″	٢٠	٨١
ولولا لِحاءُ		″	٢٠	١٠٨
ولاخَيْتَ اللِّخاءُ		وافر	٢٠	١١٠
فَيَبْنِى المَشاءُ		″	٢٠	١٥١
فإنْ هِداءُ		″	٢٠	٢٣٤
تَقَطَّعُ الجَرِىءُ		″	٣	٦٧
أَبْعَدَ الهِراءِ		″	١	١٧٨
تَرَبَّعَ الشِّتاءِ		″	١	٣٨٣
غَداةَ الصِّلاءِ		″	٦	٩٤
وأَجْمَعَتِ البَشاءِ		″	٩	٤٠٩
اذا الضَّحاءِ		″	١٠	٤٧
أَلا بالفِناءِ		″	١١	٤٧
طَلَبْتُ البِطءِ		″	١٢	١٩٨
أنا ابْنُ السماءِ		″	١٢	٢١٩ (١٧ : ٤٤٣)
ولا مَتُّ السماءِ		″	١٧	٤٤٣
اذا الحِساءِ		″	١٨	١٩٣
فقلتُ بداءِ		″	٢٠	٧١
ودْتُ خَلاءَا		″	١٢	٣٨٨
فقُولا فِداءَ		″	١٩	٤
ألم داءَ		″	١٩	٢٧٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وَمُشَبَّجٍ	المَعْزاءُ	كامل	٣	١٢٨
عَمِلٍ	الجَوْزاءُ	〃	٧	٨٠
وكذا	المـاءُ	〃	١٥	٣٩٩
ولقد	ثَناءُ	〃	١٦	٢٦٠
كَثُرَتْ	الأَطْباءُ	〃	١٩	٢٢٧
أكرم	مَضْنَؤُها	〃 (؟)	١	١٠٦
هَيْهاتَ	سُفاؤُها	〃	٦	٤٦٤
قد	مُوامِئُهُ	〃	١	١٩٧
بَيْضاءُ	القُرّاءِ	〃	١	١٢٥
والمَرْءُ	بالوُضّاءِ	〃	١	١٩٠
لَيْسَتْ	بِغِراءِ	〃	١	٣٠٨
ومُسَوَّفٍ	بِداءِ	〃	٤	٤٣٣
وأَرَى	الأَدْماءِ	〃	٥	٢٢٢
أو	نِواءِ	〃	٦	٤٥٧ (٢٠ : ٢٢٤)
ولقد	الشُّعَراءِ	〃	٧	٧٣
لِلشَّمِّ	الذَّلْفاءِ	〃	١١	١٠
لَمّا	عَجْراءِ	〃	١١	٢٠٧ (٢٥٦)
والدَّهْرُ	وتَناءِ	〃	١٢	١٧٧
ولقد	والحِنّاءِ	〃	١٧	٣٣٦
وإذا	جَرْبائِهِ	كامل	١٠	٣٧٤
حتى	لقفائِهِ	〃	٢٠	٥٤
لم	غُلَوائِها	〃	٣	١٤٢
في لَيْلَةٍ	عِشائِها	〃	٦	١٣٠
ياعُثْمَ	بمائِها	〃	٨	٣٨٦
راقَتْ	بَهائِها	〃	١١	٤٢٦
أنتَ	كدائِها (؟)	〃	٢٠	٨١
لَمّا	نسائِها	〃	٢٠	١٩٤
والاصلُ	لِسَواءُ (؟)	〃	١٤	١٦٨
فَطِنٌ	طَلِعٌ	رجز	١	١٠١
والسَّيْرُ	احْزِيزاوُهُ	〃	١	٤٨
كأنه	افْتِجاؤُهُ	〃	١	١١٥
نغشى	أَقْراؤُهُ	〃	٢	١٦
ولم	كُداؤُهُ	〃	٤	٣٧٧
كأنه	سِقاؤُهُ	〃	٨	١٧٧
ليس	مَضاؤُهُ	〃	١٢	٣٦٠
هانكتُهُ	اكْراؤُهُ (؟)	〃	١٢	٣٩٣
بِحَضَرِيٍّ	بُدّاؤُهُ	〃	١٨	٧٢
في	مُسْتَباؤُهُ	〃	١٨	٢٢٣
وبَلَى	أَعْماؤُهُ	〃	١٩	٣٣٢

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
مُشْتَبِهٍ تَيْهَاؤُهُ	رجز	٢٠		١٤٠
خَلٍ سِقَاؤُهُ	″	٢٠		٢٩٩
وبَلْدَةٍ أَمْوَاؤُهَا	″	١٧		٤٤٠
ومَنْهَلٍ نَائِي (او نَاءٍ)	″	٣	١٣	١٨ : ٩٢)
يالَكَ شِيشَاءِ	″	٤	١١٦	٨ : ٢٠٠ ، ٢٠٢ ، ٢٩٠)
قدكنتُ عَلَاءِ	″	٧	٢٩٧	١١ : ٣٣٣)
قَطَعْتُهَا أَبْلَاءِ	″	١٠	٣٢١	
بِشَرْجِ الأَنْسَاءِ	″	١١	٣٦٨	
وهَبْتُه سوداءِ	″	١٣	١٣٤	
يَالَكَ إِشَاءِ	″	١٨	١١٥	
ثم ذاالحِقَاءِ	″	١٨	٢٠٧	
مَخَتَّنِي الفَدَاءِ	″	٢٠	٩	
كأنَّ أَمْعَائِهَا	″	٢	٤٤	
تَعْوِي عُوَائِهَا	″	٧	٣	
يومُ فَدْعَائِهَا	″	١٠	١١٧	
حتى إذا رَائِهَا	″	١١	٢٢	
فراحَ أكسائِهَا	″	١١	١١٠	
تَهْمِزُه الطِّوَائِهَا	رجز	١١		١٧٢
لاتَرْهَبُ أَطْلَائِهَا	″	١٣		٢٠٤
فصادَفَتْ أَبْلَائِهَا	″	١٨		٩١
لايَعْرِفون دَهْيَائِهَا	″	١٨		٣٠٢
دُهْمًا زُهَائِهَا	″	١٩		٢٣٦
ومَنْهَلٍ أَلْقَائِهِ	″	١		٢٥٩
لم يُبْقِ ثَرْيَائِهِ (او ثَرْيَائِهِ)	″	٤		١٦٧ ١٨ : ٩٥ ، ٦٧ ، ١٢٠)
أَلْصَقَ غِرَائِهِ	″	١٥		٢٦٤
يَعْشَى عشائِهِ	″	١٩		٢٩٢
اذا الثُّرَيَّا عَشَاءَ	″	٩		٣٧٣
قَدْ أَغْتَدِي الأَصْوَاءَ	″	١		٧٦
ثُمَّ البيداءَ	″	١		٨٠
أَمْسَوا المِيطَاءَ	″	١	٩٣	١٩ : ٣٦٩)
يُزِرْنَ بالدَّقْعَاءَ	″	٥	١٧٧	١١ : ٣٢٦)
يَسْتَمْسِكُونَ الإِلقَاءَ (او يَتَمَسَّكُونَ)	″	٩	٣٨٤	٢٠ : ١٢٢)
غَيَّرَهَا الأَنْوَاءُ	″	٩		٤٥١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
قد	بالأطباءُ	رجز	١٥	٣٠٠
ثُمَّتَ	إدناءُ	″	١٧	٣٨٥
باتت	الأبلاءُ	″	١٨	٩٢
حتى	الظَّلماءُ	″	١٨	١٢٤
كأنّما	المَعزاءُ	″	٢٠	٤٤ (٤٥ : ١٥)
ياعَقِيدَ	بالفِناءِ	رمل	٥	٢٥
وبُوِّئَتْ	مُبَوَّؤُها	منسرح	١	٣١
باتَتْ	تَحْضَؤُها	″	١	٤٩
خود	مَهْدَؤُها	″	١	٨٦
إنّ سُلَيمَى	يَكْلَؤُها	″	١	١٤١
نَضْرِبُ	نَسْلَؤُها	″	٦	٩٣
أربَعُ	وأُجزِؤُها	″	٩	٤٦١
لَستُ	أَسْلَؤُها	″	١٠	٣٥٧
نَضْرِبُ	نَسْلَؤُها	″	١١	١٣
خَيرُ	أكْلَؤُها	″	١١	٤٢٢
أنزَأَنِي	أنزَؤُها	″	١٩	٢٠٥
أكرَعُ	أجزَأُها	″	١٠	٢٣٩
آنَسَتْ	الإمساءُ	خفيف	١	١٥٩ (٦ : ١٣٤)
وهو	بَلاءُ	″	١	٣٨٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
عَلِقَ	خَوْثاءُ	خفيف	٢	٤٥٢
اعلينا	الجَزاءُ	″	٣	٢٥٥
مِنْ	عَرّاءُ	″	٣	٣٤٩ (٦ : ١٩ ؛ ٣)
فاتركوا	الدّاءُ	″	٤	٨
لَيسَ	الحُذّاءُ	″	٤	١٢٠
اذ تُمنُّونَهُمُ	أشراءُ	″	٥	٧٩
عَنَنًا	الظِّباءُ	″	٥	٢٤١ (٦ : ٢١١ ؛ ٩ : ١٠٧ ؛ ١٦٣ : ٧)
(أوعَنَنًا)				
زَعَمُوا	الوَلاءُ	″	٦	٣٠٠
فَتَنَوَّرتُ	الصَّلاءُ	″	٧	١٠٣
واذكروا	والكُفَلاءُ	″	٧	١٩٥
إذ أحَلَّ	العَوصاءُ	″	٨	١٠٩
أو تَقَشْعُمُ	والإبراءُ	″	٨	٢٥١
أيّها	بَقاءُ	″	٨	٢٢٥
أوقَدَتْها	الضِّياءُ	″	٨	٣١٣
ونَفَى	الحِرْباءُ	″	١٠	١٨٢
فهل أهُمُ	الأشْقِياءُ	″	١٠	٣٠٢
ويكرّكدن	السِّقاءُ	″	١٠	٣٧٨
بِزَفُوفٍ	سَقْفاءُ	″	١١	٣٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
انه لِواءُ	خفيف	١٢	٤	٢
وطِراقُ الصَّحْراءُ	″	١٢	٨	٩
فَمُحَيَّاةُ فالوَفاءُ (او فالحَياءُ)	″	١٢	٣	٧ (٢٨١ : ٢٠)
كيف شَعْواءُ	″	١٥	٧	٥ (٢٩١ : ١٣ ، ٦٤ : ١٩)
بَعْدَ الخَلْصاءُ	″	١٥	٢٢٠	
وأتونا نَهْراءُ	″	١٥	٢٢٢	
فَتَأَوَّتْ أَلْقاءُ	″	١٨	٥	٥ (١٢٢ : ٢٠)
لَوْعَلَى بَدْاءُ	″	١٨	٧١	
إنّ احْفاءُ	″	١٨	٢٠٤	
مُكْفَهِرًّا صَمّاءُ	″	١٩	٢١ (٢٥٥ ، ٢)	
وكأنّ العَماءُ	″	١٩	٣٣ (٣٣٣ ، ٣)	
أَجْمَعُوا ضَوْضاءُ (أَوْغَوْغاءُ)	″	١٩	٣ (٢٢٤ ، ٣٨٠)	
فأمَنّا العِداءُ	″	١٩	٢٦٢	
لاتَخِلْنا الأَعْداءُ	″	١٩	٣٥٧	
يَحْسَبُ فِتاءُ	″	٢٠	٤	
مِثْلُها أَفْلاءُ	″	٢٠	٢٣	
آذَنَتْنا الثَّواءُ	″	٢٠	٧١	

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فسَلِ كِداءُ	خفيف	٢٠	٨	١
أَقْفَرَتْ كِداءُ	″	٢٠	٨	١
أَتَلَهّى عَمْياءُ	″	٢٠	١٢	٨
لَيْتَ عَناءُ	″	٢٠	٣٦	٠
ظَلَّ شِواءِ	″	١	٩	٠
لَيْسَ الاَحْياءِ	″	٢	٣	٩٦
رَفَعُوا المَلْجاءِ	″	٣	٤	٤٢
شامِدًا الطُّلّاءِ	″	٥	٣	٠ (٣٢٨ : ١٩ ، ٤٠٦ : ٢٠)
طَلَبُوا بَقاءِ	″	١٦	٨	٢ (٣٥٧ : ٢٠)
ثم بالِقاءِ	″	١٧	٥	٣
فَمَلَكْنا السَّماءِ	″	٢٠	٧	١
ومَأى مَأْءُ	″	٢٠	١٣	٦
ولكن أَجْوُءُهْ	متقارب	١	١	٧
فهاؤُا تَبْدَؤُهْ	″	١	١	٠٦
تَزاءَكَ (او تَزاوَكَ) يَفْطَؤُهْ	″	١	١	٠٧ (٢٢٠ : ١٢ ، ٣١٩ : ١٣)
وخَرَقٍ (او تَزَأَلَ) مَضْمَؤُهْ	″	١	١	١١ (٢٨٣ : ١٢ ، ٣٣٥ : ١٧)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وانّى مَرْتَوْهُ	متقارب	١	١٤٤ (٢:٢٩١)	
تراه يَلْتَوْهُ	″	١	١٤٦	
فلما اهْدَوْهُ	″	١	١٥٩	
أُرِىَ يَبْدَوْهُ	″	١٨	٣٥ (١:٢٢)	
وجاءَتْ الشّواءِ	متقارب	١٠		٨٠
اذا ما بِيُثْبانِها	″	١		١٧
لَيَسِيرُ خَفاءُ	″	٢		١٨٩
لَبِسْتَ العَلاءَ (؟)	″	١١		١٥٧
تَظَلُّ الصِّهاءُ	″	١٩		٢٠٥

ا

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وماء دَبَى	طويل	٣		١٨٦
وصَبَّحْتُهم فاسْتَوَى	″	٣		٣٣٦
فيالَيْلَةً تَجْلَى	″	٤		٦٢
فَاَومأتُ فَتَى	″	٥	٢٣٣ (١٨:٦٢)	
فَلَمَّا حَبَوْكَرَى	″	٥	٢٣٤ (١٩:٣٦١)	
على بَكَى	″	٨	٣٨٩ (١٦:٣٥)	
تَكَسَّبَتْها الحُصَى	″	٩		٢٥٢
فَبِتْنا والكُلَى	″	١٢		١٨٠
فقُلْنا بَلَى	″	١٤	١١٨ (٢٠:٣٥٣)	
وأشْمَطَ اثْتَلَى	طويل	١٨		٤١
رأيتُ قَدُ زَوَى	″	١٨		٣١٨
عِجِبْتُ والرَّحَى	″	١٩		٢٨
فَدَعْ انْتَمَى	″	١٩		١٢٧
فَطَأْطَأْتُ والصَّوَى	″	١٩		٢٠٧
وكائِنْ فانْغَوَى	″	١٩		٣٧٨
مُعَطَّفَةً غَوَى	″	١٩		٣٧٩
وَيَرْكَبُ والكُلَى	″	٢٠		٢٧
مَنْ السَّلَى	″	٢٠		٢٧١
من ابنِ وقَدَى	بسيط	١٩		٨٤
أَلَا التَّكْلَى	وافر	١٨		٨١
إنّى والقِلَى	كامل	٣		١٩٠
وبَرْوَضَةِ النُّبَى	″	٣		٣٣١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
راحُو وَأَى		كامل	٤	٣٧٠ (٥:٣٣٠:٢:٣٥٤)
لكن غِنَى		〃	٤	٣٦١
كادَتْ مَضَى		〃	٤	٣٨٦ (٣٨٩)
لَلفَقْدُ ونُقِّى		〃	٤	٣٩٨
لَمَّا وانْثَنَى		〃	٥	١٢٦ (٢٣:٦)
إلَّا اصْطَلَى		〃	٨	٢٩١
قِفْ للقِرَى		〃	٨	٣٨١
وكأنَّ لِلبِلَى		〃	١١	١٣٧
عَقَلُوا اللِّحَى		〃	١٢	١٣٢
حَيُّوا مَضَى		〃	١٣	٣٩٣
فانثَرتْ الشَّوَى		〃	١٤	١٧٨ (١٧٩، ١٦:٢٢٧)
فى مَوْطِنٍ واللَّظَى		〃	١٤	٢٨٥
ولقد القُرَى		〃	١٦	٢٧٧
يَخْرُجْنَ فاصْطَلَى		〃	١٨	٢٧٠
ولَقَدْ التَّدَى		〃	١٩	٩٧
فِى واللَّظَى		〃	٢٠	١١٤
لابَلْ لَبَّى		〃	٢٠	٣٦٥

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فَنَرُدّ مُرْدَافَى		هزج	١٥	٦٨
خَبَّ بَكَى		رجز	١	٣١٢
قد العَصَى		〃	١	٣٢٥ (٢٧٠:٢٠)
كأنَّ ابْرَنْتَى		〃	٢	٣٧٥
والنَّاشِئَات الخَوْزَرِى		〃	٥	٣١٩
لَمَّا دَرْدَرَى		〃	٥	٣٦٧
قد لَقِيتُ بَزَرَى		〃	٦	٢١
يا أُمَّ بالبُشْرَى		〃	٦	٢٨٧ (١٣:٨٣)
قَوَّمَ سُوَى		〃	٧	٢٦٠
كيفَ السُّرَى		〃	٨	١٩١
وهِشْلُ إلَى		〃	٨	٢٦٨ (١٧:١٢٩٠)
شَدِيدُ الشَّوَى		〃	٨	٣٥٨
من بَعْدِ الحَيَضَّى		〃	٨	٤٠٢
وزَوْجُهَا زَرَوْنَزَى		〃	٩	٢١٥ (٢٢٦:٧ ١٢:٣٢١)
يَنْضَحْنَ المُسَرَّى		〃	٩	٣٥٣
أحْمَرَ ما اسْتَقَى		〃	١٠	٣١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فشامَ الغَضَى	رجز	١٢	٣	٣٤٢
دَعَتْ (مِنْ) فَتَى	″	١٤	٥	
لَمَّا جمادَى	″	١٤	٣	١٩٤
أُخْتَى الثَّرَى	″	١٥	٣	٩١
ماذا العُرَى	″	١٨	٣	٧٦
تَسْأَلُنى فَتَى	″	١٨	٣	١٧٩
حَيْرانُ أَنَّى	″	١٨	٣	٢٤٩
أَما تَرَى	″	١٩	٣	١٣
حَتَّى جَلَّى	″	١٩	٣	١٠١
لِلّهِ اهْتَدَى	″	١٩	٣	١٤٤
شَكَا السُّرَى	″	١٩	٣	١٧١
تاللهِ يَشْوَى	″	١٩	٣	٢٦٥
جاوَزْنَه أَفْضَى	″	٢٠	٣	١٧
اذا تَفَلَّى	″	٢٠	٣	٢٢
كيف الدَّلَنْظَى	″	٢٠	٣	٦٤ (٣٢٣:٩)
لَمَّا دَوْدَرَّى	″	٢٠	٣	٨٦
كأَنَّ وَدَى	″	٢٠	٣	٢٦٢
أَوْدَى المُنَى	″	٢٠	٣	٢٦٣
ثم جَزَى	″	٢٠	٣	٣٥١
تَقَدَّمَها القِرَى	متقارب	٣		٣٢٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فَهُنَّ الهَوَى	متقارب	٣		٣٦٧ (١١:٨١، ٦١أ)
الا الأَذَى	″	٥	١	١٤
لها بالوَحَى	″	١٠	١	٢٠٠
بُها الكَرَى	″	١٦	١	٢٠٦
وقوسُك الخَضَى	″	١٧	١	١٠١
ونُؤْى امْحَى	″	١٩	١	١١٢
كأَنَّ النُّعَامَى	″	١٩	١	١٣١
ولَيْسَ واللَّأَى	″	٢٠	١	١٠٣
وفى مُنْتَصَى	″	٢٠	١	٢٠١
وفى مُنْتَصَى	″	٢٠	١	٢٠١
تَفُوتُ غَلاَ (وتَجِيشُ)	طويل	١		١١٥ (٨:١٦٥، ١٥:١٠٧أ)
فَلَمَّا حَبَوْكَرَا	″	١		٢٠٣
فقلت التَّسَا	″	٨		٣٩ (١٢:٢٠٥)
رَجَوْتِ غَدَا	″	٩		١٩٠
أفى رِضَا	″	١٤		٢٦٩
أَغَرَّ خَسَا	″	١٥		٣٨٤
ومُسْتَنِيخٍ أَوْمَضَا	″	١٩		١٢٨

فہرست مضامین

جلد ۱۵۔ عدد ۲	بابت ماہِ فروری سنہ ۱۹۳۹ء	عدد مسلسل ۵۶

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تاریخ غریبی ———	پروفیسر شیرانی ———	۳
۲	بابا فرید شکر گنج۔ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی	ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ۔ ایم اے	۴۴
۳	سلطان ناصر الدین قباچہ اور اس کے درباری شعراء	آغا عبد الستار خاں ایم اے۔ ایم او ایل	۷۲
۴	دیار عرب کے مغربی سیاح	ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ لنڈن	۸۳
۵	سرسید کے زیر اثر ادبی تنقید کی ابتدا	سید محمد عبد اللہ۔ ایم اے۔ ڈی لٹ۔	۹۲
۶	تنقید و تبصرہ ———	ادارہ ———	۹۹
۷	ادارہ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس	ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔	۱۰۵
۸	فہرس القوافی (جو لسان العرب میں درج ہیں)	مولوی عبد القیوم ایم اے۔ میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۱۱۷ تا ۱۲۷

نوٹ :۔ ضمیمہ صرف عربک اینڈ پرشین سوسائٹی کے ممبروں میں یا خریداران ضمیمہ میں تقسیم ہوتا ہے

حیدرانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور رابو محمد صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائیں گے ۔

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے۔ حصۂ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی)، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ۔

وقت اشاعت | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شایع ہوگا ۔

قیمت اشتراک | سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۴ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا

کسی سہ ماہی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شایع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ۔

خط و کتابت و ترسیل زر | خریدار رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ۔

محل فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ۔

قلم تحریر | حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجدد اجون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ۔

تاریخ غریبی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی سالہ بابت نومبر ۱۹۳۸ء)

راجستانی اثر

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت اس کا وہ عنصر ہے۔ جسے ہم راجستانی اثر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اثر افعال تک میں مرئی ہے۔ جا۔ کھا۔ مضارع، جانگا۔ کھاؤنگا۔ مستقبل دیت اور لیت قسم کی مضارع اور استمراری وغیرہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اسی کے ذیل میں داخل ہیں۔ ایک مستقبل جو امر پر 'ہی' کے اضافہ سے بنتا ہے اور مارواڑی وغیرہ زبانوں میں رائج ہے۔ اس تالیف میں بھی ندرت کے ساتھ مل جاتا ہے۔ مثالیں :۔

حکم مان لے وہی اُبڑ ہی اور لوگ سب پڑ پڑ مرہی لف ۳۲۸

اُبڑ ہی یعنے بچے گا۔ رہائی پائے گا۔ اور مرہی۔ مرینگے ؛

(دیگر) جو تو بچن کہے سو کرہی ایسے مورکھ منت سدھرہی لف ۱۰۲

کرہی = کرے گا۔ سدھرہی = سدھرے گا ؛

(دیگر) سو تو بدا ہمارا پیارا جاکوں کدی نکرہوں نیارا لف ۷۲

کرہوں = یعنے کروں گا ؛

(دیگر) محض میا تیری من دھرہوں جیوں گناہوں بھلیں ابرہوں لف ۱۰۱

دھرہوں = دھروں گا۔ ابرہوں = بچوں گا ؛

(دیگر) ان کی نینوں انجن دے ہوں سُرت گیان انکے سب لیہوں لف ۷۰

دیہوں لیہوں، یعنے دونگا لونگا۔ اس مستقبل کی گردان ہے :۔

او مرہی - بے مرہی (جمع غائب) تو مرہی - تھے مرہو (جمع مخاطب)
ہوں مرہوں - مھے مرہاں (جمع متکلم)

جے خطابیہ جو امر پر بغرض تاکید لایا جاتا ہے۔ پھر اجتماعی اثر معلوم ہوتا ہے۔ مثال

؎ جب شہ کا تو ہوے حضوری کیجے میری عرض ضروری لہ۱۰۳
(دیگر) اسکوں یہ بات بتا جے بچن ایک بھی اور سنیرا جے لہ۱۹۹

اُردو میں اس کا استعمال 'جو آپ' خطابیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بہت محدود کر دیا گیا ہے۔ اور صرف چند افعال کے ساتھ جو زیادہ تر دو حرفی ہیں اور ی پر ختم ہوتے ہیں ملتا ہے۔ مثلاً دیجے - لیجے - کیجے اور پی جے واحد حاضر ہیں اور دیجو لیجو، کیجو اور پیجو جمع حاضر ہیں۔ دعائیہ ہو جیو بھی اسی میں شمار ہونا چاہیئے۔ مگر قدیم زمانہ میں اس کا استعمال بہت عام تھا۔ گوجری میں اس کی ایک اور شکل جمع متکلم میں 'جیں' ملتی ہے۔ چنانچہ :-

؎ اپن گردن اوپر ناخون لیجیں یہ مطلب ہے پدرسوں دور کیجیں
(یوسف زلیخا۔ از امین گجراتی)

پہلی دو شکلیں یعنے 'جے' اور 'جیو' اس تصنیف میں بکثرت ملتی ہیں۔ بعض امثال تحریر ہوتی ہیں :-

؎ بیٹھو محمد سوں بتلا جے ایسیں میری بات چلا جے لہ۳۲۹
(دیگر) مہربانگی سوں تو رہجے پاس بلا کر اسکوں کہہ جے لہ۱۹۹
(دیگر) اسکوں اپنے پاس بلا جے بھانت بھانت کر سمجھا جے لہ۸۱
(دیگر) یوسف آگے سیس نوا جے چرن لاگ کر ماف کرا جے لہ۹۷
(دیگر) تو انسوں یہہ بھید چھپا جے ہرگز نا یو بات چلا جے لہ۱۱۴
(دیگر) خوب بھانت تو دودھ پلا جے ہمیں ساتویں دن دکھلا جے لہ۱۴۲
(دیگر) انکیاں بکریاں اول لا جے پانچیں انکوں کا دودھ پلا جے لہ۱۴۶

(دیگر) کہا اسے تو ساتھ لیا جے گردن پکڑ شتابی آجے ۱۸۹

(دیگر) جو میں کہوں سو اوہی کیجے موسیٰ کے سر تہمت دیجے

بھری سبھا میں سنکھ آجے کھڑی سامہنے ہو بتلاجے ۱۸۴

(دیگر) فضل کرم کر جیو بنچاجے میرا منجھسوں آن ملاجے ۱۳۹

(دیگر) کہا پھیر مت کھول دکھاجے خبردار ہو کر لیجا جے ۲۵۳

(دیگر) کہا بھلا پنر جھوٹ نہ کہہ جے اور سو منمانے جیوں رہجے ۷۵

(دیگر) اس کا نانو محمد دھر جے جو ہم کہیں سو واہی کر جے ۳۱۲

(دیگر) جو کچھ مانگے اسے کھلاجے خدمتگاری خوب بجاجے ۳۲۵

(دیگر) اب ہم کہیں سو ہی تو کیجے اور بات کا نانو نہ لیجے ۹۲

(دیگر) کہا یہہ بات کسے نہ کہہ جے بلک آپ چپکے ہو رہ جے ۳۳۹

(دیگر) تھا ور کھیل شکار لاجے دیتوار کوں نیو دلاجے ۲۱

(دیگر) بنا حکم میرے مت دیجے جو میں کہوں سو واہی کیجے ۱۸۹

(دیگر) خبردار یہہ کام نکیجے پھر بہشت کا نانوں نہ لیجے ۲۰۳

'جے' ان مثالوں میں 'نا' تاکیدی کا کام دیتا ہے۔ ابیات آئندہ میں خطابیہ نہیں بلکہ یا تو مجہول ہے۔ یا متکلم بحالیکہ صیغہ مذکور نہ ہو:۔ ؎

اسے چھوڑ کر کیونکر جاجے بھلا اسے اب کھول بتاجے ۲۹۱

جاجے اور بتاجے یعنے جائیے اور بتائیے یا جایا جائے اور بتایا جائے ؛

(دیگر) کہا پدھا نہیں کیسیں کیجے بنا علم کیا اوتر دیجے ۳۴۰

یہ شعر آیۂ کریمہ اقرأ باسم ربک الذی خلق کی تفسیر میں آتا ہے۔ قائل رسول اللہ ہیں۔ اور مخاطب حضرت جبرئیل ہیں۔ کیسیں کیجے = کس طرح کیا جائے۔ (کیا کروں)۔ اوتر دیجے = جواب دیا جائے (جواب دوں)

(دگیر) کیا شمار داپڑونکا کہہ جے بھلا یہی آپ چپکا رہجے (۱۹۱

کہجے، رہجے یعنے کہیے اور رہیے۔ (کہوں اور رہوں)۔

(دگیر) کیا کہو دل کیونکر دھوجے کیونکر اسکی کالک کھوجے (۲۷۲

یعنے دل دھویا جائے اور کالک کھوئی جائے ؛

آنے والی مثالوں میں جے 'یے' کا قائم مقام ہے۔ 'ی' 'جیم' سے بدل جاتی ہے

؎ بہت چاہجے تو وہاں جاؤ جو منانیں سو بھر پاؤ (۳۳۴

چاہجے یعنے چاہیئے۔

(دگیر) پیادا چلوں منجھے ہو خواری منجھے چاہجے اب اسواری (۲۵۷

(دگیر) مال بیچہ کر پیسے کیجے تجھے چاہجے سو تو لیجے (۳۳۳

تجھے چاہجے = تجھے چاہیئے ؛

ذیل کی مثال دعائیہ مانی جاسکتی ہے :-

؎ ایسا کدی نہوجے سارے جیسا میرا میاں ہوارے (۲۶۱

نہوجے یعنے نہ ہوجیو ؛

'جیو' جمع مخاطب ذیل کی مثالوں میں آیا ہے :-

؎ سارے اُسکے تابع رہجیو جو کچھ کہے سو کرجیو کہجیو (۴۲

(دگیر) پاس ہاجرا کے مت جاجیو دور بیٹھ کر سو بتلاجیو (۶۴

(دگیر) اپنے دل میں نہچا کیجیو مستقیم ہو کر جی دیجیو (۱۷۲

(دگیر) قدم راہ پر ثابت دھرجیو جو کچھ خدا کہے سو کرجیو (۱۲۷

(دگیر) اسپر تم ایمان لیاجیو اسکے چرنوں سیس نواجیو (۲۸۳

(دگیر) اسکے پانوں بیریاں دیجیو بہت نگہبانی تم کیجیو (۹۲

دعائیہ کی مثال :- سبکوں اللہ نیکی دیجیو ؛ خیر عاقبت انکی کیجیو (۸۵

یو۔ تو۔ مو ضمائر اور یا۔ وا۔ جا اشاریہ کے علاوہ اکثر ایسے الفاظ جن کا ثانی حرفِ علت ہے۔ اور اُردو میں بتخفیف بولے جاتے ہیں۔ راجستانی کے ذخیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً آچھا (اچھا)، پاچھا (پیچھا)۔ باجا (بجا)۔ گاجا (گرجا)۔ جاگا (جگہ)۔ لاگا (لگا)۔ سانچا (سچا)۔ بھاٹا (پھٹا)۔ پایا (پہیا)۔ کھاندے (کندھے)۔ راکھا (رکھا) چاکھا (چکھا)۔ گھابرا (گھبرایا)۔ بیاکل (بیکل)۔ باچھی (بچھیا)۔ پیادل (پیدل)۔ چھات (چھت)۔ مانت (منت)۔ تانہیں (تنیں)۔ نانہیں (نہیں)۔ سانکپی (سکڑی) ماٹی (مٹی)۔ لاکپی (لکڑی)۔ موکی (مکا)۔ بوڈھا (بڈھا)۔ ٹوک (ٹکڑا)۔ اُوکڑو (اُکڑو)۔ موٹھی (مٹھی)۔ سودھی (سدھ)۔ پیسو (پسّو)۔ دِیسنا (دِکھنا)۔ ڈیگانا (ڈگانا)۔ دیکھلانا (دکھلانا)۔

لیکن سب سے اہم وہ ذخیرہ ہے۔ جو راجستانی زبان کے الفاظ اور محاورات کی شکل میں ملتا ہے۔ یہاں بعض ایسے الفاظ مع مثالوں کے درج کر دیئے جاتے ہیں:۔

کانی = طرف ؎ دیتوار اور جمعہ جو آوے مشرق کانی کو چ کراوے لف ۲۲

نیکا = اچھی طرح۔ اچھا ؎

بدن مبارک نور نبی کا جدا جدا دیکھا سب نیکا لف ۱۵

سگل (سگلا) = سب۔ تمام ؎

سورج چاند ستارے سارے کہیں پیر کوں سگل سنوارے لف ۲۱

تھاور = سنیچر ؎ تھاور کھیل شکار لیا جے دیتوار کوں نیو دلا جے لف ۲۱

آچھا = اچھا۔ سعد ؎ ایک پہر تو آچھا بولیں بہت مبارک ساعت کھولیں لف ۲۴

گیل (گیلا) = راستہ ؎

بھیجا ایک خدا نیں بیل لیایا گھیر فرشتا گیل لف ۲۵

بڈاپا = بڑائی ؎ ایسا اسکا لکھا بدا پا برس پانسو راہ مٹا پا لف ۲۵

بوڑنا = ڈوبنا۔ تباہ ہونا ؎

مسلمان بھئے مومن پیارے　　اور بوڑ گئے مگد گنوارے　　ل۳۴

رِیس = غصہ ؎

یہ شیطان جو ہے ابلیس　　ات کرمن میں آنی ریس　　ل۳۷

گھابرا = گھبرایا اور گھبرایا ہوا ؎

دشمن کوں دُکھ ایسا لاگا　　پھرے گھابرا روتا بھاگا　　ل۳۷

بھرمانا = پھسلانا۔ سکھلانا ؎

گیہوں لیسا تو پر کر کھایا　　آدم کوں جا کر بھرمایا　　ل۳۹

چھلوٹ = چھلکا۔ پوست ؎

کسی کسی کا مغز نکالیں　　کہیں چھلوٹ کسیکا ڈالیں　　ل۳۹

راچھ = اوزار ؎

لوہا کا ڈھہ پہاروں سیتی　　راچھ کر دیئے کرے جو کھیتی　　ل۴۱

رُسانا = غصہ ہونا ؎

دوپر کا گ کھیتی پر آویں　　آدم ان پر بہت رُساویں　　ل۴۱

بلنبا = پہنچا ؎

ایسا اونچا تھا وہ لنبا　　سرا کاس کوں جائے بلنبا　　ل۴۸

جھلکانا = چمکانا ؎

نانو انبیا سب جھلکائے　　ایک ایک تختی پر پائے　　ل۴۹

مسکری = مسخرگی ؎

سنہ پر ہن کافروں نیں جب بھاگے　　ہنسی مسکری کرنے لاگے　　ل۴۹

سودھی = سیدھی ؎

اتری ناؤ جہاں تھی جودھی　　یعنے وہی پہاڑی سودھی　　ل۵۲

پوٹھی ہونا = بازآنا۔ بازگشت کرنا۔ پشت کرنا۔ الٹنا ؎

بھئی استری ایسی جھوٹی　　کدی کفر سوں ہوٹھی نہ پوٹھی　　ل۵۳

ساہیں = سامنے۔ آگے ؎

نبی پاس دنیا جو آتی　　انکوں ساہیں جا سمجھاتی　　ل۵۳

ٹیبا = ٹیلہ ؎

جہاں خدا کا گھر اب دھرا　　تھا بالو کا ٹیبا بھرا　　ل۵۶

باؤ = ہوا ؎

ٹھنڈی باؤ سخت یوں باجی　　ہوے ہلاک منافق پاجی　　ل۵۶

ایکانترے = اِکانترے - ایک دن بیچ ؎

رہی اونٹنیں وہاں بچاری تھی ایکانترے چرنے ہاری ۵۸

نستارنا = نجات دینا - پاراتارنا ؎

خبر نہیں جو انکو ماریں لے تکوں کیونکر نستاریں ۶۰

بیگے = جلد ؎ کہا اسے بھی لیکر جاؤ ڈال آگ میں بیگے آؤ ۶۱

کھوسنا = چھیننا - چھین لینا ؎

اس کافر نے ظلم کیا تھا اس بی بی کوں کھوس لیا تھا ۶۲

جایا = جنا ؎ فضل خدا کا ایسا آیا بی بی نیں وہاں بیٹا جایا ۶۳

کلیک = خرابی ؎ یہہ قصاص ان سوں میں لیونگا ان ہیں بہت کلیک کرونگا ۶۸

للاٹ = پیشانی - ماتھا

اپر جانا = اُدھڑ جانا ؎

کوئی کسیکوں دے جو مری اپر جائے سب میری چمڑی ۷۱

گھالنا = ڈالنا ؎ جو زکوٰۃ کوں نہیں نکالے کام آج کا آگے گھالے ۷۲

دھول بابنا = خاک ڈالنا ؎

جارے بوڈھے نامعقول تیرے موہہ میں بابوں دھول ۷۳

سارا = قابو ؎ میں تو ہوں مسکین بچارا میرا نہیں رہا کچھ سارا ۷۵

سانکڑی = سکڑی ؎

پیم گلی ات سانکڑی جہاں نماوے بال لوکوں لاوے لاکڑی کون گا نوکی چال ۷۶

برجنا = منع کرنا - روکنا ؎

تجکوں بھی حق دے گا درجا وہ نار ہے کسی کا برجا ۸۱

آنٹے بانٹے = اُلٹے سیدھے ؎

سب نگری کے جھگڑے جھانٹے کہیں آپ میں آنٹے بانٹے ۸۴

لیالی = بھیڑیا ؎ کوئی باگھ بگھیرا لیالی یوسف کوں جو پاوے خالی ۸۶

نیارا = الگ۔ علیحدہ ؎

تو ہے میرا بیٹا پیارا کہاں چلا اب ہو کر نیارا ۸۷

آڈے = آڑے۔ آڑ میں ؎

جب یعقوب نظر سوں آوے ہوئے جو منہیں تھیاں سو کاوے ۸۸

بھایپ = بھائی پن۔ اخوت۔ برادری ؎

جیو جان سوں خدمت کروں بھایپ کا دعویٰ نا دھروں ۸۸

بوڑا = بہرا ؎ ایک حسد نیں ایسے باندھے کانوں بوڑے آنکھوں آندھے ۸۹

لوہی = لوہو۔ لہو ؎

لوہی سوں بھر کر سب جاما کیا جھوٹھ کا سارا ساما ۸۹

اُنمان = اندازہ۔ قریب ؎

نہتر یوسف ہوسے جوان بیس پچیس برس انمان ۹۴

لار = پیچھے ؎ اتنا بول سوا ٹھکر بھاگے لار زلیخا یوسف آگے ۹۵

ترت = جھٹ ؎ دری زلیخا خاوند سیتی تہمت ترت اٹھائی اپتی ۹۵

ٹابر = بیوی۔ اہل وعیال ؎

دیکھ دلیسری اسکا بیا تیرے ٹابر سوں کیا کیا ۹۶

چھانی = خفیہ۔ پوشیدہ ؎

آخر پر گھٹ ہوئی کہانی کون بھانت کہو رہتی چھانی ۹۷

لوگ لگائی = مرد عورت ؎

بھنک تاہ سروں میں آئی اٹھے بول یوں لوگ لگائی ۹۷

روج = گریہ۔ رونا ؎

لانبا روج گیت جیوں گایا پہلے اس نیں راہ چلایا لف ۳۸

ہبتا ڈالنا = ہاتھ ڈالنا۔ دست درازی کرنا ؎

آپ غلام جو گھر میں پالا اسکے اوپر ہبتا ڈالا لف ۹۸

رانڈ = رنڈی۔ چھنال (گالی کے طور پر) ؎

جاری رانڈ خدا کی ماری پنچوں کی ڈالی پھٹکاری لف ۹۸

بھاگسی = قیدخانہ ؎

منجھے بھاگسی میں لیجاوے ان راندوں سے گیل چھڑاوے لف ۱۰۰

کلہ کلیس = دکھ اور جھگڑا ؎

ایسیں ہوتا دورا لہنا کلہ کلیس منتے سب کہنا لف ۱۰۲

بندوا = بندی۔ قیدی ؎

گیا بھاگسی میں جب پیارا ہوا بندوا راضی سارا لف ۱۰۲

والدر = دلدر۔ مصیبت۔ نحوست ؎

انکے سبھی والدر گئے آتر تھے سو آنند بھئے لف ۱۰۲

جھاڑا لینا = تلاشی لینا ؎

تم ساروں کا جھاڑا لینگے پھیر سزا ہوگی سو دینگے لف ۱۱۴

کھوٹے دن = بُرے دن ؎

تمکوں اب کھوٹے دن لاگے کیونکر بنجو ہمارے آگے لف ۱۱۶

آننا = لانا ؎ جو مل بچھرا ہو سو جانے اور نہ کوئی نہیں آنے لف ۱۱۸

بار = دیر ؎ کئی ایک دن کرن مزوری بہت بار کہوں بھئی ضروری لف ۱۳۲

روس = غصہ ؎ یوں بچار سو گند اتارو روس ریس سب من تیں ڈارو لف ۱۳۴

کھاتی = بڑھئی ؎ مہتر موسیٰ کی جب مائی کھاتی کے گھر چل کر آئی ۱۳۸

بری گار = خراب مٹی کا۔ بدسرشت۔ بدطینت ؎

بری گار تو ہے بد پیشا جہاں تہاں لڑے ہمیشا ۱۴۴

گوال = گوالا، مگر یہاں مقصد گڈریا ہے ؎

رہے دس برس گوال کہائے بکریاں انکیاں خوب چرائے ۱۴۸

گل کنٹھ لگانا = گلے لگانا ؎

بھائی ساہیں ملا جو آکر کیا ہیت گل کنٹھ لگا کر ۱۵۱

رضا دینا = اجازت دینا۔ رخصت کرنا ؎

موسیٰ کوں دے رضا چلائے بدے آدمی پاس بلائے ۱۵۳

اوگھد = دوا ؎ بہت دور میں رسّی لیاکر ڈالی اوگھد عجب لگاکر ۱۵۵

اپوتھے = برگشتہ۔ پھرے ہوئے۔ لوٹے ؎

رہے قول سوں کافر جھوتے نہیں کفر سوں ہوئے اپوتھے ۱۵۷

لار چھڑانا = پیچھا چھڑانا ؎

قول کیا ایمان لیاویں اگر جنوں سوں لار چھڑاویں ۱۵۸

جاتے بلیاں = جاتے وقت ؎

جنواں گیاں جب اٹھکر بھاگے جاتے بلیاں کہنے لاگے ۱۵۸

چمٹی = چیونٹی ؎ ایسی جوت جھلک جم بکاٹی چمٹی وہاں نہ ڈھونڈھی پاٹی ۱۶۷

ارادہ رکھنا = دوستی اور یارانہ رکھنا ؎

اسے علم ہے تجھسوں زیادا سیکھو جاکر رکھوا رادا ۱۷۵

نگوڑا = نکما۔ ناکارہ ؎

کمپر اکیلا اسکوں چھوڑا جدا رہ گیا آپ نگوڑا ۱۷۵

ٹھیک پاڑنا = پتہ چلانا۔ خبر لگانا ؎

ٹھیک پا پردے اس کا سارا یہہ سوداگر کس نیں مارا لف ۱۸۷

باجنا = کہلانا۔ موسوم ہونا۔ مشہور ہونا ؎

عاج عنق کا بیستا باجے بات کرے بادل جیوں گاجے لف ۱۹۱

جام پھل = امرود۔ سفری ؎

جنے جام پھل جاکر کھایا ہو خوشیال منیں سکھ پایا لف ۱۹۱

بھرم ڈبونا = اعتبار کھونا۔ ساکھ گنوانا ؎

امر نسانا کھا نرا کھویا انپراں سارا بھرم ڈبویا لف ۱۹۵

تیاس = پیاس ؎ لگی تیاس ہکوں تیں جازیں اب تم بیگ منگاؤ پازیں لف ۱۹۵

راند = عورت۔ بیوی ؎

اس بندیکی راند کمینی جس کے من میں تھی بیدینی لف ۱۹۶

سارے ہونا = قابو چڑھنا ؎

گیا راند کے ہو کر سارے دیکھے دوی بھونگم کارے لف ۱۹۸

گوڈنا = گودنا ؎

او جھوں میری لار کھپوڑے بھانت بھانت کر سنجکوں گوڑے لف ۲۰۰

بیر لانا = دیر لگانا ؎

یہہ سنیر کر عزرائیل بھائی ترت اٹھ چلے بیر نہ لائی لف ۳۰۴

تھرسلنا = تھرانا۔ لرزنا۔ تھرتھرانا ؎

بے شمار برسیں یوں تیر دیکھ تھرسلیں باون بیر لف ۲۰۷

پھلنگ = پھلانگ۔ چھلانگ۔ کلانچ ؎

یوں پھلنگ ماریں تتے غازی ہنر و مان کیا ہوگا پازی لف ۲۰۷

کھلاّ = کھلیان ؎ کاش نہ کھلاّ کریں اداویں یونہیں دھیر ناج کا پاویں ل۲۰۸

اُدماد = فساد۔ شور ؎

کیتے برس پیٹ بھر کھایا آخر کوں اُدماد اٹھایا ل۲۱۲

بھوم = زمین ؎ ان کی بھوم چھوڑ کر بھاگے اور کہیں آرہے ابھاگے ل۲۱۳

چھینپا = کپڑا چھاپنے والا ؎

دھوبی چھینپے ملے جو کھاتی لکھی آزما اسکی چھاتی ل۲۱۵

کرودھ = غصہ ؎ کپدھا نہ ظاہر کیا خلاصا ناکرودھ نہیں پرکاسا ل۲۱۵

جناور = جانور ؎ بات سکینا کی اب کہتا اس میں ایک جناور رہتا ل۲۱۶

کڑڑی = روڑی ؎

لیجا کر کڑ پی میں گاڑا جتن کیا وہاں محکم گاڑھا ل۲۱۶

دھاپکر = رج کر۔ پیٹ بھر کر ؎

جنے دھاپ کر پانی پیا بد اگناہ جو اس نیں کیا ل۲۱۷

ہیلا مارنا = آواز دینا ؎

میرا ساتھی سنگ ہیلا یہی فوج میں مارا ہیلا ل۲۱۷

ناتھی = ناتھ ؎ خدا صابروں کا ہے ساتھی اسکے ہاتھ انہوں کی ناتھی ل۲۱۸

سانکل = زنجیر ؎ سانکل ایک سرگ سوں آئی اس کی یوں تاثیر بتائی ل۲۲۲

نیاؤ = انصاف ؎ اگر کوئی دو جھگڑا لیاویں جھوٹھ سانچ کا نیاؤ چکاویں ل۲۲۲

نٹنا = انکار کرنا۔ منکر ہونا ؎

نٹنے سوا سکوں بولو سارے تو سوگند خدا کی کھارے ل۲۲۳

منگڑاں = منگنی ؎

کوئی ایک جو منگڑاں کرتا اگر دوسرا دل پر دھرتا ل۲۲۳

مانگ = منگیتر = اسے بولتا سنر میرے بھائی تیری مانگ منجھے خوش آئی لف ۲۲۳
نہورے کھانا = منت خوشامد کرنا۔ منت سماجت کرنا =
منجھی غریب کی وہ بھی چاہے مانگے بہت نہورے کھاہے لف ۲۲۴
آیوڑ = ریوڑ = سارا ایور چلکر آیا جھاپر باغ کا تھا سو کھایا لف ۲۲۵
برآنا = پرایا۔ بیگانہ =
جب وہ بکریوں والا بوجھا باغ برانا تجھے نہ سوجھا لف ۲۲۵
جن = کلمۂ نفی۔ مت۔ نا =
کہا کہو جن راکھو چھاتی وہ جو بات تیرے من مانی لف ۲۲۵
پکار = فریاد = کسی بات کی حاجت لیاہی یا کچھ پکار لیکر آئی لف ۲۲۶
نیاو چکانا = قضیہ فیصل کرنا =
ابھی باوکوں پکپر بلاؤ میرا اس کا نیاو چکاؤ لف ۲۲۷
چوٹ باہنا = وار کرنا۔ ضرب لگانا =
کری ندانگری میں یاہی جس نیں چوٹ اسی پر اہی لف ۲۲۸
آپے آنا = سامنے آنا۔ آگے آنا =
جب بولی وہ سانچی مائی میں جو کہی سو آپے آئی لف ۲۲۸
بھانا = توڑنا۔ کچلنا۔ تباہ کرنا =
جو حاکم کا حکم نمانے اسکوں پکپر پہلیں کر بھانے لف ۲۳۲
پانکھ = پر = مرغ ذبح وہاں ایتے کرتے کئی اونٹ پانکھوں سوں بھرتے لف ۲۳۷
چھلٹے = چھلکے = اور پیاز لہسن جو آتے چھلٹے بھر بھر اونٹ لیجاتے لف ۲۳۷
دھاونا = دوڑنا = کے کرور دنیا چل کر آویں سلیمان کے گھر کو دھاویں لف ۲۳۸
پسارنا = پھیلانا۔ کھولنا یہی بات سنر مچھلی بھاگی مونہہ پسار کر کھانپریں لاگی لف ۲۳۹

کونٹ = کھونٹ۔ کونا۔ گوشہ ؎

اسی واسطے دئی بدائی　　چار کونٹ کی دولت آئی　　ل۲۴۰

مسکانا = مسکرایا ؎

سلیمان من میں مسکانا　　چیٹی کا جب سبد پچھانا　　ل۲۴۱

نسنگ = بلاوسواس۔ نگن۔ بے پروا ؎

چلا نسنگ بنہری سوں آوے　　ہوے ہوے قدم اٹھاوے　　لھ۲۵۲

بندیوان = قیدی ؎ بندیوان رہیں گے سارے　　سدا سدا ہم لوگ بچارے　　ل۲۵۱

اٹ پٹنا = لڑکھڑانا ؎

پانوات پٹیں سیس جو بلّے　　دیہہ ڈگمگے ایسیں چلّے　　لھ۲۵۲

بھارا = گٹھا۔ پشتارہ ؎

ڈال دیا بوجھے نیں بھارا　　لیا لال اب چلا بچارا　　ل۲۵۲

موٹھی موچنا = مٹھی بند کرنا ؎

لیا لال محکم کر پیارا　　موٹھی موچے چلا بچارا　　ل۲۵۲

رپٹ پڑنا = پھسل جانا ؎

اس میں رپٹ پڑا سو ڈوبا　　بھول گیا آچھا منصوبا　　لھ۲۵۳

کماکجاکر = کماکر ؎ خوب بندگی توبہ کرلے　　کما کجاکر پرتل بھر لے　　ل۲۵۳

پڑو کوے میں = بیزاری کا کلمہ۔ جیسے چولھے میں پڑے۔ جہنم میں جائے ؎

جے ایمان ہوا نستارا　　پرو کوے میں اور پیارا　　ل۲۵۳

بٹ پاڑا = بٹمار۔ راہزن ؎

مجھے مل گیا وہاں بٹ پارا　　اس نیں لیا سو میرا جھارا　　لھ۲۵۴

اکھٹ پڑھانا = نکاح پڑھانا ؎

اور کہیں کوئی مرد نپایا — بے مزور سوں اکھت پدھایا ۲۵۵

جنوائی = داماد — آخران کے جی میں آئی — بیٹی دے کر کیا جنوائی ۲۵۵

دہیلی = سخت ۔ گراں —

کہا سنیر دری سکھی سہیلی — لگی جو تمکوں بات دہیلی ۲۵۷

چارا = علف — اتنا سنیر کر بیل بچارا — کھڑا ہو رہا چھوڑا چارا ۲۶۰

تار کرنا = مویشی کا شکم سیر ہو جانا —

آج اگر تو گھاس چریگا — پازیں پی کر تار کریگا ۲۶۰

چرغنا = چرکنا ۔ چہکنا ۔ بولنا —

جب یوں بول اٹھا وہ مرغا — خاوند کوں سمجھا کر چرغا ۲۶۱

سگائی = نسبت — کوئی کہیں گے لوگ لگائی — لوگوں نیں مل کری سگائی ۲۶۱

گھینسلا = سوٹا — سنیر خاوند کے ہوا اجالا — لیا گھینسلا کاغذ ڈالا ۲۶۱

جیو ڈلنا = دل کا ڈگمگانا —

اب تم گھری نہ فرصت پاؤ — کاہے کارن جیو ڈلاؤ ۲۶۴

ٹوک کھلانا = ٹکڑا کھلانا ۔ روٹی کھلانا —

کری حاجری ٹوک کھلایا — پازیری پلا کر پاس سلایا ۲۶۶

الٹ مل جانا = پھر مل جانا —

بھاٹ جھار پر بیٹھے زکریا — الٹ مل گیا اب سنیر بھیا ۲۶۶

موڈی = شریر — جب وہ ہوئی جوان نکوڈی — بول اٹھی اسکی ماں وڈی ۲۶۷

بہاری دینا = جھاڑو دینا —

دے گی مسجد مانہہ بہاری — سدا کرے گی خدمتگاری ۲۶۹

جڑ رکھنا = بند کر کے رکھنا —

میں کیسا پاپ کمایا بھاری ۔ بگیناہ جپر رکھی بچاری لف۲۷۲

ماٹی گونہہ = مٹی گوندھ کر ۔

ماٹی گونہہ جانور کیسا اسیوقت ہاتھ میں لیسا لف۲۷۳

نونکتی = لوٹری ۔ ایک نونکتی ساہیں آئی عیسیٰ نیں اسکوں بتلائی لف۲۷۵

سرنا = گذارا ہونا ۔ بسر ہونا ۔

بھوکہ لگے جب یوں بتلائیے اب کیوں سرے کہو بن کھائے لف۲۷۸

سواد لگنا = خوش ذائقہ معلوم ہونا ۔

جو سوادلاگے سو کھاؤں جگ میں آچھا بڑا کہاؤں لف۲۸۰

ادب بجانا = تعظیم بجالانا ۔

دیتوار کا ادب بجاؤ تھاور کا سب عمل اٹھاؤ لف۲۸۱

بیگا بیگ = جھٹ پٹ ۔

اس نیں بیگا بیگ پکاکر رکھیاں انکے آگے لیاکر لف۲۸۵

رانبھ رانبھ کرنا = مویشی کا رانبھنا ۔ چیخنا ۔ چلانا ۔

آپ آپ میں سبھی پکاریں رانبھ رانبھ کر سارے ہاریں لف۲۸۹

بیجہ باہنا = تخم ریزی کرنا ۔ بیج ڈالنا ۔

بیجہ باکر کھیت اُگایا ناج کا ڈھہ پیں پکوایا لف۲۹۳

کھوڑا = لنگڑا ۔

میرا بیٹا گونگا بورا آنکھوں اندھا پانوں کھورا لف۲۹۴

ہارے ہونا = تھک جانا ۔

بھانت بھانت کر منجکوں مارے اوجھوں نہیں ہوے تم ہارے لف۲۹۵

بڈارنا = نکالنا ۔ تاڑنا ۔

اور نبی ایوب بچارا گانو گانو سوں اسے بدارا لف۲۹۷

ایوالیا = گڈریا ؎ بوڈھا ملا سو بکریوں والا کھرا چرواوے تھا ایوالیا لف ۲۹۸
گوالیا = گڈریا ؎ ملا راہ میں بکریوں والا یعنی جسکوں کہیں گوالیا لف ۳۰۲
بھو = خوف ؎ جیوں دنیا کو دین سکھاویں بھو ساگر سوں پار لنگھاویں لف ۲۹۸
پہرا = زمانہ۔ وقت ؎

اس پہر یکا زر کیوں آیا اسکوں کہیں خزانا پایا لف ۳۰۴
کانکھ = بغل ؎ کوٹ جو اونچا بدا کہاوے کمر کانکھ سوں نیچے آوے لف ۳۰۶
گاجنا = گرجنا ؎ بھانت بھانت کروے سب باجے دھرن گگن بادر جیوں گاجے لف ۳۱۱
استاوا = بڑھنا ؎ ہاتھ چلچی بھی استاوا ہیرے موتی لال جڑاوا لف ۳۱۳
جایا = جنا ؎ بی بی نیں جب بیٹا جایا نبی محمد جگ میں آیا لف ۳۱۴
دھورے = قریب۔ نزدیک ؎

نکل نور نینوں کے پورے عرش کرس کوں لاگے دھورے لف ۳۱۸
رسنا = زبان ؎ اول جو کہ یہہ بالک بولا ایسیں سو دھیں رسنا کھولا لف ۳۲۰
ہیلا ہیل = آواز پر آواز ؎

اپنے اپنے گھر کوں بھاگے ہیلا ہیل پکارن لاگے لف ۳۲۲
سماں = مانند ؎ جا سماں دوجا کوئی ناہیں سادھ سنت سب کہے انہیں لف ۳۳۳
دھوں = طرح ؎ عدل نیاوا ایسے دھوں کرتے زرہ میل نہ دل میں دھرتے لف ۳۳۵
انڑا چنگا = مریض۔ بیمار ؎

مسلمان ہوتا انہر چنگا کوئی نیک ہویا ہو بد چنگا لف ۳۳۶

عربی فارسی اثر اور اُنکے الفاظ میں تغیّر و ترمیم

چونکہ اس کتاب کا موضوع تاریخ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اسلئے مسلمانی الفاظ کی بہتات

اس میں چنداں تعجب خیز نہیں۔ مگر باوجودیکہ مصنف عربی۔ فارسی زبانوں میں اعلےٰ دستگاہ رکھتا ہے۔ اور مذہبی اعتبار سے بڑی وجاہت کا مالک ہے۔ تاہم راجستانی کے مقابلہ میں عربی۔ فارسی اثر خفیف معلوم ہوتا ہے۔ تیس پینتیس فی صدی مسلمانی الفاظ کا ایک ایسی تالیف میں پایا جانا جو مضمون کے لحاظ سے بھی اسلامی ہے۔ کوئی بعید نہیں۔ حیرت یہ ہے کہ ہندی اثر نہایت گہرا ہے۔ فارسی محاورے اور ترکیبیں قلت کے ساتھ ملتی ہیں۔ میں چند یہاں مذکور کرتا ہوں :-

؎ اگر بیل تو ہے کچھو سیانا — میں بولوں سو پکڑ بہانا لف ۲۶۰

'بہانہ پکڑنا' فارسی 'بہانہ گرفتن' کا ترجمہ ہے ؛

(دیگر) بھانت بھانت کر حاجت مانگی — جیسیں سکتے پکاریں واہ واہ لف ۵۸

'حاجت مانگنا' حاجت خواستن کا ترجمہ ہے ؛

(دیگر) توں ملعون کیسنا پاپی — نہیں دے سکے ہمکوں بازی لف ۱۳۰

'بازی دینا' بازی دادن کا ترجمہ ہے ؛

(دیگر) نبی سال سب روزے دھرتے — یوں گذران عمر سب کرتے لف ۴۵

'روزے دھرنا' روزہ داشتن کا پرتو ہے ؛

(دیگر) عزازیل مردود کیسنا — بولا دل میں دھر کر کینا لف ۱۲۹

'کینہ دھرنا' فارسی کینہ داشتن کا تتبع ہے ؛

(دیگر) کھوس لیا تابوت سکینا — جا کر لیاویں کاڈھیں کینا لف ۲۱۴

'کینہ کاڈھنا' کینہ کشیدن کا ترجمہ ہے ؛

(ع) مصابیح میں ایسیں لیایا لف ۳۴۰ ٹھیٹ فارسی یوں ہوگی 'در مصابیح چنیں آوردہ است'

(ع) اور واقدی میں یوں لیایا لف ۳۴۲ یہ بھی اسی فارسی محاورہ کا ترجمہ ہے ؛

؎ کہیں بندگی ایسی کرتے — ملک فلک سب حیرت دھرتے لف ۱۲۹

'حیرت دھرنا' کی اصل فارسی 'حیرت داشتن' ہے ؛

(دیگر) یہہ انگوٹھی منجکوں پائی لہ۲۵۶ یعنے این انگشتری مرایافت ۔

(دیگر) باب وصیت کا یوں کھولا لہ۳۲۵ بالکل فارسی ترکیب ہے 'وباب وصیت چناں کشود'

(دیگر) فضل ہوا از خالق باری لہ۲۸۹ یہ تو تقریباً فارسی ہے۔ صرف 'ہوا' اردو ہے

(دیگر) الہ انوں کوں تو با دیجیو گنہ معاف سب ان کے کیجیو لہ۳۸

'توبہ دینا' توبہ دادن کا پرتو ہے ؛

ان محاورات کا ایسی ضخیم کتاب میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ادھر عربی فارسی الفاظ کے ساتھ ایک عام بدسلوکی روا رکھی گئی ہے۔ کبھی ان کے تلفظ کو بگاڑا ہے۔ کبھی ان کی صورت بدلی ہے کبھی مفہوم میں تبدیلی کر دی ہے۔ لیکن مصنف اس بارہ میں مقلد کا حکم رکھتا ہے۔ نہ موجد کا۔ وہ ان الفاظ کو اسی طرح استعمال کرتا ہے جس طرح عوام الناس کی بول چال میں آئے تھے۔ مثلاً مصنّف 'نبات' (مصری) کو 'نوبات' کی شکل میں لکھتا ہے۔ یہ تغیر اس کی اپنی ایجاد نہیں۔ بلکہ عام اہل اُردو اسی طرح بولتے تھے۔ چنانچہ دکنی میں بھی 'نوبات' لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس تالیف میں 'نغارہ' (نقارہ)۔ سول (اصول)۔ اور مزوری (مزدوری) ملتے ہیں۔ جو آج بھی غیر تعلیمیافتہ اسی طرح بولتے ہیں ؛

یہاں بعض ایسے الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے :۔

بےترہ = بےطرح ۔ مثال ؎

نہیں بہت 'بےترہ' کرونگی تم سوں ہرگز نانہہ پرونگی لہ۶۴

جاضرور = پاخانہ ؎ سنہریں بات کو دپی چل آویں جاضرور تنکوں لیستاویں لہ۴۹

صحی = صحیح ؎ کہا الہی قول جو تیرا صحی سانچہ یہ بتیا میرا لہ۵۱

دیگر ؎ صحی سلامت بیستا پایا بہت خدا کا شکر بجایا لہ۶۰

بجانا = بجالانا ؎ وہی خواب دوجے دن آیا اٹھ خلیل نے شکر بجایا لہ۶۴
(دیگر) استیں کئے ملایک سارے حق کا حکم بجاون ہارے لہ۱۴
خوشی = خوش ؎ گئے قوم کن جب مل سارے خوشی ہو گئے الہ پیارے لہ۵۶
خاصی = خاص ؎ ایک اونٹنی پس گیا بن خاصی جسے دیکھیہ دور ہوا داسی لہ۵۸
عجوبے = متعجب وحیران ؎
بنی بات سن رہے عجوبے کہا لوگ دنیا سب پوبے لہ۵۲
(دیگر) دیکھیہ میسر ارہے عجوبے کہا عجب اسکے منصوبے لہ۳۳۳
حجی = حاجی ؎ باراں برس مکے میں رہے کوئی نہ اسکوں حجی کہے
عرفہ کوں جب تجھپر آوے حج کرے حجی کہلاوے لہ۶۵
بشارا = بشارت ؎
دل میں جانو سانچہ بشارا جو کوئی پیارا وہی دکھیارا لہ۷۴
(دیگر) ہوا حریمہ اسکے پیارا جسکوں یا ہی دیا بشارا لہ۳۱۰
(دیگر) کہا روبرو سپنا سارا بادشاہ کوں دیا بشارا لہ۱۰۸
نقارا = نقارہ ؎ کرندھان کا کوچ نقارا چلا خلیل خدا کا پیارا لہ۷۸
سول = اصول ؎ ایسا انکا دیسے سول جیسے دھرے ڈھال پر پھول لہ۱۹
رانا = راندہ ؎ منی کری اور من کا مانا اسی وقت میں اسکوں رانا لہ۳۷
اجگر = اژدر ؎ دشمن اوپر دیسے کھارے ہوسے اژدھا اجگر بھاری لہ۴۱
اندیسا = اندیشہ ؎ جا کا منجکوں بدا اندیسا اس واسطے کہوں سندیسا لہ۷۵
(اندیسا با نون غنہ بروزن سندیسا)
خوشیال = خوشحال ؎
گوشت کھائے جب بھئے خوشیال کری دعا خاصی درحال لہ۸۰

سرمانا = شرمانا ؎ یہ سن بہت سرمائے دوپٹہ کر لیا لی لائے لہ۹۰
آزمانا = آزمانا ؎ بہت زلیخا نیں ازمایا کسی بھانت وہ ہاتھ نہ آیا لہ۹۵
سامانا = سامان ؎ جھوٹھ سانچ کا یاہے ساما یوسف کا تم دیکھو جاما لہ۹۶
(دوگیر) لوہی سوں یوں بھر کر جاما کیا جھوٹھ کا سارا ساما لہ۱۱۶
بےشرماگی = بےشرمی ؎
بدی خوار ہو ندی بجراگی دیکھو اسکی بےشرماگی لہ۹۸
(دوگیر) دیکھو راندکی بےشرماگی سگے خصم کوں مارن لاگی لہ۲۶۱
بیش = بیش قیمت ۔ بڑھیا ؎
بہت بیش وہاں فرش بچھا کر ترت دھر دیے تکیے لاکر لہ۹۹
(دوگیر) یوسف کوں ململ نہلایا بہت بیش جاما پہنایا لہ۸۶
(دوگیر) چارپانچہ تھیاں بیش کاپڑاں اور چار نیزے سو جاپڑاں لہ۲۳۸
بےشرمائی = بےشرمی ؎
بےعقلی اور بےشرمائی چوٹی پیچھے جب رُت آئی لہ۱۰۰
ارداس = عرضداشت وعرض ؎
یوں ارداس کروں میں تیری مان لیہ بہہ بنتی میری لہ۱۰۲
پیادل = پیدل وپیادہ ؎
گھوڑے کوتل پیادل آگے ساری کھلک تماشے لاگی لہ۱۰۷
بندوے = بندی ؎
وہاں بندوے تھے جو سارے روئے روئے کر بہت پکارے لہ۱۰۷
پایے = پیالہ ؎ وہی پایے شہ کے آگے سو چرا یکر تُہیں بھاگے
اب جو پایے لے کر آوے بھرا اونٹ ناج کا پاوے لہ۱۱۴

آسا = عصا ؎ ادب کر نعلین نکالو اور ہاتھ کا آسا پالو لف ۱۵۰
(دیگر) جب موسیٰ نیں پالا آسا جسکا دیکھا عجب تماشا لف ۱۵۰
ترتابی = بیتابی ؎ دیکھ نبی نیں یوں ترتابی عرض خدا کن کری شتابی لف ۱۶۰
(دیگر) بالک روتے گئی شتابی ہوئی حلیمہ کوں ترتابی لف ۳۲۲
پاڑی = پاجی ؎ اسپر چڑھا فراعون پاڑی جس تھیں خدا سدا نارضی لف ۱۶۱
ہرول = ہراول ؎ تھے چھ لاکھ ہرول سپاہی دہنے بانویں گنتی ناہی لف ۱۶۲
مادوان = مادیان ؎ جبریل گھوڑی چڑھ آیا مادوان لیا کر دیکھلایا لف ۱۶۴
(دیگر) مادوان پر ہوا دیوانا اس کتے کا کہا نمانا لف ۱۶۴
چکاری = چکارہ ؎ جہاں بھید کی مجلس بھاری عالم دنیا کون چکاری لف ۱۶۷
(دیگر) جب وہ مجھے کرے نداری میں غریب وہاں کون چکاری لف ۲۴۰
چکارہ = چہ کارہ ؎ پیارے سوں تبلاوے پیارا اور کوئی وہاں کون چکارہ لف ۶۷
(دیگر) مال تمہارا کون چکارا جسکا ایتا کرو پسارا لف ۲۴۹
(دیگر) جنکا ایسا رنگ سنوارا پھول ہزارا کون چہ کارا لف ۲۳۵
(دیگر) دوست کرے سو میں ہوں راضی اسے ہیں کون چکارے پازی لف ۲۶۷
مزوری = مزدوری ؎
بھلا کرے تھا اگر ضروری لئی کیوں نہ ان پاس مزوری لف ۱۷۹
داون = دامن ؎ در داون موتن کی لری تھور تھور تھی چونی جری لف ۱۸۳
ہمانیاں = ہمیانیاں ؎
دو ہمانیاں بھریاں جوز رکیاں دیوں میں تجھکوں اپنے گھر کیاں لف ۱۸۴
خوزادی = خوزنادی (خاوندزادی) ؎
دھن سو آپ مغنیہ زادی دین دنیا کی صحی خوزادی لف ۳۲

نابالیغ = نابالغ ؎ گلے جراؤ ہانس پہنائے لپ کے نابالیغ چڈھائے لف ۱۳۶
فراعون = فرعون ؎ فراعون بھی گودی لیتا بہت پیار کر بوسہ دیتا لف ۱۴۳
(دیگر) میم محمد کا منصوبا موسیٰ بچا فراعون ڈوبا لف ۳۰۹
نوبات = نبات (مصری) ؎
پھیر کلیم کیاں باتی باتاں سنہرا واورشکر نوباتاں لف ۱۹۰
برغلان کرنا = ورغلانا ؎
جب لعین نیں اسے اٹھایا برغلان کریوں بھرمایا لف ۱۹۸
(دیگر) برغلان تینیں کی خواری ابدابد ہوا دکھ بھاری لف ۲۰۰
مہربانگی = مہربانی ؎
مہربانگی سیں توں رہیے پاس بلاکر اسکوں کہہ جے لف ۱۹۹
ماضی = غائب وگذشتہ ؎
آپ لعین کیسنا پازی پڑتا بھاگا ہوکر ماضی لف ۱۵۲
(دیگر) وہ زبون ایسا ہوا ماضی جو دیکھے سو ہو ناراضی لف ۲۰۰
(دیگر) یہ شیطان کیسنا پازی دور بھاگ گیا ہوکر ماضی لف ۱۶۷
پلیت = پلید ؎ گوپھیاکوں جب خوب پھرایا اس پلیت کی طرف چلایا لف ۲۲۰
کیخاب = کمخاب ؎ کیخاب زربفت اڈھاے لف ۲۲۸
گراں بار = متحمل ؎
برا کہے کوئی تو سہجا گرانبار ہو چپکا رہجا لف ۲۳۳
(دیگر) گرانبار ایسا تھا بھاری کیوں نہوے جسکوں سرداری لف ۲۱۵
پیدائش = مخلوقات ؎
سب پیدائش کی مہمانی کری سو ہم نیں چاروں کانی لف ۲۳۹

(دیگر) ایسی کری نہایت زاری روئے تھکی پیدائش ساری لف ۲۶۷

عرس کرس = عرش وکرسی ؎

جھلک ہوت جھکے نورانی عرس کرس میں چاروں کانی لف ۲۴۰

(دیگر) جنکوں روئے عالم سارا عرس کرس میں پڑا پکارا لف ۲۹۷

مصلحت = مشورہ ؎

جس نہیں مصلحت کری سو پایا بنا مصلحت کام نہ آیا لف ۲۴۷

قبولنا = قبول کرنا ان باتوں پر حوا جو بھولی جب دشمن کی بات قبولی لف ۳۸

تالے = طالع ؎ الٹ گئے جب نذروں والے کہا ہمارے پھوٹے تالے لف ۲۴۹

خواری = ہیکی - توہین ؎

پیادا چلوں منجھے ہو خواری منجھے چاہیے اب اسواری لف ۲۵۷

آزاری = بیمار ؎ کہے بیل میرا آزاری کیونکر گونپر دھروں میں بھاری لف ۲۶۰

(دیگر) کہا کریں چنگا آزاری دور ہوے اسکی بیماری لف ۲۹۸

(دیگر) دعا کری اور بنتی زاری چنگا ہوے گیا آزاری لف ۲۹۸

مانت = منت ؎ میں جواب یہہ منت مانی سو تو یہہ لیا کر گذرانی لف ۲۶۹

وجہ = طور - طریق ؎ منہیں دھر کر یہہ خوشیالی خوب وجہ کر اسکوں پالی لف ۲۶۹

(دیگر) ان کے تنہیں سیج چھاؤ جاؤ اسوجہ انہیں جگاؤ لف ۲۱۰

خلاصا = کمال - بھید - حال - الحاصل کشادہ - خوش - تسکین - خالص ؎

وہاں بنی کا کھلا خلاصا دعا کری اک ہوا تماشا لف ۲۹۵

(دیگر) گوشت پوست محکم جب خاصا ہوا بنی کا خوب خلاصا لف ۲۹۱

(دیگر) میں خدای کا بندا خاصا میرا اب تم سنپرو خلاصا لف ۲۷۲

(دیگر) ہے بیت المعمور جو خاصا اسکو اس میں رکھو خلاصا لف ۲۸۲

(دیگر) واہی کملی والی آسا ہوا نہ اسکوں جیو خلاصا لف ۲۷۷
(دیگر) جنکا ہے ایمان خلاصا انکوں کرتو خوب دلاسا ر ۲۹۶
(دیگر) اور رکھو میں انجن خاصا جسکا کہو ندمان خلاصا لف ۷۰
(دیگر) وہی منت میرا ہے خاصا اسکن میرا جیو خلاصا ر ۷۲
(دیگر) جانڑا ہے پیغمبر خاصا جسکا ظاہر ہوا خلاصا لف ۲۷۲

سجادا = سجادہ نشین ؎

ماتا پتا سو دادی دادا چچا ابوطالب سجادا لف ۲۸۳
(دیگر) یہی بول کر موا سو دادا رہا ابوطالب سجادا ر ۳۲۶

رنجانا = رنج دیا ؎ کہا نبی کا ایک نمانا بھانت بھانت اسکوں رنجانا لف ۲۸۸

اتباری = اعتبار والا ؎ بات مصلحت بوجھے ساری ایسا ہوا بدا اتباری لف ۲۹۹

خوانے = خواندہ ؎ چھ جوان تھے بزرگ زادے بدے خوانے صاحبزادے لف ۳۰۱

بخت = وقت ؎ کون کاج وہ نیک کمانی برے بخت میں کام نہ آنی لف ۳۰۷

مسخری وسکری = تمسخر ؎

نکر مسخری سنجسوں پیارے خوف خدا کا کیا بھلارے لف ۳۰۸
(دیگر) سنپریں کافروں نیں جب بھاگے ہنسی مسکری کرنے لاگے ر ۴۹

ملہاو = ملہار ؎ تھے خلیل کے بیٹے چار کہتے ہیں ملہاو بچار لف ۷۷
(دیگر) یوں ملہاو بتاویں پدھے ابراہیم ہوے جب بڈھے ر ۷۶

الہدی = علیحدی ؎

ظاہر ہدی باطن ہدی کیونکر ہو یہہ بات الہدی لف ۵

کھلک = بتحریک دوم = خلق ؎

بوند پاک سوں آنی پدھلک پیدا ہوئی اسی سوں کھلک ر ۱۴

مستقیم = مضبوط و قایم ؎

مستقیم ہوگیاں ہمیناں کسی وقت پر ملیں کہیں نا ل۲۱

(دیگر) اپنے دلیں نہچا کیجیو مستقیم ہوکر جی دیجیو ل۱۶۲

(دیگر) مستقیم ہور ہے پیارے یک زبان ہو بولے سارے ل۳۰۱

جلّا = حیلہ ؎ کہوں زاکھے دلیں جلّا ہو کمان کا جیسے چلّا ل۳۰

تکھت = تخت ؎ آدم کے جب جاگے بھاگ ہوا خلیفا بیٹھا تکھت ل۳۶

آرجوئی = آرزو ؎ جو تو بولے سو ہم کر دیں آرجوئی تیری سب بھر دیں ل۴۸

امراؤ = امراد ؎ سب امراؤ امیر بلائے نکل سامہنے باہر آئے ل۱۲۳

داگ = داغ ؎ گل لالا کے دل کے داگ نافرمان گئے سب بھاگ ل۱۲۳

تشنا = پیاس و تشنگی ؎

تشنا لگی نبی کن بھاگے التماس یوں کرنے لاگے ل۱۹۵

دریاو = دریا ؎ بہتر موسے خضر پیارے جب دریاو کے گئے کنارے ل۱۷۸

سراپاو = سراپا و سروپا ؎

ایک شخص بیٹھا سرہانے سراپا موتی کے دانے ل۳۱۹

گرج = غرض ؎ راول دیول کہیں نجاویں ناکا ہوسوں گرج دھراویں ل۲۲۹

ساتی ۔ اس لفظ کا مفہوم صاف نہیں۔ بعض جگہ وہ اپنے مشہور معنوں میں آتا ہے۔ دوسرے مقامات پر مجازاً اور اور معنے لئے گئے ہیں۔ مثلاً مراد بر لانے والا۔ نجات دینے والا ۔ تقسیم کرنے والا۔ اور کارساز ؎

کریں تمہاری نیناں باتی آپ دیکھاویں ہوکر ساتی ل۱۶۸

(دیگر) بانٹا ایک رہا جو باقی ہوا انوں کا اللہ ساقی ل۳۴

(دیگر) رہی تیسری روٹی باقی پیٹ بھر گیا اللہ ساقی ل۴۹

(دیگر) یافث حام سام رہے باقی تین انکی ترا ساقی لف۵۵
(دیگر) ہوئی خوار زندگی باقی جدا ہوچلا میرا ساقی لف۲۰۰
(دیگر) لیکن عمر رہی تھی باقی کیا خدا نیں مرغا ساقی لف۲۶۱

الگرجی = الغرض ؎

راند کہے میں رہوں نہ برجی ایسی بات کہی الگرجی لف۲۶۱

مرغاہی = مرغابی ؎

اونٹ گائے بکری مرغاہی سسا اور مرغی بتلائی لف۳۳۶

مصنف گہرے دینی خیالات کا انسان ہے۔ اور اپنے معتقدات میں نہایت راسخ ہے۔ اس کا مذہبی مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ وہ اس تصنیف کو ایک دینی خدمت سمجھتا ہے جس کو بغیر کسی معاوضہ یا اجر کی امید کے اس نے سرانجام دیا ہے۔ اس کو اپنے مآخذ پر پورا پورا عبور ہے۔ مضمون کے تعلق میں ہر آیۂ قرآنی اس کے پیش نظر ہے۔ اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کا ملخص اپنے شعروں میں ادا کرتا ہے۔ یا اصل آیات کو سرخیوں میں لکھ دیتا ہے۔ یا تلمیح کے طور پر لے آتا ہے۔ اس طرح سینکڑوں آیتیں اس تالیف میں منقول ہیں۔ یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو کلام پاک پر غیر معمولی عبور ہو۔ میں یہاں بعض تلمیحی مثالیں درج کرتا ہوں :-

؎ بھول پر وجن میری میا صحی کان امراً مقضیا لف۷۲
(دیگر) موئی بھلی نہیں چاہوں حبیا ہائے کنت نسیًا منسیا لف۲۷۱
(دیگر) اسے بتاوے کرکر سینا کلی واشربی قری عینا لف۲۷۱
(دیگر) دے کتاب موہ کیا بنیا اوصانی مادمت حیا لف۲۷۲
(دیگر) ہائے حسد میں سب کچھ کھویا یابُنیَّ لا تقصص رُءیا لف۸۴

کلام مجید سے علاوہ اس نے اور حوالے جو حدیث۔ تفسیر اخبار و روایت سے

تعلق رکھتے ہیں۔ ذکر کئے ہیں۔ مثلاً تفسیر بیانیع۔ تفسیر حسینی۔ جواہر التفاسیر۔ لباب التاویل۔ زاہدی مصابیح۔ عبہری۔ واقدی۔ ثعلبی۔ احیاء العلوم۔ تنبیہ الغافلین ابو اللیث سمرقندی۔ درالمجالس شمس العلوم۔ برہان العارفین وغیرہ۔ اور سید محمود گیسو دراز کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ انہی مآخذ میں ایک کتاب حسینی ہے۔ جو امیر حسین کی تالیف بتائی ہے ؎

اور حسینی میں یوں لیاویں　　آپ امیر حسین بتاویں　　ر ۲۵۰

موضوع کتاب کی متانت اور دینی جذبہ کے رجحان نے اس کی شاعری کو ابھرنے کا بہت کم موقع دیا ہے۔ اور صراط مستقیم سے بھٹکنے یا غیر ضروری مباحث کو روشناس کرنے سے اس نے کامل احتراز کیا ہے۔ البتہ بعض حکایات سے نتائج اخذ کرنے اور سبق دینے کے لئے پند و نصائح کا باب کھولا ہے۔ جو صرف چند شعروں پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی خوش مذاقی کی دلیل ہے۔ کیونکہ لمبی داستانوں کے بیان کے وقت اگر موقعہ بموقعہ ایسا مختصر وقفہ مل جائے۔ تو طبیعت پر اس کا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ سے بیان کیا۔ جو ان کی بھاوجوں تک بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنے خاوندوں یعنے برادران یوسف سے کیا۔ بلکہ ان کو سکھایا پڑھایا۔ اس موقعہ پر مصنف ایک نیا عنوان " حال بیبیان آخر زمانہ " لایا ہے۔ جس کے نیچے یہ ابیات آتے ہیں :-

؎ بیبیوں کی کیا کروں بڑائی　　لائی سکھائی باتیں آئی
دل میں ان کے بات نہ آوے　　بن سکھائے ناج نہ بھاوے
مل کر بیٹھیں کہیں ضروری　　باتوں کوئی نہ اتری پوری
آپ آپ میں سارا ماں دیویں　　جانت بھانت کے قصے کھولیں
سب کھری کے جھپٹے بھانتے　　کہیں آپ میں آنتے باتے
کئی آپ میں لڑنے لاگیں　　منع کرو تو اٹھ کر بھاگیں
جو نا بولے سو ہے گنوڈی　　چپکی کیونکر رہے نگوڈی

گلا گذاری ان کی خاصی پنگھری نکلے باغ تماشے
گیت گاوے سب رات پکاریں تو اسے بیبیاں کدی نہ ہاریں
بول چال سبکو دھمکاوے واہی بی بی بدی کہاوے
اسے کھوتے پہرے کیاں بیبیاں کوٹی بچاریاں نیک غریباں
بنا کام نا باہر آویں بات بولتیاں بھی شرماویں
دیکھی سب اپر دیکھی کریں بیبیاں نیک خداسوں ڈریں
بیٹھیاں رہیں پکڑ خاموشی کریں ہمیشہ پردا پوشی
چاہیں سب کا بھلا ہمیشہ پر دکھ بھیجن کریں اندیشا
سبکوں اللہ نیکی دیجیو خیر عاقبت انکی کیجیو
تھوپری بولی گھر میں پاوے بی بی وہی بہشت میں جاوے
لاج شرم ہو جس میں بھاری سو حضرت بی بی کی پیاری ۸۴

کتاب نہایت سادہ طرز میں ہے گنتی کے موقعے ایسے ہوں گے۔ جہاں مصنف نے تکلف سے کام لیا ہے۔ مثلاً حضرت یوسف کے جلوس کے موقعہ پر اس نے گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بیان دیا ہے۔ اس میں ہندی کی ایک صنعت ہے جس میں الفاظ کے شروع یا آخر میں وہی حرف بار بار آتا ہے۔ کام لیا گیا ہے۔ مثلاً

؎ آب تاب سنجاب دکھاویں برن برن باد رجوں آویں
چپر چپل چنچل بہتیرے کیا طاقت واں دھریں تھیرے
سب پر حجرت جراؤ زین جنسوں دبے زمان زمین ۱۲۴
(دوگیر) جھانجاں جھنک جہاں جھارے کھلک ملک سبھی تھرتھرے ۱۲۵

ہندی دوہرے اور سورٹھے جو داستانوں کے اختتام پر آئے ہیں۔ اکثر اس کے قلم کے معلوم ہوتے ہیں بعض وقت دوسرے شعراء کے بھی لے آیا ہے جنکا کوئی حوالہ نہیں دیا مثلاً

دوہرہ ؎

جاکوں راکھے سائیاں مار نہ سکے کوئے　　بال نہ باکا کر سکے جے جگ بیری ہوئے ۳۳۰

نیز دوہرہ ؎

گئے کے دن پاچھے گئے کیا نہ ہر سوں ہیت　　اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہ دوہرے اس قدر معروف ہیں۔ کہ مصنف کے نہیں مانے جا سکتے۔ ایک جگہ کبیر کی ایک ساکھی دی جس کا بدیں الفاظ سُرخی میں حوالہ دیا ہے "۔ ساکھی فرمود آن کامل روشن ضمیر اسم با مسمّٰی کبیر۔

گپت رہیں اور ہر کو سیویں جگ میں کریں مزوری　　کچھ باتیں کچھ مکھ میں ایں بھگت انہاں دے پوری

۲۵۹

بعض دوہرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں :۔

(۱) ابو بکر صدیق ہیں اور عمر عثمان　　چوتھے یار علی ولی بلی شاہ مردان ۴

(۲) اکتھ کتھا ہے پیم کی انہد اپرم پار　　کتھنے میں دھوندت پھریں بھولیو ہے سنسار ۱۳

(۳) منی کہے سو جن کرو من مانے سو بات　　دھنی کہے سو کیجیے سیکھی رہو دن رات ۳۷

(۴) آیا حکم حضور کا آدم چلے نسنگ　　سبکوں یا ہی بات ہے کہا راو کہا رنگ ۴۳

(۵) چار نبی ہیں جیوتے کہیں لوگ یوں خاص　　عیسیٰ اور ادریس ہے اور خضر الیاس ۴۶

(۶) پیم گلی ات سانکری جہاں نماوے بال　　لوکوں لاوے لاکری کون گانو کی چال ۷۶

(۷) آن پری بچھرن گھری دھری رہی سب بات　　ہاتھ جھاریں اٹھ چلے نبی مبارک ذات ۱۲۸

(۸) نا مانیں سو مر گئے سیس دھر گئے پاپ　　مومن اپنے ہیں گھر گئے درسن دیکھا دھاپ ۱۳۱

(۹) بے پرواہ بدابلی بے نیاز بہہ رنگ　　کام کاج ایسے کرے نبی ولی سب دنگ ۲۹۱

(۱۰) جو سبھاو جاکو بھیو واکوں وہی سوبھائے　　کھت چرفی کسل ہے بھنور کیتکی جائے ۱۶۰

(۱۱) مال کال پیچھے پریو آج کال تو کھائے　　بوری پانو پکھال لے ندی بہتی جائے ۱۹۰

(۱۲) نرا دھار کو دھیردی زومن کوں مال　　ہو نسنگ نچا کرو ایسے دین دیال ۲۲۷

(۱۳) جو چاہے سو ہی کرے واسماں کو ٹوناکھ — راتی سوں پربت کرے پربت راتی ناکھ لف ۲۳۱
(۱۴) گیہوں جو اور باجرا موٹھ مونگ پھل پھول — کھیت کاٹ ایسا لوٹے جیسا بابا مول لف ۲۵۹

ذیل میں کتاب سے بعض نمونے دیے جاتے ہیں :-

(۱) مصر کی عورتوں میں زلیخا کافی بدنام ہو چکی ہے۔ وہ طرح طرح سے اس کو ملامت کرتی ہیں مصنف نے اس موقعہ پر کئی عنوان قایم کئے ہیں۔ ایک ہندوستانی زبان میں۔ دوسرا دکھنی میں۔ تیسرا عزنی میں۔ گویا مختلف قومیتوں کی عورتوں میں اس کی بدنامی مسلّم ہے چنانچہ۔

طعنہ بزبان ہندوستان

اور جو بی بیاں ہندستانی — طعنہ انکی سنہرو زبانی
آپس میں وے کریں جو باتاں — بیٹھ بیٹھ کر ہاتھ ہلاتیاں
اہے سنہرا تم نیں وہ پھرکی — ہوئی اسے تاثیر کدھر کی
بدی خوار بھوندی کجراگی — دیکھو اسکی بے شرماگی
بدی بے حیا خوار لگائی — اری اسے کچھ لاج نہ آئی
ساکھ باپ دادا کی کھوئی — اگلی پچھلی بات ڈبوئی
پنچوں میں کیا مونہہ لے بیٹھے — کونپ جو اسکے گھر میں پیٹھے
کہولے جو پاڑی بھر چپڑیں — ناک ڈبو مرا سمیں اپنپڑیں
آپ غلام جو گھر میں پالا — اسکے اوپر ہبشا ڈالا
اہے بدی کچھ پھرک گئی ہے — نیاونکو وی جھرک گئی ہے
جاہ ری راند خدا کی ماری — پنچونکی ڈالی پھٹکاری
ایسی راند نہ پیدا ہوتی — اورونکی جیوں ساکھ نکھوتی
نوج جنہری جاؤ وہ بیٹی — جو ہو ایسی بدی لپیٹی
اہے بہنہ انکوں سوں ڈریجے — نہیں خبر اب کیا کیا کریجے

تین گور میں بھی دن بھاری　　کسے کیا خبر کیا ہو کھاری　　لف۹۸

طعن بر زلیخا بزبان دکھنی

دکھن میں جو گلا گذاری　　کون بھانت کہیں نار بچاری
دکھنی زبان جو ماریں طعنا　　اسکے کھول کہیں یوں معنا
کے خوں تمیں سنپری ہیں باتاں　　کیا ان کری سو مکراں گھاتاں
بی بیاں ہو چھے اسکوں کرنا　　اتا بھلا ہے اسکوں مرنا
تمینچہ دیکھو ان کیا کری　　اپنی عقل پہ پتھری دھری
ماٹی ملی موئی کی بھرکی　　بدے گھر انکی پنگری لرکی
نانو بدیا نکا اپے بساری　　اپیچہ اپنی کر لی خواری
کتے غلام انگے نھاتیا　　ہبتا کری سو جاما پھاتیا
اونچہ گئی جب خاوند ملیا　　مار نیچہ کی خاطر چلیا
اکے اماں کچھ کری بہانا　　کیا کی کری مگر طوفاناں
یوسف پر بہتان اٹھایا　　اپے کری سو اسے لگایا
خدا نا کرے بی بی ایسی　　کوئی اچھینگی باندی ویسی
تمیں نکو اسکوں بتلاؤ　　اسکے کدن نکو کوئی جاؤ　　لف۹۸

طعن بر زلیخا بزبان عربی

عارب پریاں جو اصل کہایاں　　شہر مصر میں یوں بتلایاں
کھلے زلیخا پر جو طعنے　　انکی سنیو عبارت یعنے
ہَل سَمِعتِ مَا فَعَلَتْ حُرَّہٗ　　خَبَّلَہَا الشَّیْطَانُ وَ ضَرَّہٗ
قَدْ اَلْقَتْ جِلْبَابُ الْحَیَا　　سُدَّ عَلَیْہَا بَابُ الْحَیَا
لَا صَلَاحَ فِیْہَا قَدْ ضَلَّتْ　　اَلْقَتْ مَا فِیْہَا وَ تَخَلَّتْ

صَارَتْ اَمَتہٗ مِنَ الْاَمَاءِ عَارَتْ مِنْ اِسْمِ الْآبَاءِ
لَاتَفْعَلْنَ فِی حُرَّۃٍ مَالَتْ لِلْمَمْلُوکِ فَسَقَتْ عَنِ الطَّرِیقِ خَرَجَتْ عَنِ السُّلُوکِ
کَیْفَ تُرَاوِدُ وَصْلَ فَتَاہَا شَغَفَ الْقَلْبُ بِحُبِّ خَطَاہَا
نَحْنُ نَرَاہَا نَفْیُ ضَلَال وَزْنَ ذِکْرِہَا تَمَّ الْمَقَال

(۲) یہ اقتباس حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں سے ہے۔ ایک شخص آکر ان سے حیوانات کی زبان سیکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اُس سے یہ وعدہ لے کر کہ کسی کو نہیں بتائے گا سکھا دیتے ہیں۔ اور صاف سنا دیتے ہیں کہ اگر کسی کو بتائے گا تو ہلاک ہو جائیگا۔

"قصۂ آن شخص کہ نزد سلیمان علیہ السلام آمدہ زبان حیوانات آموختہ

ایک روز ایک بندا آیا التماس کریوں بتلایا
جانوروں کی زبان سکھاؤ جو میں کہوں سو خاطر لیاؤ
کہا سیکھ کر اگر بتاوے اسی وقت پر تو مرجاوے
کہا کہوں نا سیکھے آگے سلیمان جب کہنے لاگے
کہا الٹ گھر جا تو بھائی ہم نہیں تجھے زبان سکھائی
آیا گھر کوں چل کر واہی اور سنیرو اسرار الٰہی
گدھا بیل تھے اسکے گھر میں لیسا ویچتا ناج نگر میں
جب وہ انپڑیں گھر میں آیا گدھا بیل سوں یوں بتلایا
بد اسخت ہے خاوند میرا ہم پر ظلم کرے بہتیرا
سدا ناج کی گوڑیں پالے ایک روز بھی کدی نہ ٹالے
اگر بیل تو ہے کچھ سیانا میں بولوں سو پکڑ بہانا
آج گھاس دے مجھے ادھارا اگر لگے جی تجکوں پیارا
صبح گھاس الٹا میں دیونگا تنکا تنکا ادا کرونگا

جو تو آج نہ گھاس چریگا　　فجر نہ تجھپر گونر دھریگا
کہے بیل میرا آزاری　　کیونکر گونر دھروں میں بھاری
اسی بہانت ہوگی آسانی　　دور ہوے سب سرگردانی
پیچھے میں آزاری ہونگا　　لینے یہی بہانہ لیونگا
اتنی سنپر کر بیل بچارا　　کھپرا ہو رہا چھوپا چارا
خاوند ہنسا یو سنپر کر ساری　　جب وہ گھر کی راند پکاری
کون کاج تو ہنسا بتادے　　منجھے کھول وہ بات سنپادے
کہا بیٹھ اہیں کیا لیگی　　یوں ہی اپنا زیان کریگی
فجر ہوئی جب ڈالا چارا　　بول اٹھا وہ بیل بچارا
میرا گھاس منجھے دے بھائی　　رات بھوکھ سوں نیند نہ آئی
گدھا کہے نہیں سنپری کہانی　　خاوند گیا کسایوں کانی
کہا بیل میرا آزاری　　رہا رات کوں بھوکھا ساری
اگر مول شتابی لیجا　　تیرا من مانے سو دیجا
اب سے ہے وہ تازہ موٹا　　لیجا تجکوں ہوے نہ ٹوٹا
آج اگر تو گھاس چریگا　　پانپریں پی کر تار کریگا
لیجا تجکوں آج کسائی　　ذبح کریگا بیشک بھائی
منجھے آج بھی دیتو چارا　　باگھ مار جا ہوے دکھیارا
دیکھ دیکھ کسائی بھاگے　　تجھے لین کوں جیو نہ لاگے
اتنی سنپر پھر بیل بچارا　　کھپرا ہو رہا چھوپا چارا
پھیر ہنسا وہ بیلوں والا　　عورت بیٹھی کھاے نوالا
پھیر خصم سوں یونکر بوجھا　　تو کیوں ہنسا تجھے کیا سوجھا

کہا بیٹھ تو چپکی گھر میں نہیں لغو کچھ ایسے ذکر میں
کہا اگر تو نہیں بتاوے منجکوں پھیر نہ گھر میں پاوے
دے طلاق جیوں باہر جاؤں کے میں خبر ہنسی کی پاؤں
کہا اگر میں تجھے کہونگا یہی جانچ تحقیق مرونگا
کہا موت آئی تو مرجا خبر ہنسی کی مجکوں کر جا
دیکھ راپڈ کی بے شرماگی سگے خصم کوں مارن لاگی
میا جال لوہی رک بستا ایک نہیں یو لاگے سستا
کوئی کہیں کے لوگ لگائی لوگوں نے مل کری سگائی
سکھی ہوئے تو لاگے پیارا ناہیں مرو خدا کا مارا
پت بھرتا جو ہیں سو چاہیں ہت لیوا کی اور نباہیں
سکھی رکھو یا ہو دکھ دیوا نت اٹھ کریں پیا کی سیوا
سنپرو پھیر باقی کا قصا بیچہ پڑا پہرے کا حصا
روٹی کھائے خصم کوں بوجھی تو کیوں ہنسے تجھے کیا سوجھی
بول اٹھا پھر وہی بچارا اری منجے تو چاہے مارا
منجھے مار کر کہہ کیا لیگی اب تو چپکی ہو رہ بیگی
راپڈ کہے میں رہوں نہ برجی ایسی بات کہی الگرجی
ہارمان جب گھر میں بیٹھا قلمدان کاغذ لے بیٹھا
لکھی نصیحت ایسیں کیجیو دان دین یوں لیجیو دیجیو
بیوی نیں جب ایک نوالا ٹکڑا تو پر کتے کوں ڈالا
دوڑا مرغا لیا شتابی کہا کتے نیں ہائے خرابی
ظلم کیا تیں مرغے بھائی ارہیہ موت دھنیریں کی آئی

جب یوں بول اٹھا وہ مرغا　　خاوند کو سمجھا کر چرغا
ہوا راپڈ کے جو کوئی سارے　　سو تو رنڈوا موا بھلارے
مان پان کر کھان کھلاجے　　آچھا نیکا لیاے پہناجے
ایسا کدی نہ ہوجے سارے　　جیسا میرا میاں ہوارے
ایسا اِسکا حکم بجاوے　　اپراں پیارا جیو گنواوے
میری جو نو مرغیاں سوجھیں　　کیا مجال میرے سوں بوجھیں
اسکی ٹھور اگر میں ہوتا　　مار راپڈ کی سدھ بدھ کھوتا
کے یہہ راپڈ امانی مرتی　　کے جھک مار سو توبا کرتی
سنپر خاوند کے ہوا اجالا　　لیا گھینسلا کاغذ والا
مرد ہوکر ایسی ماری　　توبا توبا راپڈ پکاری
کدی نہ بوجھونگی پھر باتاں　　ایسیاں منجھے نارو لاتاں
بھلا کیا یوں بنا نرہتی　　پھیر لاڈ کیاں باتاں کہتی
جو وہ مرغا اگر نہوتا　　خاوند جیو بچارا کھوتا
لیکن عمر رہی تھی باقی　　کیا خدا نیں مرغا ساقی ۲۵۹ و ۲۶۰

(۳) یہ ایک لکڑہارے کا قصہ ہے جس کو حضرت سلیمان تین مرتبہ لعل عطا کرتے ہیں۔ اور وہ ہر بار کھو دیتا ہے :-

دُرِّ مجالس والا لیاوے　　قصہ یوں کر کھول بتاوے
ایک روز وہ بنی پیارا　　کسی گانو کے پاس سدھارا
ویرانے میں جاکر ڈیرا　　کیا ٹھاٹھ سارا بہتیرا
اسی ٹھور دیکھا ایک بندا　　کرے پیٹ کی خاطر دھندا
ہاتھ لکڑیا کمر کہاری　　سیس بھروٹا لکڑی بھاری

چلا نسنگ بنپریں سوں آوے ہوے ہوے قدم اتھاوے
پانوات پٹیں سیس جوئی دیہہ ڈگمگے ایسیں چلے
پردانپت نین میں پانی کہیں ہیں بدے سب بانی
نظر نبی کی جب وہ آیا رحم کیا اسکوں بتلایا
بدے میاں تک آگے آؤ کہو نانو کیا ہے بتلاؤ
دیکھ نبی کا نور اُجالا بول اٹھا وہ لکپریوں والا
سلیمان ہے نانو جو میرا کہو کام کیا منجسوں تیرا
روز اٹھوں میں بن میں جاؤں لکپریاں لیکر گھر کوں آؤں
بیچوں محنت کروں مزوری کھاؤں قوت حلال ضروری
لیجا بال بچوں کوں پالوں میں بھی اپنے مک میں ڈالوں
جب پیغمبر منہیں لیایا پاکی تجھے کریم خدایا
سلیمان ہے نانو جو میرا مال ملک مجکوں بہتیرا
سب دنیا فرماں برداری کرے سو میری خدمتگاری
سلیمان ایک یہی گتھیارا سر پر لکپریاں کمر کہارا
گرتا پرتا گھر کوں آوے اسے بینچہ کر کام چلاوے
یہی بول سر تاج اتارا کیا لال ایک اس تیں نیارا
اس بوڈھے کوں دیا بلاکر یہی بات بولے سمجھا کر
اسے بینچہ گھر بیٹھے کھاؤ پھیر نہ لکپریاں لینے آؤ
ایسی اسکی قیمت بھاری کدی نہو تجکوں ناداری
ڈال دیا بوڈھے نیں بھارا لیا لال اب چلا بچارا
بار بار میں موتی کھوے دیکھ دیکھ اسکوں یوں بولے

اے کریم تو خالق باری　　پتھرے پر کیا جوت اتاری
دیکھ چیل نیں اسکوں آئی　　کہا گوشت کی بوٹی پائی
جھپٹ مار کر لال اٹھایا　　روے روے بوڈھا پچھتایا
کہا گھروں کیا لیکر جاؤں　　بھلا جو وہی لکڑیاں لیاؤں
بالک بھوکھے مریں بچارے　　میری آس کریں وے سارے
جاکر واہی لیاؤں بھارا　　بوڈھا الٹ پھرا بچارا
بہت گھبرا بن میں آیا　　ڈھونڈھا کہیں نہ بھارا پایا
کہا گھروں کیا لیکر جاؤں　　بال بچے کیونکر سمجھاؤں
یہی سنجھ کر بن میں سویا　　جاگ جاگ پچھتا کر رویا
بالک میرے دکھی بچارے　　بھوکھے مریں پکاریں سارے
فجر ہوئی جب اٹھا بچارا　　سیس دھرا لکڑ یونکا بھارا
اسی ٹھور پر چل کر آیا　　جہاں نبی نیں تخت بچھایا
دیکھ نبی کے منیں آئی　　اسکوں ایتی حرص لگائی
لال مال ہے ایسا بھاری　　اسکی نسل سکھی ہو ساری
ایتا ہوکر لکڑیاں لیاوے　　ہاے حرص اسے کام کراوے
یہی بول اسکوں بتلایا　　کہہ لکڑیوں کو پھر کیوں آیا
کہا لال میں لیکر بھاگا　　موٹی کھول سو دیکھن لاگا
پڑی ٹوٹ کر چیل شتابی　　ترت لیگئی ہوئی خرابی
خالی گھر جاتا سرمایا　　الٹ پھیر لکڑیوں کو آیا
پھیر نبی نیں تاج اتارا　　کیا لال ایک اس تیں نیارا
بوڈھے کوں پھر پاس بلاکر　　دیا بہت چوکس سمجھا کر

کہا پھیر مت کھول دیکھا جے — خبردار ہوکر لیجا جے
لیا لال محکم کر پیارا — موشی موہنے چلا بچارا
اسی راہ میں نالہ آیا — پانو چل گیا غوطہ کھایا
ہوا گھابرا دوبن لاگا — ہاتھ کھل گیا اتھکر بھاگا
ہوا بے خبر لال گنوایا — ڈھونڈھا تو پھر کہیں نپایا

اشارت و نصیحت چتاونی

بے خبری جا کے گھٹ آوے — واہی اپراں لال گنواوے
دنیا بھی جو بہتی نالا — جس نیں پانو آہیں ڈالا
اس میں رپٹ پرا سو ڈوبا — بھول گیا آچھا منصوبا
غافل ہوکر لال گنوایا — آوانت پاچھے پچھتایا
لال عمر یہ خاصی تیری — جسکی قیمت ہے بہتیری
بار بار پھر ملے نہ یاہی — کرلے اس میں یاد الٰہی
خوب بندگی توبہ کرلے — کما کجاکر پرتل بھرلے
دنیا اگر یو مل کر ساری — کریں تجھے فرماں برداری
مال مملکت مل کر سارا — ہوئے ملک تیری یکتھارا
مرتے جو ایمان نپاوے — کہہ وہ کام تجھے کیا آوے
جے ایمان ہوا نستارا — پڑو کوے میں اور پسارا
لال ہوا تو سب کچھ پایا — خوار ہوا جن لال گنوایا
سنپرو لال کیاں پھر کر باتاں — بیچ کہگئے چار نکاتاں
بوڑھے نیں جب لال گنوایا — پھیر بچارا بن میں آیا
ٹکریاں باندھ بھروٹا بھاری — گھر کوں چلا سو کرتا زاری

ہاے ہمارے بالک سارے — روتے ہونگے سبھی بچارے
پھیر مل گیا نبی پیارا — بوجھے کوں پھیر یہی پکارا
لکڑیوں کوں تو پھیر کیوں آیا — کہا نبی میں لال گنوایا
پھیر نبی نیں تاج اتارا — کیا لال ایک اس تیں نیارا
بوجھے کوں جب دیا شتابی — کہا نکمیجے پھیر خرابی
باندھ لال پگر یہیں چلا — نگہبان رکھوالا اللہ
ایک سوار اچانک آیا — لال کھوس گھوڑا دوڑایا
ہو زاس جب بوجھا بھاگا — آئے نبی سوں کہنے لاگا
منجھے مل گیا وہاں بت پارا — اس نیں لیا سو میرا جھارا
وہی لال لیگیا سو میرا — میں نیں کیا شور بہتیرا
ہرگز اسکوں رحم نہ آیا — ایسی بھانت گھوڑا دوڑایا
کہا نبی نیں سنو رے بھائی — میں تو ہمت بہت چلائی
خدا نچاہے میں جو چاہوں — کون بھانت یہہ اور بناہوں
کہا نبی تم نیں بہتیری — کری دستگیری سب میری
جیوں نصیب میرے ہیں واہی — راکھے مجکوں آپ الٰہی
یہی بول کر بن میں آیا — لکڑیاں لیا کر کام چلایا (۲۵۱ و ۲۵۵)

بازآمدن بسوی قصۂ آن پیر ہیزم کش

اسی وقت پر تخت اٹھایا — اسی گانو کن جا پہنچایا
جہاں بسے تھا وہ گنتیارا — وہاں جاے کر تخت اتارا
بھیجہ آدمی اسے بلایا — اس نیں یوں پیغام کہایا
پیادا چلوں منجھے ہو خواری — منجھے چاہیے اب اسواری

کہا نبی نیں دولت آئی — جب اس نیں یوں بات چلائی
گھوڑا بھیجا اسے بلایا — جب وہ گھوڑے چڑھ کر آیا
کہا نبی نیں کہہ رے بھائی — کون بھانت یہہ دولت آئی
کہا نبی میں وہی گٹھیا را — بن سوں لکڑیاں لیاون ہارا
جب تم گئے کوی میں زاری — اے کریم تو خالق باری
کری نبی نیں مجھے دلاسا — تین لال بخشے تھے خاصا
لیکن وے سب تجھے نہ بھائے — تینیں تینوں لال گنوائے
اب میں تیری کروں جو آسا — تو کر میری خوب دلاسا
اتنا بول نبی میں آیا — ایک بھار پر نظر چلایا
چیل گھونسلے میں تھیاں لکڑیاں — میں نیں وہی جا کر پکڑیاں
تینوں لال اسی میں پائے — جب میں نیں اے ٹھاٹھ بنائے
سدا کروں حق کا شکرانا — پڑھوں نمازاں اور دوگانا
ہے خدای سب باتوں جوگا — ایسا کوئی ہوا نہ ہوگا

ل ۲۵۷ و ل ۲۵۸

حافظ محمد محمود شیرانی

بابا فرید شکر گنج۔ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ نومبر ۱۹۳۸ء)

راگ آسا ۔ شیخ فرید جیو کی بانڑیں

(اصل اشعار مئی ۱۹۳۸ء کے رسالہ میں صفحہ ۳۱-۳۳ پر درج ہیں)

۱ ۔ جن کو اُس (خدا) سے دلی محبت ہے۔ وہی سچے (راست باز و راست کار) ہیں جن کے دل میں کچھ اور ہے اور زبان پر کچھ اور وہ خام (کار) (درگاہ سے) رد کئے جاتے ہیں ۔

۲ ۔ (مبارک ہیں) وہ لوگ جو خدا کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور جو رنگ دیدار میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو خدا کے نام کو دل سے بُھلا چکے ہیں وہ اس دین کے لئے (ناقابلِ برداشت) بوجھ ہیں ۔

۳ ۔ اس کے در کے درویش وہی بن سکتے ہیں جن کو وہ خود اپنے دامن سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ مبارک ہے وہ ماں جس کے بطن سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کا اس دنیا میں آنا بارآور ہے ۔

۴ ۔ اے پروردگار تو حدود سے بیرون ہے۔ وہم و قیاس کی تجھ تک پہنچ نہیں ۔ تو بے کراں ہے۔ جن لوگوں نے (تجھ) حق کو پہچانا۔ میں ان کے پاؤں چومنا چاہتا ہوں

۵ ۔ اے خداوند میں تیری پناہ ڈھونڈھتا ہوں ۔ کہ تو بخش دینے والا ہے۔ شیخ فرید تجھ سے تیری عبادت اور متابعت کی خیرات مانگنے آیا ہے ۔

---

۱ ۔ شیخ فرید کہتا ہے۔ جو (اس کے) پیارے ہیں یا (وہی اس کے) پیارے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں (یا جنہوں نے اس سے رجوع کی) (اُس سے

رجوع کر لینا ہی زندگی سے اپنا بہترین بھلا ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ (یہ تن بدن ایک دن بیچارہ گور کے گھر میں جا کر خاک ہو جائے گا ۔

۲۔ شیخ فرید کہتا ہے۔ کہ آج ہی وصال (خداوند سے) میسر آ سکتا ہے اگر میں اپنے دل کی خواہشات کو جو کونجوں کی طرح روبہ پرواز رہتی ہیں روک لوں ۔

۳۔ اگر سچ مچ ہمارے دل میں یہ یقین ہو۔ کہ موت کے بعد قصہ ختم ہے اور دوبارہ حیات نصیب نہ ہوگی۔ تو ہم اس جھوٹی دنیا سے محبت کر کے اپنے آپ کو برباد نہ کر لیں ۔

۴۔ حق اور مذہب کے مطابق بات کہنی چاہیئے۔ جھوٹ نہ بولنا چاہیئے۔ جس راہ پر چلنے کی مرشد ہدایت کرے اس پر کمال مریدی سے گامزن رہنا چاہیئے ۔

۵۔ جواں مردوں (مردانِ حق) کو دریا (ے ہستی) سے پار جاتے دیکھ کر بندی کو بھی ہمت بندھی (کہ ہاں سالک کے لئے کامیابی مشکل نہیں) اور مجھ پر یہ بھی عیاں ہو گیا۔ کہ جو لوگ دنیا کے زر و مال سے رجوع کرتے ہیں وہ (عاقبت میں) آہ سے چیرے جاتے ہیں ۔

۶۔ اے شیخ تیری عمر عمرِ رواں ہے۔ کسی کے جسم کو بقا نہیں۔ جس آسن پر ہم بیٹھے ہیں۔ ہم سے پہلے بہت بیٹھ چکے ہیں ۔

۷۔ جیسے کاتک کے مہینے میں کونجیں سہاتی ہیں۔ چیت میں (جنگل کی) آگ اور ساون میں بجلیاں۔ ایسے ہی سرما میں محبوب کے گلے میں بانہیں زیب دیتی ہیں ۔

۸۔ فانی کو فنا لابدی ہے۔ دل میں ذرا سوچو تو کہ (ہستی سے رشتہ) جوڑنے میں تو چھ ماہ لگتے ہیں۔ مگر ٹوٹنے میں ایک چھن ۔

۹۔ اے فرید زمین آسمان سے (عبث) پوچھتی ہے۔ کہ وہ عظام کہاں گئے؟ جسم قبروں میں پڑے سڑتے ہیں اور روحیں اتہاماتِ بدی بھگت کر رہی ہیں ۔

راگ سُوہی بانڑیں شیخ (سیکھ) فرید جی کی۔

۱۔ تپ (فراق کے) میں مبتلا ہوں۔ (خنجرِ غم کے ہاتھوں جگر) پاش پاش ہو رہا ہے۔ ہاتھ مروڑتی ہوں۔ باؤلی ہو کر اس محبوب کی تلاش میں پھرتی ہوں ؛

۲۔ اے خاوندِ حقیقی مجھ سے خفا نہ ہو۔ میں تو سر بسر گنہگار ہوں۔ اور تو ہر قسم کی لوث سے بری ؛

۳۔ مجھ بدبخت پر تیری ذات کی حقیقت نہ کھل سکی۔ جوانی کھو چکی ہوں۔ اور اب پچھتاتی ہوں ؛

۴۔ اے کالی کوئل۔ تو کس وجہ سے کالی ہے؟ اسلئے کہ اپنے پریتم کے فراق کی آگ نے مجھ کو جلا دیا ہے۔ محبوب کے بغیر سکھ چین کہاں؟ جب وہ مالک مہربان ہوتا ہے۔ تب نعمتِ وصال سے سرفراز کرتا ہے ؛

۵۔ (دنیا دُکھ کا گھر) ایک اندھیرا کنواں ہے جس میں بے ہوش تن تنہا پڑی ہوں۔ نہ کوئی ساتھی ہے۔ نہ بیلی۔ مگر آہا ہا۔ مالک مہربان ہوا اور مجھے صحبتِ صالح عطا ہوئی۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو میرا مددگار دیا ور اللہ رحیم ہے ؛

۶۔ سفرِ آخرت بہت مشکل ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور نہایت تنگ۔ اُس راہ سے مجھ کو گذرنا ہے ؛

۷۔ اے شیخ فرید اس سفر کی تیاری میں جلد سے جلد مصروف ہو ؛

سُوہی للت۔

۱۔ جب بیڑا پار کرنے کا وقت تھا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ اب جب بحرِ موّاج لہریں لے گا۔ تب تیرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس (رنگِ عارضی) پر نہ جا۔ اے دوست تیرا ہاتھ جل جائے گا ؛

۲۔ مبارک ہیں وہ جنہوں نے اپنی آبرو رکھ لی۔ اور محبوب کے احکام کی پیروی کر لی۔

ظاہر ہے کہ دودھ تن سے نکل کر پھر تن میں نہیں بھر سکتا۔ حیاتِ انسانی دوبارہ نصیب نہیں ہوتی ؛

۳۔ فرید کہتا ہے۔ اے سہیلیو۔ محبوب ہم سب کو جلد بلوا بھیجے گا۔ روحیں خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر چلدیں گی اور اجسام یہیں ڈھیر ہو جائیں گے ؛

سلوک شیخ فرید کے

۱۔ جس دن عورت کی نسبت ہوئی (بیاہ کے) اوقات لکھوا (معین کروا) لئے گئے۔ ملک (الموت) جسکے متعلق سنتے رہتے ہیں وہ (وقتِ مقررہ پر) آ منہ دکھائے گا۔ بیچاری زندگی کو ہڈیاں توڑ توڑ کر نکالے گا۔ مقررہ اوقات (سانس) میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اے انسان تو اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ موت خاوند ہے اور زندگی اس کی منکوحہ عورت۔ وہ ضرور اُسے بیاہ کر لے جائے گا۔ جب وہ اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگے گا۔ تو یہ (بھاگ کر) کس کے گلے سے چمٹے گی۔ اے لوگو تم نے بال سے باریک پلصراط کے متعلق کچھ نہیں سنا ؟ اے فرید اُدھر سے آوازیں آ رہی ہیں۔ تم یہاں قیام کے خیال میں مست اپنے آپ کو مروا نہ لینا ؛

۲۔ اے فرید خدا کے دروازے کا درویش ہونا بہت مشکل کام ہے۔ میں تو دنیا ہی کی طرح چل رہا ہوں۔ (اس طرح سے) میں نے (گناہوں کی) ایک پوٹلی اٹھالی ہے۔ بتاؤ۔ اس بوجھ کو کیسے سر سے اتاروں ؛

۳۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا ایک آتش زارِ نہانی ہے۔ میرے مولا نے بخشش فرمائی ورنہ میں بھی جل جاتی ؛

۴۔ اے فرید اگر میں سمجھتی ہوں۔ کہ مل تھوڑے ہیں تو مجھے سمجھل کر مٹھی میں پکڑنے چاہئیں اگر میں جانتی ہوں۔ کہ میرا خاوند ابھی طفل ہے (جوان نہیں) تو مجھے تھوڑا ناز

کرنا چاہیئے ؛

۵۔ اگر میں سمجھتی ہوں۔ کہ میرا دامن پھٹ جائیگا۔ تو مجھے گرہ مضبوط دینی چاہیئے۔ تجھ سا عظیم الشان دنیا میں اور کوئی نہیں۔ میں نے اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے۔

۶۔ اے فرید اگر تو عقل لطیف کا مالک ہے۔ تو سیاہ کار نہ بن۔ سر نیچا کر کے اپنے گریبان میں دیکھ ؛

۷۔ اے فرید جو لوگ تجھے مکّے مارتے ہیں۔ تُو بدلہ میں ان کو نہ پیٹ۔ اُن کے پاؤں چوم اور اپنے گھر لوٹ ؛

۸۔ اے فرید جب سچی کمائی کا موقعہ تھا۔ تب تو دنیاداری میں مصروف رہا۔ موت کی بنا پختہ ہوتی جاتی ہے۔ جونہی بیڑی بھر گئی چل دینا ہوگا ؛

۹۔ اے فرید دیکھ کہ کیا حال ہوگیا۔ ڈاڑھی بھوری ہوگئی ہے۔ عاقبت نزدیک آچلی ہے۔ اور دنیا بہت پیچھے رہی جاتی ہے ؛

۱۰۔ اے فرید دیکھ کہ کیا تغیر ہوگیا۔ شکر زہر ہوگئی ہے۔ اس دُکھ کی حقیقت اپنے مولا کے بغیر میں کس سے کہوں ؟

۱۱۔ اے فرید تماشائے عالم سے آنکھیں سیر ہوگئیں (یا دیکھنے سے رہ گئیں) شورشِ عالم سے کان بھر گئے۔ شاخِ ہستی خشک ہو چلی ہے۔ اب اس کا رنگ متغیر ہوگیا ہے

۱۲۔ اے فرید جنہوں نے کالے بالوں کے وقت اُسے خوش نہ کیا۔ وہ اُنکے سفید ہو جانے پر اُسے کیسے خوش کر سکیں گے۔ مولا سے پریت لگا۔ تاکہ تیرا رنگ نیا اور تازہ ہو جائے ؛

گورو امر داس

[اے فرید۔ کالی اور سفید ڈاڑھی کے اوقات کا تعین فضول ہے۔ خداوند قایم ودایم ہے۔ جب کوئی چاہے اس کی یاد میں محو ہو سکتا ہے۔ کوئی کتنی تمنا کرے۔ اُس

مالک کی مرضی کے بغیر اس سے محبت کا رشتہ قایم نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کا عشق ایک پیالہ ہے جس کو وہ خود ہی عنایت کرتا ہے۔ جس پر اس کا کرم ہو۔]

۱۴۔ اے فرید دنیا کو مسحور کرنے والی آنکھیں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک وہ دن تھے۔ جب سُرمہ کی لکیر بھی ان پر گراں تھی۔ اور اب ان کے خولوں میں جانوروں کے بچے بیٹھے ہیں ؛

۱۵۔ اے فرید ہر روز ان کو آوازیں پکاریں سنائی دیتی ہیں۔ ان کو نصیحتیں دی جاتی ہیں۔ مگر جن لوگوں کو ایک دفعہ شیطان نے مغلوب کرلیا ہے۔ وہ دل کو دنیا کی طرف سے کب ہٹاتے ہیں ؛

۱۶۔ اے فرید اگر تو مالک کُل تک اپنی رسائی چاہتا ہے۔ تو پاؤں تلے کی (یا راستے کی) دوب ہو جا۔ پہلے اسے کاٹتے ہیں۔ پھر اسے دباتے ہیں۔ مگر اس کے بعد وہ مالک کے گھر میں جا داخل ہوتی ہے ؛

۱۷۔ اے فرید خاک کو بُرا نہ کہہ۔ خاک کے برابر کس کا رتبہ ہے ؟ ہماری زندگی میں تو یہ ہمارے پاؤں کے تلے ہے۔ مگر مرنے کے بعد یہ اوپر اور ہم نیچے ؛

۱۸۔ اے فرید جہاں ہوس ہے وہاں عشق کا کیا کام۔ جہاں حرص و ہوس ہیں وہاں کا پیار جھوٹا ہے۔ اگر چھت شکستہ ہو تو بارش میں وہاں کیسے گذر ہو سکتی ہے ؟

۱۹۔ اے فرید تو جنگلوں میں کیوں مارا مارا پھرتا ہے۔ اور کیوں بن کے کانٹوں سے الجھتا ہے۔ خدا تو تیرے دل میں بستا ہے۔ اور تو اس کی تلاش جنگلوں میں کرتا ہے ؛

۲۰۔ اے فرید وہ دن بھی تھے جب ان چھوٹی سی ٹانگوں سے میں تھل اور ڈونگر (ریتیلے میدانوں) میں (آزادانہ اور بے تکان) پھرا کیا۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ قریب پڑا ہوا کوزہ میرے لئے سو کوس کے فاصلے پر رکھی ہوئی شے ہو گئی ہے ؛

۲۱۔ اے فرید راتیں بڑھ گئیں۔ عضو عضو میں آگ لگی ہے۔ حیف ہے ان کی زندگی پر جن کو (محبوب کی آمد کی) اُمید باقی نہیں رہی (یا تف ہے ان کی زندگی پر جن کو کسی دوسرے بیگانے کی آس ہے) ٭

۲۲۔ اے فرید دوست کی آمد پر میری ہستی مکمل طور پر اس پر قربان ہو جاتی ہے۔ میری حالت اس وقت وہی ہوتی ہے۔ جو انگارے پر مچھلیٹھ کی ٭

۲۳۔ اے فرید۔ دیکھ۔ جاٹ بوتا تو کیکر کے بیج ہے۔ مگر چاہتا ہے بجوری دا کھ۔ کاتتا تو اُون ہے۔ اور چاہتا ہے کہ میں ریشم بنوں ٭

۲۴۔ اے فرید گلیوں میں کیچڑ ہے۔ گھر دُور ہے۔ اِدھر پیارے کی محبت (جوش زن ہے)۔ اگر جاتی ہوں تو کمبل بھیگتا ہے۔ اگر نہ جاؤں تو رشتۂ محبت ٹوٹتا ہے ٭

۲۵۔ اے کمبل بھیگ جا۔ تربتر ہو جا۔ میرا اللہ مینہ برسا رہا ہے۔ میں ضرور جاؤں گی۔ اور محبوب سے جا کر ملونگی۔ محبت کے وعدے کو نہ توڑوں گی ٭

۲۶۔ اے فرید دیکھ۔ تو تو اپنی پگڑی پر مٹا ہوا ہے۔ اور احتیاط کرتا ہے کہ میلی نہ ہو جائے مگر احمق یہ نہیں سوچتا۔ کہ پگڑی تو پگڑی رہی۔ تیرے سر تک کو ایک روز مٹی کھا جائے گی ٭

۲۷۔ اے فرید شکر۔ کھانڈ۔ نبات۔ گڑ۔ شہد۔ بھینس کا دُودھ سب شیریں چیزیں ہیں مگر وردِ خدا کی عذوبت کو نہیں پہنچتیں ٭

۲۸۔ اے فرید میری روٹی چوبی ہے۔ اور بھوک سالن ٭
جو لوگ چُپڑی روٹیاں کھاتے ہیں۔ اُن پر عذاب (بقدرِ عیش) اور بھی زیادہ ہوگا ٭

(۲۹) روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی لے۔ اے فرید دُوسرے کی چُپڑی دیکھ کر نہ للچا ٭

۳۰۔ آج کی رات ہی میں خاوند کے ساتھ نہیں سوئی۔ دیکھو دردِ فراق سے میرا عضو عضو ٹوٹ رہا ہے۔ ذرا ان بدبختوں سے تو پوچھو کہ تم فراق کی راتیں کیونکر بسر کیا کرتی ہو

۳۱۔ نہ تو سسرال میں اُن کو پناہ ملتی ہے۔ نہ میکے میں ان کے لئے جگہ ہے خاوند اُن سے بات چیت نہیں کرتا۔ پھر بھی یہ عورتیں سہاگن کہلاتی ہیں ؛

۳۲۔ [سسرال اور میکے کا ذکر کیا ہے۔ فکر تو رضائے خاوندی (خداوندی) کی ہے۔ اور وہ پیارا خاوند تفہیم سے بالا اور بے پایاں۔ اے نانک جو عورت اس بے پروا کو پسند آگئی وہی سہاگن ہے (بن گئی)۔]

۳۳۔ جو بظاہر) نہاتی دھوتی اور ریا کرتی ہے۔ اور بے فکر سو جاتی ہے۔ اے فرید اس کی ہیڑی ہینگ سے لدرہی ہے۔ نہ کہ کستوری سے ؛

۳۴۔ جوانی کے چلے جانے کا ڈر نہیں۔ بشرطیکہ محبوب کی پریت دل سے نہ چلی جائے۔ اے فرید میں نے کتنے ہی جوبن دیکھے ہیں۔ جو پریت کے بغیر کملا گئے ؛

۳۵۔ اے فرید فکرِ عاقبت میرا کھٹولا ہے۔ زُہد میرا بان ہے۔ اور دردِ عشق بچھونا اور اوڑھنا۔ اے مالکِ حقیقی یہی میرا جیون ہے۔ تو براہِ کرم اسے دیکھ ؛

۳۶۔ لوگ فراق کو بُرا کہتے ہیں۔ مگر فراق تو سب سے مقدم اور سب سے محترم ہے اے فرید جس تن میں فراق نہیں اُگا وہ گورستان سے بیش نہیں ؛

۳۷۔ اے فرید یہ (عورتیں) زہر کی شاخیں ہیں۔ جن کو نبات سے لپٹا دیا گیا ہے۔ بہت سے تو اس کے بونے میں رہ گئے اور کچھ بوئی ہوئی کو اجاڑ گئے ؛

۳۸۔ اے فرید چار (پہر) تو تُو نے کام میں گذار دیئے اور چار (پہر) سو کر۔ ارے بندے۔ خداوند تعالےٰ حساب پوچھے گا۔ تو کیسے بسر کر رہا ہے!

۳۹۔ اے فرید میں نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ ایک گھڑیال ہے۔ جسے بے گناہ

پیٹ رہے ہیں۔ اگر یہ حال ہے تو ہم گناہگاروں کا کیا حال ہوگا ؛

۴۰۔ گھڑی گھڑی اُسے مارتے ہیں۔ پہر پہر اُسے سزا دیتے ہیں۔ ہم گنہگار بھی اسی طرح دُکھ اُٹھائیں گے ؛

۴۱۔ شیخ فرید بوڑھا ہوگیا۔ بدن کانپنے لگا۔ اگر پورے سو برس جیا تو بھی کیا۔ آخر اس بدن کو خاک ہونا ہے ؛

۴۲۔ فرید کہتا ہے۔ (اے خدا) مجھے کسی دوسرے کا دروازہ نہ دکھا۔ اگر مجھے دوسروں کے در پر بٹھانا ہو۔ تو روح کو بدن سے قبض کرلے ؛

۴۳۔ اے دنیادار۔ تیرے کندھے پر کلہاڑا ہے۔ میرے سر پر پانی کا ایک گھڑا ہے اور تو بن میں درخت کے پاس پھرتا ہے۔ فرید تجھ سے کہتا ہے کہ (دیکھ۔ تجھ میں اور مجھ میں کس قدر فرق ہے۔ اس شجر زارِ عالم میں تو ایندھن ڈھونڈھتا ہے اور میں اپنا محبوب ؛

۴۴۔ اے فرید آج یہاں کسی کے پاس تو ورثہ میں پایا اُٹھا ہے اور کسی کے پاس نمک بھی نہیں۔ اگلی دنیا میں چل کر بھید کھلے گا۔ کہ ان میں سے کون کس چیز کا اصلی حقدار ہے اور کون سزا کا مستوجب ؛

۴۵۔ جن کے پاس دمامہ تھے۔ جن کے سروں پر چھتر تھے۔ (دروازوں پر) نفیری (بجتی تھی) (جنکے لئے) قصیدہ خواں قصیدے کہتے تھے۔ وہ سب گورستان میں پہنچ گئے اور (عالم بے چارگی میں یتیموں کی طرح پڑے ہوئے ہیں ؛

۴۶ اے فرید مکان، منڈپ، محل تعمیر کرانے والے چل دیئے۔ انہوں نے جھوٹ کا (یا جھوٹا) بیوپار کیا۔ آخر قبروں میں چل بسے ؛

۴۷۔ اے فرید گدڑی (کمنتا، جوگیوں کی گدڑی) کو زیادہ دیر تک چلانے کے لئے تو نے پکے ٹانکے میخوں کی طرح سے لگائے ہیں۔ مگر روح کو جسم میں قائم رکھنے کیلئے

کوئی میخ نہیں۔ اپنی اپنی باری پر مشائخ اور شیخ سب چل دیئے ؛

۴۸۔ اے فرید دیکھ دو چراغوں کے جلتے ملک (الموت) آ بیٹھا ہے۔ اس نے قلعہ تسخیر کر لیا۔ خزانے کے گھڑے کو لوٹ لیا۔ اور چراغ بجھا کر چلتا ہوا ؛

۴۹۔ اے فرید دیکھ کپاس کے ساتھ کیا ہوا اور تلوں کے سر پر کیا گذری۔ پھر ایکھ کے ساتھ کیا ہوا۔ کاغذ کو کیا کیا سہنا پڑا اور مٹی کی ہانڈی نے کیا کیا مصیبت جھیلی۔ کوئلہ کو کیا درپیش آیا۔ جو بدعمل ہیں ان کو یونہی سزائیں ملا کرتی ہیں ؛

۵۰۔ کاندھے پر مصلّٰے ہے۔ گلے میں صوف۔ مگر دل میں چھری اور زبان میں شیرینی۔ باہر سے تو روشن دکھائی دیتا ہے۔ مگر دل میں شب تار کا اندھیرا ؛

۵۱۔ اے فرید۔ اگر کوئی اُن کے بدن کو چیرے تو اس میں سے رتی بھر خون بھی نہ نکلیگا جو لوگ خدا کے عشق میں مگن ہیں ان کے جسم میں خون کہاں۔

گورو امر داس

[یہ جسم خون سے بھرا ہے۔ خون کے بغیر جسم کہاں۔ جو لوگ اپنے خاوند کی محبت سے پُر ہیں اُن کے بدن میں ہوس اور حرص کا لہو نہیں ہوتا۔ جب دل میں خوف خدا جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو جسم ضرور گھٹتا جاتا ہے۔ اور اس میں سے حرص و ہوس کا خون سوکھتا جاتا ہے۔ جس طرح آگ سے سونا صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح خوف خدا بدشعاری و بدشعوری کی آلائش کو دور کر دیتا ہے۔ اے نانک وہ لوگ نہایت خوبصورت ہیں جو خدا تعالےٰ کی محبت کی رنگ میں رنگ گئے ؛]

۵۳۔ اے فرید تو بڑے تالاب کی تلاش کرتا کہ اس میں سے کوئی چیز ہاتھ لگے۔ چھپڑ میں ڈھونڈھنے سے کیا ملے گا۔ سوائے اس کے کیچڑ سے ہاتھ لت پت ہو جائیں

۵۴۔ اے فرید چھوٹی عمر (جوانی میں) میں خاوند کو خوش نہ کیا۔ بڑی عمر میں بس موت تک پہنچے اور کچھ نہ کر سکے۔ اب بچاری عورت قبر میں فریاد کر رہی ہے۔ کہ آ محبوب

تجھ تک میری رسائی نہ ہو سکی ؛

۵۵۔ اے فرید سر کے بال سفید ہو گئے۔ ڈاڑھی اور مونچھیں بھی سفید ہو گئیں۔ مگر اے غافل دل تو اب تک عشرت پرستی پر مائل ہے ؛

۵۶۔ چھت پر کوئی کہاں تک ناچ کود سکتا ہے ؛ اے دل تو اپنے محبوب حقیقی کی طرف سے غفلت کو ترک کر۔ تجھ کو اتنے گنے دن ملے تھے۔ سو تو نے بُرے کاموں میں اِدھر اُدھر بھٹک کر گنوا دیئے ؛

۵۷۔ اے فرید مکان منڈپ اور محل۔ ان سے محبت نہ کر۔ وہ دن دُور نہیں جب تجھ پر کافی سے زیادہ مٹی ڈالی جائے گی اور کوئی تیرا ساتھی نہ ہو گا ؛

۵۸۔ اے فرید دل کو منڈپ اور مال سے وابستہ نہ کر۔ مرگِ غالب کا دل میں دھیان کر۔ اس جگہ کی فکر کر جہاں تجھے آخر میں جانا ہے ؛

۵۹۔ اے فرید جن کاموں میں کچھ خوبی نہیں۔ وہ کام ترک کر۔ ایسا نہ ہو کہ ان کاموں کے کرنے سے تو مالک کے دربار میں شرمندہ ہو ؛

۶۰۔ اے فرید مالکِ کُل کی چاکری کر دل سے دوسری سب تمناؤں اور توہموں کو دور کر۔ درویشوں کو درختوں کا سا تحمل اور صبر روا ہے (یا درویشوں کو شجر زاروں میں گزر کرنی چاہیئے) ؛

۶۱۔ اے فرید میرے کپڑے بھی کالے ہیں اور میرا بدن بھی سیاہ ہو گیا ہے۔ میں تو گناہ سے آلودہ پھرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ درویش ہے ؛

۶۲۔ پانی میں سڑی (چیز) کو لاکھ مرتبہ پانی میں ڈبو وہ تازہ اور نئی نہیں ہو سکتی۔ اے فرید جو خدا کی ماری ہوئی ہے۔ وہ عورت کسی طرح سے شاداں و فرحاں نہیں ہو سکتی اور ہمیشہ غمزدہ رہے گی ؛

۶۳۔ جب کنواری ہوتی ہے۔ تو بیاہ کا بہت چاؤ ہوتا ہے۔ جب بیاہی گئی تو پھر

جنجال میں پڑگئی اور معاملہ درمعاملہ درپیش رہتا ہے۔ اے فرید حیف کہ اب پھر کنواری نہیں ہوسکتی ؛

۶۴۔ کلّر والے چھپّڑ میں ہنس آ اُترے ہیں۔ چونچیں ڈبوتے ہیں۔ مگر پیتے نہیں۔ اُنکو تو اُڑ چلنے کی فکر ہے ؛

۶۵۔ راج ہنس اُڑکر کودوں کے کھیت میں چلا گیا۔ لوگ اسے اُڑانے جارہے ہیں۔ وہ غافل اور کم فہم لوگ یہ نہیں جانتے۔ کہ ہنس کُدم نہیں کھاتا ؛

۶۶۔ وہ پرندوں کے جُھنڈ جن سے تالاب آباد تھے چل دیئے۔ اے فرید۔ بھرا تالاب بھی ایک دن سُوکھ جائے گا۔ فقط کنول رہ جائیں گے ؛

۶۷۔ اے فرید (وہ دن یاد کر جب) اینٹ تیرے سرہانے ہوگی۔ زمین پر تو دراز ہوگا۔ کیڑے کوڑے تیرے بدن کا گوشت پوست کھائیں گے۔ اور لاکھوں جُگ تجھے ایک ہی پہلو پڑے پڑے گذر جائیں گے ؛

۶۸۔ اے فرید خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ آج عزرائیل فرشتہ کس کے ہاں مہمان ہوگا ؟

۶۹۔ اے فرید خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ جو (خدا) دوست (مرنے سے) پہلے ہی مرچکے ہیں وہ آج (موت کا شکار ہوکر) کیوں آئیں گے ؟

۷۰۔ اے فرید جو نماز نہیں پڑھتے۔ وہ کُتّوں سے بدتر ہیں۔ یہ شیوہ اچھا نہیں۔ پانچوں وقت چل کر مسجد میں نماز ادا کرنی چاہیئے ؛

۷۱۔ اے فرید اُٹھ۔ وضو کر۔ صبح کی نماز گذار۔ جو سر مالک کی حضوری میں خم نہیں ہوتا اسکو دھڑ سے الگ کر دینا چاہیئے ؛

۷۲۔ جو سر خدا کی حضوری میں خم نہیں ہوتا۔ اس کا اور کوئی مصرف نہیں۔ اسے کاٹ کر

ہانڈی کے نیچے ایندھن کے بجائے جلا دینا چاہیئے ؛

۷۳۔ اے فرید تیرے ماں باپ کہاں ہیں۔ جنہوں نے تجھے پیدا کیا۔ وہ تجھ سے دُور چلے گئے۔ مگر ابھی تک تجھ کو اس (سفرِ آخرت) کی خبر و فکر نہیں ہوئی ؛

۷۴۔ اے فرید من کو میدان بنا دے۔ نشیب و فراز دور کر دے۔ ایسا کرنے سے عاقبت میں تو دوزخ سپرد نہ ہوگا ؛

گوروارجن دیو

۷۵۔ [اے فرید خالق خلق میں ہے۔ اور خلق اپنے ربّ میں بستی ہے۔ بُرا کس کو کہا جائے۔ جب اس کے بغیر اور کوئی ہے ہی نہیں ۔]

۷۶۔ اے فرید جس دن نال کاٹی تھی۔ اگر اس دن گلا کاٹ دیتے۔ تو خوب ہوتا۔ اتنے معاملات تو نہ پیش آتے اور ہم اتنے دُکھ تو نہ سہتے ؛

۷۷۔ دانت پاؤں۔ آنکھیں اور کان کام کرنے سے رہ گئے۔ بدن نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ میرے دوست چل دیئے ؛

۷۸۔ اے فرید جو بُرا کرے۔ تُو اس ؑ بھلا کر۔ دل میں غصہ کو جگہ مت دے۔ ایسا کرنے سے تجھے کوئی مرض لاحق نہ ہوگا اور تیری ہر مراد بر آئے گی ؛

۷۹۔ اے فرید پرندے مہمان ہیں اور دُنیا سہانا باغ ہے۔ نوبت بجی۔ صبح کو اُٹھ کر چل دینے کا ساز و سامان کر ؛

۸۰۔ اے فرید رات میں کستوری مٹتی ہے۔ سوئے ہوؤں کو حصّۂ (شوق) نہیں ملتا۔ جن کی آنکھیں خواب آلود ہیں۔ ان کو دیدار و وصال کہاں ؟

۸۱۔ اے فرید میں سمجھتا تھا کہ دُکھ مجھی کو ہے۔ مگر دیکھی تو سارا جہان ہے۔ اونچی جگہ پر چڑھ کر دیکھا تو گھر گھر آگ لگی ہے ؛

گوروارجن دیو :-

۸۲۔ اے فرید یہ زمین تو ریگستان (عیش زار) ہے۔ ہاں اس کے عین بیچ ایک زہریلا باغ بھی ہے۔ جن کی پیر و مرشد نے نوازش کی۔ ان کو آنچ نہیں لگتی ؛

گورو ارجن دیو

۸۳۔ اے فرید لمبی عمر اور مکمل صحت یہ نعمتیں بہت کم نصیب ہوتی ہیں انہیں کو ملتی دیکھی ہیں۔ جن کے دل میں خدا کی محبت تھی ؛

۸۴۔ اے (دریا کے) بہاؤ تو کناروں کو مت گرا۔ ایک دن تجھے بھی حساب دینا ہوگا جس طرف رضائے خدا اشارہ کرتی ہے (دریا کرے) اسی طرف بہاؤ اپنا رُخ کرتا ہے (بہاؤ کو اپنا رُخ کرنا چاہیئے) ؛

۸۵۔ اے فرید دن تو دکھ میں بیتا اور رات درد میں۔ پٹّن والا کھڑا پکارتا ہے۔ کہ سنبھلو تمہاری بیڑی منجدھار کے منہ میں پڑتی ہے ؛

۸۶۔ لمبی ندی کنارے کے ساتھ ساتھ بہہ رہی ہے۔ دھارا بیڑے کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اگر ملّاح ہوشیار رہے ؛

۸۷۔ اے فرید بات چیت میں بیبیوں دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ مگر ضرورت کے وقت ڈھونڈھوں تو ایک بھی نہیں ملتا۔ میرے پیارے (سچے) دوستوں کے غم میں تو میں ایسے دُبک رہی ہوں جیسے گوبر کا اُپلا ؛

۸۸۔ اے فرید یہ دل تو کتے کی طرح بھونکتا رہتا ہے۔ اس کی باتوں کو سُن سُن کر کون دُکھ اٹھائے۔ میں نے تو کانوں میں روئی دے رکھی ہے۔ اسکو بکنے دو ؛

۸۹۔ اے فرید (وصال) محبوب حقیقی گویا پکی کھجوریں اور شہد کی بہتی ندیاں ہیں (جنکے لیے جلد سے جلد کوشش کرنی چاہیئے۔) جو دن جاتا ہے۔ وہ ہماری فرصتِ عمر میں کمی کر رہا ہے ؛

۹۰۔ اے فرید جسم سُوکھ گیا۔ پنجر ہی پنجر رہ گیا۔ یہاں تک کہ کوّے آ آ کر میرے پاؤں کے

تلووں کو ٹھونگتے ہیں۔ مگر وائے قسمت ابھی تک اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا

۹۱۔ اے کوّے تو نے میرا سارا پنجر ڈھونڈھ لیا۔ اور سارا گوشت پوست اُڑا لیا۔ مگر تو ان دو آنکھوں کو مت چھونا۔ کیونکہ مجھے ابھی تک جلوۂ دیدار کی امید باقی ہے

۹۲۔ اے کوّے۔ میرے پنجر کو مت چھوڑ۔ اور یہاں سے ایکدم اُڑ جا۔ جس پنجر میں کبھی نہ کبھی آکر میرا خاوند حقیقی بسیگا۔ اس کے پوست کو مت چھو ؛

۹۳۔ اے فرید بیچاری قبر آواز دیتی ہے۔ کہ اے بے خانماں۔ میرے یہاں آجا۔ تجھے میرے پاس آنا ہے۔ موت سے مت ڈر ؛

۹۴۔ میرے ان آنکھوں سے دیکھتے بہت سے چل بسے۔ جو باقی ہیں وہ اپنی اپنی بسر اوقات کی فکر میں لگے ہیں۔ مگر مجھے ایک اور ہی غم ہے۔

۹۵۔ اگر تم اپنی روح کے سنوارنے کی سعی کروگے۔ تو (خدا کہتا ہے کہ) میں تمہیں مل سکوں گا۔ اور مجھے ملنے سے تمہیں ہر طرح کا سکھ چین ملے گا۔ اے فرید (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) اگر تو میرا ہو کر رہے گا۔ تو کُل دنیا تیری ہو کر رہے گی ؛

۹۶۔ (دریا کے) کنارے کا درخت کب تک (جینے کی) امید لگائے رکھیگا اے فرید کچے برتن میں کب تک پانی رہ سکتا ہے ؟

۹۷۔ اے فرید محل خالی ہو گئے اور زیر زمین بس گئی۔ انہی بیچاری قبروں میں اب روحیں ٹھکانا کئے ہوئے ہیں۔ اے شیخ بندگی کر۔ بس آج کل میں تجھے بھی چلدینا ہے ؛

۹۸۔ اے فرید موت کی حدود مجھے یوں (صاف) دکھائی دیتی ہیں جیسے دریا کا وہ پار۔ سنتے ہیں کہ آگے (عاقبت میں) دوزخ تپ رہا ہے۔ اور دوزخی چیخ پکار کر رہے ہیں۔ دیکھو کچھ تو سب اسرار سے آگاہ ہیں اور کچھ غافل پھر رہے ہیں جو اعمال اس دنیا میں ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہی اس بارگاہ میں جاکر ہمارے

گواہ بنتے ہیں ؛

۹۹۔ اے فرید دریا کے کنارے بگلا بیٹھا کلول کر رہا ہے۔ کھیلتے ہوئے ہنس پر یکایک باز جھپٹا۔ جب خدا کا باز آیا تو سب لہو و لعب بسر گیا۔ جو باتیں ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالےٰ سے وہی منشور ہوتی ہیں ؛

۱۰۰۔ ساڑھے تین من کا یہ جسم ہے۔ جو غذا اور پانی کے سہارے چلتا ہے۔ انسان دُنیا میں اُمیدیں اور آرزوئیں لئے آتا ہے (اور اپنے گرد فصیل تیار کر لیتا ہے) مگر ملک الموت جب آئے گا۔ تب سب دروازے توڑ دے گا۔ خویش و اقارب کی موجودگی میں اسکو باندھ لیتا ہے۔ دیکھو اب چار آدمیوں کے کندھے پر مرحوم جا رہا ہے۔ اے فرید درگاہ میں (اور کچھ کام نہیں آیا) سوائے ان اعمال نیک کے جو دنیا میں کئے تھے ؛

۱۰۱۔ اے فرید میں قربان ان پنچھیوں کے جو جنگل میں بود و باش رکھتے ہیں۔ کنکر چگتے ہیں اور ریگستان میں بسر کرتے ہیں۔ (مگر) ذکر (قرب) خدا انہیں بھولتے ؛

۱۰۲۔ اے فرید موسم تبدیل ہو گیا۔ بن کانپ رہا ہے۔ پتے لگاتار جھڑ جھڑ کر زمین پر جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے چاروں اطراف میں ڈھونڈھ لیا ہے۔ کہیں پناہ نہیں ؛

۱۰۳۔ اے فرید ریشم کے کپڑوں کو پھاڑ کر تار تار کر دوں گا۔ اور کملی اوڑھ لوں گا۔ جس جس لباس کے زیب تن کرنے سے وہ خاوند (حقیقی) مل سکتا ہے۔ اُسے پہنوں گا ؛

گورو امر داس جی

۱۰۴۔ [تو کیوں ریشم کو پھاڑتا ہے۔ اور کیوں کالی کملی پہنتا ہے؟ نانک کہتا ہے۔ کہ گھر میں بیٹھے بٹھائے وہ خاوند مل سکتا ہے۔ اگر تو اپنی نیت کو راس لائے۔] ؛

۱۰۵ گوروارجن دیوجی۔

اے فرید جن کو اپنی بڑائی کا غرور ہے۔ جن کے پاس بے انتہا دھن ہے جوانی ہے۔ وہ مالکِ کُل کی محبت سے خالی رہ گئے۔ یُوں جیسے مینہ کے پانی سے ٹیلے ٭

۱۰۶۔ اے فرید اُن کے منہ ڈراؤنے (گھناؤنے) ہیں۔ جو خدا کے نام کو بھول گئے ان کے لئے یہاں بھی بہت دکھ درد ہے اور وہاں بھی کوئی ملجا وماوا نہیں ٭

۱۰۷۔ اے فرید تو پچھلی رات (کے پچھلے پہر) نہ جاگا۔ گویا تو جیتا ہی مرگیا۔ یاد رکھ۔ کہ ہرچند تو نے رب کو بُھلا دیا ہے۔ مگر رب نے تو تجھے فراموش نہیں کیا ٭

۱۰۸۔ گوروارجن دیوجی۔

اے فرید خاوند حقیقی بڑا رنگیلا (رنگین مزاج) ہے اور بہت "بے محتاج" (بے پروا) جو لوگ اللہ کی محبت میں رنگے جاتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ سب ساز وسامان (دنیا) (سچا) برحق ہے ٭

گوروارجن دیوجی۔

۱۰۹۔ اے فرید تو دکھ اور سکھ کو ایک سا جان۔ دل سے آلایشوں کو دُور کر۔ اگر اللہ تعالےٰ کو تیری بھلائی منظور ہوئی۔ تب یقیناً تجھے اس کے دربار تک رسائی نصیب ہوگی ٭

گوروارجن دیوجی

۱۱۰۔ اے فرید (عام لوگوں کے دلوں کا تار) دنیا کے بجانے سے بجتا ہے۔ تیرا بھی یہی حال ہے۔ مگر ہاں وہ روح اس طرح سے لرزش نہیں کرتی۔ جس کی خود خدا تعالےٰ خبرگیری کرتا ہے ٭

۱۱۱۔ گوروارجن دیوجی۔

اے فرید دل تو اس دنیا کے کاموں میں مستغرق ہے۔ مگر یہ دنیا کسی کام کی نہیں
فقیروں کی روش بہت مشکل ہے اور وہ اچھا نصیبہ ہو تبھی حاصل ہو سکتی ہے ؛

۱۱۲۔ (رات کے) پہلے پہر (جاگنے سے) پھُول (حاصل ہوتے ہیں) اور پچھلے پہر میں
(جاگنے سے) پھل بھی (میسر آتا ہے)۔ جو (لوگ) جاگتے ہیں وہی اپنے سائیں
سے نعمت پاتے ہیں ؛

۱۱۳۔ نعمتیں اس مولا کی ہیں جس کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ دیکھو کوئی تو جاگتے
ہیں مگر کچھ نہیں پاتے۔ اور کوئی جو سوئے رہتے ہیں ان کو جگا کر وہ عطائیں دیتا ہے

۱۱۴۔ اے سہاگ کی متلاشی عورت۔ تجھ میں ضرور کسی بات کی کمی ہے، جو (در اصل)
سہاگن ہیں ان کو کسی طرح کی توقع نہیں ہوتی ؛

۱۱۵۔ صبر کی کمان میں صبر ہی کا چلّہ ہو۔ صبر ہی کا تیر ہو۔ پھر محبوب حقیقی کا شکار یقینی امر
ہو جاتا ہے۔ (پھر انسان خدا کو اپنا نشانہ بنانے میں خطا نہیں کر سکتا) ؛

۱۱۶۔ صابر لوگ صبر میں یوں اپنا تن بدن پھونک لیتے ہیں۔ کہ خدا کے قرب کو پالیتے
ہیں۔ مگر اس کا بھید کسی کو نہیں بتاتے ؛

۱۱۷۔ صبر میں اے بندے بڑا مزا ہے۔ اگر تو اسے اختیار کرے۔ دریا (طغیانی ضبط
سے) اور زیادہ بڑھتا ہے۔ (کناروں کے) ٹوٹنے سے محض نالا نہیں رہ جاتا ؛

۱۱۸۔ اے فرید درویشی مشکل چیز ہے۔ ہماری پریت تو اوپری ہے۔ کوئی ایک آدھ
ہی درویشی کی ریت کو نبھا سکتا ہے ؛

۱۱۹۔ تن تنور کی طرح تپ رہا ہے۔ ہڈیوں کا اس میں ایندھن ہے۔ اگر مجھے وہ پیارا
مل سکے تو میں پاؤں سے چلتے چلتے تھک کر سر سے چل کر جاؤں گا ؛

۱۲۰۔ تن کو تنور کی طرح نہ تپا۔ ہڈیوں کا ایندھن نہ جلا۔ سر اور پیروں نے کیا قصور کیا ہے؟
اللہ تعالےٰ کو اپنے اندر ہی دیکھ لے ؛

۱۲۱۔ گورونانک دیو۔

میں تو سجن کو ڈھونڈھ رہی ہوں۔ اور سجن میرے پاس ہے۔ نانک کہتا ہے کہ وہ الکھ (نظر نہ آسکنے والا) ہے۔ مگر ہاں مرشد کی وساطت سے اس کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے ؛

۱۲۲۔ ہنسوں کو تیرتے دیکھ کر بگلوں کے دل میں بھی چاؤ پیدا ہوا۔ بدبخت بگلے ڈوب مرے۔ سر نیچے اور پاؤں اوپر ؛

۱۲۳۔ میں نے سمجھا۔ کہ وہ راج ہنس ہے۔ اسلئے میں نے اس سے صحبت رکھی اگر میں جانتی کہ وہ کم بخت بگلا ہے۔ تو میں کیوں عمر بھر اس سے اپنا کوئی انگ چھوتی ؛

۱۲۴۔ کیا ہنس اور کیا بگلا۔ سچی بات تو یہ ہے۔ کہ جس پر اس کی نظر کرم ہو جائے۔ اسے نانک جس کو وہ چاہتا ہے۔ کوّے سے ہنس بنا دیتا ہے ؛

۱۲۵۔ ایک تالاب ہے۔ ایک پنچھی۔ مگر پھنسانے والے پچاس۔ یہ جسم لہروں میں پھنس گیا ہے۔ اے سچے مالک تیرا ہی آسرا ہے ؛

۱۲۶۔ وہ کون سا حرف ہے؟ وہ کونسی خوبی ہے۔ وہ کونسا من کا منتر ہے؟ وہ کونسا بھیس ہے۔ جس کی وساطت سے میں اپنے خاوند کو بس میں کرسکتی ہوں؟

۱۲۷۔ خمیدہ سری وہ حرف ہے۔ تحمل و توکل وہ خوبی ہے۔ شیریں زبانی وہ منتر ہے اے بہن یہ تین اوصاف تو جمع کرتب کنت تیرے قابو میں آجائے گا ؛

۱۲۸۔ عقل ہو مگر خود کو انجان جانے۔ طاقت ہو مگر خود کو بے بس سمجھے۔ نکبت و افلاس میں بھی دوسروں سے بانٹ کھائے۔ جو ایسا کرے وہی بھگت اور عارف کہلا سکتا ہے ؛

۱۲۹۔ کسی سے بدزبانی اور درشت کلامی نہ کر۔ کیونکہ سب میں وہ سچا دھنی بس رہا ہے

کسی کا دل نہ دُکھا۔ سب ہیرے انمول ہیں ۔

۱۳۰۔ سب کے دل مانک ہیں۔ کسی کا توڑنا اصلا اچھا نہیں۔ اگر تیرے دل میں محبوب کیلئے تڑپ ہے۔ تو کسی کا دل نہ دُکھا ۔

---

۳۶ - کلام مذکورہ بالا کی اندرونی شہادت ساری کی ساری فرید گنج شکر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بالخصوص شلوک نمبر ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۴ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۳ - ۳۵ - ۳۷ - ۳۹ - ۴۱ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۷ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۴ - ۵۵ - ۶۱ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۸۴ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۸ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۵ - ۱۱۶ ،

نہ صرف فرید کے حالات سے یہ شہادت لگا کھاتی ہے۔ بلکہ فرید کے فارسی و عربی اقوال وملفوظات اور روایات کی بھی تائید کرتی ہے۔ کاٹھ کی روٹی۔ شکر اور زہر۔ چلہ۔ طول عمری۔ ادائے نماز کی تاکید۔ تسلیم و رضا۔ حلم۔ توکل۔ جسم کی نقاہت۔ تنہا پسندی سادگی وغیرہ وغیرہ۔ زبان زیادہ تر ملتانی۔ استعارے ایسے جو جنگل اور لبِ آب کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربی لفظوں کی کثرت۔ کلام میں بے ساختگی۔ انداز میں فقیرانہ استغنا بلاغت بیش۔ فصاحت کم۔ تصوف کے ابتدائی مدارج کا فلسفۂ زہد و ریاضت نفس کشی۔ بُردباری۔ توکل۔ "میزان معرفت" کی تلقین ۔

(۳۶ الف) وارث شاہ کی ہیر کے سب سے پُرانے قلمی نسخہ میں جو ۱۸۶۳ء میں نقل ہوا۔ فرید گنج شکر کا ذکر یوں ہے۔

موجودہ تحقیق کے مطابق وارث پہلا شاعر ہے جس نے فرید کا ذکر کیا ہے۔ وارث نے اپنی ہیر ۱۷۶۳ء میں ختم کی۔ وارث کی تحریر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ فرید کی شہرت اُن دنوں کن اوصاف پر مبنی تھی :۔

(۱) مَوْدُود دا لاڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعود بھر پُور ہے جی
(۲) بائیس کتاب وچ پیر کامل جس دی عاجزی ہُد منظور ہے جی
(۳) خاندان وچ چشتیاں کاملیت شہر فقر واٹن منصور ہے جی
(۴) شکر گنج توں آن مکان کیتا دُکھ درد پنجاب دا دُور ہے جی

۳۶ ب - آئین اکبری (ابوالفضل) میں شیخ فرید کے متعلق اجمالی تذکرہ ہے وہی دو تین باتیں ہیں۔ جو عوام میں اول سے چلی آتی ہیں۔ اور جو کلام فرید سے بھی صاف ٹپکتی ہیں۔

شیخ فریدالدین گنج شکر۔ زادوبوم او قصبۂ کھوتوال بملتان نزدیک ۔ در سر آغاز برنائی بر سمی دانش سرگرم بود (۱)۔ او را سخت آویزش ہا با نفس رفت و فیروزمند آمد (۲) شیخ از قصبۂ ہانسی بدیں آگہی (مُرشد کی موت کی خبر سے) بدہلی آمد (گویا یہ ایک کرامت تھی جو عام مشہور ہوگئی) فراواں کس از و بہرہ داشت (۳) ابوالفضل نے ایک بڑی بات چند الفاظ میں کہہ دی۔

۳۷ - فرید گنج شکر کا فارسی میں شعر کہنا مسلّم ہے۔ گو بہت کم کہا مگر کہا ضرور۔ ملتانی میں کہہ لینا کسر شان نہ تھی بلکہ تلقین اسلام کا مؤثر ذریعہ و وسیلہ تھا، آہنداً فرض عین۔ شیرانی تو کہیں سے فرید کا رسالہ بھی ڈھونڈھ کر اس قلمی نسخہ پر ایمان لا چکے ہیں ؛

۳۸ - فرید گنج شکر سے پہلے ناتھ پنتھی جوگی اپنا صوبجاتی اصوات سے مزیّن ہندوی کلام سارے شمالی ہند میں عوام تک پہنچا چکے تھے۔ اُنہی لسانی خصوصیات والا کلام فرید نے کہا ملتانی لہجے میں اور مسلمانی رنگ میں۔ گورکھ۔ چرپٹ مچھندر وغیرہ کا کلام میں اپنی انگریزی کتاب "گورکھ ناتھ اینڈ میڈیول ہندو مسٹسزم" - ("Gorakhnath and Mediaeval Hindu Mysticism") میں دے چکا ہوں۔ فرید کا چھوٹا ہم عصر خسرو تھا

یعنی فرید کی وفات کے وقت خسرو کی عمر بارہ برس تھی۔ اور فرید کے خلیفہ کا خلیفہ ہونیکی حیثیت میں فرید کا کلام اس تک ضرور پہنچا ہوگا ۔

۳۹۔ دیسی زبانیں یکایک تو اس قابل نہ ہوگئی تھیں۔ کہ ان میں ایسا دل پذیر اور اخلاق آموز کلام لکھا جا سکے۔ اس لیاقت کے حاصل کرنے میں انہیں کافی عرصہ لگ گیا ہوگا۔ چرپٹ اور گورکھ وغیرہ کی زبان سے فرید کی زبان (ماسوائے خاص ملتانی صوتی خصوصیات کے) زمانے اور ارتقا کے لحاظ سے زیادہ دُور نہیں۔ چرپٹ سے تو کُل ڈیڑھ سو برس کی تفاوت ہے۔ پھر گورونانک فرید سے دو اڑھائی سو برس ہی دُور ہے۔ کبیر اور بھی قریب ہے۔ نام دیو فرید کی موت سے دو برس پہلے جنم لے چکا تھا۔ ان سب کی بیان و زبان میں بنیادی مماثلت اور صوبجاتی صوتیاتی (اصواتی) اختلاف ہے۔ تب تو دیسی زبانیں اور بھی سست رفتاری سے بدلتی تھیں۔ اور ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھیں۔ ہر چند کہ وہ ذرائع آمد و رفت کی موجودہ ترقی سے ناآشنا تھیں۔ جوگیوں اور فقیروں نے زبان و بیان کو دور دور پہنچا دیا تھا۔ اور حدوں کی تفاوت کو گھٹا اور ایسے کلام کی مماثلت کو بڑھا دیا تھا ۔

۴۰۔ لسانی تحقیق کے دلدادگاں کو دو باتوں سے خاص فائدہ ہوگا۔ ایک کلام فرید کے انڈکس سے اور دوسرے اس کے لسانی و اصواتی مطالعہ سے۔ اول میں عربی فارسی کے الفاظ و تراکیب لیتا ہوں۔ جو فرید کے کلام میں ہیں اور ان کی حالت پر غور کرتا ہوں کہ پنجابی لہجہ نے ان میں کیا تبدیلیاں کر کے اُن کو اپنایا۔ پھر میں ملتانی لب ولہجہ کی اپنی خصوصیات والے الفاظ فرید کے کلام سے انتخاب کروں گا۔ اس کے بعد دوسری باتوں کی چھان بین ہوگی۔ فرید عرب و ایران میں ہو آئے تھے۔ عربی فارسی کے عالم متبحر تھے۔ قرآن کریم کے ممتاز شارح و مفسّر۔ ملتان اور دہلی کے علاقوں میں صدیوں سے مسلمانوں کا دَور دَورہ تھا۔ حکومتِ اسلامی کا یہ نتیجہ ہونا ہی تھا۔ کہ عام بول چال میں ہندو لوگ مذہب حکومت۔ اور

آدابِ مجالس سے متعلق الفاظ غیروں کے برتیں اور انہیں اپنے دیسی لفظوں پر ترجیح دیں۔ یہی حال فرانسیسی اور انگریزی کا کسی زمانہ میں تھا ۔

پھر اس معاملہ میں تو مصنف خود ایک مسلمان درویش ہے۔ جس کی خدمت میں باریابی کی حاکموں تک کو تمنا رہی تعجب تو اس بات کا ہے کہ غیر ہندی الفاظ زیادہ نہیں۔ کم ہیں۔ اللہ اللہ۔ اس فقیر کو اپنے ہم وطنوں اور اپنی مادری بولی سے کس قدر محبت اور اُن کی کتنی قدر ہوگی ۔

کلامِ فرید میں عربی فارسی الفاظ

ملتانی میں مستعمل صورت	اصلی صورت	عربی یا فارسی	صوتی تبدّل پر غور
ٹَلک	تَلک	ع	
جِنّد	زِندہ ۔ زِندگی	ف	
پُرسلات	پُلِ صراط	ف ۔ ع ۔	
در	در	ف	
درویسی	درویشی	ف	خ بش ض ۔ ف ۔ ظ کو کبھی
دُنیاں	دُنیا	ع	پنجابی میں نہیں گو اب ایک
عَقّل	عقل	ع	نقطہ کے اضافہ سے اُن
لطیف	لطیف	ع	آوازوں کو رواج دیا جارہا ہے
گریوان	گریبان	ف	
سِر	سَر	ف	
دُنی	دُنیا	ع	
مرگ	مرگ	ف	
دُور	دُور	ف	

سکّر	شکّر	ع	
ساکھ	شاخ	ف	
سیطان	شیطان	ع	
کھاک	خاک	ف	
ربّ	ربّ	ع	
کُوجڑا	کُوزہ	ف	ڑ لگا کر اسم تصغیر بنایا گیا ہے
بجوریا	بجور		
اللّد	اللّہ	ع	
روح	روح	ع	پنجابی میں مذکر مستعمل ہے
نِوات	نبات	ف	
صاحِب	صاحَب	ع	
سُلطان	سُلطان	ع	
درواجا	دروازہ	ف	
حال	حال	ع	
سیکھ	شیخ	ع	
پھرید	فرید	ع	
تن	تن	ف	
بار	بار	ف	
دمامہ	دمامہ	ف	
اتیماں	یتیم کی جمع	ع	
گوریں	گور	ف	

مسانک	مشائخ	ع
کاگد	کاغذ	ع
عَمَل	عَمَل	ع
سجائے	سزاے	ف
مُصلّا	مُصلّےٰ	ع
صُوف	صُوف	ع
دِل	دِل	ف
باہَر	باہر	ع
مال	مال	ع
جائے	جائے	ف
سرمِندا	شرمِندہ	ف
دربار	دربار	ف
درویساں	درویشاں	ف
گُنہی	گناہ (گناہوں سے)	ف
مالے	معالے	ع
اِجرایل	عزرائیل	ع
پھریستا	فرشتہ	ف
بے نِواجا	بے نمازا	ف
وکھت	وقت	ع
اُجُو	وضو	ع
ساج	ساز	ف

صُبح	صُبح	ع
نواج	نواز	ف
گُجار	گذار	ف
میدان	میداں	ف
دوجک	دوزخ	ف
جانی	جانی	ف
گُسّا	غُصّہ	ع۔ف۔
باگ	باغ	ف
نوبت	نوبت	ف
ساج	ساز	ف
رَجائے	رِضائے	ع
عُمَر	عُمر	ع
بندے	بندہ	ف
گوراں	گور	ف
روحاں	روح	ع
سیکھاں	شیخ	ع
بندگی	بندگی	ف
مَوتے	مَوت	ع
دریاوے	دریا	ف
ہُول	ہَول	ف
وے پرواہا	بے پروا	ف

درگہ	درگاہ - درگہ	ف
اوگاہا	گواہ	ف
باج	باز	ف
بندا	بندہ	ف
ملک الموت	ملک الموت	ع
صَبَر	صَبْر	ع
کمانڑ	کمان	ف
کھالک	خالق	ع
کھتا	خطا	ع
اندر	اندر	ف
صابری	صابری	ع
نجیک	نزدیک	ف
کُھدائے	خدائے	ف
دریاؤ	دریا	ف
درویسادی	درویش (درویشوں کی)	ف
تنوُّر	تنوّر	ف
مُحبّت	مَحبّت	ع
اسک	عشق	ع
رنگ	رنگ	ف
دیدار	دیدار	ف
نام	نام	ف

پرو وگار	پروردگار	ف
پنہ	پناہ - پنہ	ف
بکھسندگی	بخشندگی	ف
کھیر	خیر	ع
بندگی	بندگی	ف
پھریدے	فرید (نے)	ع
مُریداں	مُریداں	ع - ھ
حیاتی	حیات	ع
جمیں	زمیں	ف
اسمان	آسماں	ف
چاکر	چاکر	ف

ایک سو کے قریب عربی فارسی الفاظ ہیں - ان کو زیادہ تر پنجابی صوتیات کے تحت میں لاکر استعمال کیا گیا ہے (تحریر میں لایا گیا ہے) - یہ بات خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے - آج کل اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے - جس کی وجہ سے پنجابی پنجابی نہیں رہی - غیر زبانوں کے الفاظ کو "پنجابیا" کر لکھنا چاہیئے - یہی روش قدماء کی فرید سے نانک اور ارجن دیو اور گورو گوبند سنگھ سے محمد بوٹا اور چودھری سر شہاب الدین تک چلی آئی ہے - آج بھی عام پنجابی پُرسلات بولتے ہیں - غیر الفاظ کے اسما سے افعال بنائے گئے ہیں - اور اسماء کی صورت بدل دی گئی ہے - زیر اور زبر کو زبر اور زیر کر دیا گیا ہے -

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

سلطان ناصرالدین قباچہ اور اسکے درباری شعرا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۸ء)

کبود جامہ رباعی پڑھ کر متاثر ہوا اور عوفی کو کہلا بھیجا کہ میں تمہارے وعظ و تذکیر سننے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ اپنا جو مقصد ہو بیان کرو۔ چنانچہ اس شعر کے ذریعے ایک گھوڑے کی درخواست کی ؎

ہر چند کہ بر بساط شطرنج ہنر ۔۔۔ امروز شہم پیادہ میباید رفت

شاہ نے فوراً انعام واکرام اور ایک گھوڑا مع ساز روانہ فرمایا[1]۔

اس کے بعد مصنف ۶۰۳ھ میں نیشاپور میں اور ۶۰۷ھ کے قرب وجوار میں اسفزار میں موجود ہے اور خروج مغول کے وقت ۶۱۸ھ میں ہندوستان میں دربار ناصری میں پہنچ جاتا ہے۔

یہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ ناصرالدین کے حکم سے کنبایت (کیمبے) صوبہ نہروالہ جو آج کل گجرات کا علاقہ کہلاتا ہے کا منصف مقرر کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ اپنے فرائض کے ساتھ "کتاب الفرج بعد الشدۃ"[2] کے فارسی ترجمہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اسی دوران میں اسے مکمل کر لیتا ہے اور پھر سلطان ناصرالدین کے نام نامی سے معنون کرتا ہے۔ اس کا سن تالیف حساب سے ۶۲۰-۲۱ھ بیٹھتا ہے۔ غالباً اسی عرصہ میں وہ کنبایت میں رہا۔

محمد عوفی نے جوامع میں ایک رآے کے انصاف کا واقعہ رقم کیا جو کنبایت سے تعلق رکھتا ہے۔ "مؤلف کتاب محمد عوفی میگوید کہ من مثل این حکایتی شنیدم بوقتی کہ بر کنبایت افتادہ بودم و آن شہریست بر ساحل دریا و دران شہر متوطنند و خلقی از غربا آنجا

---

[1] لباب جلد اول صـ۵۱ ، [2] انڈیا آفس فہرست ۱۴۳۲ ، ایتھے فہرست نمبر ۷۳۷

مقام دارند و آن شہر از اعمال ولایت گجرات و نہروالہ است۔ الخ"

عین الملک وزیر مملکت کی شان میں شاعر رنگین نگار کہتا ہے کہ عین الملک ملک کے لئے ایک دیدۂ بصیرت تھا اور عقل کے قلعہ کا دیدبان تھا[1]۔ وغیرہ وغیرہ ؎

مردم دیدہ مگر چون روح در خور آمدہ — بارہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دور بینی بین کہ چون نزدیک گردد غم بدو — چون عروس شادمان در دُر و گوہر آمدہ
آن بہشتی لعبت میمون لقا را روز و شب — منزل و مأوی نگر در آب کوثر آمدہ
چون مشعبد ہندوی زنگی مزاجست او ببین — دست لعبت ہر زمان از رنگ دیگر آمدہ
ہمچو لطف صاحب صاحب قران تصویر او — نزد اہل عقل و دل با جان برابر آمدہ
آصف ایام عین الملک فخر الدین کہ ہست — قدر او از مرکز افلاک بر تر آمدہ
قدوۂ دوران حسین آن صاحبی کز عز و جاہ — ماہ را خاک درش اورنگ و افسر آمدہ

ساتھ ہی کہتا ہے "آری ترازو را ہم عین خوانند۔ این معنی بر ذات شریف لائق تری افتد از انک ترازو چون مقلوب کنی وزارت بود لطف الٰہی حضرت وزارت وزن غلائق گردانیدہ کہ بار عدل و داد اینجا سختہ می شود"

تو آن وزیری کہ انصاف پادشاہ جہان — بحکم تست منور زہی ستودہ وزیر
ہر آنکہ جز تو کسی را وزیر پندارد — جلال و قدر تو واجب کند بر و تعزیر
توئی سزای وزارت بلی بکس نرسد — گزافہ دولت و اللہ بالعباد نصیر
ہنوز از دہنت بوئے شیر می آید — کہ ساخت رای تو و مملکت چو شکر و شیر
اگر نداند قدرت کسی ترا چہ زیان — ضرر نباشد خورشید را ز چشم ضریر

ایک دعائیہ نظم کے بعض اشعار درج ذیل ہیں[2]:-

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد — دیدۂ ملک جہان را نور عین الملک باد

---

[1] لباب جلد اول ص ۲۵۰، [2] ایضاً ص ۲۵۶ [3] ایضاً ص ۱۵۰،

چون بنائی ظلم از والیٔ عدلش شد خراب　　تا بود قصر سما معمور عین الملک باد
رای پیرش چون غم کار ممالک میخورد　　دایم از بخت جوان مسرور عین الملک باد

ایک قطعہ میں عین الملک کو نظام الملک اور صاحب ابن عباد پر ترجیح دیتے ہوئے کہتا ہے[1]:-

دوش از زبان چرخ شنیدم کہ ای خدای　　اقبال را مقارن این پادشاہ دار
در مسند وزارت این عین ملک را　　پیوستہ از قضاء ادے در پناہ دار
یارب تو مر حسین ابوبکر را مدام　　از کلّ حادثات زمانہ نگاہ دار

کتاب کے خاتمہ پر ایک قصیدہ جو مکمل نہیں ہے۔ عین الملک کی توصیف میں یوں رقم کیا ہے[2]:-

تو انگرم برخ واشک از آن بر سیمیں　　کہ شد ز فرقت تو چون زر آن و چون سیم این

پھر دوسری جگہ عین الملک کو سحبان وائل و صاحب و صابی سے بلند درجہ دیتا ہے اور لکھتا ہے:-

. . . . بآداب فضائل قدوۂ سحبان وائل و صاحب و صابی در دیوان معاملت پیش او یکی صبی و دیگر باقل، ذات مبارکش آرایندہ صدور ایوان و قلم کفایتش دارندۂ صدر دیوان، دوات تاجدارش حسّاد را باجدار کردہ و قلم کمر بندش قاصد زا چون کمر در بند گذاردہ . . . . "[3]

آن آصف دوم کہ خلق عین الملک　　کز وی محیط غرقۂ تشویر میرود
صدر جہان حسین کہ از رای روشنش　　آیات مکرمت را تفسیر میرود
آن صاحب ستودہ کہ از بہر بندگی　　اندر رکاب قدرش تقدیر میرود
ہر روز بامداد بدیوان دولتش　　دایم عطارد از پی تحریر میرود

---

[1] لباب جلد اول ص۱۰۱، [2] لباب جلد دوم ص۴۲۸ تا ص۴۳۰، [3] لباب جلد اول ص ۱۶۳-۱۶۴،

تا کلک در بنانش مقرر ساخت بر فلک — سرگشتہ چون کمان ز حسد تیر میرود
در عرصہ چمن ز نسیم مدایحش — ہموارہ مشکبا و بشبگیر میرود
پایندہ باد تابش خورشید جاہ او — چندان کہ چرخ بر سر تدویر میرود

ایک اور موقعہ پر دعائیہ قطعہ یوں کہا ہے[1]۔

دستور شہ نشان کنف خلق عین ملک — صدری کہ ہست ذات وی از نقصہا بری
آن صاحب ستودہ کہ از دست رفت ظلم — چون فرق چرخ سود وی از پای سروری
خورشید ہجو ذرہ نماید اگر زند — با رای نور زایش لاف برابری
ای آنکہ پاسبانی قصر تو از زحل — چون ماہ و آفتاب بجان گشت مشتری
تا نفخ صور نقش طراز جلال باد — صدر جہان حسین ابوبکر اشعری

۶۲۴-۲۵ھ میں جب سلطان شمس الدین التتمش ملتان و اُچہ کو فتح کرنے میں مشغول تھا۔ عوفی قلعہ بکر میں ناصر الدین قباچہ کے حکم سے جوامع الحکایات کی تالیف کر رہا تھا جب قلعہ بکر پر حملہ ہوا۔ تو جو لوگ قلعہ میں محصور ہو گئے تھے۔ عوفی بھی اُن میں تھا۔ قباچہ کے زوال سلطنت کا سن کر عوفی سخت رنجیدہ ہؤا۔ اور اپنے اس کام سے روکش ہو گیا لیکن جب التتمش نے یہ سارا علاقہ فتح کر لیا اور دربار ناصری کے علماء و فضلاء و شعراء اس کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ تو عوفی بھی ان کے ساتھ آگیا۔ یہاں سلطان کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعید الجنیدی کو عوفی کی تالیف اور اس سے بددلی کا علم ہوا۔ وزیر موصوف بڑا مہربان اور عالم پرور تھا۔ عوفی کی اس نے بہت مدد کی اور اسے اس مفید کام کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ عوفی کی ڈھارس بندھی۔ اور وہ اس کی تکمیل میں از سر نو لگ گیا۔ جب یہ کام اختتام پذیر ہوا تو عوفی نے اپنی کتاب اپنے محسن وزیر کے نام نامی پر معنون کی۔ یہ تالیف تقریباً ۶۳۰ھ میں مکمل ہوئی۔

---

[1] لباب جلد اوّل ص ۶۲

یہاں یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ کہ مشہور مؤرخ و شاعر منہاج سراج منہاج مصنف طبقات ناصری اس زمانے میں ہندوستان پہنچتے ہیں۔ اور اسی دربار میں اپنی بقیہ زندگی گزار دیتے ہیں۔ محمد عوفی کا چند سال کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے کہ جوامع کے بعد نہ ہی ان کی کسی تالیف کا ذکر ملتا ہے۔ اور نہ ہی کسی اور جگہ اُن کے کوائف سننے میں آتے ہیں۔

محمد عوفی نے اس دربار میں رہ کر وزیر موصوف کی خوب مدح سرائی کی اور جا بجا اس کو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا ہے۔ ان اعلےٰ رتبات اور اعزازات کے نچھاور کرنے میں مصنف تاج المآثر بھی اس کا ہمنوا ہے[1]۔ اس کی بڑی بڑی ہمّات۔ اس کے عدل و انصاف۔ غربا پروری اور غربا نوازی کے ساتھ ساتھ اسے مربیٔ علوم و فنون بھی کہا ہے چنانچہ قصائد اس کے کیریکٹر کو بخوبی نمایاں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اسکے مصاحبین کا تقرب پا چکا تھا۔ اب ہم مدحیہ قصائد اور قطعات یہاں درج کرتے ہیں :۔

قلعۂ بکر کی فتح پر لکھتے ہوئے کہتا ہے :۔

از شہپر ملائکہ در قصر شہریار — بستند قبہا در جنات در کشاد
در شب فلک ز ہول و جح خفر اے آسمان — از بہر کلہ فوقہ منحوق خور کشاد
یعنی کہ تیغ آصف ثانی نظام ملک — دستور شاہ قلعہ بکر بگر کشاد
سلطان نشان محمد بو سعد آنکہ تیغ — بر رخ ز رشک کلکش سلک گہر کشاد
صدر قضا نفاذ کہ فرمان او بخیر — از بایکون حلقۂ بند قدر کشاد
گردون برسم خدمت صدر ش میان بہ بست — چون لی ز ہیبت بیت تیغش کمر کشاد
انکہ بفیض پرتو رای منیر او — در روز بہر دیدن کوکب بصر کشاد
ہر سرکشی کہ سر ننہد بر درش بطوع — در پائے دار تیغش از و بند و سر کشاد

---

[1] تاج المآثر عکس نسخہ برٹش میوزیم (کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی) ص ۱۲۱ ؛

ترک سنان کوہ در سینہ دوزاد — از بازوِ سپہر کمانکش سپر کشاد
تیری کہ باز جست ززاغ کمان او — از شیر برد ناخن واز نسر پر کشاد
باز از گریہ قامتش ملک خندہ لب — از چشم ابر نالہ سر شک مطر کشاد[1]

پیرامن بقائے حسودش بساعتی — از دست حادثات زمانہ دریدہ باد
ہر سر کہ خاک درگہ او نیست تاج آن — از تیغ بیدریغ زمانہ بریدہ باد
مہرش میان خلق جہاں تا بروز حشر — در دل بشادمانی و در سر چو دیدہ باد[2]

وزیر کی مدح میں کہتا ہے :-

شاہ عالم آنکہ در مردی بود — پیش او در وقت حملہ رای زن
تا قیامت بادشاہ رای زن — شاد و خرم زین وزیری رای زن[3]

پھر وزیر موصوف کے متعلق گویا ہے :-

"ہمہ ارباب صفا و اصحاب صفہ در صف دولت او خرامانند - فقیر و فقراء دریدہ گریبان بر بساط تنعم دامن کشان لاجرم ہمہ این میگویند از میان دل و جان ؛

سپہر مجد و معالی وزیر روشن رای — کہ نیست عرصۂ مدحش بکام نیک سخن
نظام ملک محمد کہ مرد راز ید — ہزار چاکر ہمچون نظام ملک حسن
جنید نسبت شبلی صفا کہ اہل عبا — شوند مالک دینار از و بخلق حسن

---

[1] جوامع الحکایات حصہ اول قلمی صفحہ ۶ لو وب ، یہ کتاب دو جلدوں میں یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اس نسخہ میں کئی غلطیاں ہیں جن کی اصلاح اشعار میں کی گئی ہے۔ [2] ایضاً - صفحہ ۲۵ لو ، [3] ایضاً صفحہ ۲۹ لو ، [4] ایضاً صفحہ ۷ لو ،

جناب کعبہ شالش کہ قبلۂ کرم است ہمیشہ باد مسلّم ز حادثات زمن

یہاں وزیر کے جنیدی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور قبلہ شیرانی صاحب نے بھی ایک شعر اس کی تائید میں پیش کیا ہے جو تاج ریزہ کا ہے۔

گوہر آل جنیدی و زکرا منتہائے تو مالک دینار شد ہر کو سخن دان آمدہ است[1]

مجمع الفصحا میں رضا قلی خاں نے عوفی کے چند اشعار نقل کئے ہیں:۔

تو انگرم برخ و زان بر سیمین زمانہ آید ازین خاتمت بزیر نگین
گذشتہ نالۂ من در فراق طلعت تو چو آب جاسد جاہش فرو شدہ بزمین
خیال مدحت او در ضمیر اہل سخن گذشتہ رائحہ سیرت تو از نسرین
مگر ایادی جود ترا بسنجد طبع ہمین کتاب کہ ہر حرف او ست دُرّ ثمین
زمانہ راز یسار تو باد جملہ یسار سپہر راز یمین تو باد جملہ یمین[2]

سلطان کی مدح میں کہتا ہے۔ ایک کمینہ شخص بھی اس کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ سے بہتر ہے:۔

شتاب بست جہاز از انکہ ہست جہاں ازین مشعبد رعنا طمع مدار مدار
گہی بکسری کسری در آورد ز قضا گہی برآورد از قیصر و ز رائی دمار
دہد ستاند و در گوش عاقلان گوید ندائے فاعتبروا منہ یا اولی الابصار
نظام ملک محمد قوام دولت و دین کہ مصر جامع دین را ز رای اوست حصار
زمین مکش چو ن آسمان مصون بودی ز سیل حادثہ و سنگ مذہر غدار
وگر بعہد شہنشاہ ماندی پرویز ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار
خدایگان سلاطین عہد شمس الدین کہ کان و دریا را ز یمین او ست یسار
کمینہ بندۂ او بہ ز قیصر و کسریٰ کہ ہیچ جا کرا و بہ ز خان چین صد بار[3]

---

[1] اردو ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۳۱، [2] مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۵۰۲، [3] جواہر الحکایات قلمی حصہ اول صفحہ ۱۴۹ و

خدای جل جلالہ وزیر سلطان را بفضل خویش زامداد چرخ مامون دار

نظام ملک و سپہر کرم قوام الدین کہ کرد بذل کفش خستہ سینۂ کانرا
محمد بن ابی سعد صاحبی کہ دہد برای قوت نشو و نما مر ارکانرا
اگر نہ نفحہ اخلاق او مدد کردی کجا بدی بطراوت اثر گلستانرا
اگر نہ پرتو رای منیر او بودی زسایہ رنج بدی آفتاب رخشانرا
ہمیشہ صدر وزارت باو مشرف باد مدام تا کہ بود دور چرخ گردانرا[1]

تا جہان را بقاست باقی باد مطربش زہرہ و ماہ ساقی باد
ذات او را خدای عز و جل ہر دم از حادثات واقی باد
دولت او ز جان خصمانش برترقی و در ترقی باد[2]

اس قصیدہ میں نظام الملک کے تدبر اور دبدبہ کا اعتراف کرنے کے بعد اپنی خواہش پیش کرتے ہوئے اپنا قصہ مختصر الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں مختلف درباروں میں پھرا ہوں لیکن چونکہ کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ اس لئے پھر تیرے دربار میں آگیا ہوں ؎

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن کامسان گشت پی خدمت او پشت دوتا
آن جنیدی نسب و خلق کہ از راہ کرم اوست برجملہ اکابر بمثل خسرو شاہ
آنکہ درگاہ جلالش ہمہ اشراف و سلوک قبلۂ حاجت سازند و سر خیل جباہ
بحر اعماش بر خلق چنان گشتہ محیط کہ در و ہم ہندس نکند ہیچ شناہ

---

[1] جواہر الحکایات قلمی حصہ اول صفحہ ۲۳۶ ر، [2] ایضاً صفحہ ۲۴۹ ر،

ای شده بحر کفت غیرت کان و دریا — وی شده خاک درت مایه دولت و جاه
گریه از آتش غم خصم تو مانند شمع — چون گل از باد صبا عفو تو خندد ز گناه
از پی کحل برین گنبد کحلی هر شب — خاک درگاه تو گیرند کواکب به جباه
صاحبا قصهٔ داعی بکرم اصغا کن — که مثل گشت کنون قصهٔ او در افواه
داعی مخلص عوفی که ز احداث زمان — میشود خون دل مسکینش بروزی صده
گرچه در مرتبه رابع عقل و هنر است — صفر احاد بود حاصل او یعنی آه
مدتی عمر برآمد به حصول اغراض — همچو دربان گران متکف هر درگاه
رنگ و بوی کرم از کس چو ندید و نشنید — با چنین تحفه دگر ره بتو آورد پناه
ذات او هست نباتی بکرم آبش ده — چون شجر تازه پس از وی ثمری تازه بخواه
او روان کرد ز بان اچو بمدح تو درآ — تو از و دست حوادث بکرم کن کوتاه
تا که در نور و ضیا ماه نتابد چون خور — تا که در مرتبه فرزین نبود همچون شاه
دشمن جاه تو در حبس ابد باد چنان — که برون ناید هرگز چون سایه ز چاه [1]

صاحب عادل نظام الملک عالی قدار — کز جلال او رخ اقبال گلگون میرود
آب گوهر مے رود از لفظ او اندر جهان — هم بنوعی دیگر آب در مکنون میرود
سائل از بذل کفش مسرور و خورم میرود — بحر از بذل کفش با طبع محزون میرود
جاودان در مسند اقبال باد اشاد از الکه — طائر فضل از جلال او همایون میرود [2]

و در عهد گی بزرگی ایام مبارک او مؤرخ گشته وصیت بزرگواری بمحاسن جمایل اخلاق گرفته۔

---

[1] جوامع الحکایات قلمی حصہ اول ص ۵۱۲ ب [2] ایضاً ص ۵۳۶ ب ۔

نقش طراز و سکہ بقدر جلال باد — عادل نظام ملک محمد قوام دین
تا از خزانۂ گہر لعل آب دار — بودند در عذاب براطلاق دام دین[1]

آن صاحب ستودہ کہ دام فضائی عرش — شہباز قدر و جاہ ورا آشیان سزد
عادل نظام ملک محمد کہ دہر را — معمار رای قاہر او قہرمان سزد
بر قصر قدر او را از دولت جوان — ہندوی پر قدر زحل پاسبان سزد
بر جیس کو بہ سعد جہان راست میزبان — در منزل سعادت او میہمان سزد
مریخ کو است شعلۂ از ناز ختم او — در روز حشر بر سر خشم سنان سزد
ناہید آنکہ عود طرب بر کنار اوست — از بہر بزم قدر ورا در میان سزد
تیر فلک محرر دیوان او بود — مہ پیک تیز تازوی از بہر جان سزد
پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را — قدرش روان فزاید و رایش جوان سزد[2]

اور یہ کہ وزیر کا دربار جملہ عالم کا مرکز ہے۔

آن صاحبی کہ بذل کفش مہندم کند — در عرصۂ زمانہ بناء نیاز را
تا خوان بروے کرمت او نہادہ شد — کس گرسنہ نہ بیند ازین پیش آز را
باد انمازگاہ دو عالم جناب او — چندانکہ سجدہ رکن بود مر نماز را[3]

نظام الملک دستوری کہ باشد — فلک بر درگہش چون دادخواہے
قوام الدین محمد آنکہ شاید — ظفر را ظل درگاہش پناہے
برای زادن نوری سعادت — شب آبستن بود مانند ماہے

---

[1] جوامع الحکایات قلمی حصہ اول ص ۵۴۵ ب [2] ایضاً ص ۵۶۴ اوب، [3] ایضاً ص ۵۷۳ و

خورم سوگند اگر دارد بعالم — چنین دستور ہرگز ہیچ شاہے
حسودش گرچو نقرہ زخم خوردہ است — گدازان باد ہمچون زر کاہے [1]

قوام دین محمد محمد بو سعد — کہ در نہاد زمین ہستیش شباب آورد
زماہ آفتاب مسلم شدہ ست آن نوری — کہ نور رایش در روی ماہتاب آورد
چو دید جوہر تیغش فلک بشکل نجوم — زابر بر رخ خود پردہ و نقاب آورد
شگفت نیست کہ روزی سوے خطا تیرہ — چو رای روشن او از خطا صواب آورد
ہر آن سوال کہ در ملک بود مشکل چرخ — زبان تیغ جوابش ازان جواب آورد

بغاش باد کہ در خاک ہند زآتش تیغ
زبان ہیبت بر روی ملک آب آورد [2]

یہ ایک رباعی بھی اس کی مدح میں ہے :-

سر پیش تو م سری کہ بر خط نہند — از قلزم رنج پای بر شط نہند
بستی تو بہ حرم فتنہ را پای چنانکہ — شاہین زہوائش چنگ بر لبط نہند [2]

آغا عبدالستار خاں

(ایم اے۔ ایم او ایل۔)

(نوٹ) بہ سلسلۂ نوٹ گذشتہ نمبر ۹۵ بابت سدید الدین۔ فرہنگ نامۂ قواس میں جو ایک قدیم تالیف ہے اسے سدید عونی لکھا ہے۔

---

[1] جوامع الحکایات حصہ دوم — [2] ایضاً حصہ اول صفحہ ۵۹ ب؛

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

۱۴۔ ڈاؤٹی

(C.M. Doughty.)

دیارِ عرب کے مغربی سیاحوں کی طویل فہرست مختلف قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے نام صرف مخصوص علماء کو معلوم ہیں۔ بعض کی تصانیف کو اپنے زمانہ میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ مگر عام لوگ انہیں اب شاذ و نادر ہی پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ برکہارٹ۔ پالگریو اور برٹن۔ مگر اس کے برعکس ڈاؤٹی اپنے زمانہ میں گمنام رہا اور ایک مدت کے بعد اس کی سیاحت اور اس کے سفرنامہ کی وہ قدر و منزلت ہوئی جس کی وہ مستحق تھی۔

چارلس ڈاؤٹی انگلستان کے ضلع سفک (Suffolk) کے ایک شریف خاندان سے تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کیمبرج سے ڈگری لینے کے بعد وہ تقریباً دس سال تک یورپ کی متعدد یونیورسٹیوں میں تحصیل علم کرتا رہا۔ اور یورپ کے جنوبی ممالک میں ایک عرصہ تک گھومنے کے بعد شام پہنچا اور فلسطین ہوتا ہوا سینا کے علاقہ میں آیا اور بدوی رہبروں کے ساتھ وہاں کی خشک اور وحشت ناک وادیوں میں اِدھر اُدھر مدت تک پھرتا رہا۔ جہاں اسے پہاڑیوں پر لکھے ہوئے کتبے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جسے غالباً قدیم زمانہ کے راہرو مسافروں نے چٹانوں پر کھودا تھا۔ یہ تحریریں زیادہ تر محض اسماء، امثال و اقوال یا کلمات تبریک و تہنیت پر مشتمل ہیں۔ وہاں سے ڈاؤٹی عیدوم کے علاقہ میں گیا اور وہاں شہر پٹرا (Petra)

کے آثار کو دیکھا ؛

ایک دن جبکہ ڈاوٹی معان کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا تھا۔ اس نے سنا کہ مدائن صالح میں پہاڑوں کے درمیان کچھ کتبے کھدے ہیں۔ کچھ تو علمی تحقیقات کے ارادہ سے اور کچھ محض سیر و سیاحت کے خیال سے اس کے دل میں عرب کی سیاحت کا شوق چرایا ؛

دمشق کی جانب سے شام کے راستہ سے جو حاجی آتے ہیں۔ وہ مدائن صالح میں پانی اور آرام کی خاطر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہ ایک غیر آباد مقام ہے۔ جو معان سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور موسم حج کے علاوہ سال کے دیگر حصوں میں بدویوں کی غارت گری کے سبب سے وہاں تک پہنچنا بالعموم مشکل ہے۔ چونکہ عربوں کی روایت کے مطابق یہ علاقہ حضرت صالح کا مسکن تھا۔ اس لئے پڑھے لکھے لوگ اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ صالح کا ذکر متعدد بار قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ مگر قدیم الایام سے اس کا مقامی نام الحجر ہے ۔ اور آس پاس کے بدوی قبیلوں کے درمیان یہی نام مشہور رہے۔ ڈاوٹی کے زمانہ سیاحت تک یہ مقام اہل مغرب کو معلوم نہ تھا ؛

الحجر کے کتبے کس قسم کے تھے اور ان کی ماہیت اور نوعیت کیا تھی، ڈاوٹی کے بدوی رہبر اُن کے متعلق اس سے زیادہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کم از کم عربی زبان میں نہیں ہیں۔ چونکہ ڈاوٹی کو بائبل کے متعلقہ آثار کی تحقیق کا بڑا شوق تھا۔ اسلئے انکو برائی العین دیکھنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا ؛

ڈاوٹی جانتا تھا۔ کہ وہ اکیلا تن تنہا عرب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ دمشق واپس لوٹا اور وہاں چند ے قیام کیا اور وہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ حجاز میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ ۱۸۷۶ء کے شامی قافلہ کے ساتھ مدائن صالح پہنچا۔ حاجی لوگ تو کچھ دیر قیام کرنے کے بعد حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر ڈاوٹی وہاں کے آثار اور کتبات کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گیا ؛

ڈاؤٹی نے دیکھا کہ مدائن صالح ایک غیر آباد ریتیلا میدان ہے۔ جس میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ حاجی لوگ ایک بڑے حوض کے پاس پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ جہاں سے وہ اپنے لئے اور اپنے حیوانوں کے لئے پانی حاصل کرتے ہیں۔ اور جس کے نزدیک ہی حفاظت کی غرض سے ایک پختہ قلعہ بنا ہوا ہے۔ پہاڑیوں کے درمیان مقابر ہیں جن کو پہاڑ تراش کر بنایا گیا ہے۔ اور ان ہی مقابر میں وہ کتبے مرقوم ہیں جن کو دیکھنے کا ڈاؤٹی کو بڑا شوق تھا۔ ڈاؤٹی نے ان تمام آثار کو دیکھا اور بڑی احتیاط سے وہاں کے کتبوں کی نقلیں حاصل کیں۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ آرامی زبان میں ہیں۔ اور نبطی قوم سے متعلق ہیں۔ اور اُن کا زمانہ حضرت مسیح کی پیدائش کے قریب قریب ہے۔ یہ کتبے موسیو رینان کے ترجمہ کے ساتھ فرنچ اکیڈیمی کی طرف سے شایع ہو چکے ہیں اور ڈاؤٹی نے وہاں کے آثارِ قدیمہ کے جو زیادہ تر مقابر پر مشتمل ہیں۔ خاکے بھی اپنے سفرنامہ میں شامل کئے ہیں ؛

جب حاجیوں کا قافلہ حرمین سے واپس آیا۔ تو ڈاؤٹی ان کے ہمراہ شام کی طرف واپس نہ لوٹا۔ بلکہ ایک بدوی شیخ کے ساتھ جو اس کا دوست بن گیا تھا چل دیا۔ تاکہ اہلِ بادیہ کے ساتھ کچھ مدت بسر کر کے ان کے ملک اور ان کی طرزِ معاش کو دیکھ سکے ؛

اگرچہ ڈاؤٹی کے پاس اس مہم کے لئے کافی ذرایع نہ تھے۔ تاہم نتائج کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس نے بدویوں پر اعتماد کرنے میں غلطی نہیں کھائی۔ کیونکہ اگرچہ عام بدوی اسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تاہم دورانِ سفر میں اسے چند ایک ایسے فراخدل اور ہمدرد انسان مل گئے تھے۔ جن کی رواداری اور دوستی اس کے بہت کام آئی۔ اور جن کے مخلصانہ رویہ اور حسنِ سلوک کو ڈاؤٹی نے عمر بھر شکریہ کے ساتھ یاد کیا ؛

ڈاؤٹی نے تقریباً دو سال شمالی حجاز اور علاقہ قصیم میں گذارے اور اپنی صحرانوردی کے

دوران میں اہل بادیہ کی زندگی کو بامعان مطالعہ کرنے کے علاوہ اُسے مدائن صالح۔ خیبر۔ تیماء۔ حائل۔ بریدہ۔ عنیزہ۔ طائف اور جدّہ کے مقامات دیکھنے اور وہاں کم وبیش مدّت قیام کرنے کا اتفاق ہوا ؛

ڈاوٹی نے اپنے مذہب کو بتکلّف چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ عرب اسے حقارت سے نصرانی کہتے تھے۔ اور اسی سبب سے اُسے اکثر بدسلوکی کا سامنا ہوا۔ بلکہ کئی دفعہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مگر اس کا استقلال اور حیرت انگیز قوّت برداشت سب باتوں پر غالب آگئی ؛

واپسی پر ڈاوٹی نے اپنے واقعاتِ سفر اور تاثرات ایک ضخیم سفرنامہ میں قلمبند کیے۔ جو ۱۸۸۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس کی طرف سے دو جلدوں میں اشاعت پذیر ہوا یہ سفرنامہ جس کی تحریریں ڈاوٹی تقریباً نو سال تک مصروف رہا۔ بہت طویل ہے۔ کیونکہ اس میں ملک کے جغرافی حالات اور عربوں اور خصوصاً اہل بادیہ کی معاشرت کے متعلق رطب ویابس سبھی کچھ ہے۔ اور ڈاوٹی نے ملک عرب کے طبعی خصائص۔ لوگوں کی طرزِ زندگی۔ اُن کے عادات وخصائل، رسوم وآداب اور ان کے عقاید اور خیالات کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ غرضکہ ڈاوٹی کا سفرنامہ عرب کی ایک قسم کی سائیکلوپیڈیا ہے۔ جس میں تلاش کرنے سے اہل عرب کی مذہبی، اقتصادی، معاشری اور سیاسی زندگی کے متعلق کم وبیش ہر قسم کی معلومات مل جاتی ہے۔ سفرنامہ کا عنوان (Arabia Deserta) ہے ؛

مگر باوصف اس کے ڈاوٹی کے سفرنامہ کو فوری مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اوّل تو یہ سیاحت نامہ عام ناظرین کے لئے بہت طویل تھا۔ اور دوسرے اس کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔ جنگ عظیم کے بعد جب سیاسی تعلقات اور اغراض کے سبب سے اہل انگلستان کو ملک عرب کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوئی۔ تو ۱۹۲۱ء میں اس سفرنامہ کے طبع ثانی کی نوبت آئی اس کے بعد اس کے متعدد سستے ایڈیشن شائع ہوئے اور اس کی بہت قدر ومنزلت ہونے لگی ؛

علم جغرافیہ کے لحاظ سے ڈاوٹی کی سیاحت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اس نے شمالی عرب کے ندی نالوں اور وادیوں خصوصاً وادی حمض اور وادی الرمہ کے محلِ وقوع اور ان کے صحیح رُخ کو متعین کیا۔ خیبر کے علاقہ کے متعلق بہت سی قیمتی جغرافی تفصیلات بہم پہنچائیں اور خیبر اور تبوک کے درمیانی حرات کی نوعیت اور رقبہ کو دریافت کیا ؛

ڈاوٹی نے ۱۹۲۶ء میں وفات پائی ؛

۱۵۔ بلنٹ

(W. C. Blunt.)

ڈاوٹی کے دو سال بعد عرب میں مسٹر بلنٹ اور اس کی بیوی لیڈی این بلنٹ وارد ہوئے۔ ان کی سیاحت کا مقصد علمی نہ تھا۔ بلکہ وہ محض سیر و تفریح اور خصوصاً عمدہ عربی نسل کے گھوڑوں کی تلاش میں اندرون ملک میں آ نکلے تھے۔ مسٹر بلنٹ اور اس کی اہلیہ تدمر کے ایک شیخ محمد عبداللہ نامی کی ہمراہی میں داخل ہوئے۔ اس کی جماعت میں حضری اور بدوی دونو قسم کے لوگ شامل تھے۔ دسمبر ۱۸۷۸ء میں دمشق سے روانہ ہو کر وہ درب الحج کے راستہ سے جنوب کی طرف بڑھے اور ایک ماہ کی سیاحت کے بعد وہ وادی سرحان سے ہوتے ہوئے صحراء نفود میں داخل ہوئے اور دس دن کے مزید سفر کے بعد حائل میں وارد ہوئے۔ جہاں اُن دنوں محمد بن رشید کی حکومت تھی ؛

شہر حائل میں وہ ایک مدت تک مقیم رہے۔ اور انہوں نے محمد بن رشید کے دربارِ عدالت۔ طرزِ حکومت۔ اس کے قصر اور باغات کو خوب اطمینان سے دیکھا۔ حائل کے کوائف اور بلنٹ کی سیاحت کے دیگر حالات اس سفرنامہ میں مرقوم ہیں جو لیڈی بلنٹ نے واپس وطن آکر لکھا۔ اور جس پر اس کے خاوند نے مزید حواشی چڑھائے ہیں۔ یہ سفرنامہ

Lady Anne Blunt. A Pilgrimage to Nejd. London, 1881.

ایک روزنامچہ کی صورت میں ہے جس میں مشاہدات اور واقعات یوماً فیوماً سادگی کے ساتھ درج ہیں۔ اگرچہ علمی جغرافی تحقیقات ان کا مقصود نہ تھا۔ تاہم ان کے سفرنامہ سے عرب کے شمال مغربی علاقہ جات کے طبعی حالات اور وادی سرحان۔ صحراء نفود اور حرّات کے جغرافی خصوصیات کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ اور وہاں کے سیاسی کوائف پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے ؛

مسٹر بلنٹ اور لیڈی بلنٹ کو اپنے پیشرو سیاحوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی۔ کہ چونکہ وہ ایک معتمد شیخ کی معیت میں سفر کر رہے تھے۔ اس لئے وہ بھیس بدلنے یا اپنی اصلیت چھپانے پر مجبور نہ تھے۔ سیاحت کے دوران میں انہوں نے عربی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ مگر بھیس بدلنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ اجنبی لباس لوگوں کی نظروں میں خواہ مخواہ نہ کھٹکے۔ اسی آزادی کی طفیل وہ قطب نما اور مقیاس الہواء علانیہ استعمال کرتے تھے۔ اور اپنی یادداشتیں بلا روک ٹوک لکھتے تھے؛

خاندان بنو رشید کے سیاسی نظام کا ذکر کرتے ہوئے لیڈی بلنٹ نے ایک خاص بات کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا اعادہ یہاں غالباً غیر مناسب نہ ہو۔ وہ لکھتی ہیں۔ کہ خاندان مذکور اس بات سے خوب آگاہ تھا۔ کہ حضری زندگی اور شہروں کی تن آسانی میں مستغرق ہونا ان کی سطوت کے لئے مہلک ثابت ہوگا۔ اور یہ کہ ان کی سیاسی طاقت کا راز ان کی بدوی زندگی کی سرگرمی میں مضمر ہے۔ کیونکہ شہریوں کے لئے اہل بادیہ کو قابو میں لانا بہت مشکل ہے۔ مگر اس کے برعکس اہل بادیہ حضریوں پر ہمیشہ دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ لہذا بنو رشید کی عادت تھی کہ بدویانہ خصایص کو قایم رکھنے کے لئے موسم ربیع کے آتے ہی وہ شہر حائل چھوڑ دیتے اور شہری لباس اور تکلفات کو برسر طاق رکھ کر صحراء میں نکل جاتے۔ اور گرما کے وسط تک دیگر بدویوں کے ساتھ رہتے سہتے ؛

باوجود اس احتیاط اور دُور اندیشی کے رشید کا خاندان انحطاط اور ضعف سے

نہ بچ سکا۔ جانشینی کے مسئلہ پر کئی دفعہ کشت وخون کی نوبت آئی جس سے حکمران خاندان کے افراد کم ہوتے گئے۔ اور من حیث المجموع ان کا زور گھٹ گیا۔ یہاں تک کہ چند سال ہوئے عبدالعزیز ابن سعود سلطان نجد نے ان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا ؛

مسٹر بلنٹ اور اس کی بیوی گھوڑوں کے بہت شایق تھے انہوں نے امیر حائل کے اصطبل کو بڑے شوق سے دیکھا۔ جو اس وقت تمام عرب میں مشہور تھا اور جس کا مفصل حال لیڈی بلنٹ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ گھوڑے کی پرورش کے متعلق خاتون موصوفہ نے عربوں کی زبانی جو ہدایت تحریر کی ہے۔ اس کا یہاں اس موقعہ پر نقل کرنا شاید ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا بچھیرا دوسروں پر سبقت لے جائے تو حسب ذیل باتوں پر عمل کرو۔ پیدائش کے ایک ماہ بعد تک بچے کو ماں کا دودھ پینے دو۔ یہ اس کے لئے کافی ہوگا۔ اس کے بعد آئندہ پانچ ماہ تک اس میں بکری کا اس قدر دودھ ملاؤ جتنا کہ وہ پی سکے۔ اس کے بعد چھ ماہ تک اس کو اونٹنی کا دودھ دو اور تھوڑی سی گندم جسے پہلے پانی میں بھگو لیا گیا ہو۔ جب بچھیرا ایک سال کا ہو جائے تو اسے دودھ کی حاجت نہ رہیگی اس کے بعد اسے گندم اور گھاس پر پالنا چاہیئے۔ جب دو سال کا ہو جائے تو اسے محنت مشقت کا عادی کرنا چاہیئے ورنہ وہ کسی کام کا نہ رہے گا۔ اب اُسے بڑے جانور کی طرح جَو کھانے کو دو۔ اور گرما میں دوپہر کے وقت اسے آش بھی پلاؤ۔ آش تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آٹے کی دو مُٹھیاں لو اور ہاتھ کے ساتھ پانی میں خوب ملاؤ۔ یہاں تک کہ پانی دودھ کی طرح سفید ہو جائے۔ پھر اسے چھان لو۔ اور جانور کو پلا دو۔ شروع ہی سے گھوڑے کو دھوپ میں کھڑا رہنے کا عادی کرو۔ مگر ہاں جب دوپہر چڑھ آئے تو اُسے سیر کر کے پانی پلاؤ۔ تیسرے سال میں بچھیرے پر سواری کرنا چاہیئے۔ جہاں مالک جائے اُسے بھی ساتھ لے جائے۔ تاکہ اسے ہر قسم کا تجربہ ہو اور اس کی ہمت بڑھے۔ اسے اکثر ریاضت کرانی چاہیئے

تاکہ وہ ہمیشہ کھانے دانے پر کھڑا نہ رہے۔ اسے لمبے سفر کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اسی سے جانور کے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں۔ جب تین سال کا ہو جائے تو اسے سرپٹ دوڑانے کی مشق کرانی چاہیئے۔ اگر جانور اچھی نسل کا ہے تو کسی سے پیچھے نہیں رہے گا ؛

مسٹر بلنٹ جب نجد سے لوٹے تو شیعہ حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ کربلا ہوتے ہوئے بغداد پہنچے۔ وہ اپنے ساتھ عمدہ نسل کے بہت سے گھوڑے بھی لائے تھے۔ ان کا اصطبل مدت تک انگلستان میں بہت مشہور رہا۔ مسٹر بلنٹ نے ۱۹۲۲ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی ؛

۱۶۔ سنوک ہُرخرّیاں

(Snouck Hurgronje)

برٹن کی زیارت (جس کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے) کے تیس سال بعد ایک دیگر مغربی عالم دریافت حالات اور علمی تحقیقات کے ارادہ سے حجاز میں وارد ہوا جس کا نام سنوک ہُرخرّیاں تھا۔ اور جس نے بعد میں بحیثیت ایک ممتاز اور نامور مستشرق کے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ہُرخرّیاں ۱۸۸۵ء کے موسم خزاں میں جدہ میں وارد ہوا اور ساحل پر پانچ مہینے بسر کر کے ایک طبیب کی صورت بنا کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ میں اسے چند ماہ ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ اور ایک موسم حج سے دوسرے موسم حج کے درمیانی وقفہ میں اس نے مکہ کی سوسائٹی کا بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ بظاہر وہ ایک عرصہ دراز تک وہاں قیام کر سکتا تھا مگر اسے مکہ میں وارد ہوئے ابھی صرف پانچ ماہ گذرے تھے۔ کہ جدہ کے فرانسیسی قنصل نے اس کے خلاف چغلی کھائی اور حکومت عثمانیہ کے عمّال کو اطلاع دے کر اُسے مکہ سے نکلوا دیا ؛

ہرخرونیان عربی زبان خوب جانتا تھا۔ اور بڑا مستعد شخص تھا۔ لہٰذا اگرچہ اُسے مکہ میں صرف چند ماہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ مگر اس نے اس قلیل فرصت کو بہت اچھی طرح استعمال کیا۔ اور مکہ کی زندگی کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا۔ واپسی پر اس نے مکہ کے متعلق ایک کتاب جرمن زبان میں دو جلدوں میں لکھی۔ جو اپنے موضوع پر ایک مستند تالیف شمار ہوتی ہے۔ اس تالیف کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں مؤلف نے عربی تاریخی مصادر سے شہر مکہ اور وہاں کے حکمرانوں کی پوری تاریخ لکھ دی ہے۔ جو تاریخی لحاظ سے ایک کارآمد اور مفید کتاب ہے۔ دوسرا حصہ مؤلف کے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔ جس میں ہرخرونیان نے شہر مکہ کے اقتصادی نظام اور وہاں کی منڈیوں، مقدس مقامات اور ان کے متولیوں، اہل مکہ کی معاشرت، ان کی خانگی زندگی اور رسوم و عادات اور ان کے اخلاقی محاسن و معائب کو خوب شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اگرچہ ہرخرونیان کو عربوں کے ساتھ پالگریو کی سی طبعی مناسبت نہ تھی اور نہ ہی اسے ان کے ساتھ ڈاؤٹی کی طرح گہرا میل جول پیدا کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ تاہم اس نے مغربی نقطۂ نظر سے اٹھارویں صدی کے آخر میں مکہ کی معاشرت کا جو دلچسپ مرقع کھینچا ہے وہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اُسنے عثمانی دَور کے صورتِ حالات کو جو اب بہت حد تک بدل چکے ہیں۔ قلمبند کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اس دوسری جلد کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اصل جرمن تالیف اور ترجمے کے عنوان ذیل میں مندرج ہیں ؛

عنایت اللہ (ملتان)

S. Hurgronje. Mekka.
2 Vols. Hague, 1888. (2) Mekka in the
latter Part of the 19th Century. Tran. by Monahan, Leyden, 1931.

سرسید کے زیرِ اثر ادبی تنقید کی ابتدا

تہذیب الاخلاق نے سوسائٹی اور ادب کی تنقید کے ذریعے اگرچہ عام مذاق قومی کی تنقید کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ ادبی تنقید کی طرف علماء کا رجحان اتنا زیادہ نہیں ہوا۔ جتنا کہ توقع کے مطابق تھا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے۔ کہ اس دور میں ان شعبوں میں زیادہ چھان بین کی گئی۔ جن کا تعلق قومی اور مذہبی احیا و اصلاح کی تحریک سے تھا۔ چنانچہ مذہب اور تاریخ میں بہت اہم کتابیں لکھی گئیں۔ باقی رہا ناول۔ سو اسے بھی احیائے قومی کی خدمت میں لگایا گیا۔ ادب اور آرٹ کی خدمت بالذات ان لوگوں کے پیشِ نظر نہ تھی ؛

تاہم ذوق ادبی کی اصلاح بھی چونکہ قومی اور ملّی تعمیر کا ایک جزو ہے۔ اسلئے کسی قدر کام ضرور ہوا۔ پھر چونکہ قوم کا میلان اُردو سے زیادہ عربی فارسی کی طرف تھا اور اس وقت تک فارسی کا مذاق شائستگی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے تنقید کے لئے اُردو ادب کے ساتھ ساتھ فارسی شاعری کی طرف بھی توجہ کی گئی ؛

حالی زبانِ اُردو ہمیشہ ہمیشہ مولانا حالی کی شکر گزار رہے گی۔ جنہوں نے مشہور مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اُردو میں تنقید اور اصلاح ذوق کی بنیاد ڈال دی۔ ہم نے مولانا حالی کے تذکرے میں لکھا ہے۔ کہ مولانا حالی سب سے پہلے انجمن پنجاب لاہور میں مغربی طرزِ فکر سے روشناس ہوئے۔ جہاں انہوں نے نئی روش کے مطابق مثنویاں لکھیں۔ اس کے بعد سرسید کی تحریک سے وابستگی اور تہذیب الاخلاق سے تعلق کی وجہ سے مولانا جدت اور اجتہاد کی طرف مائل ہوتے گئے۔ اور اُردو شاعری میں اصلاح کی تحریک کے رہنما قرار پائے ؛

حالی نے اپنے اصلاحی خیالات مقدمہ شعر و شاعری۔ حیاتِ سعدی اور یادگارِ غالب میں

ظاہر کئے۔ اور یہی ان کے تنقید ادب کے کارنامے ہیں حیاتِ جاوید میں بھی سرسید کی تصانیف پر تنقیدی بحث کی ہے ؛

مقدمہ شعر و شاعری اس معرکۃ الآرا تصنیف میں مولانا حالی نے شعر، اس کی تاثیر، اس کا تعلق تہذیب سے، نئی پرانی شاعری وغیرہ کے موضوع کو پہلے لیا ہے۔ پھر یہ ظاہر کیا ہے کہ شاعری سوسائٹی کے تابع ہوتی ہے شخصی حکومتوں نے مسلمانوں کے مذاق کو برباد کر دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں جو شاعری مروج ہے۔ وہ تقلیدی ہے اور اس پر فارسی کے مذموم اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں تصنع اور بناوٹ ہے اور یہ کسی جذبۂ اندرونی سے تاثر کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ محض قافیہ توزی ہے اور تاثیر سے خالی۔ جبتک کسی شاعری میں "اصلیت" اور "جوش" نہ ہو۔ اسوقت تک وہ حقیقی شاعری نہیں کہلا سکتی ؛

حالی شاعری کے لئے صمیمیت کو ایک ضروری چیز قرار دیتے ہیں۔ قدیم زمانے سے اب تک شاعری میں جھوٹ کی جو آمیزش چلی آتی ہے۔ اس سے نئے شاعروں کو احتراز کرنا چاہیئے۔ قدیم عربی شاعری اس صفت سے متصف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اثر و تاثیر سے لبریز تھی ؛

شاعری کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ نیچر کے مطابق ہو اور اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو عادت یا واقعہ کے خلاف ہو ؛

اچھے شعر کے لئے زبان کی درستی اور سادگی بھی ضروری ہے۔ مولانا حالی دہلی اور لکھنؤ کی تفریق کو پسند نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ اُردو کی حدود کو وسیع کیا جائے۔ اور نہ صرف عربی فارسی سے شاعر کو مناسبت ہو بلکہ ہندی بھاشا میں بھی دستگاہ رکھتا ہو ؛

لیکن شعر دراصل وہی ہے جو کسی تاثر کے ماتحت لکھا گیا ہو۔ حالی کہتے ہیں "بہرحال جہاں تک ممکن ہو کسی مضمون کے لکھنے پر اس وقت تک قلم نہیں اٹھانی چاہیئے۔ جب تک اس کے دل کو چٹک نہ لگی ہو"۔[1]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری مع دیوان (نامی پریس ۱۸۹۳ء) ص ۱۱۵ ؛

چونکہ غزل تمام طبقات میں بہت مقبول ہے۔ اس لئے حالی نے اس کی اصلاح کو بہت ضروری خیال کیا ہے۔ "غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں۔ وہ ایسے جامع الفاظ میں بیان کئے جائیں۔ جو دوستی اور محبت کی تمام انواع و اقسام اور تمام جسمانی اور روحانی تعلقات پر حاوی ہوں"[1] جہاں تک ممکن ہو۔ مذکر اور مؤنث کا لفظ نہ آئے۔ حالی کہتے ہیں۔ کہ فارسی شاعری اور اردو شاعری میں مرد معشوق کا ذکر "محض ایک غلط فہمی اور قومی محبت کے خیال پر مبنی ہے۔ نہ کہ حقایق و واقعات پر"۔ اس طریقے کو منسوخ کر دینا چاہیئے۔ اس کے برعکس جو لوگ اعلانًا عورتوں کے لوازمات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بھی مناسب نہیں۔ حالی عشقیہ مضامین میں اس ترمیم کے ساتھ ساتھ شراب وغیرہ کے ذکر میں بھی اصلاح چاہتے ہیں۔ زہد کو برا بھلا کہنے کی رسم بھی بری ہے۔ اس کو بھی ترک کر دینا چاہیئے ؛

غرض حالی شاعری میں سچائی کے عنصر کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور نئے شاعروں کو پرانی روش کی تقلید سے باز رکھنا چاہتے ہیں ؛

افسوس ہے کہ حالی کی اصلاحی تحریک کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اور ملک میں خالصۃً قدیم طرز اور بالکل جدید طرز پوری قوت کے ساتھ رائج ہے ؛

مقدمہ میں انگریزی کتابوں سے کافی مدد حاصل کی گئی ہے۔ لیکن عربی فارسی نقادانِ ادب کے مقولوں سے اور شعراء کے اشعار سے استشہاد کی بنا پر اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے ؛

حیاتِ سعدی میں حالی نے بلبل شیراز کی لایف کے ساتھ ساتھ ان کے کلام پر بھی تنقید کی ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جس میں کسی فارسی شاعر کی لایف اور کلام پر محققانہ تبصرہ ہوا۔ اس میں حالی نے "موازنہ اور مقابلہ" کا اصول رائج کیا۔ چنانچہ گلستان کی خوبی کا اندازہ لگانے کے لئے اسکا موازنہ خارستان اور پریشان وغیرہ ہم طرز کتابوں سے کیا ہے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری (نامی پریس)، ص ۱۲۱ ؛

سعدی کے کلام میں سے ایک "اخلاقی سبق" اور "پیغام" بھی نکالا گیا ہے۔ اسیطرح قصائد اور قطعات کی تنقید میں "صداقت" کے عنصر کو تلاش کیا گیا ہے ۔

غزل کی خرابیوں کے متعلق حیاتِ سعدی میں بھی سیر حاصل بحث ہے ۔ اور "معشوق" کے مذکر ہونے کی رسم کو مذموم قرار دیا ہے ۔

یادگار غالب بھی اسی طرح کی ایک تصنیف ہے۔ لیکن اس کو غالب کے کلام کا انتخاب کہنا چاہیئے ۔ اتنے بلند پایہ شاعر اور مفکر کے کلام کی تنقید کا حق صرف انتخاب سے ادا نہیں ہوسکتا۔ ہاں حسن ذوق کی طرف عمدہ رہنمائی ضرور ہے ۔

حالی جدید تنقید کے اصولوں سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ انہوں نے مغربی ادبیات سے جو کچھ اخذ کیا۔ وہ بالواسطہ تھا۔ پھر بھی یہ بات ان کے امتیاز کے لئے کافی ہے۔ کہ وہ اپنے اندازہ اور جانچ تول میں، اپنے اظہار رائے اور فیصلہ میں اور ادبی شاہپاروں کی قدر و قیمت معین کرنے میں اکثر سلامتِ طبع کا ثبوت دیتے ہیں۔ غیر جانب داری Disinterestedness اور میانہ روی ان کی خصوصیات میں سے ہیں ۔

شبلی شبلی جن کا ذکر اس کتاب میں کئی جگہ آیا ہے۔ جہاں کہیں بھی ہیں۔ صدر نشین بزم ہیں۔ علم کلام، تاریخ اور فن سیر میں وہ وقت کے امام ہیں۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو ذوقِ ادب میں وہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے ملکہ اجتہاد سے جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ اسی میں اصول و ابواب مقرر کرتے چلے جاتے ہیں ۔

فارسی شاعری کی وہ بے مثل تاریخ جو شعر العجم کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ بقول مہدی حسن "تنقید عالیہ (ہائی کرٹیسزم) کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے"۔ بلکہ انہیں اصرار ہے "کہ صرف اردو لٹریچر میں نہیں بلکہ مشرق کی کسی زبان میں اس پایہ کی تصنیف موجود نہیں" ۔

ہمارے ملک کے اس بلند پایہ انشا پرداز نے جس شعر العجم کی اتنی تعریف و توصیف کی ہے اسکی ترتیب میں مصنف نے مغربی تنقید اور معیار ادب کے اصولوں سے اپنے

شاگردوں اور دوستوں کے ذریعے کامل واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اہل علم کی متفقہ رائے ہے۔ کہ شعر العجم سخندان پارس آزاد سے بدرجہا بہتر کتاب ہے ؛

باقی رہی۔ براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران" سو اس کا موضوع بحث ذرا وسیع ہے اور یقیناً محققانہ ہے لیکن بقول مہدی حسن "براؤن" تحقیق کے ساتھ مذاق سخن کہاں سے لاتے" یہی وجہ ہے۔ کہ شبلی کو ان کے فیصلوں سے اکثر اختلاف رہا۔ مثلاً یہ کہ وہ شاہنامہ کی حقیقی عظمت کو نہ سمجھ سکے۔ حالانکہ شبلی نے شعر العجم میں اس عظیم الشان رزمیہ کے لئے بہت سے اوراق وقف کئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ پروفیسر شیرانی مدظلہ نے شعر العجم کی تحقیق پر تنقید کر کے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں مذاق سخن تو ہے لیکن تحقیق کی کمی ہے۔ پھر بھی اولیت کا فخر حاصل ہونے کے علاوہ اسکے لئے یہ کم سند امتیاز نہیں۔ کہ محقق براؤن اپنی "ادبیات" کی آخری دو جلدوں میں شعر العجم سے بہت استفادہ کرتے ہیں ؛

غالباً ہمارے اس قول میں مبالغہ نہیں۔ کہ شعر العجم نے ہندوستان میں فارسی مذاق کو جو زوال پذیر تھا۔ ایک خاصی مدت تک نئی زندگی دے دی ہے ؛

شعر العجم کے دیباچہ میں۔ اصفحوں کے اندر شاعری پر تبصرہ کیا ہے اور حق یہ ہے۔ "اردو زبان اس کی وقت نظر، سلاست زبان اور پیرایہ بیان پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔"[1] اگرچہ اس میں اکثر خیالات انگریزی سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جا بجا بعض علمائے مشرق کے حوالوں سے ایک جدت پیدا ہو گئی ہے۔ اردو میں اس مؤثر طریق پر شعر و شاعری کی حقیقت پر کوئی تبصرہ نہیں ہوا۔ حالی کے مقدمہ شعر و شاعری میں سلاست اور سادگی ہے لیکن شبلی کا بیان عالمانہ اور فلسفیانہ ہے۔ اور دونوں کو آپس میں کوئی مناسبت نہیں ؛

شعر العجم کی پانچ جلدیں ہیں۔ ان میں فارسی شاعری کے مختلف ادوار مقرر کئے ہیں برخلاف براؤن کے اس میں ہندوستانی شعراء کو بھی اکابر میں شامل کیا گیا ہے ؛

---

[1] رسالہ ہمایوں (لاہور) ۱۹۳۴ء۔ شبلی از میاں بشیر احمد۔ ص ۴۳۳ ؛

شبلی نے اپنی تنقید میں کیا خاص نئے اصول وضع کئے ؟ ان کا جواب تفصیل چاہتا ہے۔ ان اصولوں کی مختصر فہرست یہ ہے :۔

۱۔ طبعی حالات کا اثر شاعری پر ثابت کیا جائے۔

۲۔ معاشرتی حالات کے زیر اثر قومی شاعری میں کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں ؟

یہ بات بلاشبہ کہی جاسکتی ہے۔ کہ ادبی تنقید کے معاملہ میں شبلی اگرچہ جدید اصولِ تنقید کے معیار سے بعض جگہ گر جاتے ہیں۔ تاہم ان کا درجہ ناقدانِ ادب میں بہت بلند ہے۔

۳۔ شاعری کی قدیم تقسیم غزل، قصیدہ وغیرہ تھی۔ لیکن "تقسیم کا صحیح طریقہ یہ تھا۔ کہ شعر کی جو حقیقت ہے یعنی مصوّری جذبات وتخیل، اس کے لحاظ سے اس کے معنوی اقسام قایم کئے جائیں۔ مثلاً رزمیہ، عشقیہ، فخریہ، مرثیہ، اخلاقی، صوفیانہ، فلسفیانہ وغیرہ وغیرہ" ان کے مختلف ادوار، اور ان کی خصوصیات، غزل اور اس کا معنوی تجزیہ، قصیدہ اور اس کا اثر ؛

۴۔ ہر ایک شاعر کی معنوی اور لفظی خصوصیات ظاہر کی جائیں ؛

۵۔ ہر ایک شاعر کا "پیغام" یا "اصلی مقصود شاعری" واضح کیا جائے ؛

۶۔ یہ واضح کیا جائے۔ کہ ایک شاعر نے کہاں تک "صداقت" اور "خلوص" کو اپنی شاعری کا مبنیٰ قرار دیا ہے۔ نیز شاعری کی تاریخ لکھتے وقت صرف طرز خاص کے موجدوں کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیئے ؛

شبلی چونکہ فلسفیانہ استنتاج کے بہت دلدادہ تھے اور اسباب اشیا سے اکثر بحث کیا کرتے تھے۔ اسلئے اس اصول کو یہاں بھی نہایت اچھی طرح استعمال کیا ہے مثلاً یہ کہ فارسی شاعری نے کن کن اسباب سے عروج حاصل کیا۔ اور اس کے زوال کے کیا اسباب تھے ؛

شبلی نے اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ کہ انتخاب کلام میں شعراء کی عزت نفس، خودداری، ہمت اور حق گوئی یا برعکس صفات کا اظہار ہو سکے اور یہ غالباً اسلئے ہے۔ کہ

شبلی قوم میں ذوق صحیح کے ساتھ ساتھ آزادی کے جذبات عالیہ پیدا کرنے کے بہت خواہاں تھے ؛

حالی کی طرح شبلی بھی "موازنہ و مقابلہ" کرتے ہیں اور یہ طریقہ براؤن نے بھی حافظ و خواجو وغیرہ کے باہمی موازنہ میں استعمال کیا ہے ؛

شاہ نامہ کی بحث بہت طولانی ہے ۔ اس تنقید میں شبلی نے شاہ نامہ کو ہومر کی الیڈ کا درجہ دیا ہے ۔ اور اس کو بہترین رزمیہ قرار دیا ہے ۔ فردوسی کو ماہر نفسیات، مصور جذبات اور اعلےٰ درجہ کا حقیقت نگار ثابت کیا ہے ؛

شعر العجم کا ایک نقص بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ اس میں مختلف شعراء کی خصوصیتوں کے بیان میں توارد سا ہو گیا ہے ۔ اور چونکہ یہ شعراء اکثر غزل گو تھے ۔ اس لئے ان کا کوئی مجموعی پیغام نظر نہیں آتا ۔ پس لفظی خصوصیتوں کے بیان میں تکرار سا پیدا ہو گیا ہے ؛

آخر میں ہم یہ ضرور کہیں گے ۔ کہ شعر العجم واقعی ایک انقلاب انگیز تصنیف ہے ۔ اور بقول مہدی حسن درحقیقت یہ " دنیا کی سب سے شیریں زبان کے جذباتی لٹریچر کا ایک خوبصورت مرقع ہے" ؛

سید محمد عبداللہ

تنقید و تبصرہ

(۱) **تاریخ الہ آباد (جلد اول)** مصنفہ مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدانی مصنفِ حیاتِ جلیل، آزاد بلگرامی، تاریخ قنوج وغیرہ۔ اشاریہ پریس الہ آباد۔ صفحات ۲۹۹۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت چار روپیہ

زیرِ تبصرہ کتاب الہ آباد کی تاریخ ہے۔ جس میں بقول مصنف "گلزار ہمیشہ بہار شاہ بیگم اور اس کے مدفن، شاہزادہ خسرو اور اس کے مقبرے، سلطان بہار بانو کے روضے اور تمبولن بیگم کے گنبد کے گزشتہ و موجودہ حالات یکجا ملیں گے"۔ (ص ۴)۔ یا بالفاظ صحیح تر اسے "بیانِ خسرو باغ" کہا جا سکتا ہے۔

سلطان خسرو یا شاہزادہ خسرو شاہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا تھا۔ اور رانی مان بائی المخاطب "شاہ بیگم" کے بطن سے تھا۔ جب جہانگیر تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے اگرچہ اپنے بیٹے خسرو کی ہر طرح دلداری کی۔ لیکن اس نے پھر بھی اپنے باپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر ہی دیا۔ لاہور میں باپ بیٹوں کا مقابلہ ہوا۔ بیٹے کو شکست ہوئی اور بالآخر تمام عمر کے لئے قید کر دیا گیا۔ اگرچہ خسرو قید میں تھا۔ تاہم خرم (جو بعد میں شاہجہان ہوا) تخت و تاج کے اس حریف سے بے خوف نہ ہو سکتا تھا جب وہ (خرم) دکن کی مہم پر بھیجا گیا تو وہ خسرو کو بھی بہانۂ محبت اپنے ساتھ لے گیا۔ خسرو وہاں ہی قضائے عاجل کا شکار ہو گیا۔ یا شاید اس کی قضا کے لئے انسانی تدبیر کام میں لائی گئی۔ پہلے برہان پور میں دفن ہوا۔ پھر جہانگیر کے حکم سے الہ آباد میں اپنی ماں شاہ بیگم کے پڑوس میں دفن کیا گیا۔

یہی وہ مقام ہے۔ جو خسرو باغ کے نام سے شہرت رکھتا ہے اور جس کی توصیف و تحقیق میں اس کتاب کا بیشتر حصہ صرف کیا گیا ہے۔ زیرِ بحث کتاب، دراصل اس طویل

سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جو الہ آباد اور اس کے متعلقات کے متعلق مصنف کے پیش نظر ہے۔ حضرت مصنف کی تجویز ہے کہ اس کے بعد "تذکرہ سلطان خسرو" شایع کیا جائے گا ؛

اس کتاب میں پریاگ، کڑہ، الہ آباد کی وجہ تسمیہ اور اس کی تاریخی اہمیت پر بہت مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور علاوہ خسرو باغ اور مقبرہ شاہ بیگم (رانی مان بائی) کے طول طویل حالات کے بہت سے ایسے مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ جو اگرچہ کتاب میں ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم ان سے کتاب کا افادی پہلو بہت مضبوط ہوگیا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کا شوق و شغف باغات کے ساتھ، جس میں فاضل مصنف نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے وقت سے لے کر مغلوں کے زمانے تک باغات کی تعمیر و ترتیب کی تاریخ دے دی ہے۔ یا مثلاً مسلمان بادشاہوں کا ہندوؤں سے قرابت پیدا کرنا۔ اسی طرح "مغل بادشاہوں کے روزنامچے" کے ضمن میں بہت سی قابل قدر معلومات فراہم کی ہیں۔ "فن تاریخ اور مسلمان" کے عنوان سے جو صفحات لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی بہت مفید اور کارآمد ہیں ؛

اس میں شبہ نہیں۔ کہ بادی النظر میں یہ تمام مباحث کتاب کے نفس مضمون سے گہری وابستگی نہیں رکھتے۔ اور بعض صورتوں میں اس سے تصنیف کے حسن تناسب پر برا اثر پڑتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ جو ذخیرہ عمدہ مطالب کا اس میں جمع ہوگیا ہے اس سے اس خامی کی تلافی یا حسن وجوہ ہوجاتی ہے ؛

ہمیں یہ کہنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔ کہ حضرت مصنف نے جس محنت سے تمام مآخذ کی چھان بین کی۔ اور جس وسعت نظر سے قدیم و جدید، انگریزی اور غیر انگریزی کتابوں کا مطالعہ کیا وہ بے حد قابل تحسین ہے۔ کتاب کے ہر ہر صفحے پر ذیلی حاشیوں میں بے شمار کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔ جو مصنف کی عرق ریزی کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے ؛

بہ یقین کہا جاسکتا ہے۔ کہ الہ آباد کے متعلق کوئی کتاب، بایں جامعیت و وسعت ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ جس کے لئے مولوی صاحب مستحق مبارک باد ہیں ؛

ان بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ، چند امور، دوران مطالعہ میں ہماری نظر سے ایسے گذرے۔ جو ہمارے نزدیک اصلاح اور نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ مثلاً ص ۵۱ پر جناب مصنف لکھتے ہیں :۔

" البتہ آگے چل کر باپ سے باغی و طاغی ہو کر اس نے تمام شان و شوکت ملوکانہ اختیار کر لی تھی۔ ممکن ہے کہ اس رعایت سے یہ قطعہ کہا ہو "

مندرجہ بالا عبارت میں جس قطعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے :۔

بفرمان شاہنشاہ جہانگیر — کہ زیبد ملکش از مہ تا بماہی
نباشد این سرائے آسمان قدر — [کہ باد آباد خلد آباد شاہی]

ہمارے مصنف کا خیال ہے کہ یہ قطعہ جہانگیر کے ایام بغاوت کا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ایام بغاوت میں اس نے جہانگیر لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ سلیم کے نام سے مشہور تھا نور الدین محمد جہانگیر کا لقب ۱۰۱۴ھ میں تخت نشینی کے بعد اختیار کیا گیا۔

ہمارے مخدوم پروفیسر شیرانی مدظلہ کے کتب خانہ میں ایک فرمان جہانگیر کے ایام بغاوت کا موجود ہے۔ جس کی مُہر کے الفاظ یہ ہیں :۔

" مظفر الدنیا والدین سلطان سلیم بادشاہ "

اس سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوتی ہے۔ کہ ایام بغاوت میں جہانگیر کا لقب سلطان سلیم تھا مندرجہ بالا قطعہ ۱۰۱۴ھ کے بعد کا ہے۔ نہ کہ ۹۷۵ھ یا ۹۹۵ھ کا جیسا کہ حضرت مصنف نے قطعہ کے آخری مصرعہ سے تاریخ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قطعہ میں تاریخ یا مادہ سال کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ تیسرے اور چوتھے مصرعہ کے درمیان کوئی ربط بھی نہیں معلوم ہوتا۔ بظاہر مصرعہ چہارم اس قطعہ کا جزو نہیں ہے ؛

ص ۵۷ پر ایک کتبہ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کے نام کا ہے۔ جس کی تاریخ مصنف علام نے ۱۰۱۰ھ دی ہے۔ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ نور الدین جہانگیر لقب

سنہ ۱۰۱۴ھ کے بعد اختیار کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۰۱۰ھ میں اکبری دور تھا۔ کیا واقعی اکبر کی حین حیات، سلیم اس شاہانہ لقب سے ممتاز ہو گیا تھا؟

ص ۲۷۸ پر "خرد گفت جاے بجنت گرفتہ" کے اعداد ۱۰۴۷ نکالے ہیں۔ حالانکہ سنہ ۱۰۴۴ھ نکلتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ دراصل مصرع یوں ہوگا ع

"خرد گفت جاے بجنت گرفتہ"

ص ۲۷۵ پر، باوجود ہر مقام پر مادہ ہاے تاریخ سے تاریخ دینے کے التزام کے، جناب مصنف نے مصرع "سنہ ہفت جلوس بادشاہی" سے جن دو طریق پر تاریخ برآمد ہوتی ہے اس کا بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اس سے ایک تو سنہ جلوسی نکلتی ہے اور دوسری سنہ ۱۰۲۲ھ

ص ۲۲۸ پر فرماتے ہیں "اسی طرح حسب تحریر ابوالفضل۔۔۔۔ ہمایوں نے بھی اکبر کو وہی عمر (چار سال۔ چار ماہ چار روز) ہو جانے پر مکتب نشین کروایا تھا"

یہاں اعتراض ہو سکتا ہے کہ اکبر ہمایوں کے فرار کے وقت امرکوٹ میں پیدا ہوتا ہے اور کامران مرزا کے حملہ کے وقت اس کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ ہمایوں ایران چلا جاتا ہے اور اکبر چچا کامران کے پاس رہتا ہے، ہمایوں ایران میں دس سال گذارنے کے بعد کابل آکر کامران کو شکست دیتا ہے اور اکبر کو حاصل کرتا ہے۔ ان حالات میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اکبر کی مکتب نشینی کے لئے، عمر کی مندرجہ بالا قید پر عمل ہوا ہو۔

ص ۱۹۰ پر سلمان ساوجی کے قصیدہ لامیہ کے کچھ اشعار درج ہیں جن کے صحیح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

"در شارع دین کو صفت سنگی کاہل [دوسرا مصرعہ غائب ہے]"

حالانکہ مصرعہ اول غائب ہے۔ جو یوں ہے ع در راہ ہوا کاہ وشی سارع ورّاں

ص ۱۹۳ پر جو اشعار ناتمام چھوڑ دیئے ہیں وہ بھی سلمان کے قصیدہ لامیہ کے ہیں جنہیں ہم تمام کر دیتے ہیں:۔

[ہم سودہ و فرسودہ شوی آخر] اگر خود — زآہن بودت عرق و زپولاد مفاصل
[در راہ ہوا کاہ وشی سارع و پران] — در شارع دین کوہ صفت سنگی و کاہل
این طول امل چیست [برآنی] کہ زمانہ — شد عمر ترا تا [بقیامت متکفل]
از نیست بہ ہستی و [ز ہستی برہ نیست] — تا شہر وجود است [روانند قوافل]

ص ۱۵۹ پر جو قطعہ درج ہے۔ وہ ہمارے نزدیک اغلاط سے خالی نہیں کیونکہ اسکے ایک سے زیادہ اشعار بحالت موجودہ معنی کی سرحد سے نکل کر مہملات کی سرحد میں پہنچ گئے ہیں مثلاً شعر ۳، میں 'اہل واوباش' شعر ۴، میں 'از مصلحت یاد شد' شعر ۱۰ میں "در تہ خاک خفا افسوس استاد شد" وغیرہ۔ ص ۳۳ پر فیروز تغلق کے متعلق فرمایا ہے:۔

"اس نے اپنے مستقر سلطنت میں جو دہلی سے زیادہ فیض آباد کے نام سے اسوقت شہرت رکھتا تھا۔ نو باغ نصب کرائے تھے"۔ فیروز تغلق نے جو مقر سلطنت بسایا تھا اس کا نام "فیروز آباد" تھا۔ فیض آباد غالباً سہو کاتب ہے ؛

ص ۳۴۔ "سب سے پہلے اسی (سکندر لودھی) کے زمانے میں ہندوؤں نے عربی۔ فارسی شروع کی تھی"۔ اس کی سند بیلز کی کتاب بیاگرافیکل ڈکشنری سے پیش کی ہے۔ حالانکہ فرشتہ وغیرہ قدیم تواریخ کی سند پیش کی جانی چاہیئے تھی ؛

اسی طرح بہت سی معمولی غلطیاں اور بھی نظر سے گذری ہیں۔ جو، بہر حال، اس محققانہ اور فاضلانہ تصنیف کی بلند حیثیت پر کسی نوع اثر انداز نہیں ہو سکتیں ؛

ہماری دعا ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ فاضل مصنف کو اس نہایت ہی مفید کام کے دوسرے اجزا کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؛

(۲) **کیفیات**:۔

ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ۔ ایم، اے۔ پی، ایچ، ڈی۔ ڈی لٹ۔ لیکچرر پنجاب یونیورسٹی کے اشعار کا یہ ایک چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ جو حال ہی میں

میسرز آتمارام اینڈ سنز لاہور نے شایع کیا ہے۔ اس مجموعے میں بیشتر قطعات اور چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں۔ جن میں جناب دیوانہ نے اخلاقی، مذہبی اور فلسفی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شروع میں دس صفحے کا دیباچہ جناب عبدالقادر صاحب سروری پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے اس مجموعے پر پوری طرح سے تبصرہ کر دیا ہے۔ ذیل کی عبارت کو ان کے تبصرے کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے :-

"اس مجموعے کا پڑھنے والا بلاشبہ یہ محسوس کرے گا۔ کہ جناب دیوانہ کی فطرت میں شاعری اور حسن گفتار کا ملکہ موجود ہے . . . . .

(ان نظموں میں انہوں نے) فلسفیانہ اندازِ فکر کا پیوند غنائی شاعری کے اسالیب کے ساتھ خوب لگایا ہے۔ بحروں کے انتخاب میں ترنم کا وہ حتے الامکان خیال رکھتے ہیں، عصرِ حاضر کی اُردو شاعری کی اکثر خصوصیات کے علاوہ جدید ترین تحریکات کا شائبہ بھی اس مجموعے میں موجود ہے۔ جگہ جگہ ایسے شعر ملتے ہیں جن میں شاعر نے اپنے زمانے کی عام اور خاص ہر طرح کی تحریکوں کو صاف طور پر یا استعارے کے پیرایہ میں پیش کیا ہے . . . "

کتاب کی طباعت خاصی اچھی ہے۔ تقطیع $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$، قیمت ایک روپیہ ؛

ادارۂ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس

علامہ سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے اب سے چھ برس پہلے ادارۂ معارف اسلامیہ کی بنا رکھی، اسوقت ہمارا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بے حسی اور آدارہ کے ٹھوس علمی اغراض و مقاصد کو دیکھتے ہوئے اسکا چل نکلنا دشوار نظر آتا ہے لیکن علامہ مرحوم کی نیک نیتی اور مآل بینی کا پہلا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ قوم نے آدارہ کی ضرورت کو محسوس کرنا اور سرگرمی کے ساتھ اسمیں دلچسپی لینا شروع کر دیا ہے، مئی ۱۹۳۶ء کے اورینٹل کالج میگزین میں اجلاس دوم کی کارروائی کو بیان کرتے ہوئے میں نے بتلایا تھا کہ دوسرا اجلاس پہلے کی نسبت بہت زیادہ کامیاب اور بارونق رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تیسرے اجلاس کی نسبت میں یہ کہہ سکنے کے قابل ہوں کہ وہ دوسرے کی نسبت بہت زیادہ کامیاب اور بارونق رہا ؛

اعلان کے مطابق ادارۂ معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس گذشتہ کرسمس کی تعطیلات میں عربک کالج دہلی کے ہال میں بصدارت جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان منعقد ہوا۔ دہلی میں اس انعقاد اجلاس کی تحریک آدارہ کے ایک دیرینہ ہمدرد جناب شمس العلماء مولانا مولوی عبدالرحمن اور انکے رفیق و ہمکار پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی کی طرف سے ہوئی۔ ان دو حضرات نے عربک کالج دہلی کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ادارہ کو دہلی میں مدعو کریں۔ اور اجلاس کے انعقاد کا اہتمام اپنے ذمے لیں۔ ہم ان حضرات کو دلی مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کے حسن انتظام اور مہمان نوازی کی بدولت اجلاس ادارہ کو امتیازی کامیابی نصیب ہوئی

لیکن جس بات پر ہم آدارہ کو خصوصیت کے ساتھ مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں وہ اسکے صدر کا انتخاب ہے ہماری یہ انتہائی خوش نصیبی تھی کہ جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان نے اس اجلاس کی صدارت کو منظور فرمایا۔ انکی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ وہ صاحب رتبہ بھی ہیں اور صاحب علم و فضل بھی اور اپنی صدارت سے انہوں نے نہ صرف آدارہ کی سرپرستی کی بلکہ ایک ذی علم کی حیثیت سے اپنے خاص نظریہ اضافیت پر ایک بصیرت افروز مقالہ پیش کر کے اہل جلسہ کو مستفید بھی کیا۔ سب سے زیادہ مسرت ہمیں اس بات سے ہوئی۔ کہ اپنی انگریزی دانی کے باوجود وہ اپنے وطن کی زبان کے زبردست حامی ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا خطبہ صدارت بھی اور مقالہ بھی اردو میں پڑھا اور اس بات کی تاکید کی کہ اس قسم کی علمی مجلسوں کی کارروائی ہمیشہ اردو میں ہونی چاہیئے ؛

افتتاح اجلاس اجلاس آدارہ کا افتتاح ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ساڑھے دس بجے عربک کالج کے ہال میں ہوا۔ حاضرین کی تعداد چار سو کے قریب تھی جن میں اکثر عمائدین دہلی شریک تھے۔ کارروائی جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا جسکے بعد آنریبل سر عبدالرحمن (سابق وائس چانسلر دہلی یونیورسٹی) صدر مجلس استقبالیہ نے اپنا خطبۂ خیر مقدم بزبان اردو پڑھا جسمیں انہوں نے دہلی کی قدیم علمی روایات کے مٹ جانے کو حسرت وافسوس کے ساتھ بیان کرنیکے بعد اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ادارہ کا دہلی میں منعقد کیا جانا ان علمی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش ہے، خدا کرے کہ وہ بارآور ہو۔ اسکے بعد جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔ علوم اسلامیہ کی اہمیت کو جتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ زمانہ حال میں یورپ کے محققین علوم کی کوششیں اس بات پر وقف ہیں کہ توسیع تجارت کسب مال اور دنیاوی عیش وآرام کے وسائل تلاش کئے جائیں یا آلات ہلاکت ایجاد کئے جائیں جن کی بدولت جنگ میں نسل آدم کی تباہی بڑے سے بڑے پیمانے پر ہو سکے لیکن اسلام کے نزدیک تحصیل وتحقیق علوم سے خدمت خلق مقصود ہے۔ اہل اسلام کے تصور میں علم نور خدا ہے جسکی روشنی میں روحانیت کو ترقی کا راستہ ملنا چاہیئے۔

افتتاح نمائش خطبہ صدارت کے بعد جناب صدر نے علمی نمائش کا افتتاح کیا جسکو ہال کے برابر دو بڑے کمروں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اسمیں علاوہ قدیم قلمی نسخوں کے ایک کثیر تعداد اسلامی سکوں، عمارات کے کتبوں اور خطاطی کے نمونوں کی تھی۔ قلمی نسخوں کا سب سے بڑا مجموعہ اور سکوں کا بیش بہا ذخیرہ ہمارے مخدوم پروفیسر حافظ محمود شیرانی کا تھا جسکو وہ بہت زحمت اٹھاکر لاہور سے دہلی لیگئے تھے اس مجموعے میں بعض نہایت قدیم اور بیش قیمت نمونے قرآن کریم اور تفاسیر کے تھے جو کوفی خط میں تھے اور بعض فن خطاطی اور طلائی نقش ونگار کی وجہ سے قابل دید تھے۔ اسکے علاوہ بہت سے نادر فارسی دواوین اور تاریخی کتابیں تھیں قلمی کتابوں کے بعض اور بیش بہا مجموعے بھی نمائش کی زینت کا باعث تھے جن میں نواب محمد علی خاں صاحب لہ آبادی اور مولوی ابوالحسن صاحب حقانی دہلوی کے مجموعے قابل ذکر ہیں۔ خطاطی کے نمونے جناب خانصاحب حکیم محمود علی خانصاحب ثاہر دہلوی اور پیر عبدالرزاق صاحب دہلوی نے نمائش کیلئے مستعار دیئے تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے تاج محل آگرہ کی بعض خوشنما تصویریں و عمارتی نقشے جن پر انہوں نے بہت کچھ علمی تحقیقات کی ہے زیب دیور کئے تھے۔ ادارہ ان سب حضرات کا بیحد ممنون ہے۔ کہ انکی بدولت نمائش کو کامیابی ہوئی اور میں نمائش کی کامیابی کو حقیقت میں ادارے کی کامیابی سمجھتا ہوں۔

سطور ذیل میں ہم ادارہ کے اجلاس سوم کی مختلف نشستوں اور ان مقالات کا جو ان میں پڑھے گئے ذکر کرتے ہیں

ہمیں یہ بتلاتے ہوئے بیحد خوشی ہے کہ اجلاس کی سات نشستوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جس میں حاضرین کی تعداد دو سو سے کم رہی ہو۔ علمی مضامین کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کی اتنی بڑی تعداد کا ہونا ادارہ کی کامیابی کی نمایاں دلیل ہے۔ علاوہ کثرت حاضرین کے ہر مقالے کے بعد سوالات کا پوچھا جانا اور دلچسپی کا اظہار ہماری غیر معمولی خوشی کا باعث ہے اور اسکو ہم اجلاس دہلی کی نمایاں خصوصیت سمجھتے ہیں۔ ایک ایسی ہی اور خوشگوار خصوصیت یہ ہے کہ اس جلاس میں ہمارے بعض ذی علم ہندو بھائیوں نے مقالات پڑھے جن میں مسلمانوں ہی کے علمی کارناموں کو دکھایا گیا تھا۔ ان مقالات کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ اگر رواداری کی ایسی مثالیں ادارہ کے ذریعے سے پیش ہوتی رہیں تو ادارہ کو علاوہ علمی خدمات کے مادر وطن کی خدمات کا فخر بھی حاصل ہوگا۔

تفصیل نشست ہای اجلاس سوم ادارۂ معارف اسلامیہ منعقدہ دہلی

روز اوّل۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء۔ ساڑھے دس بجے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ افتتاحی جلسہ

۱۔ تلاوت قرآن کریم از مولوی عتیق الرحمٰن صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی۔

۲۔ خطبۂ خیر مقدم از جناب آنریبل سر عبدالرحمٰن صدر مجلس استقبالیہ۔

۳۔ خطبۂ صدارت از جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان۔ (۴)۔ شکریہ صدر از جناب پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے۔

نشست اول۔ ڈھائی بجے بعد دوپہر۔ زیر صدارت جناب شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن صاحب

مقالات ذیل اس نشست میں پڑھے گئے:۔

۱۔ "عرام بن الاصبغ السلمی الاعرابی وکتابہ أسماء جبال تهامة" (بزبان عربی) از مولوی عبدالعزیز صاحب میمن پروفیسر علیگڈھ یونیورسٹی۔

۲۔ "کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری"، (بزبان اردو) از مولوی عبدالسلام صاحب مولوی فاضل رامپوری۔

۳۔ "صوفی اور تصوف"۔ (بزبان اردو)۔ از خواجہ عبدالمجید صاحب دہلوی۔

۴۔ "اعتماد الدولہ میر فضل علی سہراب جنگ" (بزبان اردو) از پروفیسر منظور حسین صاحب موسوی ایم اے۔

نشست کے اختتام پر ساڑھے چار بجے جناب شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے دعوت چائے دی گئی جس میں ڈیڑھ سو کے قریب مہمان شریک تھے۔

نشست دوم - بوقت چھ بجے شام - زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب (جامعۂ عثمانیہ)

اس نشست میں پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کا لیکچر انگریزی زبان میں ہوا جس کا موضوع "ایرانی علم اخلاق کے بعض پہلو" تھا لیکچر کے علاوہ دو مقالات حسب ذیل پڑھے گئے :-

۱ - "نزھۃ الارواح شہرزوری" (بزبان انگریزی) از ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب پروفیسر لاہور کالج فارویمن

۲ - "اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے کے بعض نادر قلمی نسخے (بزبان انگریزی) از پروفیسر سخاء اللہ صاحب ایم اے۔

نشست کے خاتمے پر جناب صدر نے خواجہ حسن نظامی صاحب سے جو جلسے میں تشریف رکھتے تھے درخواست کی کہ وہ حاضرین کو اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں۔ انہوں نے ایک مختصر اور ظریفانہ تقریر میں اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ ادارہ کی کارروائی انگریزی زبان میں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بہت سے شائقین اسکے استفادہ سے محروم ہیں۔ صاحب صدر نے تشریح فرمائی کہ لیکچر اور تقریریں تا بحد امکان اردو میں ہونی چاہئیں۔ مگر جیسا کہ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا ادارہ کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم اسلاف کے کارناموں سے اہل مغرب کو بھی آگاہ کر سکیں اسلئے ضروری ہے کہ بعض مقالے انگریزی میں ہوں ؛

روز دوم - ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء

نشست اوّل - دس بجے صبح - زیر صدارت مولوی عبدالعزیز صاحب میمن پروفیسر علیگڈھ یونیورسٹی

مقالات ذیل پڑھے گئے :-

۱ - "عہد اسلامی میں کتب خانوں کا نظم و نسق" - (بزبان اردو) از قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی -

۲ - "جمہرۃ النسب لابن حزم الظاہری" - (" ") از سید امتیاز علی صاحب عرشی -

۳ - "احمد بن تیمیہ" - (بزبان انگریزی) از پروفیسر غلام جیلانی صاحب برق ایم، اے۔

۴ - "شہنشاہ اکبر کی وفات" - (بزبان اردو) از پروفیسر ڈاکٹر اطہر علی صاحب -

آخر میں موسیو آنونف نے جو اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی طرف سے ڈیلیگیٹ بن کر آئے تھے - جناب صدر کی درخواست سے ایک مختصر تقریر ایران حاضر کی مختلف لہجوں یا پراکرتوں (Dialects) کی - جس کے بعد جلسہ برخاست ہوا ؛

نشست دوم - ڈھائی بجے سہ پہر - زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین

مقالات :-

۱ - "سنسکرت پر مسلمانوں کا احسان" - از جناب حکیم محمود علی خانصاحب ماہر دہلوی ،

۲ - "آذر" - از جناب مولوی محمد ادریس صاحب ،

۳ - "ارتفاع جو کی دریافت میں اہل اسلام کا مطالعہ" (بزبان انگریزی)

از پروفیسر محمد فضل الدین صاحب قریشی ایم اے ایس سی - پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور -

۴ - "سلطان التمش کے عہد کا ایک فارسی شاعر - تاج ریزہ" (بزبان انگریزی) از آغا عبدالستار صاحب ایم اے -

۵ - "خواجو بحیثیت غزل نویس" (بزبان انگریزی) از حکیم جمشید علی صاحب اٹھور ایم اے پروفیسر سیالکوٹ کالج -

جلسے کے اختتام پر ساڑھے چار بجے جناب ڈاکٹر اظہر علی صاحب کی طرف سے مہمانوں کو دعوت چائے دی گئی جس میں روز اوّل کی طرح تقریباً ڈیڑھ سو مہمان شریک تھے ،

نشست سوم - آٹھ بجے شب

اس نشست میں زیر صدارت جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں علاوہ مقامی شعراء کے باہر کے حضرات بھی شریک تھے - نظموں کیلئے کوئی خاص مضمون یا مصرع طرح مقرر نہ تھا اسلئے ہر نوعیت کے اشعار پڑھے گئے - آٹھ سے نو بجے تک کی شعر خوانی ریڈیو پر نشر کیگئی شعراء گرامی میں حضرت سیماب اکبرآبادی، جناب ساغر نظامی، جناب جوش ملیح آبادی، جناب نجو دہلوی، جناب روش صدیقی، جناب برق ہوشیارپوری، جناب شجاع منعمی وغیرہم شریک محفل تھے جنہوں نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا - مجلس مشاعرہ رات کے ساڑھے بارہ بجے تک منعقد رہی - اور یہ بھی اجلاس دہلی کی خصوصیات میں سے تھی - کیونکہ اس سے پہلے کسی اجلاس میں مشاعرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا ،

روز سوم - ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء

نشست اوّل - دس بجے صبح - زیر صدارت جناب پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے -

مقالات ذیل اس نشست میں پڑھے گئے :-

۱ - "اضافیت جدید" - (بزبان اردو) از جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب صدر ادارہ ،

۲۔ "ایجادات سائنس میں مسلمانوں کا حصہ"۔ (بزبان انگریزی)،
از ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ کوٹھاری صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی پروفیسر طبیعیات دہلی یونیورسٹی،
۳۔ "انکشافات علم ریاضی میں مسلمانوں کا حصہ"۔ (بزبان انگریزی)،
از جناب ڈاکٹر رام بہاری صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر ریاضیات۔ دہلی یونیورسٹی،
۴۔ "کمال الدین ابوالحسن الفارسی کے نزدیک مسئلہ انعکاس ضیاء"۔ (بزبان انگریزی)،
از پروفیسر ڈاکٹر محمد شجاع منعمی۔ پروفیسر بہاولپور کالج،

نشست دوم۔ ڈھائی بجے بعد دوپہر، زیر صدارت پروفیسر ڈاکٹر اظہر علی صاحب،

مقالات:۔

۱۔ "سر وکشمر کے متعلق ایک یادداشت"۔ (بزبان انگریزی) از پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم۔ اے۔
۲۔ "ہندی ادب میں تصوف اور مسلمان"۔ (بزبان اردو)۔
از مہامہوپدھیائے جناب پنڈت لکشمی دھر۔ پروفیسر سنسکرت سنٹ اسٹیفنس کالج۔ دہلی۔
۳۔ "مسائل نافع بن الازرق عن عبداللہ بن عباس"۔ (بزبان اردو)،
از مولوی عبدالخالق صاحب ایم اے۔ پروفیسر عربک کالج دہلی،
۴۔ "ادبیات ایران جدید"۔ (بزبان انگریزی) از ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین صاحب،

جلسے کے خاتمے پر چار بجے جناب مسٹر انیس احمد صاحب رشدی بیرسٹر ایٹ لاء نے مہمانوں کو دعوت چائے دی۔

نشست سوم۔ چھ بجے شام۔ زیر صدارت جناب آنریبل سر شاہ محمد سلیمان۔

سب سے پہلے جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین نے بذریعہ میجک لینٹرن ایران حاضر اور کارنامہ ہائے رضا شاہ پہلوی پر اردو میں لیکچر دیا۔ اس کے خاتمے پر چند نہایت اہم رزولیوشن پاس ہوئے۔ جن میں سے ذیل کے رزولیوشن خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

(۱)

رزولیوشن دربارہ کتبات عربی فارسی اردو در ہندوستان

" ادارۂ معارف اسلامیہ گذشتہ اجلاس لاہور کی قرارداد کا اعادہ کرتا ہے جس میں محکمۂ آثار قدیمہ کی توجہ عربی اور فارسی و اُردو کتبات کے تحفظ اور اشاعت کی طرف منعطف کی گئی تھی۔ ادارہ کو افسوس ہے۔ کہ عربی و فارسی اور اُردو کتبات کی طرف وہ توجہ اب تک مبذول نہیں کی گئی۔ جو ہونی چاہیئے تھی۔"

محرک :۔ پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم، اے۔

مؤید :۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد نظام الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ)

(۲)

زبان اُردو کو یونیورسٹیوں میں ذریعۂ تعلیم قرار دیا جانا چاہیئے

" ادارۂ معارف اسلامیہ کی رائے میں یہ ضروری ہے۔ کہ کم از کم شمالی ہند کی یونیورسٹیوں میں جہاں تک جلد ممکن ہو ثانوی مدارس اور انٹرمیڈیٹ کے درجوں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے۔"

محرک :۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اُردو۔

مؤید :۔ ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب پروفیسر دہلی یونیورسٹی۔

(۳)

بنائے کتابخانہ در دہلی

" ادارۂ معارف اسلامیہ دہلی کے ارباب فضل سے توقع کرتا ہے۔ کہ وہ متحدہ کوشش سے اس قدیم دارالعلم کی شان کے مطابق معارف اسلامیہ سے متعلق مخطوطات کا ایک مرکزی کتاب خانہ قائم کرنے کی سعی فرمائیں، ادارہ اینگلو عربک کالج دہلی کی مجلس منتظمہ اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس بارے میں ضروری اقدام کریں۔"

محرک :۔ قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی۔

مؤید :۔ سید امتیاز علی صاحب عرشی رامپوری،

(۴) نشر و اشاعت کتب قدیم اسلامی

" ادارۂ معارف اسلامیہ ارباب علم کی خدمت میں قدیم عربی، فارسی اور اُردو علمی کتب کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ دینے کی درخواست کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف کے یہ کارنامے ایک قیمتی ورثہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی حفاظت ہمارا مقدس فرض ہے۔ جملہ مسلمان ایسی مطبوعہ کتابوں کی خریداری سے ان کی نشر و اشاعت میں مدد دے سکتے ہیں اور طالبعین اور ناشرین کو اشاعت کی مالی مشکلات سے نجات دے سکتے ہیں "

محرک :- پروفیسر محمد شجاع منعمی　　مؤید :- پروفیسر منظور حسین صاحب موسوی

(۵)

دہلی میں ادارہ کی شاخ قائم کرنا

" ادارہ کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ادارۂ معارف اسلامیہ کی ایک شاخ دہلی میں قائم کی جائے تاکہ وہ ادارے کے مقاصد کو کامیاب بنانے میں ادارہ کی مجلس عاملہ کی مدد کرے "

محرک :- مسٹر انیس احمد صاحب شدی بیرسٹرایٹ لاء　　مؤید :- شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب

(۶)

عربک کالج دہلی میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم کو ترقی دینے کی ضرورت

" ادارۂ معارف اسلامیہ کا یہ اجلاس پُرزور الفاظ میں ذمہ دار مجالس منتظمہ کی خدمت میں درخواست کرتا ہے۔ کہ عربک کالج دہلی میں عربی فارسی اور اُردو کی تعلیم کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے جو اس کی سابقہ حیثیت دہلی کی موجودہ ضروریات کے مطابق ہو "

محرک :- شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب　　مؤید :- مولوی عبدالخالق صاحب ایم اے۔

اس نشست کے بعد اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی طرف سے مہمانوں کو دعوت طعام دی گئی اور اجلاس بخیر و خوبی ختم ہوا۔

آخر میں ہم اس بات پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس اجلاس میں علامہ سید سلیمان ندوی کی خانہ ساری طبع تشریف نہ لاسکے۔ دوران اجلاس میں ان کا تار موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی غیر حاضری پر معذرت چاہی تھی اور ساتھ ہی ادارہ کے ایک دیرینہ خیر خواہ کی حیثیت سے دارالمصنفین اعظم گڈھ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اولڈ بوائز کی طرف سے دعوت دی تھی کہ ادارہ کا اجلاس چہارم لکھنؤ میں منعقد کیا جائے۔ اجلاس دہلی کی آخری نشست میں اس دعوت کو پیش کیا گیا۔ اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ آئندہ اجلاس لکھنؤ میں ہو۔

محمد اقبال

صدر البیت	قافیته	بحر	مجلد	صفحة
تُعَيِّرُنَا هَلَا	طويل	۲۰	۲	۲۴۰
تَنَاوَحَتِ سِهَآ	وافر	۱۹	۱	۱۳۲
أَلَمِ الاداآ	″	۲۰	۱	۷۱
فَيَحْيَى امْرِئِدَآ	″	۲۰	۱	۷۱
باتَتْ عَفَا	كامل	۳	۱	۹۷
بنو العَشَا	″	۴	۱	۱۸۴
نَكَحَتْ النِّسَا	″	۷	۱	۳۲
مازِلت نَجَا	″	۱۳	۱	۱۴۲
زَعَمَتْ الخَنا	″	۱۴	۱	۲۴۷
لكن غِنا	″	۱۶	۱	۲۵۴
إِنَّ القَنا	رجز	۱	۱	۶۸
قُبِّحْتُ قَفا	″	۱	۲	۴۰۲
وشَجَرَ فَجَفا	″	۲	۲	۲۷۹
قد النَّجَا	″	۳	۲	۱۲۳
من آدا	″	۴	۱	۴۱ (۴۲۰ ص)
كأَنَّمَا عَدا	″	۴	۲	۴۱۲
فهى عَلَا	″	۸	۲	۲۲۵
يَتْبَعْنَ نَجَا	″	۸	۲	۲۶۵
قد كَرِهِ بالعَصَا	″	۸	۲	۳۶۸
باتَ كالقَطا	″	۱۰	۱	۴۱۷
أَطْرِقْ كَرَا	رجز	۱۲	۱	۸۸
اشهدُ والصَّفَا	″	۱۲	۱	۱۷۵
باتَ كالقَطا	″	۱۵	۱	۲۸۵
لَوْأَنَّ قَنَا	″	۱۷	۱	۲۰۵
أَنا القُلَاخُ جَلا	″	۱۸	۱	۱۶۵
فَهُنَّ حَجَا	″	۱۸	۱	۱۸۱
وعالِمِ الخَفَا	″	۱۸	۱	۲۵۷
فى الضُّحَا	″	۱۹	۱	۸۲
ناجٍ وجَفَا	″	۱۹	۱	۱۲۴
جزاه طَهَا	″	۱۹	۱	۲۴۲
باتَتْ عَلَا	″	۱۹	۱	۳۱۷
لا فَجَا	″	۲۰	۱	۷
حَتَّى الصَّفَا	″	۲۰	۱	۲۲۰
حتى هَلَا	″	۲۰	۱	۲۴۰
ليس للفَنَا	سريع	۱۸	۱	۱۴۵
وضِحْكُ اللِّقَا	متقارب	۱۲	۱	۳۴۷
ويوم الظُّبَا	″	۱۶	۱	۴۶
وكم مَكا	″	۲۰	۱	۱۵۹
فدَمْعِى الغَضَى	″	۱۰	۲	۱۹۳
تَصِيدُ الرُّقَى	″	۱۷	۲	۶۲

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وقُولَا حَرْبٌ		طويل	١	٢٩٤
نَهُوضٌ لَعِبُ		″	٢	١٢٠
عَمُوسٌ وَجِبُ		″	٢	٢٩٥ (٣٦:٨ أو غَمُوسٌ)
تُنَفِّضُ الرِّهبُ (؟)		″	٤	٥٤
وقَدْ العَذْبُ		″	٥	١٠٣ (١١:١٠)
كِلابُ لُبُّ		″	٧	١٤٢
إذا حَسْبُ		″	١٢	٢٤٢
فَهَلاَّ القَتْبُ		″	١٩	٢٤٦
تدارَكَه يَعْطَبُ		″	١	٦٣ (١٣:٢٤ أو يَذْهَبُ ١٤:١٨٧)
وأَرْغَبُ أَرْغَمُ		″	١	٧٣ (٢٠:٢٦)
إليكُمُ وأَلْبُبُ		″	١	١١١ (٢:٢٢٥، ١٩٤، ٣٤٥، ٣٤٩)
نَعاءِ فأَجْدَبُوا		طويل	١	١٧٧
هَضِيمُ المُؤَنَّبُ		″	١	٢٠٠
ولكِنَّما إِثْلِبُ		″	١	٢٣٥
خَفاهُنَّ مُجْلِبُ		″	١	٢٦٢
على أَحْلَبُوا		″	١	٢٦٤
وإذْ مُجْنَبُ		″	١	٢٧٢
جَنُوبٌ طَيِّبُ		″	١	٢٧٤
فساقانِ فَحَجَبُ		″	١	٢٨٩ (٥:٢٥٨)
ويَنْصُرُه يَرْكَبُوا		″	١	٣٢٢
وصُبَّ المُتَحَوِّبُ		″	١	٣٢٨
ومِنَّا أَخْطَبُ		″	١	٣٤٩ (٦:٢٧٧)
يَقُولُونَ وأَرْحَبُ		″	١	٤٠٠ (١٣:٦٧)
بِذِي فَيَرْعَبُ		″	١	٤٠٥
مَتَى أَرْنَبُ		″	١	٤٢٠
وفي نَرْغَرِبُ		″	١	٤٣٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
نَزَائِعَ	وَنُشْهَبُ	طويل	١	٤٥٨
لها	أَرْكَبُ	″	١	٤٧٠
أقامتْ	فَأَشْعَبُوا	″	١	٤٨٣
ومالِيَ	مَشْعَبُ	″	١	٤٨٣
ولِيَ	مِشْغَبُ	″	١	٤٨٦
فِدًى	أَشْهَبُ	″	١	٤٩١ ؛ ٢ : ٢٤٨)
إذا	أَشْهَبُ	″	١	٤٩٥ ؛ ٣ : ٢٤١)
فإنْ	مُتَرَبِّبُ	″	٢	١٦
فجئْنا	أَحْدَبُ	″	٢	٢١
بِغَيْبَةِ	المُصَبِّبُ	″	٢	٢٧
ولكن	تَضْرِبُ	″	٢	٣٣
أولئك	المُطَيِّبُ	″	٢	٤٣
سَرَى	طِحْرِبُ	″	٢	٤٥
ولَمْ	مُخَضَّبُ	″	٢	٤٥
أقُولُ	تَذْهَبُ	″	٢	٦٦
وَجَدْنا	ومُعَرِّبُ	″	٢	٧٨ ؛ ١٥ : ٤٠ ؛ ١٧ : ١٣٥ ؛ ١٨ : ٢٣٠)
وشُلَّ	تُعَرِّبُ	طويل	٢	٨٠
طِوَالُ	مُعَقَّبُ	″	٢	١٠٦
مَغاوِيرُ	مُعَقَّبُ	″	٢	١٠٩
تَأَوَّبَنِي	مُنْصِبُ	″	٢	١١٠
أَتَهْدَكَ	ومُغَرِّبُ	″	٢	١٣٠ ؛ ٥ : ٣٥٣ ، ١٩ : ٩٤٦)
رَأَى	مُقَصَّبُ	″	٢	١٣٨ ؛ ١٦٩ ، ١٣ : ١٦٨ ، ١٥ : ١٧٥)
شَرِبْجانِ	مُغْرَبُ	″	٢	١٣٩
فظَلَّ	مُتَنَجِّبُ	″	٢	١٤٧
مِن	قَرْهَبُ	″	٢	١٦٥
فَبِتُّ	يُقَشَّبُ	″	٢	١٦٦ ؛ ٨ : ١٣٤)
وكُنْتُ	أُقْصَبُ	″	٢	١٧١
أَنَاةٌ	مُقْطِبُ	″	٢	١٧٤
عَجِبْتُ	قَنَبَّوُا	″	٢	١٨٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وولّى	وُيكلَبُ	طويل	٢	٢٢١ ك، ١١:١، ٢٨، ١٨:١٥٤)
مَرَدْنَ	تَحْلُبُ	″	٢	٢٢٧
ومراحت	لَبلَبُ	″	٢	٢٣٠
تَجَنَّبَتْهَا	أَجْنَبُ	″	٢	٢٣٦
يَجِدْنَ	المُنْحِبُ	″	٢	٢٤٨
هُمَا	فَتَنَكَّبُوا	″	٢	٢٦٨
فَهَلَّا	أَنكَبُ	″	٢	٢٦٩ ك، ٧:٨٠، أو وَهَلَّا)
على	هَبْهَبُ	″	٢	٢٧٨
تَنَبَّهْ	يَنْضُبُ	″	٢	٢٩٧
ورُحنا	مُحْقِبُ	″	٢	٣٣١
فطائفةٌ	ومُذْنِبُ	″	٢	٤٤٧
ولَسْتَ	المُهَذَّبُ	″	٢	٤٦٦ ك، ١٨:٨٧، ٨)
وفي	نَتَقَلَّبُ	″	٣	١٤٠
وخَيْلٍ	ومُذْهَبُ	″	٣	٣١١
ولا	تَذْهَبُ	″	٣	٣٢٥
عَنَاجِيجُ	مُعَقَّبُ	″	٣	٣٤١ ك، ٦:٣٤١، ٣)
فبانَتْ	أَشْنَبُ	″	٤	٤٩
وكأسٍ	تُضَرَّبُ	طويل	٤	١١٧ ك، ٨:٧٣، ٧)
لذى	مُنْجِبُ	″	٤	١٥٧ ك، ١٨:٨٣، ٨)
ووُجُوهَ	مُشْحَبُ	″	٤	٤٣٨ ك، ١٠٠، ١٣٣، ١:٤٦٧، ٢:١١١، ٣:٤٧٠، ٨)
فباكَرَهُ	المُكْلِبُ	″	٤	٤٦٦
أَبَنَّتْ	مَلْعَبُ	″	٥	١٤٢
طَرِيقٌ	تَنْعَبُ	″	٥	١٨٣ ك، ١٢:٩٣، ١٩:٦٣، ٨)
لَعَلَّكَ	تَغْضَبُ	″	٥	١٩٤
فرَاقَبْتُه	فأَغْرُبُ	″	٥	٢٥٨
كأنَّ	المُثَقَّبُ	″	٥	٣١٩ ك، ١٧:٣٦٠، ٤)
وَدَاهِيَةٍ	يَتَحَلَّبُ	″	٥	٣٩٧
أَلَمْ	يَتَذَبْذَبُ	″	٦	٥٣
وتُلْقِ	أَلْبُبُ	″	٦	٧٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
نُقَتِّلُهُمُ	يُتَقَرَّبُ	طويل	٦	٨٢
أَفِينَا	كَوْكَبُ	″	٦	١٠٠ (٨:١٠٧)
هو	المُتَحَبِّبُ	″	٦	١٩١
وعَمَّى	ومِنْهَبُ	″	٦	٢٤١ (١٩:٣٣٠)
يقولون	والآبُ	″	٦	٢٨٧
سَرَتْ	فَيَنْقُبُ	″	٦	٣٢٥
بِأَخْضَرَ	تُقَرَّبُ	″	٦	٤٣٤
بَطِيءٌ	يَغْضَبُ	″	٧	٥٧ (٩:٣٢١ أو يَعِيدُ)
وإنِّي	تَغْرُبُ	″	٧	٣٠٤ (١٦:٣٠٦ ١٨٦)
فلم	مُعَتِّبُ	″	٧	٣١٦ (١٥:٨٣)
كأنَّ	أُطْيَبُ	″	٧	٤٠٢
تَهَبَّطْنَ	الحُلَّبُ	″	٧	٤٢٧
عَلَا	يَتَصَبَّبُ (؟)	″	٨	٢٢١
فَتَشْنَشَ	تُقَرْطِبُ	″	٨	٢٤٥
ومَهْمَهٍ	تُقْطَبُ	طويل	٨	٢٤٨
أشاصَتْ	لَغُلِبُ	″	٨	٣١٧
لَيالِيَنا	وَتَيِّبُ	″	٩	٤٦
تَحُلُّ	فأَخْرَبُ	″	٩	١٧٩
ومُجْتَزِرٍ	مُحْقَبُ	″	٩	١٨٦
وقد	وُيَثْوِّبُ	″	٩	٢١٣ (١٧:١٠٥ ١٨:٢٤٦)
ورَاحِلَةٍ	أَنْكَبُ	″	٩	٢٢٥
لِياحٍ	مُتَجَلِّبُ	″	٩	٢٤٨
سألتُهُمُ	مُزَيْنَبُ	″	٩	٢٥١
تَغَيَّبَتْ	أَلْغَيَّبُ	″	٩	٣٢٧
أَخَطْبُ	تَصَبَّبُ	″	١٠	١٥
رأيتُكَ	تَعْصَبُ	″	١٠	١٢٥ (١٥:٣٢٠ ٢٠:٢٣٧)
سَقَى	ومَغْرِبُ	″	١٠	٢١٢
إذا ما	نُجْذَبُ	″	١٠	٢٨١
أَحِنَّ	المُثَقَّبُ	″	١٠	٢٩٥
مَضَوا	تَقَلَّبُ	″	١١	٦٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ولُبنَا	مُطَلَّبُ	طويل	١١	١٧٧
مُهَفْهَفَةٌ	وتَلْعَبُ	″	١١	٢٦٥
صَبَوْتَ	مَزَيْنَبُ	″	١١	٤١٧
ولَسْتُ	فأُعْرِبُ	″	١٢	٢٧
ولولا	مُعْرِبُ	″	١٢	١٤٩
هِجَانٌ	مُعْرَبُ	″	١٢	١٦٣
أتَقْتُلُهم	تَصَبَّبُ	″	١٢	٤٠٥
غَضِبْتَ	تَغْضَبُ	″	١٣	٢٩
فإنَّكُمُ	أبٌ	″	١٣	٤٢
إذا	مُعْرِبُ	″	١٣	٧٥
ومن	ويُجْبَ	″	١٣	١٩٨
تَحُلُّ	فأخْرَبُ	″	١٣	٢٠٧
كأنَّ	مَلْعَبُ	″	١٣	٢٨٢
هُمُ	وتَجَدَّبُوا	″	١٣	٣٧٥
لِيَبْكِ	وتُحْسِبُ	″	١٣	٤٠٦
كأنَّ	لَسَكْبُ	″	١٣	٥٠٠
سراج	أكْهَبُ	″	١٤	١٦
وقالَتْ	يُثْقِبُ	″	١٤	٩٠ (= ٩١ ص ٩٦ ص)
فبالخَيْرِ	التَّرَهُّبُ	″	١٤	٩٥
قُرَيْشٌ	أكْذَبُ	″	١٤	١١٨
إذا ما	فَتَثْقُبُ	″	١٤	١٧٧
عَلِقْتَ	مِحْلَبُ	″	١٤	١٨٥
وغَيْثٍ	مُعْشِبُ	طويل	١٤	٢٢٥
إليْكَ	يَتَقَلَّبُ	″	١٤	٢٢٨
كأنَّ	مُعْرِبُ	″	١٤	٢٧٩
كريمٌ	يَغْضَبُ	″	١٤	٣٠٨
يُغَرِّدُ	المُتَطَرِّبُ	″	١٥	١١٢
عفا	مُتَصَوِّبُ	″	١٥	١٧٤
ما أشِيرُ	المُلَقَّبُ	″	١٥	٢٣٠
أشارَ	مُجْلِبُ	″	١٥	٢٣٧
بني أسَدٍ	أشْهَبُ	″	١٥	٢٧١
فإنَّكُما	طَبِيبُ	″	١٥	٣١٩
فلَمَّا	أطْلُبُ	″	١٦	٩١
وباتَ	المُخَضَّبُ	″	١٦	١٢٠
وكُلُّ	يَتَذَبْذَبُ	″	١٦	٢٧٥
وبَيْضاءَ	مَلْعَبُ	″	١٦	٢٩٩
وكُلُّ	مُطَنَّبُ	″	١٧	١٩
نَشِيزُ	مُحَبَّبُ	″	١٧	١١٠
فإنَّكَ	يَتَغَيَّبُ	″	١٧	١٣٣
لهم	المُتَقَلِّبُ	″	١٧	١٤١
كذَبْتُمْ	تُحْلَبُ	″	١٧	٢١١
أيُوعِدُنِي	مُصْعَبُ	″	١٨	٩

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ولَستُ	وأَكْذِبُ	طويل	١٨	٢٠
جارِى	مُصْطَحِبُ	″	١٨	٧٨
فألوتُ	يُكَتِّبُ	″	١٨	٨٣
وما	تُنْصَبُ	″	١٨	١٢٢
ففِى	وتُسْحَبُ	″	١٨	٢٥٨
فقام	شَوْذَبُ	″	١٨	٢٦٠
عَلَى	المُجَرَّبُ	″	١٩	٢٨
أتانِى	المُتَصَوِّبُ	″	١٩	٩٥
أقولُ	فأَشْزَبُ	″	١٩	١٥٤
فقامَ	شَرْجَبُ	″	١٩	٢٤٣
خُذِى	أَغْضَبُ	″	١٩	٣٠٦
وظَلَّ (أوويات)	أَسْغَبُ	″	١٩	٣٠٩ ك ٢٠: ٥٩ ع
أَلا	يُنْسَبُ	″	١٩	٣٨٢
وعَادِيَةٍ	مُتَنَكِّبُ	″	٢٠	٣٦
أَغَرَّ	المُكَتَّبُ	″	٢٠	٣٧
وأَطْفَأْتُ	فتَقَرَّبُوا	″	٢٠	١٧٠
فلا	أَجْرَبُ	″	٢٠	٣١٩
رأيتُ	يَتَقَلَّبُ	″	٢٠	٣٢١
يَجُرُّ	جَالِبُ	″	١	١٧٠ ك ١١٢٩: ١٣

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أَرَبٌّ	الثَّعَالِبُ	طويل	١	٢٣٠
اذا	جُخَادِبُ	″	١	٢٤٧
وانِّى	المُجَانِبُ	″	١	٢٧٠
ونَحْنُ	الحَلَائِبُ	″	١	٣٢٢
فأَرْسَلَ	خَبَائِبُ	″	١	٣٣٢
وكُلُّ	سارِبُ	″	١	٤٤٥
ويَبْتَزُّ	فَيُشَاعِبُ	″	١	٤٨٣
وسِرْتُ	مُشَاعِبُ	″	١	٤٨٤
جَمَعْتُ	حالِبُ	″	٢	٢٩
فبات	الكواكِبُ	″	٢	٧٣
تَأَبَّدَ	النَّاضِبُ	″	٢	٧٤
ونَحْنُ	المُعَاقِبُ	″	٢	١١٠ ك ١٨: ٥٩ ع
وأَنْتَ	كانِبُ	″	٢	٢٢٣ ك ٨: ٢٢ ع
فَإِنْ	لتائِبُ	″	٢	٢٣١
جَرِىءٌ	ناضِبُ	″	٢	٢٦٠
فعاجُوا	الحَقَائِبُ	″	٢	٤٣٨
لها	خَاطِبُ	″	٣	١٠٨ ك ١١: ٥ ع

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أكلهم	عاجب	طويل	٣	٣٧٢
إلى	غالبُ	″	٤	٩٥
تعالوا	راكبُ	″	٤	٣٢٠
قفوا	طالبُ	″	٤	٤٧٠
فاني	الشّوارعبُ	″	٥	٣٥
وتمتُ	آربُ	″	٥	٣٠٦
وقد	عاصبُ	″	٦	٤٢
فلو	مُغالبُ	″	٦	١٩٤
لكلّ	وجانبُ	″	٦	٢٨٤ (٩ : ٣٤)
أفرّ	عوازبُ	″	٦	٣٥٧
أنا	كاذبُ	″	٧	٥٦
قصارُ	خراعبُ	″	٧	٤١٩
سديسُ	النّجائبُ	″	٨	٩٠
كأنّ	شاربُ	″	٨	١٧٦
وخوّارة	لاحبُ	″	٨	١٩٧
أهلجتَ	فالمسارِبُ	″	٨	٢٢٢ (١٨ : ٤٢)
اذا	ضاربُ	″	٩	١٥١
صُدُود	سارِبُ	″	٩	١٥٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وكلُّ	سارِبُ	طويل	٩	٤٢٩
فنادى	المَناهِبُ	″	١٠	١٢٦
لقد	كاذِبُ	″	١٠	١٩٧
يحكُّ	وحالِبُ	″	١١	٣٠
	اوجالِبُ			١٧ : ٢٦٠)
اذا	المَطالِبُ	″	١١	١٦٤
لدى	وهاضِبُ	″	١١	٢٩٨
ذكرتَ	الكواكِبُ	″	١١	٣٥٧
اذا	جانِبُ	″	١٢	٢٤٧
تدلّلُ	مُغاضِبُ	″	١٣	٢٦٣
قطعتُ	المَناسِبُ	″	١٣	٤٣٢
غينا	مَشارِبُ	″	١٤	٢٠
أُتيحَ	الجَوالِبُ	″	١٤	٣٥٢
أتنى	عَقارِبُ	″	١٥	١٣
خليليّ	منا كِبُ	″	١٥	١٥١
وقلتُ	حاطِبُ	″	١٥	٣٣٤
تعلّمْ	عاتِبُ	″	١٥	٤٠٩
طرحتُ	المسارِبُ	″	١٧	٧١
فما	غالِبُ	″	١٧	١٨٤
ما أتتك	ساغِبُ	″	١٧	٢٥٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
تُسائِلُ	وحاجِبُ	طويل	١٨	٩٣
يُثَبِّطُون	المذاهِبُ	″	١٨	١١٧
حلفتُ	المَقانِبُ	″	١٨	١٣٩
تألّقَ	مُتَرَاكِبُ	″	١٨	٢٢٠
يقولون	واجِبُ	″	١٨	٣٠٧
ثلاثة	كاذِبُ	″	١٩	١٩
تَمَشَّشْتَنِي	ذاهِبُ	″	١٩	٤٢
كطاوِ	حاصِبُ	″	١٩	٢٨٠
ألا	لاذِبُ	″	١٩	٣٠١
تقولُ	تَوائِبُ	″	١٩	٣٥٩
تَفَنّى	ثاقِبُ	″	٢٠	٧
اذا	القَواهِبُ	″	٢٠	٣٦
يَمُجُّ	جَدِبُ	″	٢٠	١٥١
أسِيرانِ	مُشاغِبُ	″	٢٠	٢٦٠
دَعِيهِمْ	دارِبُ	″	٢٠	٢٨٨
فإيّاكَ	جالِبُ	″	٢٠	٣٢٦
ولكنّما	شَرابُ	″	٨	٣٩٢
فليتَ	صِعابُ	″	١٢	٣٥١
ألا	كِلابُ	″	١٩	١٧٤
وكفّ	خِضابُ	″	١٩	٢٤٩

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وأنتَ	تُصِيبُ	طويل	١	١٥١
لَهَا	جَشِيبُ	″	١	٢٥٩ ″ ١٢٠:٧ ١٩: ٢٣٩ ١١٣
كواحِدَةٍ	جَشُوبُ	″	١	٢٥٩ ″ ٣٩٥: ١٣ ٢٣٦: ١٦
رَبَا	جَنِيبُ	″	١	٢٦٠
وفي	ذُلُوبُ	″	١	٢٦٩ ″ ١٥: ٧
				١٥٢: ٩
لَعَمْرِي	جَنُوبُ	″	١	٢٧٣
وداعٍ	يُجِيبُ	″	١	٢٧٥
أتَهْجُرُ	تَطِيبُ	″	١	٢٨١
وإنّ	لَحَبِيبُ	″	١	٢٨٢
يَشُجُّ	حَبِيبُ	″	١	٢٨٤
يَبِيتُ	حَلُوبُ	″	١	٣١٨ ″ ٢٠: ٤ ٢١٤: ٢
فلا	حَسِيبُ	″	١	٣٢٩
مُذَكِّرَةٌ	تُنِيبُ	″	١	٣٣٠ ″ ٢٠٦: ٤ ١٣٥: ١٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فَلَمَّا	خُضُوبُ	طويل	١	٣٤٦
مُوَشَّحَةً	فَذَهِيبُ	″	١	٣٨٠
وكُنْتُ	رُبُوبُ	″	١	٣٨٥ و ٣٩١
رَعابِيبُ	قَرِيبُ	″	١	٤٠٦
فلم يَرَ	رَقُوبُ	″	١	٤١١
أتَذْهَبُ	يَسِيبُ	″	١	٤٦٠
لَمَا	شُعُوبُ	″	١	٤٨٤ و ٣٢٥:٩
مُنَصَّبُهَا	غُرُوبُ	″	١	٤٨٩
سَيَكْفِيكَ	مَشِيبُ	″	١	٤٩٣ و ٣٢٠:٨ و ٩:٩
فأوْرَدْتُهَا	وَصِيبُ	″	٢	٦ و (أوفأوردها) ١٤٥:١٦
سَيَكْفِيكَ	مَشُوبُ	″	٢	١١
فَلَسْتَ	يَصُوبُ	″	٢	٢٢ و ٢٧٤:١٢ و ٣٧١ و ٣٨٦
كأنَّهُمُ	دَبِيبُ	″	٢	٢٢
أراكَ	ضُرُوبُ	طويل	٢	٣٨
فإنْ	طَبِيبُ	″	٢	٤٢ و ٣٢٨:٢٠
لَمَا	مُطِيبُ	″	٢	٥٦
وما	عَجِيبُ	″	٢	٧١
فَبَيَّتْنَ	عُذُوبُ	″	٢	٧٢
فما	عَرُوبُ	″	٢	٨١ و (ووما) ٢٥:١٠
وقَلَّ	عَسِيبُ	″	٢	٨٨
أجارَتَنا	عَسِيبُ	″	٢	٨٩
لِبالِيَ	قَرِيبُ	″	٢	١٥٧
مُخَيَّسَةٌ	قَضِيبُ	″	٢	١٧٣
فَحَيَّتْ	كَذُوبُ	″	٢	٢٠٠ و ٣٤٩:١١
فَقُلْتُ	لَبِيبُ	″	٢	٢٢٦
مِن	نُصُوبُ	″	٢	٢٥٩ و ١٩٢:٣ و ١١٨:١٠ و ٤٩:١٤ و ٢٠٦:٢٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ويَأْوِي (أو وتَأْوِي)	مَهُوبُ	طويل	٢	٢٨٨ (٢٣:٢٠)
فجاءَتْ	كَتِيبُ	″	٢	٢٨٨
تَرَكْتُ	ذُنُوبُ	″	٣	٥٠
ألا مَنْ	جَنُوبُ	″	٣	٢٠٩ (١١:٦٨)
أَلَثَّتْ	قَبِيبُ	″	٣	٤٩٠ (٩:٤٣٥)
وما	قَلِيبُ	″	٤	٧٣
كأنّي	غَرِيبُ	″	٤	٢٢٦
كَمِثْلِ	فَرَكُوبُ	″	٤	٣٢٥
إذا	طَبِيبُ	″	٤	٤٢٣ (٨:٢٦٤)
فبَيْناهُ	نَجِيبُ	″	٤	٤٤٦
فَلَمّا	ضَرُوبُ	″	٤	٤٦٠
عَلَى	فَتَغِيبُ	″	٥	١٩
لَعَمْرُكَ	جَنُوبُ	″	٥	٣٨٧
إلَى	لَطِيبُ	″	٦	٤٢
أُحِبُّ	غَرِيبُ	″	٦	١٠٠
رَكُودُ	رَبِيبُ	″	٦	٢٧٦
فَمَنْ	لَغَرِيبُ	طويل	٦	٣٣٨
نَجاء	نُدُوبُ	″	٦	٤٥٠
لقد	وشُحُوبُ	″	٧	٧٧
وهُنَّ	تُثِيبُ	″	٧	٨٩ (١٨٨:١٨)
قَرِينَةُ	وجُنُوبُ	″	٧	١٣٧
رَأى	كَثِيبُ	″	٧	٢٥٣
لقد	وأَثُوبُ (أو فأَثُوبُ)	″	٧	٢٩٦ (٥٩:١٩)
تَخَشْخِشُ	جَنُوبُ		٨	٤٨ (١٨٦)
رَعَا	وسَلِيبُ	″	٨	٣٠٠
رُوَيْدَكَ	وحَلِيبُ	″	٩	١٢٥
لَعَمْرُكَ	لَغَرِيبُ	″	٩	١٦٨
قَرِيبٌ	قَطُوبُ	″	٩	٢٨٧
ولكِنَّ	غَرِيبُ	″	٩	٢٩٧
فإنْ	شَعُوبُ	″	٩	٤٥٨
ألا حَبَّذا	جَنُوبُ	″	١٠	٤
فلا	تَذُوبُ	″	١٠	٤٧
وقَومِي	عَصِيبُ	″	١٠	٢٥٧
وأنْتِ	جَدِيبُ	″	١٠	٣٥٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
تَرَى	خَبِيبُ	طويل	١١	٣
تُحِي	طَبِيبُ	″	١١	١٢
فقُلْتُ	لَطَبِيبُ	″	١١	١٤٢
وما	يَشِيبُ	″	١١	١٤٥
ظَلَلْنا	عُرُوبُ	″	١١	٢١٦
عَظِيمُ	غُيُوبُ	″	١١	٢٦٠ و ٢٦١ ص
اذا	طَبِيبُ	″	١١	٢٧٩
فَراحَ	خَبِيبُ	″	١١	٣٩٢
فأَخْلَسَ	ذَهِيبُ	″	١١	٤٢٣
تَعَفَّقُ	وكَلِيبُ	″	١٢	١٢٥
فوالله	خَبِيبُ	″	١٢	٣٠٤ (٤: ٣٠١)
وما زِلْتُ	وَيَثُوبُ	″	١٢	٣٥٤
تَصَيَّدُ	فَيَعِيبُ	″	١٣	١٧٧ (١٧: ٤٣١)
وما	أُرِيبُ	″	١٣	٢٧٣
تُرادَى	فَرَكُوبُ	″	١٣	٢٩٧ (١٧: ١٥أ، ٢٠: ١٩٠أ)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
بماءٍ	وضَرِيبُ	طويل	١٣	٣٢٦
أَظَلَّ	دَبِيبُ	″	١٣	٤٣١
تَجِيءُ	فَيُشِيبُ	″	١٣	٤٣١
فقلت	قَرِيبُ	″	١٣	٥٠١
ومَنْزِلةً	طَبِيبُ	″	١٤	٩٥
هَوَتْ	يَؤُبُ	″	١٤	٢١٠ (٢: ٢٥٠أ) ٢٩٦
لقد	قُلُوبُ	″	١٥	١٣
إلى	عُذُوبُ	″	١٥	١٤ (٢: ١٢٥أ)
لابَأْسَ	مُصِيبُ	″	١٥	٤٢
مظاهِرُ	وَرَسُوبُ	″	١٥	٥٩
اذاما	وصَبِيبُ	″	١٥	١٧٦
على	وصَبِيبُ	″	١٥	٢١٠
تَصامَنْهُ	ومُصِيبُ	″	١٥	٢٣٥
عَفَتْ	رَكُوبُ	″	١٥	٣٢٦ (١٩: ٣٠٨أ)
اذا	تَؤُبُ	″	١٥	٣٤٠
طَهُورُ	تَرِيبُ	″	١٦	١٤٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أُرْدُدْ	مَكْرُوبُ	طويل	١٦	١٥٢
فلا	شُرُوبُ	″	١٦	١٩١
وإنّي	شُحُوبُ	″	١٦	١٩٢
قد يَنْطِقُ	خَطِيبُ	″	١٦	٢١٦
اذا	غَرِيبُ	″	١٧	٢١٢
تَنُوءُ	لَحُوبُ	″	١٧	٣٣٠
وإنّي	لأَرِيبُ	″	١٧	٤٠٩
تَقُولُ	غَرِيبُ	″	١٨	٨ (= ١٠أ)
أتى	نُكُوبُ	″	١٨	١٧
لا بَأْسَ	فَتَطِيبُ	″	١٨	٧٩
اذا	غَرِيبُ	″	١٨	١١٤
يُرِدْنَ	عَجِيبُ	″	١٨	١١٩
ألَسْتَ	نَصِيبُ	″	١٨	١٤٩
تَزَبَّى	كَلِيبُ	″	١٩	٧٢
هَنِيئاً	مَشُوبُ	″	١٩	١١٦
لِحَابِكَ	مَشِيبُ	″	١٩	٢٢٨
عَسَى	سَكُوبُ	″	١٩	٢٨٤
فلَوْ	تَطِيبُ	″	٢٠	٧
ولكِنّي	ومَشِيبُ	″	٢٠	٨
فقُلْتُ	وزَبِيبُ	″	٢٠	١٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
سَعِيدٌ	نَجِيبُ	طويل	٢٠	٢١
وقَعْنَ	ضَرُوبُ	″	٢٠	٦٢
وابنا أُمَامِي	وكَثِيبُ	″	٢٠	٣٤١
عُقَارٌ	شِهَابُهَا	″	١	١٧٤ (= ٩: ١٦٧أ، ١٣: ٢٢٤ب)
ألا	عِقَابُهَا	″	١	٢١٨
فقُلْتُ	حِبَابُهَا	″	١	٢٨١ (= ٤: ٨٣)
فَهَبْ	شَرَابُهَا	″	١	٣٢٧
بِأَمْرِي	ذُؤَابُهَا	″	١	٣٦٥
تَوَصَّلُ	رِبَابُهَا	″	١	٣٩١ (= ١٤: ٢٥٢ب)
تَظَلُّ (أو يَظَلُّ)	أرقابُهَا	″	١	٤١٢ (= ٤٣٣، ٧: ٣٣٥، ٨: ١٩٨أ)
تَدَلَّى (أو مُدَّعِسٍ)	غُرَابُهَا	″	١	٤٤١ (= ٤: ٩٢، ٧: ٣٨٧، ١١: ٢٨٠ب)

صدرالبیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
وأطيبُ شِيابُهُا	طويل	١		٤٩٢
اذا صِيابُهُا	″	٢		٢٤
			٥	٣٦٤
			٦	٣٨١
			٧	٨٢
ولا عُقابُهُا	″	٢		١١٢
جَوانِبُهُا كِرابُهُا	″	٢		٢١٠
				٢٤١
			٧	٣٢٥
			١١	١٥
أتَوْها شَرابُهُا	″	٢		٣٨٤
أَلا غُرابُهُا	″	٣		٥٩
ولى ثَوابُهُا	″	٣		٦٧
أجَدَّ تُرابُهُا	″	٤		٨٤
فإنْ عِيابُهُا	″	٤		٢١٥
وقد أهَابُهُا	″	٥		٣٠٤
اذا كِلابُهُا	″	٥		٤٢٤
نزَحَرْتُ اجْتِنابُهُا	″	٦		١٨٣
			١٣	٣٨٨
			٢٠	٢٥٠

صدرالبیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
تَمِيمُ جَوابُهُا	طويل	٦		١٩٥
فَنَفْساىَ ثَوابُهُا	″	٨		١٢٠
بأُمْرِي انْقلابُهُا	″	٩		٢٧٣
بِلادُ تُرابُهُا	″	٩		٢٩٦
			١٢	١٣١
			١٤	٣٣٦
فأُقْسِمُ بابُهُا	″	١٣		٧٩
بِعِيدة ذَهابُهُا	″	١٣		٤٠٢
نَهْفِي خِضابُهُا	″	١٣		٥٠٧
			٥	٤٠١
			٢	١٢٢
			١٣	٤٥٠
وكَيْفَ شَبابُهُا	″	١٤		١٢١
فَلَمَّا واكْتِئابُهُا	″	١٤		٣٠٧
			١٨	١٦٣
وأنا وِطابُهُا	″	١٥		٥٢
مُشاءِيمُ غُرابُهُا	″	١٥		٢٠٧
وقد نابُهُا	″	١٥		٢٥٠
حُبِستَ بابُهُا	″	١٥		٣٣٨
فيالكِ اجْتِنابُهُا	″	١٩		٩٠

صدرالبيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وانْ	تُرابُها	طويل	١٩	٣٧٨
إنَّكَ	تُرابُها	〃	٢٠	٢٥١
اذا	مَقُوبُها	〃	١	١٨٧
تَحَدَّرَ	غُرُوبُها	〃	١	٢٥٣ (٣٥٩:٥ ١٦٠:٨)
رَهَانى	وشِيبُها	〃	١	٣٧٣
وكُنتُمُ	تُذِيبُها	〃	١	٣٨٢ (٣٥:١٧)
لَقَدْ	خَطِيبُها	〃	١	٤٤٤
لَها	سُقُوبُها	〃	١	٤٥٢
اذاهى	لُغُوبُها	〃	١	٤٨٠
ولا	صَبِيبُها	〃	٢	٧
وغَيَّرَها	تُصِيبُها	〃	٢	٢٤
يَدِينُ (وتَدِينُ)	طَبِيبُها	〃	٢	٤١ (١٠:٥ ٤٠٠:١٧)
وسَدَّ	جُنُوبُها	〃	٢	٤٤
كأنَّ	عُكُوبُها	〃	٢	١١٧
نَقَدْناهُمُ	عُكُوبُها	〃	٢	١١٧ (١٢٠:١)
فقاتِبَةٌ	وقُوبُها	〃	٢	١٨٨

صدرالبيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
مُعلِيَةٌ	فَلُوبُها	طويل	٢	٢٤٢ (٣٢٠:١٩)
أمَرى	نِيبُها	〃	٢	٣٥٧ (٤٠٠)
وابْنُ	حُوبُها	〃	٣	٢٤
بِمَسْفُوحَةٍ	جُنُوبُها	〃	٣	٣١٦
ويَسْبَحُ	يَرِيبُها	〃	٣	٤٤٩ (٤٥٥:١٣)
وجَدَّاءَ	رَبِيبُها	〃	٤	٨١
تُقَدِّمِ	ذُنُوبُها	〃	٤	٢٩٩
ومَنْ	رَحِيبُها	〃	٤	٣١٥
كما	خَضِيبُها	〃	٦	٥٤
فَلَمَّا	جَنُوبُها	〃	٧	٦٠ (٣٦٥:٨)
اذا	دُؤُبُها	〃	٧	٣٢٠
عَطَفْنا	رَقِيبُها	〃	٧	٤٢٤ (٢١٩:١٩ ١٦١:٢٠)
اذا	سَلُوبُها	〃	٩	١٢ (١٥٨:١٢)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فلم غضوها	طويل	١٠	٣	٣٣٣
أحين ذنوبها	″	١٢	٣	٢٦٤
وانصب ذؤوبها	″	١٣	٣	٣١٨ (19:177)
تلين وثوبها	″	١٣	٣	٣٣٦
وقتلى شعوبها	″	١٥	٣	١١٥
يا أم لغوبها	″	١٦	٣	٢٢٦
ستلقون عكوبها	″	١٨	٣	٢٥
أجبنا يجيبها	″	١٨	٣	٢٨٤
تظل قلوبها	″	١٩	٣	٦١
كأن ضريبها	″	١٩	٣	١٧٨
دعا ذنوبها	″	٢٠	٣	٣٧٠
وكائن أنجبه	″	٢	٤	١٢٤
ألا حالبه	″	١	٢	٢٧
ولو شاربه	″	١	٢	٩٧
هرقناه نصائبه	″	١	٢ (2:257)	١٦٧
ونشرت ثاقبه	″	١	٢	٢٣٤
فيالك جادبه	″	١	٢	٢٥٠
وما طالبه	″	١	٣	٣٢٥
وصفاحة أقاربه	″	١	٣ (3:345)	٣٢٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
هي ذوائبه	طويل	١	٢	٣٣٠
فجاءت ذعالبه	″	١	٢	٣٧٤
يبشرني حاجبه	″	١	٢	٣٧٥
طوى رواجبه	″	١	٢	٣٩٨
أخوك جانبه	″	١	٣	٤٢٧
وإن عاصبه	″	٢	٤	٩٨
إذا غباغبه	″	٢	٤	١٢٨
ألا جانبه	″	٢	٤	١٣١
به حاطبه	″	٢	٤	١٨٦
بحيث ضاربه	″	٣	٤	٣٤٤
من أقاربه	″	٤	٥	٥٧
قطعن جوانبه	″	٤	٥	٦٣
وزيته شاربه	″	٤	٥	٩٤
كما جاذبه	″	٤	٥ (8:226)	١٦٦
مروية نادبه	″	٤	٥	١٧٣
فإن غاربه	″	٦	٦	١٥٢
أغر وضياهبه	″	٦	٦	٣١٩
إن أك جانبه	″	٧	٨	٨
فظل سبائبه	″	٧	٨	٢٣٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
تَلَوَّم	كوارِبُهُ	طويل	٨	١٦٤ك
او يُنادِي الا وصاحِبُهُ			١٥	٨: ٣٦٣ (١٧
ونائِيَة	ركائِبُهُ	″	٨	٢٤٧
هُمُ	وغارِبُهُ	″	٨	٣٢٦
وأبيَض	وحارِبُهُ	″	٨	٣٩١
أضاءَتْ	ثاقِبُهُ	″	٩	٢
قَرُبَ	أقارِبُهُ	″	٩	٢٢٠
بمَعْقُودة	طالِبُهُ	″	٩	٢٥٩
فقُلْتُ	وغارِبُهُ	″	٩	٤٠٦ = ٢٠: ١٧٨ أ)
تَطاوَل	أدْعِبُهُ	″	١٠	٤
وكُلُّهُمُ	صاحِبُهُ	″	١٠	٣٦
لكن	صَواحِبُهُ	″	١٠	٣٥٤
وحتى	جَنادِبُهُ	″	١١	١٤٨ك
			٢: ١٣١ أ	
تقلَّدْنَ	حَمائِبُهُ	″	١٢	١٠٠
ولكن	طالِبُهُ	″	١٢	١٩٦
وما	يُقارِبُهُ	″	١٢	٣٨٢
أقامَتْ	جوانِبُهُ	″	١٢	٣٨٦
فأصبحت	غارِبُهُ	طويل	١٣	١٩٤
له	صاحِبُهُ	″	١٣	١٩٧
اذا	مواهِبُهُ	″	١٣	٣٩٥
مِن	ثُؤارِبُهُ	″	١٤	٨٧
جَزَتْ	طالِبُهُ	″	١٤	١٨٣
ألا	أُلاعِبُهُ	″	١٤	٢٥٦
تَظَلَّمَ	غالِبُهُ	″	١٥	٢٦٧
أنَدَّانُ	مَضارِبُهُ	″	١٧	٢٦
وقالَ	وجَنادِبُهُ	″	١٧	٢٩٩
وجَدْتُمُ	مَناسِبُهُ	″	١٨	٢٠
لَقَدْ	جاذِبُهُ	″	١٨	٢٤
هِيَ ابنةُ	ذُوائِبُهُ	″	١٨	١٧٦
ألا	أرِيبُهُ	″	١٨	٢٣٣
فلَوْ	صالِبُهُ	″	١٩	٦٨
وقَفْتُ	أُخاطِبُهُ	″	١٩	١١٤
وأُشْكِيهِ	مَلاعِبُهُ	″	١٩	١٧٠
أصاخَ	جانِبُهُ	″	١٩	٢٧٧
فإلّا	راكِبُهُ	″	١٩	٣٢٤
فقُلْتُ	ركائِبُهُ	″	١٩	٣٤٠
عَلَى	أحارِبُهُ	″	٢٠	٨٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
بَعَثْتُ	غَصْبِ	طويل	١	٨٦
وحَلَّ	أُلْبِ	″	١	٢٠٩
مِن الرَّيْبِ		″	١	٣١٣
أبارِقُ السَّهْبِ		″	١	٤٥٩
ويامَنَّ الشَّجْبِ		″	١	٤٦٦ ك
(والسَّحْبِ)			٢	١١٥:١ أ
			٦	٢٢٨:٢ ب)
وهَلْ ذُنْبِ		″	٢	١٧١
وما لَغَبِ		″	٢	٢٣٩
لِطَخْفَةَ نَحْبِ		″	٢	٢٤٧ ك
			١١	١٦:١١ أ)
تَتَمَّنَّه نَكْبِ		″	٢	٢٧٠ ك
(وتُتِيمُنَه)			١٥	٢١٨:١ ب)
إليكَ الرَّحْبِ		″	٢	٢٩٥
اذا ذِي شَعْبِ		″	٢	٣٧١ ك
			١٠	٦٢:١ ب)
فيا عَجَبًا الشَّرْبِ		″	٢	٤١٧
ونَحْنُ نَكْبِ		″	٣	٣٦٧
جَزَتْنَا ذاذَنْبِ		″	٦	٤٩
اذاما الرَّكْبِ		″	٦	١٢٥
تَقِيدِ القَسْبِ		طويل	٦	١٨٩
فإنَّ كَعْبِ		″	٦	٢٢٢
إليكَ صُلْبِ		″	٦	٣٧٩
ولَمَّا غُلْبِ		″	٧	٩٠
اذا سَابِ		″	٧	٣٩١
فأُقْسِم سَقْبِ		″	٨	٢١٠ ك
			١٨	٢٢١:١ ب)
تَوائِمُ وبالغَرْبِ		″	٩	١٠٠ ك
			١٠	٤٠٩:١ ب)
أبيا بالقَلْبِ		″	١٠	٦١
اذا نَقْبِ		″	١٢	٣٤٨
أقاتِلُ الكَرْبِ		″	١٤	٦٦
ألَمَّ لَقْبِ		″	١٤	٢١٠
أهَمْدانُ تَنْزِبِي		″	١٥	١٠٢ ك
			١٩	٤٣:١ ب)
وصِنًّا ذوالعَضْبِ		″	١٦	٥٣
جَلَوْا بالعَصْبِ		″	١٧	٣٥٧
أرَهْطَ الصُّلْبِ		″	١٨	٢٠٢
وصِنًّا المُجْبِي		″	١٨	٢٤٤
أخِي طِبِّي		″	١٩	١٧٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لَيالي	صُهُبِ	طويل	١٩	١٩١
أمامِنْ	مَرَكَبِ	″	٢٠	٢٦١
ودَهْماءَ	القَلَبِ	″	٢٠	٢٦٦
أباءَ	مُكَلَّبِ	″	١	٣٠ ح
(اوفباءَ)				(٢٢٢:٢
فلمّا	الجُوَبِ	″	١	٦٢ ح
				٢٧:١٠ أ
				٢٣:٢٠)
أمِنْتُ	تَقارُبِ	″	١	٢٠٣
قَضَيْتُ	مُؤَرِّبِ	″	١	٢٠٦
وعَدْتَ	بِيَثْرِبَ	″	١	٢٢٤ ح
				٨٥:٢)
ألا	مُثْرِبِ	″	١	٢٢٨
اذا	تَجَبْجَبِ	″	١	٢٤٥ ح
				٤٠:٩ م
				٢٦١:١٢ أ
				٩٩:٢٠)
قَتَلْنا	جُنْدَبِ	″	١	٢٥٠
بعَوْجِ	مُجْلِبِ	″	١	٢٦٤
جُنُوحِ	المُجَنَّبِ	″	١	٢٦٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وِصادًا	مُجْنِبِ	طويل	١	٢٩١
سَيُصْبِحُ	مُحَرَّبِ	″	١	٢٩٥
عَلَيَّ	حَرْدَبِ	″	١	٢٩٩
فإلله	المُحَصَّبِ	″	١	٣١٠
ألَمْ	المُحَصَّبِ	″	١	٣١٠
وطَلَّ	مُتَحَلِّبِ	″	١	٣٢١
فلأيًا	مُحَبَّبِ	″	١	٣٢٤
فذُوقُوا	والتَّحَوُّبِ	″	١	٣٢٨ ح
				٢٤٣:٥ أ
				٤٠٢:١١ م)
وغَيْثٍ	المُخَلَّبِ	″	١	٣٥٣ ح
				٣٠٩:١٢ أ)
فكَلَفْتُها	المُذَأَّبِ	″	١	٣٦٦
له	المُذَأَّبِ	″	١	٣٦٦
وقد	مِذْنَبِ	″	١	٣٧٧
بأحْسَنَ	مَرْبَرِبِ	″	١	٣٩٤
ألا	مُرْغِبِ	″	١	٤٠٨ م
تَدَلَّتْ	مُؤَرِّنَبِ	″	١	٤١٩ ح
				٨٣:٢٠)
ويُدْعَى	مَشْرَبِ	″	١	٤٧١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ذو ادراف	المُشَرَّبِ	طويل	١	٤٧٤
(والمُسَرَّبِ)			١٣: ١٦٦	
			١٥: ١٧٢	
أسِيلةُ	مُنْتَزَعِ	″	١	٤٧٦
فكان	فاطْلُبِ	″	٢	٨
			١٩: ٤٤	
نَمُشُّ	مُضَهَّبِ	″	٢	٤٠
(ونَمُشُّ)			٣: ١٠	
			٨: ٢٣٨	
يُغَرِّدُ	المُطَرِّبِ	″	٢	٤٦
			٤: ٣٢٠	
كأنَّ	مُطْنِبِ	″	٢	٥٠
رأيتُكَ	تَعَصَّبِ	″	٢	٩٦
اذا	مُعَطَّبِ	″	٢	١٠١
كَرِيمةُ	مُعْقِبِ	″	٢	١٠٤
ويَحْصِدُ	مُعْقِبِ	″	٢	١٠٦
			٤: ٤٢	
			٦: ٢٣٠	
فدَنْ	بالتَّعَقُّبِ	″	٢	١٠٩
فَظَلَّ	المُعَقَّبِ	″	٢	١١٩

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
(ووَظَلَّ)			١٥: ٣٤٠	
سَقَتْنا	المُعَلَّبِ	طويل	٢	١١٩
مقتَّ	عَنْكَبِ	″	٢	١٢٣
حَلَلْتُ	عَيْهَبِ	″	٢	١٢٤
(وغَيْهَبِ)				٤٦
وأصبحت	مُغَرِّبِ	″	٢	١٣٠
وانَّكَ	مُغَلَّبِ	″	٢	١٤٤
تَلافَيْتُها	بَيْهَبِ	″	٢	١٤٦
ولا	المُتَغَيِّبِ	″	٢	١٤٧
			٧: ٦٠	
			١٣: ١٧٨	
مُعَرَّقة	مَقْرَبِ	″	٢	١٦٢
اذا ما	بأقْعُبِ	″	٢	١٧٧
غَداةَ	كَبْكَبِ	″	٢	١٩١
(وفَرِيقانِ)			٤	٤٢٤
			٩: ٣٩٨	
فأُلْوِتُ	يُكَنَّبِ	″	٢	١٩٥
فِلِلسَّوْطِ	مُهْذِبِ	″	٢	٢٤١
وهَلْ	تَنْضُبِ	″	٢	٢٦٠
قَرِيرَةُ	مِيثَبِ	″	٢	٢٩٢

صدر البيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فقلتُ مَوْجِي	طويل	٢	٢٩٣
وعارَضْتُها عُجَنَّبِ	″	٣	٧٤
اذا المُضَبَّبِ	″	٣	١٠٤
وأُذْعَرَ بِمَقْنَبِ	″	٣	١٩٠
خَوارِجُ كَبْكَبِ	″	٣	٣٠٣
وكُنْتَا مُذْهَبِ	″	٢	٣٨٧ (٨١:٦، ٢٩٥:١٨)
نَمَتْ تُقَرَّبِ (وتَمَتْ)	″	٢	٣٩٣ (٢٢٢:٣)
أيَحْلُمُ حَجَبِ	″	٤	١٧
ويَوْمًا تُوَلَّبِ	″	٤	٦٧
تَرَى مَلْهَبِ	″	٤	٢٩٣
سَنُصْلِي جُنْدُبِ	″	٤	٢٩٣
قَعِيدَكِ المُعَصَّبِ	″	٤	٣٦٥
بِمُجْرِدٍ مُغَرَّبِ	″	٤	٣٧٥
يَمُدَّانِ مُثَقَّبِ	″	٤	٤٣٨
تَمَطَّتْ أَلَدَّبِ	″	٤	٤٣٩
أُولَئِكَ تُؤَنَّبِ	″	٤	٤٥١
مُهابَذَةٌ مُنَضَّبِ	″	٥	٥٤

صدر البيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
بِمَحْنِيَّةٍ وخُيَّبِ	طويل	٥	٧٦ (٢٢٥:١٨)
كأنَّ وصُلَّبِ	″	٥	٨٤
بَسَرْتُ المُسَدَّبِ	″	٥	١٢٤
فَلَمَّا مُشَطَّبِ	″	٥	٣٠٦ (١١٣:١١)
رَشُوقٌ تَقَلَّبِ	″	٥	٣٤٦ (١٨:١١)
فما وحُلَّبِ	″	٥	٣٨٤
الى مجوبِ	″	٦	٦
وناجيةٍ سَبْسَبِ	″	٦	١١
وقادَ التَّجَبُّبِ	″	٦	١٢
فَلاَ أُلْقِبِ	″	٦	٣٢
اذا تَتَقَرَّبِ	″	٧	٢٤
فِيمَ تَأْلَبِ	″	٧	١٤٠
اذاما بِأَثْأَبِ	″	٧	٢٩١
يُرادَى مُشَذَّبِ	″	٨	٣٧ (٣٤:١٩)
هَالُ المُلَوَّبِ	″	٨	٧٤ (٢٠٠:١٢، ١٤٣:١٤)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
اذا	مُتَقَوِّبِ	طويل	٨	١١٣
ويخطو	بِطُحْلُبِ	″	٨	١٤١
تَطِيرُ	مُطَلَّبِ	″	٨	١٥٢
أمُعْتَقِلي	وَمَأْرِبِ	″	٨	١٥٧
عَلاَ	الْمُثَقَّبِ	″	٨	٢٢١
جَرَى	أَحْدَبِ	″	٨	٣٤٧
اذا	الْمُتَصَوِّبِ	″	٨	٣٧٩
يَلُتُّ	مُطَحْلِبِ	″	٩	١٤
خُزَامَى	الْمُهَذَّبِ	″	٩	١٢٦
بِذِي	ثَعْلَبِ	″	٩	١٩١ (١٣:٢٧٠)
لَجَجْنَا	التَّغَضُّبُ	″	٩	٢٦٥
يُوَارِدُ	مَشْرَبِ	″	٩	٣٤١
يُخَيِّرُنِي	مُضَبَّبِ	″	٩	٣٨٢
كَانَ	يُثَقِّبِ	″	٩	٣٩٨
وفِعْلُكَ	مُرَكَّبِ	″	٩	٤٥٨
عليكم	الْمُتَصَعَّبِ	″	٩	٤٦٣
تَشَوَّفَ	مُغِيبِ	″	١١	٨٧
فقُلْتُ	بالتَّكَسُّبِ	″	١١	١٣٦
وأَصْفَرَ	الْمُضَهَّبِ	″	١١	١٥٨ (١١:١٧٨)
أَهَرَبْتُ	تَسْكُبِ	طويل	١١	٢٣٨
ولو	مُغْرِبِ	″	١١	٣٤٩
رأَتْ	الْمُتَقَلِّبِ	″	١١	٣٥٥
فإنْ	مَرْكَبِ	″	١٢	١٩١ (١٣:٣٧١)
نُفَاثِيَّةً	يَتَغَيَّبِ	″	١٢	٢٠١ (١٦:١٨٩)
خَفاهُنَّ	مُجَلِّبِ	″	١٢	٢٣٦ (١٨:٢٥٦)
يَوْمًا	الْمُتَنَبِّبِ	″	١٢	٢٦٠
إنَّ	الْمُصَوِّبِ	″	١٢	٣٩٩
وما	أَبِ	″	١٤	١١٣
له	الْمُضَبَّبِ	″	١٤	١٢٢
أَلَمْ	تَطَيَّبِ	″	١٤	١٧٨
تَرَجَّعْتَ	وغُيَّبِ	″	١٤	٢١١
عَلَوْنَ	يَثْرِبِ	″	١٤	٣٥٨
وتَصْمِ	مُصْعَبِ	″	١٥	٧١
كأَنَّ	مُتَلَبِّبِ	″	١٥	٢٤٨
وفينا	الْمُتَأَوِّبِ	″	١٥	٢٦٥
وظَلَّ	الْعُلَّبِ	″	١٥	٣٤٠ (٢٠:٢٠٤)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ولا	مِذْنَبِ	طويل	١٦	٢٢٥
وفتيانٍ	مُجَنَّبِ	″	١٧	٥
بِضَرْبٍ	المُشَرَّبِ	″	١٧	٧٧
شَنَنًا	شَرْحَبِ	″	١٧	١٠٩
اذا	كالمُؤَلَّبِ	″	١٧	١٦٧
وفى	المُرَبَّبِ	″	١٧	٣٧٩
كأنّ	المُتَصَوِّبِ	″	١٧	٣٨٤
شَرُوبٌ	تَحَلَّبِ	″	١٧	٤٤١
بناتُ	المُتَنَسِّبِ	″	١٧	٤٥٥
يُثَنِّى	واشْرَبِ	″	١٨	١١٧
يُذَدْنَ	المُتَحَلِّبِ	″	١٨	١٢٠
بَدا	أَبِى	″	١٨	١٢٧
عَلَى	المُطَنَّبِ	″	١٨	٢٤٥
مِن	مُصْعَبِ	″	١٩	٤٨
فَلَمْ	مَطْلَبِ	″	١٩	٩٨
تَشِيْنُ	مُحَبَّبِ	″	١٩	١٠٢
سَمَاوَتُه	مُصَعَّبِ	″	١٩	١٢٤
وَسَائِبُ	مُتَعَصِّبِ	″	١٩	١٣٠
اذا لَنتَ	وَطِيْبِ	″	١٩	٢٦١
فعادَى	قَرْهَبِ	″	١٩	٢٧٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
تَطَالَلْتُ	الأَمَرَانِبِ	طويل	١	١١
اذا دَرَؤُا	الحواجِبِ	″	١	٦٧
تَدَلَّى	الذَّوائِبِ	″	١	١٦٧ك (٢٠:١٩٩)
فَقُلتُ	بِالْحَواجِبِ	″	١	١٩٦ك (وصَفَّنا، وقَفْنا، فَقُلْنا ٣:٣٤٦، ١٥:١٨١)
وهَبَتْ	بِالْمآئِبِ	″	١	٢٠٠
كأنّ	المآدِبِ	″	١	٢٠٠
وَثِقْتُ	أُشائِبِ	″	١	٢٠٨
بِرِيحٍ	ثَاقِبِ	″	١	٢٣٤ك (١٣:٣١٤)
فليْتَ	كالجَلائِبِ	″	١	٢٦٠
بِحَيَّةِ	والجَوالِبِ	″	١	٢٦٢
نَقَدُ	الجَبائِبِ	″	١	٢٢٨ك (١٢:٢٩)
أَلَا	الجُبَّارِ	″	١	٢٢٨
تَرَاءَتْ	بِحَاجِبِ	″	١	٢٩٠
فلا	الخَالِبِ	″	١	٣٥١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ولكن	دَوَاعِبِ	طويل	١	٣٦٣
تَمَلَّى	كالرَّوَاجِبِ	″	١	٣٩٨
خُنَاعَةُ	رَاضِبِ	″	١	٤٠٣
رِقَاقُ	السَّبَاسِبِ	″	١	٤٤٣ (٧:٩٧)
فحانَتْ	سارِبِ	″	١	٤٤٥ (٢:٣٣٦)
رَكِبْتُ	الثَّعَالِبِ	″	١	٤٤٦
فصادَتْ	سالِبِ	″	١	٤٥٤
فَقُلْتُ	شاسِبِ	″	١	٤٧٧
تَرَى	الشَّوَاطِبِ	″	١	٤٧٨ (٤:٣٥٥، ٨:٢٨٧، ٩:٤٤٩)
فَجُئْتُ	شَاهِبِ	″	١	٤٨٩
عُقَارًا	صالِبِ	″	٢	١٨
حَدَا	الصياهِبِ	″	٢	٢١
كأنَّ	الآرَائِبِ	″	٢	٤٠
ورَكْبٍ	بالعَصائِبِ	″	٢	٩٢
أعَيْنَيَّ	العَصائِبِ	″	٢	٩٥ (١١:١١٥)
عَلَيَّ	عَقَارِبِ	طويل	٢	١١٥
اذا	الغَرائِبِ	″	٢	١٣١
به (او فيها)	قَرَاهِبِ	″	٢	١٦٥ (١٣:٤٢٦، ١٦:٣٠)
أيا	أُمِّ وَاهِبِ	″	٢	١٨٢
لَهُنَّ	الكَوَاثِبِ	″	٢	١٩٨ (٩:٢٩)
سدا (او سدى)	وكَالِبِ	″	٢	٢١٧ (٣:٢٨، ١٩:٩٦)
اذا لَمْ	المَكَالِبِ	″	٢	٢٢١ (١٤:١٧٠)
ولا	لاذِبِ	″	٢	٢٣٤
لَعَمْرُ	بالأهاضِبِ	″	٢	٢٨٣ (٢٠:١٦١، ٢٧٠)
تَصابَيْتُ	هاضِبِ	″	٢	٢٨٤
ويَوْمَ	ثاقِبِ	″	٢	٢٩٣
تَقولُ	جانِبِ	″	٢	٣٩٥ (٣:١٠)

صدرالبيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
سَبارِيتُ التَّعالِبِ	طويل	٣	٣٥٥
سَقَيتُكُمُ العقارِبِ	″	٣	٣٧٥
فَتًى الغرائِبِ	″	٤	١٥٣
فَمَرَّتْ خائِبِ	″	٤	١٧٤
وما مُحارِبِ	″	٤	٣٠٦
لَنَا التَّجارِبِ	″	٥	٢١٦
ونَحْنُ مُتَقارِبِ	″	٦	٨٦
أيا جَمْتا المَذانِبِ	″	٦	٩٩
تَرَى الأهارِبِ	″	٦	٤٧٤
تَعَلَّمْتُ بِكاتِبِ	″	٧	١٨
فَنُنْ المشارِبِ	″	٧	٥٨
وانى الكواعِبِ	″	٧	١٦٤
عَرِيضُ التَّعالِبِ	″	٧	١٨٥ (٣٨٢:٨)
تَحَوَّزُ (أوتَحَيَّزُ) ضارِبِ	″	٧	٢٠٦ (٣١٠٦) (٣٦:٩) (١١٢:١١)
اذا الحوارِبِ	″	٧	٣١٠
اذا القوم المَناكِبِ	″	٧	٣٨٤
اذا المَحالِبِ	″	٧	٣٨٨

صدرالبيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			٩٢:١٥
			٢٠٦:١٩)
كأنَّ تائِبِ	طويل	٧	٣١٩
مُعَفَّرَةٍ لحالِبِ	″	٨	١٦
كأنَّ بالجنائِبِ	″	٨	٣٤٧
كما الأخاطِبِ	″	٨	٣٩٨
كِرامٌ الأرانِبِ	″	٩	٥٩
تُطِيرُ الحواجِبِ	″	٩	٧١
مُضاعَفَةِ الجَنادِبِ	″	٩	٣٥٨
قُرَيحانِ ناعِبِ	″	١٠	٩٨
حَطَّتْ قارِبِ	″	١٠	١١٦
ولَمَّا عارِبِ	″	١٠	١٣٩
سَرَى العقارِبِ	″	١٠	٢٩٠ (٦٦:١٥)
اذاما التَّرائِبِ	″	١٠	٣٤٣
على التَّعالِبِ	″	١٠	٤١٧
شُفافُ مُهادِبِ	″	١١	٨٢
أقَمْنا جانِبِ	″	١١	١١٦
ثَلاثَةَ المحارِبِ	″	١١	١٣٧
لَئِنْ حارِبِ	″	١١	٣١٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
اذا ما	بِعَصائِبِ	طويل	١١	٣٤٩
أجالدهم	لاعِبِ	″	١١	٣٦٣
كأنّ	العَقارِبِ	″	١٢	٢٣٨ (١٨:٢٢٩)
دَعَنْه	ذاهِبِ	″	١٢	٢٤٥
اذا	الحواجِبِ	″	١٢	٣٣٧
فيوماً	الثَّعالِبِ	″	١٢	٣٧٥
عَجِيجُ	المَذاهِبِ	″	١٣	١٠٧
مجلّتهم	العواقِبِ	″	١٣	١٢٧
دِيارُ	التَّرْكائِبِ	″	١٣	١٧٣
اذا	المَصاعِبِ	″	١٣	٣١٢
بِها	القَراهِبِ	″	١٣	٣٠٣ (٢١:٣٤٣)
كمور	المَناسِبِ	″	١٣	٤٣١
جَزَى	كاذِبِ	″	١٤	١٢
كأنّ	بالمَناكِبِ	″	١٤	٧٥
اذا كان	وجانِبِ	″	١٤	١٥٩
يَمُرُّونَ	الحَقائِبِ	″	١٤	١٧٦
تكادُ	وحاصِبِ	″	١٤	٢٠٢
فَلَيتَ	الكَواكِبِ	″	١٤	٣١٩
أيا	المَذانِبِ	″	١٤	٣٥٢

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ثُورِثْنَ	التِّجارِبِ	طويل	١٥	٣٨
لقد	الكَواكِبِ	″	١٥	٦٦
تَكُنْ	صاحِبِ	″	١٥	١١٢
لو انّك	المُتَقارِبِ	″	١٥	٢٠٥
ومَلّ	التَّكائِبِ	″	١٥	٢٤٢
فأعرِضْ	الذَّواهِبِ	″	١٥	٢٩٣
فُدَيْمِةُ	التِّجارِبِ	″	١٥	٣٦٤
فهَلْ	والتَّرائِبِ	″	١٦	١١١
لخُطّابُ	المَقانِبِ	″	١٦	١٩٥ (١٢:٣٢٨ ولزوّارُ)
ولولا	ناشِبِ	″	١٦	٢٤٤
اذا	جانِبِ	″	١٦	٢٦٩
وما	مُحارِبِ	″	١٦	٢٩٦
فقُلْنا	الثَّعالِبِ	″	١٧	١٦
بِضَرْبٍ	الضَّوارِبِ	″	١٧	٧٧
فلم	الذَّوائِبِ	″	١٧	١٥٠
فلما	عاصِبِ	″	١٧	٢٦٠
ياعُرْوَ	بِكاذِبِ	″	١٧	٢٩٣
عَزِيزٌ	النَّوائِبِ	″	١٧	٣٠٠
لَئِنْ	أيِّبِ	″	١٧	٤٢٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ألا	الرَّكائِبِ	طويل	١٨	١٥٢
فلَيْتَ	بالرَّكائِبِ	″	١٩	١٦
وقالَتْ	الرَّكائِبِ	″	١٩	١٢٢
اذا	حاطِبِ	″	١٩	١٥٩
يَذُبُّ	الهَواضِبِ	″	١٩	١٥٩ (= ٢٠: ٤٦ أو تَذُودُ)
أتانا	ساغِبِ	″	١٩	٢٠٢
فَتًى	القَرائِبِ	″	١٩	٢٢٥
وماءٍ	الضَّوارِبِ	″	١٩	٣٣٢ (= ١٩٠ أ)
بِصُلْبٍ	والجَنائِبِ	″	٢٠	١٥٧
اولئِكَ	لاعِبِ	″	٢٠	٢٣٨
ألا	المَغارِبِ	″	٢٠	٣٠٦
فما	كِلابِ	″	١	٢٨٧
اذا ذُقْتَ	سَابِ	″	١	٤٣٨ (= ١٢: ٤١ أ)
وأَخْرَقَ	عُنابِ	″	٢	١٢٢ (= ٤٠٨)
أمّا	بأَصْحابِ	″	١٣	٢٨٤
وسَوْداءَ	ذِيبِ	″	١	٥٧
وخِرْقٍ	بِمَذْرُوبِ	″	١	٣٧٢
اذا	بِرُعْبُوبِ	طويل	١	٤٠٦
فحَيَّتْ	كَذُوبِ	″	٢	٢٧٦
وليس	مُرِيبِ	″	٦	٢٣٧
فإنَّ	صَبِيبِ	″	٦	٢٥٣
ومَنْ	بِكَسُوبِ	″	٧	١٢١
رُبًّا	لُصُوبِ	″	٨	٣٠٠
أذاعَ	بِثَقُوبِ	″	٩	٤٥٤
وذِي	ودُؤُبِ	″	١٢	٥١
اذا	كَسُوبِ	″	١٣	٤٥٢
ما أنْتَ	شَبِيبِ	″	١٧	٤١٥
ما نالَ	لِغُرُوبِ	″	١٧	٢٦٨
أعاذِلُ	وقَرِيبِي	″	١٩	١٨٦ (= ٢٠: ١٧١ أ)
أيَتْرُكُ	جَيِبِ	″	٢٠	٢٣٩
فبَيْناهُ	نَجِيبِ	″	٢٠	٣٦٦
وقامَتْ	حاجِبِهُ	″	١٧	٢٢
ودُودانُ	جُرْبَا	″	١	٢٥٨
ولَوْ	عَذَّبَا	″	٣	٤٣٧
تَجَنَّى	حَرْبَا	″	٣	٤٣٨
ولكِنَ	ضَرْبَا	″	٤	١٧٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وخُرًّا كُهُبَا		طويل	١٠	٢٩٨
				١٥: ٤١٨)
مُعانَبَةُ الحُبَّا		″	١١	٦١
سَرَبْتُ عَضْبَا		″	١١	٢٢٩
وهَمِّ الضُّهْبَا		″	١٣	١٢
ألمِ الشِّعْبَا		″	١٧	٣٦٩
فجاءَ وَطْبَا		″	١٧	١٢٠
وكَيْفَ ذَنْبَا		″	١٩	١٣٤
وفى الحَيِّ مُغْضَبَا		″	١	٢٧
				١٨: ٧٠أ)
وإنِّى مَشْرَبَا		″	١	١٠٤
			٤	٢٣٤:)
صَرَمْتُ لِيَذْهَبَا		″	١	١٩٩
لَعَمْرُ أَهْلَبَا		″	١	٢٠٨
			٣	٣٢٩:)
فأَبَكِ المُضَبَّبَا		″	١	٢١٤
فإنَّكَ فَتَيَّابَا		″	١	٢١٨
دَعَتْ تَحَلَّبَا		″	١	٢٥١
وقد أَحْقُبَا		″	١	٣١٦
أَرَى مُخَضَّبَا		″	١	٣٢٥

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			١٠	٣٤٧:
			١١	٢١٢:
				٨٩: ١٨)
مَلَكْنا تُرْتُبَا		طويل	١	٣٩٥
دَعَا غُيَّبَا		″	١	٤٣٧
ولَسْتُ عَقَّبَا		″	٢	١١١
ولَيْسَ المُتَعَيَّبَا		″	٢	١٢٥
ومَنْ مَسْحَبَا		″	٢	١٩١
كَذَبْتُ مَوْطِبَا		″	٢	٢٠٥
				٢٩٩
				٨: ٣٨٠)
وأَدْفَعُ مِلْحَبَا		″	٢	٢٣٣
				٣: ٨٠
				٨: ٣٣٢)
				١٦: ٤٧)
فَقُلْتُ أَنِيْبَا		″	٢	٢٧٤
				١٦: ٨٠)
فقالَتْ تَنَيَّبَا		″	٢	٢٧٦
ولكن أَذْهَبَا		″	٣	٣١٩
بأَنْ تَقْرَبَا		″	٤	٥٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لهم	المُحَصَّبَا	طويل	٤	٢١٢ (٣٢٠:١١)
كأني	مَشْرَبَا	″	٤	٢٣٤
فأصبحن	تَصَوَّبَا	″	٤	٢٣٨
تنجد	يَكْدِبَا	″	٤	٤٢٨
كالثور	مَشْرَبَا	″	٥	١٧٨
وما	لِيُضَرَّبَا		٥	١٧٩
وشففن	وحُلَّبَا		٦	٤١
لئن	عَصَبْصَبَا	″	٦	٢٨٠
وفتيان	طَرَّبَا	″	٨	١٦٤
لقيتُ	جَبَّبَا	″	٨	٢٧٣
ولكنها	فأصحبا	″	٩	٤٦٣ (وعلى انها ٣٥:١٣، ٢٩٠:٢٠)
لها	طَرَبَا	″	١٠	٤٦
وما	تَغَيَّبَا	″	١١	١٤٨
ألم	تَعَصَّبَا	″	١١	١٥٠
ولا	المُعَيَّبَا	″	١٢	١٢٥
فإني	أحوبا	″	١٢	١٢٨
بعثت	المُهَلَّبا	″	١٢	١٨٠
فأصبحن	مُؤَرَّبا	″	١٢	٢٤٨
لنا	فيُعْصَبا	طويل	١٢	٣١٠
فإني	وأجربا	″	١٣	٢٠٧
فتمّ	تُحَبَّبا	″	١٤	٣٣٥
وأعطى	مُؤَرِّبا	″	١٥	٢٦٧
أهاني	يَكْلَبا	″	١٦	٥٥
أتراني	تُكَذَّبا	″	١٧	١٩٩
وكنّا	سَبَنْسَبا	″	١٧	٣٤٠
فما	وتَغْلِبا	″	١٨	٧٩
تذكّر	مَلْعَبا	″	١٨	٣٠٤
لها	تَطَيَّبا	″	٢٠	١٤ (٤٤)
فأوردها	مَشْرَبا	″	٢٠	١٦
تعوج	الجَنائِبا	″	٣	٢٨٢
خبأن	مَخائِبا	″	٩	٦١
إذا	مَغارِبا	″	١٢	٤٠
أبا مالكٍ	دائِبا	″	١٢	٣٨٧ (١٣:١٨)
إيّاكِ	جباجِبا	″	١٣	١٠٥ (٤٤٦:١، ٣٥٨:٣)
غضبتَ	تَغْضَبْ	″	١	٢٠٥
تنقض	للرَّهَبْ[1]	″	١١	١٦٥

[1] انظر ايضا (٤: ٥٤)

صدرالبیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
يَجِدْنَ	وبالكُتُبُ	طويل	۱۸	۲۳۱
(او وبالنَّسَبُ)			۱۹:۳۴۷	
كأنَّ	عَتَّابُ	″	۷	۳۵
أيُّهَا	تَعِيبُ	مديد	۱۴	۲۹۵
وغُرُوبٍ	حُقَبَا	″	۲	۱۰۹
حَتَّى	والرُّطْبُ	بسيط	۱	۴۰۴
رَمَى	والحَرْبُ	″	۷	۱۱۴
يَهْدِي	رُعُبُ	″	۱۰	۲۱۴
وما	الوَطْبُ	″	۱۰	۴۵۱
يُرِيدُ	الطَّرَبُ	″	۱	۸۲
			۲:۴۶	
لَمَّا	نَضَبُ	″	۱	۱۰۵
(او نَصَبُ)			۱۷:۲۰	
زُهَيْرٌ	كَذَبُوا	″	۱	۱۵۶
وقَدْ	كَذِبُ	″	۱	۵۹
			۷:۲۲۲	
وَثَبَ	جَنِبُ	″	۱	۲۷۲
			۱۲:۳۳۸	
هاجَتْ	والجَنَبُ	″	۱	۲۷۲
إنْ	فَتَخْطِبُ	″	۱	۳۱۲

صدرالبیت	قافیته	بحره	مجلد	صفحة
أذاكَ	مُنْقَلِبُ	بسيط	۱	۳۴۶
(وكأنَّهُ)			۱۹:۶۴	
فباتَ	والهَضَبُ	″	۱	۳۶۴
			۲:۲۸۳	
			۴:۷۰	
			۷:۲۲۸	
			۸:۱۴۱	
أمْسَى	الرِّيَبُ	″	۱	۳۹۲
			۸:۴۳	
تَنَبَّحَ	رَتَبُ	″	۱	۳۹۵
وبالشَّمائِلِ	مُنْزَرِبُ	″	۱	۴۳۱
			۱۳:۲۹۴	
مابالُ	سَرَبُ	″	۱	۴۴۹
			۱۱:۱۷۲	
كأنَّ	سُلُبُ	″	۱	۴۵۵
			۲:۴۸۶	
			۷:۱۲۵	
			۱۱:۶۶	
فأصْبَحَ	شَذَبُ	″	۱	۴۶۹
			۱۰:۳۵۳	

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لا	شُعَبُ	بسيط	١	٣٨٢ (٣٨٤:١٥)
لَمْياءُ	شَنَبُ	″	١	٣٨٨ (٩١:٨، ٢٢٦:١٨)
جارِى	مُصْطَحَبُ	″	٢	٩
أَرْضٌ	والقَرَبُ	″	٢	١١
كأنّه	كِلَبُ	″	٢	١٩ (٣٣١:١١)
ليالى	لَعِبُ	″	٢	٣٧ (٢٢٧:١٩)
حَتَّى	طِبَبُ	″	٢	٤٣
أَسْتَحْدَثَ	طَرَبُ	″	٢	٤٥ (٤٣٦، ٥٥:١٠)
عَيْنًا	تَصْطَخِبُ	″	٢	٤٥
أَصْلَه	عُصُبُ	″	٢	٤٨
فانْصاعَ	والطَّلَبُ	″	٢	٤٨ (٣٣٣، ٨٢:١٠)
لَقَدْ	كَنَبُ	″	٢	٥٠
غُبْسٌ	العَذَبُ	″	٢	٧٤

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لَمَّا	العَرَبُ	بسيط	٢	٨١ (٤٦٢:٣)
نازًا	العُطَبُ	″	٢	١٠١
أَلْهَاهُ	عُقَبُ	″	٢	١٠٧
وأُدْرِكَ	الغَرَبُ	″	٢	١٣٥ (٩٧:١٣، ١٩٨:٢٠)
قَشَّبْتَنَا	الغَرَبُ	″	٢	١٦٧
كأنّه	مُنْقَضِبُ	″	٢	١٧٢ (٢٦٣:٦)
أَنْشَيْتُ	والقُطَبُ	″	٢	١٧٦
عَلَى	القُوَبُ	″	٢	١٨٨
وَفُرَاءَ	الكُتُبُ	″	٢	١٩٤ (١٥١:٧، ١٧٢:١١، ٣٨٦:١٣، ١١٥:١٨)
مَيْلاءَ	كُتُبُ	″	٢	١٩٧ (١٦١:١٤)
أَحْلامُكُمُ	الكَلِبُ	″	٢	٢١٨

صدرالبیت قافیته	بحره	مجلد	صفحة
بَرَّاقَةُ لَبَبُ	بسیط	۲	۲۲۹
کأنَّ نَصَبُوا	″	۲	۲۵۷
حَتَّی نُغَبُ	″	۲	۲۶۲ (۳ : ۱۱۳ أ)
ولاحَ لَهَبُ	″	۲	۲۶۵
مُخَيِّفُ هَضَبُ	″	۲	۲۸۴
شَخْتُ اخَشِبُ (اوسَحَبَا)	″	۲	۳۵۵ (۵ : ۲۰۵ أ)
يَسْتَلُهَا العُشُبُ	″	۲	۳۵۸
سِيرُوا العَرَبُ	″	۲	۴۶۴ (۴ : ۲۶۳ أ)
قَدْ الخُطَبُ	″	۳	۲۰
تَزْدادُ تَنْتَقِبُ	″	۳	۵۸
اَشْدَاقُهَا زُغَبُ	″	۳	۹۰ (۴ : ۸۴ أ)
والعِيسُ تَنْسَلِبُ	″	۳	۱۴۸ (۷ : ۲۸۲ أ ۲۲۱)
لَهُ صَخَبُ	″	۳	۱۶۵
يَرْقَدُ حَصِبُ	″	۳	۲۰۵ (۴ : ۱۶۵ أ ۸ : ۳۱۹ أ)

صدرالبیت قافیته	بحره	مجلد	صفحة
لَابَلْ تَرِبُ	بسیط	۳	۲۳۴ (۷ : ۱۱ أ ۱۶ : ۳۰۳ أ)
وصَوَّحَ نَكَبُ	″	۳	۳۵۱ (۱۰ : ۸۲ أ ۱۱ : ۲۶۷ أ)
طَرَّحَ يَنْتَسِبُ	″	۳	۳۶۱
كأنَّها القُلُوبُ	″	۳	۵۱۰
مُنْهَرِتُ زَبَبُ	″	۴	۱۸۶
كأنَّما العِنَبُ	″	۴	۳۳۰
حَدَّاءُ عَجَبُ	″	۵	۱۵ (۹ : ۲۹۸ أ ۱۲ : ۳۲۴ أ)
مَنْ الحَلَبُ	″	۵	۲۱۲ (۱۹ : ۱۹۰ أ)
وحائِلٍ شُهَبُ	″	۶	۳۲
يَحْدُو قَبَبُ	″	۶	۱۱۴
كأنَّ النَّجَبُ	″	۶	۲۵۱
كأنَّهُ مُنْتَقِبُ	″	۶	۴۷۴
فَهُنَّ مُخْتَضِبُ	″	۷	۱۹۸

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
جاءت	وأبُ	بسيط	٧	٣٩٢
مُقَنَّعٌ	نَشَبُ	″	٧	٤٣١ (٤٣٣)
			١٠	٤٤ (أ)
			١٩	٢١٧ (أ)
أغباشَ	جُوَبُ	″	٨	٢١٣
أذاكَ	شَبَبُ	″	٨	٢٥٢ (٢٥٣)
			٩	٢٩١ (أ)
يَقْرُو	خَطَبُ	″	٨	٣٦٤ (٣٦٥)
(او يَقْلُوا)			٢٠	٦١ (أ)
قدجُبْتُها	الحَدَبُ	″	٩	٨٢
فكَرَّ	يُحْتَسَبُ	″	٩	١١٨ (١٢٠)
			١٢	٢٢١ (أ)
			١٦	٢٤٠ (أ)
بَيْنَ	الضَّرَبُ	″	٩	١٨١
يَظَلُّ	فَيَنْتَسِبُ	″	٩	٤٢٦ (٤٢٧)
			١٠	٨ (أ)
أمُرُ	الكُثُبُ	″	١٠	٢١
كأنّه	الخُرُبُ	″	١٠	٢٤٧ (٢٤٨)
			١	٣٦ (أ)
أصْبَحَتْ	رَكِبُوا	″	١٠	٢٨١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
نازَعْتُهُمُ	العَرَبُ	بسيط	١٠	٤٢٢
أخو (وأخا)	جُلَبُ	″	١١	٣ (٥)
			١٥	٢٠٢ (أ)
حَتَّى	مُضْطَرِبُ	″	١١	٨١
تُرِيْكَ	نَدَبُ	″	١١	١٨٨ (١٩٠)
			١٧	٨٨ (أ)
اذا	العُطُبُ	″	١١	٢٢٠
حتى	مُنْتَصِبُ	″	١٢	١٨٥ (١٨٦)
			١٨	٩٧ (أ)
كانَتْ	مُشْتَعِبُ	″	١٢	٢٥١
تَجَلُوا	عَزَبُ	″	١٢	٢٦٧
كأنّ	النَّجَبُ	″	١٢	٣٢٩
هَلْ	القَتَبُ	″	١٢	٤٠٤
فيها	خَدَبُ	″	١٣	٦٣
والقُرْطُ	يَضْطَرِبُ	″	١٣	١٢٣
فباتَ	مُحْتَجِبُ	″	١٤	١٦١
أومُطْعَمٌ	يَكْتَسِبُ	″	١٤	٢١١
حتى	الهَرَبُ	″	١٥	١٠٥ (١٠٦)
			١٨	٣٠٨ (أ)
فاشْتَلَّ	الطِّرِبُ	″	١٥	١٠٩ (١١٠)
			١٦	٢٨٨ (أ)

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
أو مُقْحَم	والقَتَبُ	بسيط	١٥	٣٦٢
			١٦	٢٠٢
كأنّها	تُنْتَهَبُ	″	١٦	١٧
حتّى	رِيبُ	″	١٦	٩٨
كأنّها	والعَصَبُ	″	١٦	١٣١
يَشْكُوا	الوَصَبُ	″	١٦	١٦٨
مُصَحَّحُ	العَرَبُ	″	١٧	٦٢
خَزَايَةً	الغَضَبُ	″	١٨	٢٤٨
عليه	الحَقَبُ	″	١٨	٢٦٠
تَدْعُو	فَتَنْتَسِبُ	″	١٨	٢٨٤
			٢٠	١
أنا	النَّسَبُ	″	١٩	١٢٧
تُصْغِي	تَنِبُ	″	١٩	١٩٤
أضَلَّه	تَضْطَرِبُ	″	١٩	٢٣٧
مِنْ دِمْنَةِ	الكُتُبُ	″	١٩	٢٤٣
وهُنَّ	تَنْشَحِبُ	″	١٩	٢٩٨
مِن الّذين	شَغِبُوا	″	١٩	٣٤٧
يَقُولُ	أعْبَابُ	″	٢	١٢٨
شَدِيد	أنْدَابُ	″	٨	٣١٠
أسْوانُ	عَيْذَابُ	″	١٨	٣٦

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
لَمّا	أرْبابُهُ	بسيط	١١	٣٧
تَبْدُو	العَنَاكِبُ	″	١	٨٤
(او تَدْنُو)				٧ : ٢٢٥
وكُلُّ	يَؤُبُ	″	١	٢١٣
تَمْشِي	الجَلَاهِيبُ	″	١	٢٦٥
وفي	تَجْنِيبُ	″	١	٢٧٠
وكُلُّ	والحُوبُ	″	١	٣٢٧
وكُلُّ	دُعْبُوبُ	″	١	٣٦٢
ويَعْلَمُ	دُعْبُوبُ	″	١	٣٦٢
لقد	الذَّعَالِيبُ	″	١	٣٧٤
(او قد)			٣	٢
			٥	١٩
أقْفَرَ	مَلْحُوبُ	″	١	٣٧٩
			٢	٧٦ ، ٣٣٤
			١٣	٣١٥
			١٤	٢٢١
			١٥	٣٩١
يَنْهَسْنَ	المَرَازِيبُ	″	١	٤٠١
أعْلَقْتُ	الذِيبُ	″	١	٤١٤
أبْلِغْ	فَمَرْكُوبُ	″	١	٤١٨

صدرالبیت قافیتہ	بحرہ	مجلد	صفحہ
فی دُعْبُوبُ	بسیط	۱	۴۴۹
والطّاعِن أُسْكُوبُ[1]	″	۱	۴۵۲
تَصْبُوا المَشِيبُ	″	۱	۴۹۴
والماءُ مَلْحُوبُ	″	۲	۱۷۰
(او فالعَين)	″		۲۳۳
			۱۱:۱۴۴
			۱۲:۱۶۱
			۱۶:۱۷۰)
وصِنْ وغِرْبِيبُ	″	۲	۱۶۹
			۳:۴۴۱
			۱۹:۳۶۶)
اليَدُ مَقْبُوبُ	″	۲	۱۵۲
او فَلَجٌ قَسِيبُ	″	۲	۱۶۶
			۳:۱۷۱)
أوْجَدْوَلٌ قَسِيبُ	″	۲	۱۶۶
لَسْتُ المَقاضِيبُ	″	۲	۱۷۳
أُرْجُرْ مَكْرُوبُ	″	۲	۲۰۷
(او أُرْدُدْ)			۱۹:۱۴۳)
كالدَّلْوِ تَكْرِيبُ	″	۲	۲۰۹

صدرالبیت قافیتہ	بحرہ	مجلد	صفحہ
لا المَلازِيبُ	بسیط	۲	۲۳۴
			۴:۳۰۱)
بَعَثْتُه المَناجِيبُ	″	۲	۲۴۵
(او المناخِيبُ)			۲:۲۴۹)
كأنّه مَذْؤُبُ	″	۲	۲۷۷
(او مَدْؤُبُ)		۵	۹۶:۵
			۱۴:۲۶۴)
كأنّها الذِّيبُ	″	۳	۳۴۳
			۱۰:۴۰۱)
جُنُبٌ مَصْبُوبُ	″	۷	۲۰۳
مِنّا الشِّيبُ	″	۸	۲۷
أشْكُو الذِّيبُ	″	۸	۲۶۱
يَأْوِي والذِّيبُ	″	۸	۲۷۹
ظَلَّتْ المَخالِيبُ	″	۸	۳۳۹
نِعْمَ تَطْرِيبُ	″	۹	۱۵۵
شِيبُ مَوْظُوبُ	″	۹	۴۴۲
لاتَرْتَجِعْ تَنْدِيبُ	″	۹	۴۷۶
أولو رعابِيبُ	″	۱۱	۱۹۰
يَدِبُّ مَقْلُوبُ	″	۱۱	۳۵۵

[1] دیوان عبید بن الابرص میں یہاں سُكُوبُ مرقوم ہے۔

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
هذا	ذِيبُ	بسيط	١٢	٢٣
فَرَاكِسُ	فالقَلِيبُ	″	١٢	١٨٢
والخَيْلُ	يَعَاسِيبُ	″	١٣	٣٧٧
هَلْ	مَسْبُوبُ	″	١٤	١٢١
أوشَبَّ	هَبُوبُ	″	١٥	١٢٦
قَدْ	قَرِيبُ	″	١٥	٢٠١
كأنَّها	طَلُوبُ	″	١٦	٢٨٩
عَيْناكَ	شَعِيبُ	″	١٧	٩٦
كأنَّه	تَذْبِيبُ	″	١٧	١٣٦
واهِيَةٌ	لَهُوبُ	″	١٧	٢٩٨
كُلُّ	مَكْذُوبُ	″	١٩	١١٠
بأنَّ	الذِّئْبُ	″	١٩	١٦٠
وَىٰ	مَطْلُوبُ	″	٢٠	٣٠٠
بِسَنْعَفٍ	مُزْلَعِبِّ	″(؟)	١١	٦٢
أغْشَى	ذُونُوَبِ	″	١	١٩٣
أُعْطِيتَ	بالجَبَبِ	″	١	٢٤٣
مَجْنُوبَةُ	والقَصَبِ	″	١	٢٧٤
ولَمْ	حَسَبِ	″	١	٣٠٢
				١٢:٣٨٣
				٢٠:١٣٢

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
أوكالفَنَى	حَشَبِ	بسيط	١	٣٤٣
كَلَمْعِ	والخُطُبِ	″	١	٣٤٧
				٧:٢٢٤
				١٣:٩٤
				١٦:٢٦
وشَقَّهُ	عَضَبِ	″	١	٣٦٧
كالرِّئْمِ	عَطَبِ	″	١	٣٩٤
				١٧:٢٥٥
كَانَ	رِقَبِ	″	١	٤١١
رَحْبُ	لِمُضْطَرِبِ	″	٢	٣٢
إذا	والعُبَبِ	″	٢	٦٣
مُعلِيَاتٌ	والكَثِبِ	″	٢	٢٢٤
عَنْ	مُلْتَصِبِ	″	٢	٢٣٥
ولَمْ	أبَاكَرِبِ	″	٣	٤٣
يا صاحِ	الذَّنَبِ	″	٣	١١٦
إذا	يُنِيبِ	″	٣	٢٥٠
تَبِيتُ	كالجَرَبِ	″	٤	١٦٧
وما	كالعَقَبِ	″	٤	١٩٣
كأنَّها	التُّرَبِ	″	٥	٢٣٧
هَوْنُ	الحَسَبِ	″	٦	٣٦٢

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
اذا	الكُتُبِ	بسيط	٩	٢٣٥ك
			١٢: ٦٨أ	
			١٨: ١٤١)	
فاتَّ	نُصِبِ	″	١٠	٣٤٨
أخْلَى	الرَّبِبِ	″	١١	٢٩
يَكْسُوهُ	والحَدَبِ	″	١١	١٦٨
يَسْتَبْرِقُ	القُضُبِ	″	١١	٢٩٥
أنا	أبِي	″	١٢	٢٢٠
هَبَنَّقِيّ	النَّشَبِ	″	١٢	٣٠٧
كأنَّ	لَجِبِ	″	١٣	٣٢٢
مَشْمُولَةٌ	والقَصَبِ	″	١٣	٣٩٠
قد	نَقَبِ	″	١٥	١٧٦
حَتَّى	بالذَّنَبِ	″	١٥	٢٤٢
يَبْكِيكَ	لِلْعَجَبِ	″	١٦	٣٧ك
			٩ ص)	
نواعِح	بالضَّرَبِ	″	١٦	١٠٤
ماحَوَّلَتْكَ	بالسببِ	″	١٦	١٥٨
يَعْتَفِنَه	مُكْتَسِبِ	″	١٦	٢٢٤
حَرْفٌ	الصَّخِبِ	″	١٧	١٦٥
تَحَسَّرَ	والقُطُبِ	″	١٧	٣٠٢

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
عمّة	والقَصَبِ	بسيط	١٧	٣٠٦
لا	الطَّلَبِ	″	١٧	٣١٧
ولا	العَطَبِ	″	١٧	٣٢٥
وكَهْكَهَ	الذِّئَبِ	″	١٧	٣٣٤
قد كادها	والهَضَبِ	″	١٨	٨٠
انّا	لِلرَّكِبِ	″	١٨	١٤٣
حَتَّى	مُذْنِبِ	″	١٩	٣٨٠
إنْ	حَسَبِ	″	٢٠	٥٤
كأنَّ	دَبَّابِ	″	١	٣٦٠
جُنادِفٌ	بِكُلَّابِ	″	٢	٢٢٦ك
(وجُنادِفٌ				٢٢٠
جُنادِبٌ)			٤	٣٦٦:
			١٠	٢٧٨:
			١٧	٢٣٧:
			٢٠	٢٧٣: ٢)
اذا	عَتَّابِ	″	٧	٤٠٠
ما بالُ	البَابِ	″	١١	٥٧
وشَدَّ	سُرْحُوبِ	″	١	٢٦
كانُوا	مَرْبُوبِ	″	١	٨٨
يَوْمانِ	تَأْوِيبِ	″	١	٢١٣
كُنَّا	مَجْدُوبِ	″	١	٢٤٩

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لَمَّا	تَجْنِيبُ	بسيط	١	٢٧٤ (= ٣١٨)
ما	خَرُّوبِ	″	١	٣٣٨
لَيْسَ	مَرْبُوبِ	″	١	٣٨٦ (= ٣٥٨:١٣)
				٤٠٧:١٧
				٣٠٦:١٨
				١١١:١٩
				٦٦٥٨:٢٠
والعَادِيَاتُ	تَرْحِيبِ	″	١	٣٩٧ (= ٥٠:١٩)
أمِلا	تَسْهِيبِ	″	١	٤٥٨
تَرَى	الشَّنَاغِيبِ	″	١	٤٨٩ (= ١٦٨:٦ ٣١٨:١٠)
فَهُنَّ	الأَطَايِبِ	″	٢	٤٩
حَتَّى	الأَطَايِبِ	″	٢	٥٠
وقَدْ	أَطَايِبِ	″	٢	٥٠
كُنَّا	ظَنَابِيبِ	″	٢	٦١ (= ١٢٢:١٠)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وَلَى	اليَعَاقِيبِ	بسيط	٢	١١٣ (= ٢٠٦٩:٩)
يَوْمًا	اليَعَاقِيبِ	″	٢	١١٣
ماذا	المَلَاحِيبِ	″	٢	٢٣٢ (= ٣٥٩:١٤)
هَلْ	المَنَاسِيبِ	″	٢	٢٥٣
شِيبِ	مَوْظُوبِ	″	٢	٢٩٨ (= ٢٩٩)
كُنَّا	مَوْظُوبِ	″	٢	٢٩٩
لَنَا	مَرْبُوبِ	″	٣	٦٢
وكَرَّنَا	وتَعْقِيبِ	″	٣	٩١
قَوْمٌ	قَرْضُوبِ	″	٣	٣٤٣ (= ١٠٤:١٤)
قوم	مَنَاجِيبِ	″	٤	١١١
إِنِّي	وتَصْوِيبِي	″	٤	٢٣٩ (= ١١٩:١٠)
إِنِّي	مَكْذُوبِ	″	٤	٤٦٩
أَعُوذُ	ظُنْبُوبِ	″	٥	٢٨٣
فَقُلْتُ	الجَلَابِيبِ	″	٥	٢٩٩
مُسْتَشْعِرِينَ	أَيُّوبِ	″	٦	٨١

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
مَرَّتْ	بِتَعْذِيبِ	بسيط	٧	٢٧٤
حتّى	فاللُّوبِ	″	٩	١٥٨
أمّا	مَقْرُوبِ	″	٩	٢١٤ (٢١٥:١٨)
يَرْقَى	مَخْضُوبِ	″	٩	٣٥٠ (٣٨٤:١٢)
يَنْضَحْنَ	مَشْرُوبِ	″	١١	٣١٣
فاقْنَى	مَنْجُوبِ	″	١٢	٣٧٥
والدَّنَسُ	للدِّيبِ	″	١٣	٥١٥
نُبِّئْتُ	مَقْرُوبِ	″	١٧	٨٧ (٣٩٨:١٥)
يَكُونُ	مَحْلُوبِ	″	١٩	٢٦٩
مَنْ إنْ	فاغْتَرَبا	″	١	١٧٣
«وإذا»	«وواقْتَرَبا»			
إذْ لا	مُنْتَقِبا	″	١	٢٩٩
قَوْمٌ	الدَّنَبا	″	١	٣٧٥
مُسْتَهْلِكٌ	رُغُبا	″	١	٤٠٨
«ورُكَّبا»			٤	٣٩

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			١٢	٣٩٩
			١٩	٩١
فَنَشْنَشَ	سَلَبا	بسيط	١	٤٥٦
حَتَّى	فانْشَعَبا	″	١	٤٨٣
إذا	فاعْتَنَبا	″	٢	٦٨
قَوْمٌ	الكَرَبا	″	٢	٢٠٩ (١٥٤:٣)
زَيَّافَةٌ	انْتَحَبا	″	٢	٢٤٦ (٢٠٧:٢٠)
نُبِّئْتُ	نَدَبا	″	٢	٣٥٠ (٥٨:٢٠)
كالسِّيدِ	عَصَبا	″	٢	٢٦٣
أقَبَّ	عصَبا	″	٢	٢٦٣
أبْلِغْ	كَذِبا	″	٢	٣٠٨
عارَضْتُهم	أرَبا	″	٥	٣٦
به دَخِيلٌ	والتَهَبا	″	٦	١٦٣
لا	مُغْتَصَبا	″	٦	٤٢٦
ثُمَّ	رَجَبا	″	٧	٣٩
الغُوَّانةُ	السَّلَبا	″	٨	٢٤٥
أمْطَيْتُ	قَتَبا	″	٨	٢٤٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
جاءَتْ	شَذَبا	بسيط	٨	٢٧٩
اذا	والخَبَبا	»	٩	٤٤٢
قَدْساغَ	شَرِبا	»	١٠	٣١٨
إنّي	غَلَبا	»	١٤	١٣١
لا	غَلَيا	»	١٤	١٣١
وافَيْتُ	العَجَبا	»	١٤	١٨٤
حَتَّى	ضَرَبا	»	١٤	٢٢١
أنْشأتُ	ذَهَبا	»	١٤	٢٣٣ (٢٤٣:١٨)
وحالَ	أبا	»	١٥	٢٤١
يالَلرِّجال	طَرَبا	»	١٦	٣٧
وَلّى	وَثَبا	»	١٦	٦١ (٨٥:١٩)
اللهُ	وَرِبا	»	١٦	٢٤٧
تَمْشِي	النُّجُبا	»	١٧	٣٤١
أكَلا	ذَهَبا	»	١٨	٣٤
أدْرَكْتَ	كَلِبا	»	١٨	٢٣٥
لَنْ	عَزَبا	»	١٩	١٤٣
حتى	والعَزَبا	»	١٩	٢١٧
فأنتَ	جَدَبا	»	٢٠	١٥١
في	الطُّنُبا	بسيط	٢٠	١٨٥
وعارَضَتْها	والشَّعَبا	»	٢٠	٢٦٣
أوْدَى	الخَبَبَهْ	»	١	٣٥١ (٢:١٨٠)
				(٣:٢٤٣)
وقد	والرَّقَبَهْ	»	١٩	١٠٠
قِرابُهُ	مِجْنَابا	»	١	٢٥٨
أيامَ	سُيَّابا	»	١	٢٦١
جادَتْ	فاشْتابا	»	١	٢٩٢
اذا	مِعْذابا	»	٢	٧٢
اذا	عَيَّابا	»	٢	١٢٥
هَيْفاءُ	أنيابا	»	٢	٢٨٦
كأنّ	هُدّابا	»	٤	٤٣٧
يَجِيءُ	إلْهابا	»	١٢	٢٣٠
واحْوَرُ	أقْصابا	»	١٧	١٨٨
ومَرْقَبٍ	مُهْتابَهْ	»	٢	٢٨٩
يالُهْفَ	أرِبُ	وافر	١	٢٠٣ (١١:٢٣٢)
وقَدْ	والبَلَبُ	»	١	٢٣٤
فَتًى	جَنَبُ	»	١	٢٧٥

صدر البيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لَعَمْرِى تُرْأَبُ	وافر	١	٣٨٤
صُلاةٌ ضُرُبُ	″	٢	٣٧
فَما عَتَبُ	″	٢	٦٥
ويَحْمِلُهُ هَذِبُ	″	٢	٢٨١
وحَمَّجَ يَجِبُ	″	٣	٦٤
ولا رَكِبُوا	″	٤	١٦٠
خِضَمٌ اللَّهَبُ	″	١٢	٢١٠
ولا الحِقَبُ	″	١٥	٤٣٤ (٤٣٤:١٧)
رَأَتْ أُغَيِّبُها	″	٢	٧٠ (٧١)
أَلا مَوْكِبُها	″	٢	٣٠٢ (٢٩١:٧)
وفى ذُبابُ	″	١	٣٦٨
سَراةُ رِئابُ	″	١	٣٨٤ (٢٠٣:٩)
تَرَكْتُ ضَبابُ	″	١	٤٣٦ (٣١ : ٢ ٤٣٨:٤)
رَوافِعَ عُبابُ	″	٢	٦٢
أُعاتِبُ اجْتِنابُ	″	٢	٦٦

صدر البيت قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وأُفْلَتْهُنَّ الوِطابُ	وافر	٢	١٢١ (٢٩٧، ١٣٣:٦، ٣٩٩:٨)
جَعَلْنَ العُنابُ	″	٢	١٢٢
أنا مَعابُ	″	٢	١٢٥
فجاءَتْ الكُبابُ	″	٢	١٩٠
تُدَرِّى لُبابُ	″	٢	٢٢٥ (١٢٥:٥)
تَمَتْ السِّغابُ	″	٣	٦٧
فِبِتْنا الكِلابُ	″	٤	٧١ (٣٥٠:١٥)
وأَغْلاطُ انْتِصابُ	″	٩	٢٢٨ (وأغلاط ١٨٠:١٢)
ولِلّى الجَوابُ	″	١٠	١٣٢
رَغِبْنا اللُّبابُ	″	١٠	١٦٧
وحَلْكَةِ السَّحابُ	″	١٠	٢٢٦
فإنْ والصِّنابُ	″	١٢	٧٥
وأَعْلاق النِّصابُ	″	١٢	١٩٨
غُيوث والرِّكابُ	″	١٣	١٨١

لہ نیز ملاحظہ ہو (١٢ : ٢٩٨)

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
وفيها	صِعابُ	وافر	١٥	٤٠٩
سَمَوتَ	يُصابُ	″	١٦	٣٤
أتانِي	الرِّكابُ	″	١٦	٢٠٤
فإنْ	الشَّبابُ	″	١٧	١٣٥
وقُلْنا	كِلابُ	″	٢٠	١١٨
كأنَّ	قَبِيبُ	″	١	٢٩٥ (٢ : ١٥٠، ٣ : ١٨١)
لَعَمْرُكَ	ذَنُوبُ	″	١	٣٧٧
وما	شِيبُ	″	١	٤٩٤
إذا	طَرُوبُ	″	٢	١٠
تُرَجِّيها	عَتِيبُ	″	٢	٦٨ (٦ : ٣٩٥)
لَهُنَّ	قُوبُ	″	٢	١٨٧
أرِقْتُ	نَقِيبُ	″	٢	٢٦٢ (٢٧٢)
وما	المَشِيبُ	″	٢	٢٩١ (وفما ١٤ : ٢٨٩)
فَتُسِي	الغُرُوبُ	″	٣	٣٦٠
ومـاءٍ	الخَبُوبُ	″	٣	٣٩٨
وفي	الغَضُوبُ	″	٤	١٠٤
مَـرَدٌّ	النَّجِيبُ	وافر	٤	١٥٥
وقَـدْ	يَـذُوبُ	″	٤	٣٣١
يَقُولُوا	يَخِيبُ	″	٤	٤٤٣ (١٩ : ٤٧)
أيَـذْهَبُ	العَجِيبُ	″	٦	١٦ (١٥ : ٢٢٩)
ومـا	يُصِيبُ	″	٦	٧٠
سَبِيٌّ	وَلُوبُ	″	٦	١١٣ (١٠ : ٢٩٥، ١٩ : ٨٩، ٢٠ : ٢١٠)
لقـد	عَجِيبُ	″	٦	٢٦٧ (٢٠ : ١٥٦)
ولا	حُوبُ	″	٦	٣٥٢ (١٨ : ٢٦٨)
أناخ	الحَبُوبُ	″	١٠	٢٧٦
يُعَاطِي	السُّبُوبُ	″	١١	١٠١
فَـدَعْ	قَـرِيبُ	″	١١	٢٤٨
موقَّفَـة	الحَلِيبُ	″	١١	٢٧٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فلستُ الكَذُوبُ	وافر	١٣		٢٤٤
يَرانى رَعْبَلِيبُ	″	١٣		٣٠٨
تَفَرَّقَتِ يُزِيبُ	″	١٤		٣٢٣
تَبَدَّلَتِ الضَّلِيبُ	″	١٧		٢٩٤
أَلا رَقُوبُ	″	١٨		٢٣٩
عَلَى يَغِيبُ	″	١٩		١١٨
عَلَى قَرِيبُ	″	٢٠		٢٤٥ (٢٤٩:١٦)
أَلَمْ ولَغْبِى	″	١		٣٧١ (٢٣٩:٢)
ذَكَرْتُ والوَصَبِ	″	٩		٤٨١
تَمَمْتُ السِّغَابَ[1]	″	١		١٨٧ (٣٤٧:١٤)
وكنتُ ثَوابِ	″	١		٢٤٠
مَرِيضُ الجُنابِ	″	١		٢٧٢
لِمَنْ الكِتابِ	″	١		٣٨١ (٢٠٩:١٢، ١٦٨:١٧)
اذا سِرابِى	″	١		٤٤٦
تُكَلِّفُنى والصِّنابِ	″	٢	١٢	١٩ (٢٧٥:١٢)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فأَبْلِغْ العِتابِ	وافر	٢		٦٨
فَظَلَّ القِنابِ	″	٢		١٨٥
وأَلْقَى كالكِعابِ	″	٢		٢١٤
وقَدْ بالإِيابِ	″	٢		٢٦٦
بِأَذْنِ وِثابِ	″	٢		٢٩٢
ووَلَّوا الوِذابِ	″	٢		٢٩٥
فَعَيَّثَ النِّصابِ	″	٢		٣٧٦ (٤٣:١٧، ٤٧٤)
الى شَبابِى	″	٣		٢٢١
عَصافِيرُ الذِّئابِ	″	٣		٢٥٠
وانَّكَ رِكابِ	″	٤		١١١
فلولا الإِهابِ	″	٤		٣٧٥ (٣:١٤)
رَكَضْنَ بِالنِّهابِ	″	٤		٤٧٤ (اورَكَضْتُ ٣٢٧:٧)
تَفاطِيرُ الشَّبابِ	″	٥		١٢٨ (اونَفاطِيرُ ٣٦٢:٦)
وما الحُبابِ	″	٥		٣٥٥ (٢٠٥:٩)
أُرانا بالشَّرابِ	″	٦		١٢
أَضَعْتُ الثِّيابِ	″	٦		١٧٥

[1] انظر ايضا (٣:٦٧)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وما	الكِتابِ	وافر	٦	٣٨٤
تَداعَتْ	الرَّبابِ	″	٧	٣٣٨
طَعِمْنا	السَّرابِ	″	٨	٤١١
فعادَ	الكِلابِ	″	٩	٢٠٦ (٢٠ : ٢٨١)
جَلَنْفَعَةَ	السَّرابِ	″	٩	٤٠٣
وأَقْلَتَ	الظِّرابِ	″	٩	٤٩٣
وَرَدَّ	نِصابِ	″	١٠	٢٦٩
فَقَفَّ	الصِّلابِ	″	١١	١٩٨
ضَرَبْنَ	السَّحابِ	″	١٢	٢٥٢
مِدادُ	الحِرابِ	″	١٢	٢٩٧
ومَنْسُوبٍ	الكِتابِ	″	١٣	٣٤١
طُوالِ	الشِّهابِ	″	١٣	٤٣٦
بَرِئْتُ	بابِ	″	١٣	٤٦٧
الى	الرُّضابِ	″	١٥	٢٧٢
تَعَلَّمْ	الكِلابِ	″	١٥	٣١٢
أَأَجْعَلُ	كالرِّكابِ	″	١٦	٧
سَرَاةُ	العِرابِ	″	١٧	٢٥٣
مَتَى	والقِبابِ	″	١٧	٤١٥
يَئِسْتُ	الجِنابِ	″	١٨	١٨٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
فلَوْ	السَّحابِ	وافر	١٩	١٢٢
مِنْ	الحُبابِ	″	١٩	١٨٩
وعَقَّتْ	العُقابِ	″	١٩	٣١٢
كأَنَّكَ	السَّحابِ	″	٢٠	٢٠٩
فلَمَّا	والجَحِيبِ	″	١	٢٩١
هُدُوءُ	الحَلِيبِ	″	١	٣٢١
كأَنَّ	جَنُوبِ	″	١	٤٦٦
أَرِقْتُ	شِيبِ	″	١	٤٩٤
لأَنْتُمُ	قَضِيبِ	″	٢	١٧٤
قَتَلْنا	والقَعِيبِ	″	٢	١٧٨
وجَرَّدَ	فاللَّهِيبِ	″	٢	٢٤١
فأَنْحَنا	العُجُوبِ	″	٣	٤٣٩
رَعَتْ	الجُدُوبِ	″	٧	٤٢٥
اذا	والغُيُوبِ	″	٨	٤٣
وما	القَرِيبِ	″	٩	٢٨
كأَنِّي	القُلُوبِ	″	١٠	١٥٧
فسامُونا	كالشُّجُوبِ	″	١٠	٢١٨ (١٧ : ٣٢٥)
لَمَلَّ	نَجِيبِ	″	١٠	٣٧١
بِضَيْفٍ	والجُدُوبِ	″	١٠	٤١٥

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
اذا	الجَحِيبِ	وافر	١١	٦٩
غَداةَ	الكَذُوبِ	″	١١	٣٦٤ (٤٢:١٧)
فَيُخْفِقُ	بالأَرِيبِ	″	١١	٣٦٩
شَكَوْتُ	الدُّرُوبِ	″	١٢	٩٤
وكنتُ	عَصِيبِ	″	١٢	٣٢٧
وقد	الكُعُوبِ	″	١٥	٨٧
فإنْ	بالحَبِيبِ	″	١٦	١٣١
فما	العَسِيبِ	″	١٦	١٨١
أَحِبُّكَ	قَرِيبِ	″	١٦	١٩٠
بِمِثْلِي	لِلخُطُوبِ	″	١٧	٥٤
تَلَسَّنَ	نَيُوبِ	″	١٧	٢٧٢
بأَيْدِيهِمُ	الكَعُوبِ	″	١٨	٢٥٥
تَرَكْنَا	نِيبِ	″	١٩	١٢٨
لَعَمْرُكَ	نَجِيبِ	″	٢٠	٤٩
فَمَنْ	بَابَا	″	١	٢١٧
وزَعْتُ	وثَابَا	″	١	٢٣٦ (٢٩١:٢)
أَلَمْ	اجْتِلَابَا	″	١	٢٦٠
كأنَّ	الحَبَابَا	″	١	٢٨٦

صدر البيت	قافيته	بحر	مجلد	صفحة
أَتَعْلَبَةَ	والخِشَابَا	وافر	١	٣٤٣ (٢٤٢:١٩)
كأنَّكَ	ذُبَابَا	″	١	٣٦٩
نَعَمْ	الطِّبَابَا	″	١	٤٤٩
(أوبَلَى)			٢	٤٣ (١٧٩:١٧)
أَعَبْدًا	واغْتِرَابَا	″	١	٤٨٥
يَرُدُّونَ	شِغَابَا	″	١	٤٨٦
فكيفَ	غِضَابَا	″	٢	٥٩
رأيتُ	كِعَابَا	″	٢	٢١٥
فإنَّ	اللُّغَابَا	″	٢	٢٣٩
وإنَّ	التِّهَابَا	″	٢	٢٤٠
ولَوْ	التُّرَابَا	″	٢	٢٤٣
وجَوْنٌ	أَجَابَا	″	٢	٤٣٧ (٦٦:٥)
أتُوعِدُنِي	اضْطِرَابَا	″	٢	٤٥١
تَدَرَّيْتَ	الشِّعَابَا	″	٢	٤٦٧
ولو	لذَابَا	″	٣	٣٨٠
أتاني	أصَابَا	″	٤	٢٨٠
أَسِيئَةُ	الحِقَابَا	″	٤	٢٨٨

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
يَرَى الرِّقَابَا	وافر	٤		٣١٦
أَعُوذُ نَابَا	″	٤		٣٨٤
تركتُ الذِّهابَا	″	٥		٣٦
وأَحْذَرُ يُجَابَا	″	٥		٢٠٦
اذا ما الذِّهابَا	″	٦		٢٠٧
ودارِيِّ الإِهابَا	″	٦		٤٠٠
فما إِرْتَعابَا	″	٧		١٣٤
وحُفْزَةِ الكِلابَا	″	٧		٢٠٢
اذا يُصابَا	″	٧		٣٣٠ (٣٠٥:١٢)
خَوَاقُ خِضابَا	″	٨		٤١٢
أفاطِمَ واجْتِنابَا	″	٩		٤٨
فَغُضِّ كِلابَا	″	٩		٦١
رأيتُ الشَّبابَا	″	٩		٩٩
تُواجِهُ حَبابَا	″	٩		٢٢٥ (وتنازع) (اوضبابا، جُبابا، صُبابا) ٢٣٩، (٢٣٩:١٥)
فَرَجِّ آبَا	″	٩		٣٣٥ (٢٣:١٩)
فما يُهابَا	وافر	٩		٣٥٥ (٣٥٤)
أَعَدَّ الرِّقَابَا	″	٩		٤٢٦
تَجَنَّ ذُبابَا	″	١٠		٢٣١ (٣٣٨)
فأَولِغُ الغُرابَا	″	١٠		٢٩٢
اذا الحِجابَا	″	١٢		١٣٣
وعَزَّدَ سِغابَا	″	١٢		١٦٧
تَرَى شَابَا	″	١٢		٢٧٠
بِبَلْدَةٍ والذُّبابَا	″	١٢		٣٥٧
كأَنَّ الإِيابَا	″	١٣		٣٩٥
أنا الصُّبابَا	″	١٣		٤٣٢
سَتُهْبِطُ عِتابَا	″	١٥		٣٥٠
أَلَانَ عَذَابَا	″	١٦		١٨٥
تَطَلَّى مَلَابَا	″	١٧		١١٧
وخُورُ والغُرابَا	″	١٨		٢٢٢
فإِنْ ضَبابَا	″	١٩		٥٩
اذا غِضابَا	″	١٩		١٢٣
ذُبابُ الذُّبابَا	″	٢٠		١٢٩
رَأَتْ رَطِيبَا	″	١		٢٤٤ (٢١٣:١٦)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
عَدَوا حَبِيبا	وافر	١		٢٨٧ (٣٦٦)
مَنَعْنا شَعُوبا	″	١		٤٨٥
كأنّي طَلُوبا	″	٢		١٦ (٣٥٩:١٤)
به قَشِيبا	″	٢		١٦٦ (٤٢٠:١١، ٢٣:١٥)
بَهِيمًا حَلِيبا	″	٧		٢٣٧
فَظَلَّتْ خَضِيبا	″	٨		٨٤
غَداةَ مُجِيبًا	″	١٠		٤٠ (٧٩:١٥)
تَرَوَّحنا تَوُبا	″	١٧		٣٦٠ (٢١٣:١، ٢٣٨:٢، ٥:١٤)
أَلَمْ والقَطِيبا	″	١٨		٤٨٤
تَعِيبُ العَجِيبا	″	١٨		٧٤ (٦٣:٢٠)
أذكَرْتُ إثْبُ	كامل	١		٣٥٠ (١٠٨:١٣أ)
أبَنِي وَقْبُ	كامل	٢		٣٠١
يالَكَعْبُ لَكَعْبُ	″	١١		٣٥٥
تَذْبُو ماتَذْبُو	″	١٢		٢٣٣
حتى شَبُّوا	″	١٤		٨٦ (٣٨١:٢٠)
جانِيكَ الجُرْبُ	″	١٨		١٦٨
كذَوائِبِ الطُّحْلُبُ	″	١		٥١ (٢٦:١٤، ٣٦٧:١٩)
يَقْرُو الحُلَّبُ	″	١		٧٠
بَيْناهُمُ مُؤَلَّبُ	″	١		٢١٠ (١٥١:٦أ)
صِنْ كُلِّ يَرْعَبُ	″	١		٢٣٦ (٥٥:١١أ)
(أو يَزْعَبُ)				
صَبَّ الجَنُوبُ	″	١		٢٧٣ (٢٦٦:٩، ٢٣٤:١١، ٢٣٢:١٩، ١٧٢:٢٠)

صدرالبيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
سادٍ	وَيُجْنَبُ	كامل	١	٢٧٤ (=
			٤	١٨٤ أ
			٩	٣٦٣ ؛
			١٢	١٥٤ أ
			١٤	٣٥٧ ؛
			١٩	٩٦ ؛
			٢٠	١٣١ ؛)
هَجَرَتْ	تَشْعَبُ	″	١	٢٨٣ (=
			١٨	٢٧٠ ؛
			٢٠	٢٩٣ ؛)
فالدَّهْرُ	حَوْشَبُ	″	١	٣٠٨ (=
			١١	٢٢٩ ؛)
فى البُدْنِ	حَوْشَبُ	″	١	٣٠٨
بشَرَبَةٍ	يُرْطَبُ	″	١	٤٠٤ (=
				٤٧٥ ؛)
معه	ومِسْأَبُ	″	١	٤٣٨ (=
			٨	٢٨٨ ؛)
			٩	٢٤٣ ؛
			١٧	١١٤ ؛)
شابَ	يُعْتَبُ	″	١	٤٩٥ (=

صدرالبيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			٢	٦٦ ؛ ١٤٢ ؛)
والآثِلُ	فَعُلَيْبُ	كامل	٢	١٢١
ثُمَّ	مُتَغَرِّبُ	″	٢	١٣٠ (=
			٧	٢٤٤ :)
هَجَرَتْ	يَتَجَنَّبُ	″	٢	١٤٢
لا	أُوعَبُوا	″	٢	١٩٥
فاذا	كُذُّبْذُبُ	″	٢	١٩٩
أُنِيْتُ	تَكَتَّبُوا	″	٢	٣٠٠
واسْتَدْبَرُوهُم	الأَزْيَبُ	″	٣	١٤٧
لَمَّا	الأَرْكَبُ	″	٣	١٧٧ (=
			٦	٢٧٨ ؛
			١٩	١١ ؛)
ولقد	أَعْضَبُ	″	٣	٢٢٢ (=
			٤	٣٦١ ؛)
وغداة	شُزَّبُ	″	٣	٣٣٦ (=
			٢٠	٢٣٢ ؛)
فَنَزَالَ	التَّأْلَبُ	″	٣	٤٥٤ (=
			٩	٢٤٤ ؛)
بُذَخاءُ	الأَجْرَبُ	″	٣	٤٨٤ (=
(اوصُذَخاء)			٤	٢١ ؛)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
رَدِيَّةً	يَهَبُوا	كامل	٤	٥٧
إِنِّي	مَرْعَبُ	″	٤	١١١
وكأنَّ	مَحْلَبُ	″	٤	٢٨٤
وكأنَّما	مُتَرَبِّبُ	″	٤	٢٩٠ (٢٨١:٢٠)
ما	غُيِّبُ	″	٤	٤٧٤
لَمَّا	وتَغَضَّبُوا	″	٥	٣٨٧
فقضى	يَتَسَبْسَبُ		٦	١٠٣
واذا	يَهْرَبُوا	″	٧	٥٥
هَلْ	الأَجْنَبُ	″	٧	٣٦٢ (٢٦٩:١)
وترى	تَنْحَبُ	″	٨	١٣٣
ومَنْ	تَرْقُبُ	″	٨	٣٨٩
فكأنَّ	أَجْرَبُ	″	٩	٣٥٦ (٣٨٦:١٢)
سُودٌ	تُحْلَبُ	″	١٠	٧٤ (٧٩)
وَلَّوْا	أَثْأَبُ	″	١٠	٣٦٣
حَلِفَ	مُجَرَّبُ	″	١١	٤٩
وقِراعُ	الأَجْرَبُ	″	١١	١٨٧
ومقامهنّ	الأَخْشَبُ	″	١١	٢٣٠ (٢٣١ ص)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			٤	(٢٨٣:١)
لتَكَشَّفَتْ	مُخْرِبُ	كامل	١١	٢٦٣
خِرَقٍ	يَتَلَهَّبُ	″	١١	٣٦١
لِما	المُصْعَبُ	″	١٢	١٤٣
أَمَا	مُشَذَّبُ	″	١٣	٤٢
حتى	جَحْنَبُ	″	١٣	٢٨٧ (١٩٥:١٦)
لَدُنٌ	الثَّعْلَبُ	″	١٣	٤٧٣
مِنها	تَتَصَوَّبُ	″	١٤	١٤٥
هِزَّكْلَةٌ	خَرْعَبُ	″	١٤	٢١٩
ولقد	يَغْضَبُوا	″	١٤	٣٦٠ (٣٥٩ع)
أَفَعَنْكَ	مُثْقَبُ	″	١٥	٢٢٢ (٢٢٣ ٣٥٤:٢)
ولقد	مُنْهِبُ	″	١٥	٣٨٧
ولَوَانَّها	مُتَحَنِّبُ	″	١٦	٧٠
ولقد	رُكِبُوا	″	١٦	١١٠
فالِيَدُرُ	الأَثَأَبُ	″	١٧	١٨٣ (١٧٣:٢٠)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أَرْسُ	المَوْكِبُ	كامل	١٨	١٦٣
مِمَّا	مُحَرَّبُ	″	١٨	٢٤٦
مَرَمَتْ	تُعْتِبُ	″	٢٠	١٢٨
يَفْرُو	يَتَصَبَّبُ	″	٢٠	٢١١
إِنِّي	تَتْعَبُ	″	٢٠	٢٣٤
وقَضَيْتُ	قَضِيَّهُ	″	١	١٧٥
جَعَلَ	الطُّلَّابُ	″	٩	٤١٧
يامَطَرَ	الأَبْوابُ	″	١٥	٦٨
ولقَدْ	شَرابُهُ	″	٥	١٥٦ (١٦٢:١٦)
سَلِسٌ	جَنابُهُ	″	١٠	٢١١
غَرَّاءُ	خِضَابُهُ	″	١١	٢١١
فَصَدَقْتُها	كِذابُهُ	″	١٢	٦١
يا شَيْءُ (او يا فَيْءُ، يا هَيْءُ، يا هَيُّ)	والتَّقْلِيبُ	″	١	١٠١ (٨٤:٢٢، ٢٥٣:٢)
بأَلَذَّ	يَلُوبُ	″	٢	٢٤٢ (٩١:٨)
ثَمِلٌ	سَلِيبُ	″	٧	٥٦
مَنْ	شَبِيبُ	″	٨	٢٧٠
أَيردِنى	شَبِيبُ	كامل	٩	٢١٩
بانَتْ	جَنُوبُ	″	٩	٢٧٦ (٩٨:٨، ٩:٢٠٠١، ٢٧٥:١٠٢٩)
إِنِّي	قُلُوبُ	″	٩	٣٢٠
لا	المَشْكُوبُ	″	١٠	١١٥
مَنْ	كَذُوبُ	″	١٢	٣٣٧
وكأنّها	نَجِيبُ	″	١٩	٣٤٤
وكأنَّ	الجَأْبِ	″	١	٢٤١
وعَلَى	عَضْبِ	″	١	٢٥٣
مُتَبَدِّلًا	النُّقْبِ	″	٢	٢٦٣
ومُدَجَّجٍ	كالكَلْبِ	″	٣	٩٠
عُوجُوا	صَحْبِي	″	٣	١٥٨
إِنِّي	جُرُبِ	″	٤	٤٩
الآوِبُ	حُقْبِ	″	٦	٤١٨
أُخْناسُ	الحُبِّ	″	٧	٣٧٥
لوكُنْتَ	ذِي اللُّبِّ	″	٨	١٦٩
فاعْمِدْ	الزَّرْبِ	″	٨	٣٤٠
فَعَرَضْتُه	والكَعْبِ	″	٩	٢٧

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
مِيلُ	النَّهْبِ	كامل	١٠	٢٤٠
ويَكادُ	ذِي العَقْبِ	″	١٠	٣٢٩
ورَأيتُ	حَرْبِي	″	١١	١١٢
مُتَلَقِّيَيْنَ	العَصْبِ	″	١١	١٤٢
عَرَفَتْ	إِتْبِ	″	١١	١٤٤
وطَوَى	الصُّلْبِ	″	١٣	٩٧
فَوَقَفْتُ	عَضْبِ	″	١٣	٣٣٥
فَتَرَكْتُها	صَحِيٰ	″	١٣	٥١٥
وشَفَيْتُ	والضَّرْبِ	″	١٤	٢٨٤
الآكِلِينَ	الرُّطْبِ	″	١٤	٣١٤
ياضَلَّ	دُبِّ	″	١٩	١٥٤
وكأنَّ	مُغْرَبِ	″	١	١٣٥ (٢ : ١٣٥)
أَبِي	يَثْرِبِ	″	١	٢٢٨
فَأَجَازَنِي	المَنْكِبِ (وفي طارق)	″	١	٢٧٩ (٧ : ٣٣١)
لَتَقِيتَ	مُحَسِّبِ	″	١	٣٠٦
لَأَغْضَبَنَّ	فَاغْضَبِ	″	١	٤٠٧
عَجِبْتُ	الأَرْنَبِ	″	١	٤١٩
إِنَّ	الأَعْضَبِ	″	٢	١٠٠
لَيْتَ	تُلْغَبِ	″	٢	١٨١ (٩ : ٢٣٩)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
			٩	(٩ : ٣٤٦)
فالسِّدْرُ	الأَثْأَبِ	كامل	٢	٤٠٣
ولأَحْمِلَنَّكَ	لَعَطَبِ	″	٢	٤٠٧ (٧ : ٩٨)
يَرْضَى	يَغْضَبِ	″	٣	١٤٤
كالتَّوْرِ	تَضْرِبِ	″	٣	٢٠٣ (١١ : ٦٦)
ولَوَى	السَّغَبِ	″	٣	٤٠٩
لَـذٌّ	مُذْهَبِ	″	٣	٤٣٤ (٤ : ٥٦)
	(ولَدْن)			
عَنَسٌ	بِيَثْرِبِ	″	٤	٢٤
مُتَحَدِّثُونَ	يَتَشَعَّبِ	″	٥	٤٥ (١٤ : ٤٩)
	(ويَتَأَكَّلُونَ يَتَحَدَّثُونَ) (ويَتَشَغَّبِ)			
يارُبَّمَا	الكَوْكَبِ	″	٥	٣٠٤ (١٦ : ٣٠٢)
وصُؤَرِيقِ	الجَوْرَبِ	″	٥	٢٧٥
	(ومُأَرْيِق)	″		٣٩٤
				(١١ : ٢٨٧)
مازَالَ	ثَعْلَبِ	″	٦	٧٢ (١٥ : ٢٢٧)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
ارْبُطْ	لِغُرَّبِ	كامل	٧	٨٢
حَضِنُ	الخُلَبِ	″	٨	٧٣
ومِزَاجُهَا	المُثْقَبِ	″	٨	٢٨٩
مَرَطَى	تُطْلَبِ	″	١٠	١٥٧
واذا	يَغْضَبِ	″	١٠	٣٥٥
ذَهَبَ	الأَجْرَبِ	″	١٠	٣٢٢م (٣٨٨م)
أُعْطِيكَ	تَهْرُبِ	″	١١	٨
كَذَبَ	فَاذْهَبِي	″	١٢	١٠٨ (٦٣:١٦ ٢٠٤:٢ ٣٩٨:٥)
لتَبَقَّطَتْ	الحَوْأَبِ	″	١٢	٣٥٨
مَنْزِلة	تُجْبِ	″	١٣	٢١٧
كَمْ	مُهَيَّبِ	″	١٤	١٣٠
سُوْدٌ	تُحْلَبِ	″	١٥	٢٧٦ (١٣٤:١٩)
لا	المَرْكَبِ	″	١٦	٢٢٧
لِلّهِ	قُلَّبِ	″	١٦	٢٧٧
فَمَشَوْا	مُذْهَبِ	″	١٩	٣٧٠

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
طَرَقَتْهُمُ	وقَوَاضِبِ	كامل	٨	٢٨٨
هذا	للشَّارِبِ	″	١١	٦٥
مَنْ	الكَاذِبِ	″	١١	٢٤٧ (٥٨:٩)
لَيْسَتْ	اللَّاغِبِ	″	١٢	١١١ (٢١١:١٥)
لَمَّا	اللَّاحِبِ	″	١٤	٢٠٠ (٣٤٥م)
وجَلَبْتُه	إِنَابِ	″	١	٢٠٧ (واِرَابِ ٣٧٩:٨)
ولقد	الأَذْرَابِ	″	١	٣٧٢ (والأَسْبَابِ ١٣٥:٢٣٧٣ ٤٩:١٣)
لَمَّا	بِسِقَابِ	″	١	٤٥١
عَيْنَ	مِطْنَابِ	″	٢	٥٠
ومُقَطِّعِ	الأَطْرَابِ	″	٢	١٥٨ (٥٩٣:١٣)
هَمَّتْ	الغَلَّابِ	″	٢	١٤٤ (وزَعَمَتْ ٦٨:١٧)
ومُدَجِّجِينَ	قِرْضَابِ	″	٢	١٦٣
فَأَفَأْتُ	القُضَّابِ	″	٢	١٧٣ (٦٢:١١)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
نادَتْ	بِكذابِ	كامل	٢	١٩٩
إلّا	غِضابِ	″	٢	٣٨٢
وسنفضها	بِدِنابِ	″ (؟)	٣	١٧٠
خُوصٌ	لِلكَلّابِ	″	٣	٣٨٧
إنّ	الأحسابِ	″	٣	٤٥٠ (٣٤٣ : ٦)
نَقْحٌ	رَبابِ	″	٣	٤٦٥
أمستْ	بِحِبابِ	″	٤	٢٥٦
يَرْعَوْنَ	شِهابِ	″	٤	٣٩٥
أقبلتُ	الأقرابِ	″	٤	٤٦٠
بَكَرَتْ	عِتابِي	″	٥	١٤٤
باءَتْ	الأنْيابِ	″	٦	٢٣٤ (١٤ : ١٠٥)
حتى	بِخِضابِ	″	٦	٣١٠ (٣٢٩)
وعَلِقْتَ	الخَطّابِ	″	٨	٢١٦
وتَدُلُّ	كِلابِي	″	٨	٢٧١
وإذا	رِجابِي	″	٩	٢٦٥
لا	أُسْرابِ	″	١٠	٩٠
فَظَلَلْتُ	سَرابِ	″	١٢	٢٤٦

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
أجْمَعْتُ	غُرابِ	كامل	١٢	٣٢١ (٣٢٢)
والصِّدْقُ	الألْبابِ	″	١٣	٢٤٥
هل	وجَابِي	″	١٥	١٥١
وَلَيُصْلِفَنَّ	الأطْنابِ	″	١٧	١٢١
ولقَدْ	بالمُرْتابِ	″	١٧	٢٦٤ (٢٦٦)
إنّ	المُنْجابِ	″	١٧	٣٥٦
فَكِهٌ	الأطْنابِ	″	١٧	٤٢٠
ولأصْرِفَنّ	الأحْزابِ	″	١٩	١٤٣
أرَأيْتَ	أثْوابِي	″	١٩	٢٧٥
ورَفَعْتُ	ثِيابِي	″	١٩	٢٧٧
هَلّا	الأنْسابِ	″	١٩	٣٠٨
أهْوَى	الكابِي	″	٢٠	٧٨
ونَشِيتُ	قِرْضابِ	″	٢٠	١٩٨
يَهْدِي	الأعْرابِ	″	٢٠	٢٣٧
وإذا	لِشَرابِها	″	٥	١٦١
إنّ	بِها	″	٦	٣٢٠
وعَلِمْتُ	أرَى بِها	″	١٩	١٥
أنّى	قَرِيبِ	″	١	٤٤٥

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
لولا	العُرْقُوبِ	كامل	٦	٣٣٠ (١٨:١٧٥أ)
كم	مَكْرُوبِ	″	٨	٣٤
فأصاخ	رَبَّا	″	٢٠	٢٥٣ (٣٧٦)
فانْقَضَّ	طُنُبَا	″	١	٦٧
يُذْرِينَ	الحَبَا	″	١	٢٨٨
ياصاحِبَيَّ	وتَقَرَّبَا	″	٢	١٥٦
حتى	كَثِبَا	″	٦	١٧٠
وهم	أَجْدَبَا	″	٨	٣٨٢
أَبَنِي	أُغْضَبَا	″	١٥	٣٣
فَدَأَوْنَهُ	جَلَبَا	″	١٨	٣٠٨
تَدَعُ	لاحِبَا	″	١	٢٤٤
قد	رَابَهُ	″	١	٩٤
أَقْسَمْتُ	سَيَابَهُ	″	١	٦١
والخِنْطِئُ	والزَّغَابَ	″	١	٥٥ (٣:١٨٥أ ٩:١٤٧أ)
دَلِجَ	الجَبَاجِبُ	″	١	٢٨٨ (١٧:٢١٤أ)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
وتَجُرُّ	حَوَاشِبُ	كامل	١	٣٠٨ (١٨:١٥١أ)
وبنو	الحَلَائِبُ	″	١	٣١٩
يَنْزِعْنَ	المَذَاهِبُ	″	١	٣٨١
حتى	عَقَارِبُ	″	٢	١١٥
تَسْرِي	عَقَارِبُ	″	٢	١١٦
عَنَّتْ	الجَنَائِبُ	″	١٢	٣٧٣
سُودٍ	رَاهِبُ	″	١٣	٣٥٢
لَأْيِهِ	العَوَاقِبُ	″	١٧	٣٥٩
خَاطِ	النَّجَائِبُ	″	١٨	٢٥٥
وقَرِيتُ	صاحِبُ	″	٢٠	١٢
فَدَعِ	العِتَابُ	″	٢	٦٧
لِمَنْ (او أَمِنْ)	تَنْخَبُوا	هزج	١٤	١٧٨ (٢٠:٣٣٩أ)
له	بالرُّعْبِ	″	١	٣٤٥
وقد	سَهُبِ	″	١	٤٥٧
وقُصَرَى	الشُّعُبِ	″	١	٤٨٤ (٣:١٣٤أ ٩:٤٤٩ ٦:٤١٥أ)

صدر البيت	قافيته	بحره	مجلد	صفحة
حَدِيدُ	وَالقَلْبِ	هزج	٢	٨٣
رَذَايَا	القَضْبِ	″	٢	١٧٣
رَفَعْنَا	لَحْبِ	″	٢	٢٣٤ (١٥٣:١٤)
طويلُ	الكَلْبِ	″	٣	٣٦٧
مِنْ	رَحْبِ	″	٨	١٧٣
تَرَى	الجَدْبِ	″	١٢	٧٥ (٢٢٠:١٨)
وهِنْدٌ	غُلْبِ	″	١٥	٣٣٧
ومَتْنَانِ	الهَضْبِ	″	١٨	٢٥٥
إلَى	قَلْبِي	″	١٩	١٨٢
بِدَمْعٍ	هَيْدَبْ	″	٢	٢٧٩ (٢٥٠:٥)
أحَدْنَ (أوأجَدْنَ)	السَّهْبْ	رجز	٢	٢٦٢ (٨٠:٤)
عَلَّقَ (أوعَلِقَ)	مُكْبٌ	″	٥	٢٩٣ (٨١:٧ ١٤١:١٢)
قدحَلَفَتْ	أُحِبُّهُ	″	١	٤٢٩ (٤٥٢:١٨)
قَرَّبَهَا	تُقَرِّبُ	رجز	١	٢٩٢ (٢٦٠:١٢ ٣٢٠:١٧)
وإبائي	الأشْنَبُ	″	١	٤٣٢
شَرْجٌ	وزُنْقُبْ	″	١	٤٣٦ (١٧٤:٢٠)
كأنَّها	مِعْقَبُ	″	٢	١١١
كأنَّه	يَهْرُبُ	″	١١	١٦٠
قد	مَرْحَبُ	″	١٢	٣٤١
حَرَّقَها	أشْهَبُهُ	″	١	٣٤٠
ثُمَّ	رُعْبَبُهُ	″	١	٤٠٦ (٢١٢:٢)
كانَ	نُرْبَبُهُ	″	١	٤٣٣ (٢٤٠:١٦ ٢١:٢٠)
أسْقانِيَ	مَشْرَبُهُ	″	١	٤٣٧
أشَمَّ	شُعَبُهُ	″	١	٤٨١
لَوْلا	لَبَبُهُ	″	٢	١٧٨
كأنَّ	نَجْنُبُهُ	″	٢	٢٢١
ظَلَّ	نَحْجُبُهُ	″	٣	٥٠

صدر البیت قافیته	بحر	مجلد	صفحة
یاعَجَبًا عَجَبُهُ	بحر ۱۶		۲۸
جاءَتْ ظَبَاظِبُ	″	۲	۵۷ (۱۱۷)
تاللهِ صاحِبُهُ	″	۱۶	۷۶
قَدْ قُلْتُ العُقابُ	″	۱	۳۱۷ (۱۹۲:۱۶)
لایُقْنِعُ الخِضابُ	″	۱	۴۱۸ (۳۶۵:۴)
بُطونُهُمُ الحِبابُ	″	۹	۲۱۶
وَهُوَ عُقابُهُ	″	۱	۲۹۳ (۳۱۳:۱۹ ۱۵:۲۰ ۳۳۸)
خَلِيلُ شَمَابُهُ	″	۱	۳۹۲
قَدْ اضْطِرَابُهَا	″	۲	۱۵۷
صِيدٍ رِقابُهَا	″	۳	۴۵۳
لها ذَنُوبُ	″	۱	۳۷۸
إِنِّي الكَذُوبُ	″	۲	۲۰۳
أتاك نِيبُ	″	۳	۱۵۲
أَفْلِحْ الأَرِيبُ	″	۳ (؟)	۳۸۱
لَيْلَى كَثِيبُ	″	۴	۳۶۹
السَّجْلُ والذَّنُوبُ	″	۱۳	۳۴۶ (۵۰:۱۹)
لَمْ تَرَوَ قَلِيبُهَا	بحر	۱	۲۸۹
بِشَمَمَى الوَثْبِ	″	۱	۲۰۱ (۱۳۳:۳ ۴۳:۱۹)
كَأَنَّ أُوبِ	″	۱	۲۱۴
ونَحْنُ شِعْبِ	″	۱	۲۲۸ (۲۷۵:۱۲)
حَتَّى رَبِّي	″	۱	۲۴۱
يَعْصِبُ عَصْبِ	″	۱	۲۴۴ (۹۸:۲)
إِنِّي أَحْرَبِنِي	″	۱	۲۹۸
وقَدْ الحِضْبِ	″	۱	۳۱۱
كأَنَّ الأَذَبِّ	″	۱	۳۷۰
تَنْصَحُ صَبِّ	″	۲	۳
أَشْلَيْتُ قَعْبِي	″	۲	۱۵۰ (۱۷۴:۱۹)
يا إِبِلَ تأْتَبِّي	″	۲	۱۹۱
لا بأَزَبِّ	″	۲	۳۰۰ (۳۵۵:۹ او زَرَبِّ)